مکمل و مدلل

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

جلد ۴

بقیہ کتاب الصلوٰۃ

افادات — مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ

— ترتیب تقدیم وتحشیہ —

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب

— ملاحظہ —

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

— ترتیب جدید وتحشیہ —

حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری

— حسب ہدایت —

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند

ناشر مکتبہ دارالعلوم دیوبند

افادات

مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

مفتی اوّل دارالعلوم دیوبند (ولادت: سنہ ۱۲۷۵ھ وفات: سنہ ۱۳۴۷ھ)

ترتیب قدیم و تعلیق

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ

سابق مفتی دارالعلوم دیوبند

فتاوی دارالعلوم دیوبند

ملاحظہ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

ترتیب جدید وتعلیق

مفتی محمد امین صاحب پالن پوری

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

فتاوی دارالعلوم دیوبند

مکمل و مدلل

فتاویٰ دار العلوم دیوبند

جلد چہارم

بقیۃ کتاب الصّلاۃ

افادات

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی قدس سرہ

ترتیب قدیم و تعلیق

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب رحمہ اللہ

ملاحظہ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

ترتیب جدید و تعلیق

مفتی محمد امین صاحب پالن پوری

حسب ہدایت

حضرت مولانا مفتی ابو القاسم صاحب نعمانی مہتمم دار العلوم دیوبند

ناشر: مکتبہ دار العلوم دیوبند

نام کتاب : مکمل ومدلّل فتاویٰ دارالعلوم دیوبند [جلد: چہارم]
مسائل : بقية كتاب الصّلاة
افادات : مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ
مفتی اوّل دارالعلوم دیوبند (ولادت: سنہ ۱۲۷۵ھ وفات: سنہ ۱۳۴۷ھ)
ترتیب قدیم : مفتی محمد ظفیرالدین صاحبؒ، سابق مفتی دارالعلوم دیوبند
ناظم اعلیٰ : حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب، رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند
ملاحظہ : حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وصدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند
معاون خصوصی : حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی، نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
ترتیب جدید : مفتی محمد امین صاحب پالن پوری، استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند
ناظم تجمیع وکوڈنگ فتاوی: مولانا عبدالسلام قاسمی صاحب ناظم شعبۂ کمپیوٹر دارالعلوم دیوبند
سن اشاعت : شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ مطابق اپریل ۲۰۱۹ء
تعداد صفحات : ۵۹۶ —— تعداد فتاوی : ۹۲۸
ناشر : مکتبہ دارالعلوم دیوبند، یوپی، انڈیا ۲۴۷۵۵۴
مطبوعہ : ایچ، ایس، پرنٹرس، سی: 29، سیکٹر، اے-7، پارٹ-1، ٹرونیکا، سٹی، (یوپی)

بقیة کتاب الصّلاۃ

مفسداتِ نماز کا بیان

قراءت کی لغزشوں کا بیان

مکروہات نماز کا بیان

احکامِ مساجد

نمازِ وتر کے احکام

قنوتِ نازلہ کا بیان

سنن مؤکدہ کا بیان

سنن غیر مؤکدہ کا بیان

نمازِ تراویح کے احکام

نمازِ تہجد کا بیان

صلاۃ التسبیح کا بیان

جماعت میں شامل ہونے کا بیان

فوت شدہ نمازیں قضا کرنے کا بیان

کفارۂ نماز کا بیان

سجدۂ سہو کے احکام

سجدۂ تلاوت کے احکام

بیمار اور معذور کے احکام

مسافر کی نماز کا بیان

آگاہی

اس جلد میں جن کتابوں کے حوالے بار بار آئے ہیں وہ درج ذیل کتب خانوں کی مطبوعات ہیں

اسمائے کتب	مطبوعہ
صحاح ستہ	مکتبہ بلال دیوبند
موطین	مکتبہ بلال دیوبند
شرح معانی الآثار	مکتبہ بلال دیوبند
مشکوٰۃ شریف	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
ہدایہ	الامین کتابستان دیوبند
فتاویٰ شامی	دارالکتاب دیوبند
فتاویٰ ہندیہ	دارالکتاب دیوبند
بدائع الصنائع	دارالکتاب دیوبند
شرح وقایہ	دارالکتاب دیوبند
حلبی کبیری	دارالکتاب دیوبند
طحطاوی علی مراقی الفلاح	دارالکتاب دیوبند
البحر الرائق	زکریا بک ڈپو دیوبند
قواعد الفقہ	اشرفی بک ڈپو دیوبند
مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح	مکتبہ امدادیہ، ملتان، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

از: حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم دیوبند

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ، أمّا بعد :

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر فرمودہ ''مکمل ومدلل فتاوی دارالعلوم دیوبند'' مرتبہ حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ (از: کتاب الطّهارة – تا – کتاب اللّقطة، جلد أوّل تا دوازدھم) کی ترتیب جدید کا کام ۱۴۳۵ھ میں شروع ہوا تھا، ربیع الاوّل ۱۴۳۹ھ تک اس کی تین جلدیں طبع ہوکر منظر عام پر آچکی تھیں، جو کتاب الطہارت اور کتاب الصلاۃ کے مسائل پر مشتمل ہیں۔

ترتیب جدید میں کن امور کو پیش نظر رکھا گیا ہے ان کی تفصیل حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری کے مقدمہ اور راقم کے ابتدائیہ میں گذشتہ جلدوں میں ذکر کی جاچکی ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ترتیب جدید کا عمل صرف قدیم مطبوعہ فتاوی کو ازسرنو مرتب کرنے کا عمل نہیں ہے، بلکہ ایک طویل الذیل اور محنت طلب کام ہے، غالبًا یہی وجہ ہے کہ چوتھی جلد کی تکمیل میں ڈیڑھ سال سے زائد وقت صرف ہوگیا۔

بہرحال ! اب سارے مراحل سے گذرنے کے بعد فتاوی دارالعلوم دیوبند بہ ترتیب جدید کی چوتھی جلد طباعت کے لیے تیار ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ بقیہ جلدوں کی ترتیب وطباعت میں درمیانی وقفہ کو مختصر کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور عافیت وسہولت کے ساتھ اس کے پایہ تکمیل تک پہنچنے کی سبیل پیدا فرماوے۔ آمین

ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ
(مہتمم دارالعلوم دیوبند)
۲/شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ
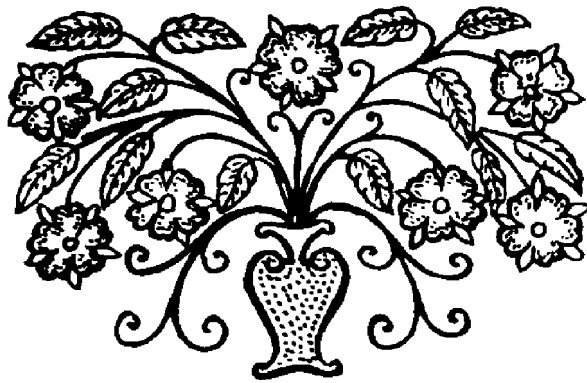
بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ ترتیب جدید

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى .

مکمل و مدلّل فتاوی دارالعلوم دیوبند کی سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد کو بھی احقر نے مفتی مصطفیٰ امین پالن پوری، مفتی محمد حبان بیگ علی گڑھی اور مولانا امیر اللہ مشتاق مئوی صاحبان کے تعاون سے مرتب کیا ہے، ہم نے ترتیب قدیم پر جو اضافے اور کام کیے ہیں اُن کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) سب سے پہلے مفتی مصطفیٰ امین پالن پوری اور مفتی محمد حبان بیگ علی گڑھی صاحبان نے تمام سوالات و جوابات کی اصل رجسٹر نقول فتاوی سے ملا کر تصحیح کی ہے، پھر تمام سوالات و جوابات کو مطبوعہ فتاوی سے ملایا ہے، جہاں فرق ہے اُس کو حاشیہ میں واضح کیا ہے۔

(۲) ہر جواب کے اخیر میں مطبوعہ فتاوی کا حوالہ جلد اور صفحہ کے ساتھ درج کیا ہے، تاکہ جو کوئی مطبوعہ فتاوی میں اس مسئلہ کو تلاش کرنا چاہے اس کو دشواری پیش نہ آئے، جیسا کہ ہر سوال کے اخیر میں نمبر سلسلہ اور سنہ درج کیا ہے تاکہ وقت ضرورت کام آئے، ان دونوں باتوں کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

(۳) کتاب کو عام فہم بنانے کے لیے جو فتاوی فارسی یا عربی میں تھے اُن کے سلیس اردو میں ترجمے کیے ہیں، صرف خلاصہ پر اکتفاء نہیں کیا۔

(۴) جو جوابات عام لوگوں کے لیے قابل فہم نہیں تھے ان کی حاشیہ کے بجائے جواب کے بعد 'وضاحت' کی ہے۔

(۵) جو جوابات فقہاء کی تصریحات کے خلاف تھے، ان کی نشاندہی کی ہے۔

(۶) ترتیبِ قدیم میں بعض مقامات پر پہلے چند سوالات مع عناوین پھر ان کے جوابات تھے، ترتیبِ جدید میں ہم نے ہر سوال کے بعد اس کے جواب کو رکھا ہے، تاکہ ناظرین کرام کو ہر سوال کا جواب تلاش کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

(۷) ایک ہی طرح کے مسائل جو ترتیب قدیم میں بکھرے ہوئے تھے ان کو ترتیب جدید میں یکجا کیا ہے، اور ایک ہی عنوان کے تحت رکھا ہے، یا مختلف عنوان قائم کرکے یکے بعد دیگرے رکھا ہے، اور ایک ہی طرح کے مسائل کے جوابات میں جہاں بظاہر تعارض تھا اس کی توجیہ کی ہے۔

(۸) اکثر عناوین کو بدلا ہے، کچھ عناوین کو بعینہٖ باقی رکھا ہے، اور بعض عناوین کو حذف کیا ہے۔

(۹) غیر مکرر حواشی کو باقی رکھا ہے، البتہ کچھ حواشی حذف کیے ہیں، کچھ کو بدلا ہے اور کچھ کا اضافہ کیا ہے، اور امتیاز کے لیے قدیم حواشی کے اخیر میں ''ظفیر'' ہے، اس کو باقی رکھا ہے۔

(۱۰) حضرت اقدس مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ کے جملہ عربی حوالوں اور عبارتوں کو نیز حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب کے تمام حواشی کو اصل مراجع سے ملا کر تصحیح کی ہے اور نئے ایڈیشنوں کے صفحات وابواب وغیرہ درج کیے ہیں۔

(۱۱) سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد کو بھی حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم العالیہ نے از اوّل تا آخر ملاحظہ فرمایا ہے اور جو خامیاں تھیں ان کی اصلاح فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند کو سلامت رکھے اور اربابِ شوری واہتمام کے سایہ کو تادیر باقی رکھیں جن کے حکم عالی سے یہ علمی کام انجام پا رہا ہے، اور ہمیں ترتیبِ جدید کو جلد از جلد مکمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

محمد امین پالن پوری
مرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند
۲۸/ رجب المرجب ۱۴۴۰ھ
مطابق ۵/ اپریل ۲۰۱۹ء جمعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مفسداتِ نماز کا بیان

امام ایسے شخص کا لقمہ قبول کرے جو جماعت میں شریک نہیں تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۲۸۷) عصر کے وقت ایک اُمّی (۱) شخص نماز پڑھا رہا تھا، امام نے جہر سے قراءت پڑھی، ایک شخص خارج از صلاۃ نے چلا کر کہا کہ دھیرے دھیرے پڑھو، عصر کے وقت زور سے نہیں پڑھا کرتے یہ سن کر امام نے آہستہ پڑھ کر نماز ختم کی نماز ہوئی یا نہیں؟ (۵۲۲/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: خارج از صلاۃ کو بتلانا نہ چاہیے تھا، لیکن اگر امام نے اس کے کہنے کے بعد کچھ توقف سے آہستہ پڑھنا شروع کیا تو نماز صحیح ہے، اور اگر فوراً اس کے کہنے سے آہستہ پڑھنا شروع کیا تو نماز صحیح نہ ہوگی، اس کا اعادہ کرنا چاہیے۔ درمختار میں ہے: **حتّی لو امتثل أمر غیره ، فقیل له: تقدّم فتقدّم أو دخل فرجة الصّف أحدٌ فوسّع له فسدت ، بل یمکث ساعةً ثم یتقدّم برأیه إلخ** (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۳)

---

(۱) یہاں اُمّی سے مراد کم پڑھا لکھا آدمی ہے۔

(۲) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۳۲۸-۳۲۹، باب ما یفسد الصّلاة وما یکره فیها .**

پورا گھٹنا کھلا ہوا ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۱۲۸۸) گھٹنا اس حصۂ جسم میں شامل ہے یا نہیں جس کا چھپانا لازم ہے؟ اور کیا ایسے لباس سے یا ایسی حالت میں کہ پورا گھٹنا کھلا ہوا ہو نماز ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ (۶۹۵/۱۳۳۸ھ)

الجواب: صحیح یہ ہے کہ رکبہ یعنی گھٹنا عورت (ستر) میں داخل ہے، اس کا چھپانا ضروری ہے۔ شامی میں ہے: **فالرّکبة من العورة لرواية الدّار قطني ما تحت السّرّة إلی الرّکبة من العورة إلخ ولحديث علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّی الله عليه وسلّم: الرّکبة من العورة** [1] لیکن اس میں اختلاف ہے کہ گھٹنا مع ران کے ایک عضو ہے یا یہ دونوں علیحدہ علیحدہ دو عضو ہیں، پس روایتِ اُولیٰ کی بناء پر صرف گھٹنے کا نماز میں کھلنا مفسد صلاۃ نہیں ہے؛ کیونکہ صرف گھٹنا چوتھائی حصہ ران کا نہیں ہے، اور مفسدِ صلاۃ کشفِ رُبع ہے [2] اور دوسری روایت کے موافق گھٹنے کا چوتھائی حصہ نماز میں کھل جانا بھی مفسدِ صلاۃ ہے، پس تمام گھٹنے کا کھلنا بہ درجہ اَولی مفسد ہے، شرح منیہ میں خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ مختار روایتِ اُولی ہے یعنی عدمِ فسادِ صلاۃ [3] مگر ظاہر ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ گھٹنا نماز وغیرہ میں نہ کھولا جاوے، اور چونکہ یہ راجح ہے کہ گھٹنا عورت ہے، اس لیے کھولنا گھٹنے کا کسی حال میں درست نہیں ہے، اختلاف جو کچھ ہے وہ فساد و عدمِ فسادِ صلاۃ میں ہے (اگر نماز میں ستر کھل جائے، اور فوراً اسے چھپالے، تاخیر نہ ہو، تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ **وإن انكشف عضو**

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۷۰، کتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة، مطلب ستر العورة.

(۲) ويمنع إلخ كشف ربع عضو قدر أداء رکن بلا صنعه من عورة غليظة أو خفيفة علی المعتمد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۷۴-۷۵، کتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة، مطلب في النّظر إلی وجه الأمرد) ظفیرؒ

(۳) وكذا اختلفوا أيضًا في الرّكبة مع الفخذ هل كلّ منهما عضو علی حدة أو هما عضو واحد؟ فقال بعضهم: كلّ منهما عضو علی حدة وعلی هٰذا لو انكشف القدر المانع كالرّبع من الرّكبة وحدها لا تجوز الصّلاة إلخ، وقال بعضهم: الرّكبة مع الفخذ كلاهما عضو واحد وفي الخلاصة هو المختار، وفي شرح الهداية لابن الهمام: والأصحّ أنّ الرّكبة تبع للفخذ لأنّها لمتقی العظمين لا عضو مستقلّ، انتهی. (غنية المستملي، ص:۱۸۶، ستر العورة) ظفیرؒ

وهوعورة في الصّلاة فستر من غير لبث لا يضرّه ذلك الانكشاف ، ولا يفسد صلاته لأن الانكشاف الكثير في الزّمان القليل عفو كالانكشاف القليل في الزّمن الكثير غنية المستملي، ص:۱۸۹، ستر العورة. ظفير)(۴/۳۳-۳۵)

نماز میں قہقہہ سے وضواور نماز دونوں فاسد ہوجاتے ہیں

سوال: (۱۲۸۹) نماز میں قہقہہ کرنا وضواور نماز دونوں کو فاسد کر دیتا ہے، یا صرف نماز کو؟

(۱۱۴۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نماز میں قہقہہ کرنے سے وضواور نماز دونوں فاسد ہوجاتے ہیں۔ كما في الدّر المختار : وقهقهة بالغ يقظان يصلّي بطهارة صغرى مستقلّة صلاةً كاملةً ولو عند السّلام عمدًا انتهى ملخّصًا[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۵)

سجدے میں دونوں پاؤں اٹھ جائیں تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۲۹۰) بعض اردو کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر سجدہ میں دونوں پاؤں اٹھ جائیں تو نماز نہ ہوگی، کم از کم ایک انگلی پاؤں کی زمین پر ٹکی رہے؟ (۱۳۹۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: یہ مسئلہ قدمین کے اٹھنے کا درمختار وشامی میں بھی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بالکل تمام سجدے میں دونوں قدم اٹھے رہیں تو سجدہ نہ ہوگا، اور جب سجدہ نہ ہوا تو نماز نہ ہوگی، کم از کم ایک انگشت کسی وقت سجدے میں زمین پر ٹھہر جائے، یہ نہیں کہ اگر قدمین زمین سے اٹھ گئے، اور پھر رکھ لیے تو اس میں بھی نماز نہ ہوگی[2] بلکہ مطلب یہ ہے کہ بالکل اٹھے رہے

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۱/ ۲۴۷-۲۴۸، كتاب الطّهارة ، مطلب: نوم الأنبياء غير ناقض .

(۲) یعنی دونوں پیر زمین سے اٹھ گئے پھر رکھ لیے تو نماز ہوجائے گی، لیکن دونوں پیروں کو ایک ساتھ زمین سے اٹھا لینے سے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ محمد امین پالن پوری

تو نماز نہ ہوگی [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۵)

سجدے میں جاتے وقت پیروں کو آگے پیچھے کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۲۹۱) سجدے میں جاتے وقت دونوں پیروں کا زمین سے اونچا ہونا یا آگے پیچھے سرکانا کیسا ہے؟ اس سے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ (۲۸۴۹/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس میں بھی نماز صحیح ہے، مگر حتی الوسع اس میں ایسا قصداً نہ کیا جاوے [۱] فقط (۴/ ۱۰۸)

پاؤں ہلنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال: (۱۲۹۲) نماز میں قیام کی جگہ سے دونوں پاؤں ہل جانے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ (۱۸۹/ ۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۵۳)

نماز میں پیر کے انگوٹھے کا ہل جانا مفسدِ صلاۃ نہیں

سوال: (۱۲۹۳) زید کے داہنے پیر کا انگوٹھا نماز میں ہل گیا تو یہ مفسدِ صلاۃ ہے یا نہیں؟ (۱۲۲۸/ ۱۳۴۱ھ)

---

(۱) ومنها السّجود بجبهته وقدميه ووضع أصبع واحدة منهما شرط (الدّرّ المختار) وأفاد أنّه لو لم يضع شيئًا من القدمين لم يصحّ السّجود. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۱۱۹-۱۲۰، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، بحث الرّكوع والسّجود)

ويكفيه وضع أصبع واحدة، فلولم يضع الأصابع أصلاً ووضع ظهر القدم فإنّه لايجوز. (البحر الرّائق: ۱/ ۵۵۶، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة) ظفیرؒ

(۲) وأنّ من لوازمه (أي الخشوع) ظهورَ الذّلّ وغضَ الطّرف وخفضَ الصّوت وسكونَ الأطراف. (ردّ المحتار: ۲/ ۳۵۱، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب في الخشوع) ظفیرؒ

الجواب: نماز میں انگوٹھے کا حرکت کرنا اور ہل جانا مفسدِ صلاۃ نہیں ہے[۱] (۴۹/۴)

پاؤں کے ہٹانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال: (۱۲۹۴) نمازی شروع نماز میں جس جگہ کھڑا ہو حالت نماز میں ایک دفعہ یا چند مرتبہ عمداً یا سہواً داہنا پیر اگر اس جگہ سے ہٹ جائے تو اس سے نماز میں کچھ کراہت ہوتی ہے اور کچھ فساد ہوتا ہے یا نہیں؟ (۲۱۴۳/۱۳۳۶ھ)

الجواب: داہنے یا بائیں پیر کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا نہ مفسدِ صلاۃ ہے اور نہ مکروہ، البتہ قصداً بلا ضرورت پیر کو آگے پیچھے کرنا مکروہ تنزیہی ہے، یعنی خلاف اولیٰ ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۹/۴)

دورانِ نماز بات کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے

سوال: (۱۲۹۵) بعد تکبیر تحریمہ کے امام کسی مقتدی کے جواب میں یہ کہے کہ یہ گھڑی صبح سے نہیں بجتی اب بھی نہیں بجے گی، اس سے نماز میں تو کچھ نقصان نہیں آتا؟ یا پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے؟ (۱۳۴۲/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس کلام سے نماز فاسد ہو جاتی ہے[۳] پھر نماز شروع کرنی چاہیے، اور تکبیر تحریمہ پھر کہنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶/۴)

---

(۱) وإن حرّك رِجلاً واحدةً لا على الدّوام لا تَفسدُ صلاتُهُ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۰۳، كتاب الصّلاة، الباب السّابع فيما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، الفصل الأوّل فيما يفسدها، النّوع الثّاني في الأفعال المفسدة للصّلاة) ظفیر

(۲) وأنّ من لوازمِه (أي الخشوع) ظهورَ الذّلّ وغضَ الطّرف وخفضَ الصّوت وسكونَ الأطراف. (ردّ المحتار: ۲/۳۵۱، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في الخشوع) ظفیرؒ

(۳) يفسدها التّكلّم هو النّطق بحرفين أو حرف مفهم. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۱۹، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها) ظفیرؒ

نابینا شخص کا امام سے پہلے رکوع کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۲۹۶) ایک مقتدی اعمیٰ (اندھا) ہے، جب امام قیام میں ہے وہ رکوع کرتا رہا، اور جب امام رکوع سے فارغ ہو کر سجدہ کی طرف جانے لگا تو مقتدی قومہ کرتے ہوئے شریک فی السجدہ ہو گیا تو اس مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں؟ (۲۱۰۶/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: شامی باب ما یفسد الصّلاة إلخ میں ہے: **ولو ركع وسجد بعدهٗ صحّ وكذا لو قبله وأدركه الإمام فيهما لكنّه يكره إلخ** [۱] اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں نماز اس کی فاسد نہ ہوگی، اور عمداً ایسا کرنا مکروہ ہے، لیکن اعمیٰ معذور ہے، لہٰذا معصیت سے دور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۶)

نماز میں وسوسوں کے آنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال: (۱۲۹۷) جو لوگ نماز میں بہ ظاہر مصروف ہوں اور خیالات پریشان ان کو بازاروں میں اور عدالتوں میں لے جاتے ہوں، اور کل بھولی باتیں ان کو نماز میں یاد پڑتی ہوں؛ تو یہ نماز باطل ہے یا نہیں؟ (۱۰۰/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: نماز فاسد و باطل نہیں ہے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۷)

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/ ۳۳۸، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في المشي في الصّلاة.

(۲) عن عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه قال: قلت: يا رسول الله! إنّ الشّيطان قد حال بيني و بين صلاتي و بين قراءتي يلبسها عليّ، فقال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: ذاك شيطان يقال له خِنْزَب، فإذا احسستَه، فتعوّذ بالله منه، واتْفُلْ علىٰ يسارك ثلاثًا، ففعلتُ ذلك، فاذهبه اللّٰهُ عنّي، رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، ص:۱۹، كتاب الإيمان، باب في الوسوسة، الفصل الثّالث)

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: إنّ الله تجاوز عن أمّتي ما وسوست به صدورُها ما لم تعمل به أوتتكلّم، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح، ص:۱۸، كتاب الإيمان، باب في الوسوسة، الفصل الأوّل) ظفیرؒ

دُنیوی خیالات سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال: (۱۲۹۸) نماز میں دُنیوی خیالات اور وساوس کے پیدا ہونے سے نماز درست ہوتی ہے یا نہ؟ (۱۲۸/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: نماز میں خیالات آجانے سے نماز میں فساد نہیں ہوتا، حتی الوسع وسوسوں اور خیالات کو دفع کریں[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۵۵-۵۶)

جو شخص عشاء کی نماز پڑھ کر سو گیا اور صبح کو کپڑے پر منی کا دھبہ پایا تو عشاء کی نماز لوٹائے یا نہیں؟

سوال: (۱۲۹۹) بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ جو شخص نماز عشاء ادا کر کے سو جائے، اور بعد طلوع آفتاب بیدار ہوکر ازار پر دھبہ منی کا دیکھے، اس کو عشاء کی نماز لوٹانا چاہیے؛ یہ صحیح ہے یا نہیں؟

(۵۰۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: جو شخص عشاء کی نماز پڑھ کر سویا، اور صبح کو جس وقت اٹھا تو اس نے اپنے کپڑے پر منی کا دھبہ پایا تو عشاء کی نماز لوٹانے کا اس کے لیے حکم نہیں ہے، اور کتاب مذکور میں ہرگز ایسا نہ ہوگا سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے مکرر اس کو غور سے دیکھا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۷-۳۸)

وضاحت: بہشتی زیور کا مسئلہ سمجھنے میں سائل سے غلطی ہوئی ہے؛ بہشتی زیور کا مسئلہ عام نہیں ہے، اس میں ایک خاص صورت کا حکم بیان کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے: ''اگر کوئی نابالغ لڑکا عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے، اور بعد طلوع فجر کے بیدار ہوکر منی کا اثر دیکھے جس سے معلوم ہو کہ اس کو احتلام ہو گیا ہے تو بہ قولِ راجح اس کو چاہیے کہ عشاء کی نماز کا پھر اعادہ کرے، اور اگر قبل طلوع فجر بیدار ہوکر منی کا اثر دیکھے تو بالاتفاق عشاء کی نماز قضا پڑھے''۔ (اختری بہشتی زیور، حصہ: ۱۱، ص: ۶۹، مسئلہ: ۲، عنوان: نماز قضا ہوجانے کے مسائل)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲۔

بہشتی زیور کا مذکورہ مسئلہ صحیح ہے، درمختار اور شامی کی اس عبارت سے ماخوذ ہے: صبي احتلم بعد صلاة العشاء واستيقظ بعد الفجر لزمه قضاؤها. اور شامی میں ہے: قوله: (لزمه قضاؤها)لأنّها وقعت نافلةً ، ولَمّا احتلم في وقتها صارت فرضًا عليه ، لأنّ النّوم لايمنع الخطاب فليزمه قضاؤها في المختار، ولِذا لو استيقظ قبل الفجر لزمه إعادتها إجماعًا إلخ. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲/ ۴۶۹، كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب: إذا أسلم المرتدّ هل تعود حسناته أم لا ؟ قبيل باب سجود السّهو)

نیز تقریرات رافعی میں ہے: أمّا لو بلغ باحتلام وإنزال في نومه ولم يدر هل احتلم قبل الفجر أو بعده، فالمختار أنّ عليه قضاء العشاء ، لأنه يجعل كونه محتلمًا في أوّل نومه. (التّقريرات الرّافعي مع ردّ المحتار: ۲/ ۷۱-۷۲، قبيل باب سجود السّهو)

محمد امین پالن پوری

احتلام کے بعد کپڑا دھوکر امام نماز پڑھاتا رہا دو تین دن کے بعد کرتے پر منی کا دھبہ پایا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۳۰۰) امام کو احتلام ہوا کپڑا دھوکر نماز پڑھاتا رہا، دو تین دن کے بعد کرتا پر دھبہ مَنی کا پایا تو اب نمازوں کا اعادہ کرنا چاہیے یا نہیں، لیکن یہ معلوم نہیں کہ کس کس نے اس کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں؟ (۱۰۰۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: کتب فقہ میں اس صورت میں یہ لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے کپڑے پر مَنی پائی قدرِ درہم سے زیادہ تو آخری نوم کے بعد میں جو نماز اس نے اس کپڑے سے پڑھی ہے، اس کو لوٹا وے گا، مثلاً آج بعد نماز ظہر اس نے کپڑے پر مَنی دیکھی تو اگر دوپہر کو بھی سویا ہے تو اسی وقت سے کپڑا ناپاک سمجھا جاوے گا، اور اگر دوپہر کو نہیں سویا بلکہ رات کو سویا تھا تو اس وقت سے ناپاک سمجھا جاوے گا اور اس کے بعد سے جو نمازیں پڑھی ہیں وہ لوٹائی جائیں گی، اور بہ قدر امکان مقتدیوں کو بھی اطلاع کرنی چاہیے، جو جو یاد آتے جاویں ان کو خبر کردے۔ كما في الدّرّ المختار: كما يلزم الإمام

إخبارَ القوم إذا أمّهم وهو محدث أو جنب أو فاقدُ شرط أو ركن إلخ[1] فقط (۴/۴۵-۴۶)

وضاحت: یہ جواب سوال کے مطابق نہیں، سوال میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کپڑے پر منی کا دھبہ نیا نہیں پرانا ہے، یعنی کپڑا دھوتے وقت کچھ حصہ رہ گیا ہے، دو تین دن کے بعد اس کو دیکھا ہے، اور منی ہمارے نزدیک نجاست غلیظہ ہے[2] اور نجاستِ غلیظہ ایک درہم کے بہ قدر معاف ہے، اس لیے منی کا دھبہ ایک درہم یا ایک درہم سے کم ہے تو نمازیں ہوگئیں، لوٹانے کی ضرورت نہیں ——— اور منی کا دھبہ قدرِ درہم سے زیادہ ہے تو اس کپڑے میں جتنی نمازیں پڑھی ہیں، ان کو لوٹانا ضروری ہے، ہدایہ میں ہے: وقدر الدّرهم وما دونه من النّجس المغلّظ .... جازت الصّلاة معه وإن زاد لم تجز. (الهداية: ۱/۷۴، كتاب الطّهارات، باب الأنجاس وتطهيرها)

مقتدی کے کہنے سے حالتِ نماز میں امام آگے بڑھ جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۱۳۰۱) زید فجر کی نماز پڑھا رہا ہے، اور صرف ایک دوسرا شخص مقتدی ہے جو حسب قواعدِ شرعیہ زید سے بالکل داہنی جانب قریب ہے، دوسری رکعت کی قراءت ختم ہونے سے پہلے ایک اور مقتدی آیا، اور شاملِ جماعت ہونا چاہا، چونکہ پہلے مقتدی کو پیچھے ہٹنے کا موقع نہیں تھا، اس لیے مقتدی ثانی نے زید سے الفاظ میں کہا کہ آپ ایک قدم آگے بڑھ جائیے، چنانچہ زید نے ایک قدم بڑھ کر بہ دستور قراءت جاری رکھی اور نماز ختم کردی، زید کہتا ہے کہ سب کی نماز فاسد ہوگئی کیونکہ مقتدی کو بجائے کہنے کے اشارہ ہاتھ سے کرنا چاہیے تھا، اس لیے نماز کے اعادہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟ (۹۱۶/۱۳۳۹ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۹۳-۲۹۴، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب: المواضع الّتي تُفسد صلاةَ الإمام دونَ المؤتمّ.

(۲) ثمّ نجاسة المنيّ عندنا مغلّظة كذا في السّراج الوهّاج، معزيًّا إلى خزانة الفقيه أبي اللّيث. (البحر الرّائق: ۱/۳۹۰، كتاب الطّهارة، باب الأنجاس)

الجواب: اس صورت میں بعض فقہاء کا قول فسادِ نماز کا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ نماز ہوگئی، واقعی اس مقتدی کو اشارہ سے امام کو آگے بڑھنے کو کہنا چاہیے تھا؛ لیکن بہر حال نماز ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸/۴)

نماز کے وقت اگر ہاتھ چادر کے اندر رہوں تو نماز درست ہے

سوال: (۱۳۰۲) نماز کے وقت اگر ہاتھ کپڑے (چادر) کے اندر ہیں تو نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ (۹۱۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: نماز درست ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹/۴)

امام دو رکعت کے بعد تشہد بھول گیا، مگر مقتدی غلطی سے تشہد پڑھتے رہے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۳۰۳) امامِ مسجد نماز مغرب میں بعد دو رکعت کے تشہد بھول گیا، مگر مقتدی بھول کر

---

(۱) ثمّ نقل تصحيح عدم الفساد في مسئلة من جذب من الصّفّ فتأخّر (الدّرّ المختار) وعبارة المصنّف في المنح بعد أن ذكر: لو جذبه آخر فتأخّر ، الأصحّ لا تفسد صلاته ، وفي القنية: قيل: لمصلّ منفرد تقدم فتقدّم بأمره ، أو دخل رجل فرجة الصّفّ فتقدّم المصلّي حتّى وسع المكان عليه ؛ فسدت صلاته ، وينبغي أن يمكث ساعة ثمّ يتقدّم برائ نفسه، وعلّله في شرح القدوري بأنّه امتثال لغير أمر اللّٰه تعالىٰ ، أقول: ما تقدّم من تصحيح صلاة من تأخّر ربما يفيد تصحيح عدم الفساد في مسئلة القنية لأنّه مع تأخّره بجذبه ؛ لا تفسد صلاته . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة، مطلب في الكلام على الصّفّ الأوّل) ظفيرؔ

(۲) رفع يديه إلخ ماسّا بإبهاميه شحمتي أذنيه هو المراد بالمحاذاة (الدّرّ المختار) ووفّق بينها وبين روايات الرّفع إلى المنكبين بأنّ الثّاني إذا كانت اليدان في الثّياب للبرد كما قاله الطّحاوي إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۶۰، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب في حديث: الأذان جزم) ظفيرؔ

یا غلطی سے تشہد پڑھتے رہے، اور امام نے تیسری رکعت میں الحمد آہستہ پڑھ کر رکوع کیا، اور مقتدی امام کے اللہ اکبر کہنے پر کھڑے ہوئے، امام رکوع کی تسبیحات پوری کر کے سجدہ میں گیا، اور سب مقتدی تابع ہوگئے، اس صورت میں امام کی نماز پوری ہوئی مگر مقتدیوں نے غلطی سے تیسری رکعت میں امام کا اقتداء نہیں کیا، بلکہ بعض رکوع میں بھی شامل نہ ہوسکے، مقتدیوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟

(۱۲۶۳/۱۳۳۹ھ)

الجواب: جن مقتدیوں نے رکوع نہیں کیا ان کی نماز نہیں ہوئی، اور جن مقتدیوں نے کھڑے ہوکر رکوع کرلیا خواہ کھڑے ہوکر امام کے رکوع میں شامل ہوگئے یا بعد میں رکوع کرلیا ان کی نماز ہوگئی[۱] امام کے ذمے بہ وجہ ترک قعدہ اولیٰ کے سجدۂ سہو لازم ہے[۲] فقط واللہ اعلم (۴/۴۰-۴۱)

نماز میں ہُوں ہُوں کر کے چیخ مارنے سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۳۰۴) ایک جماعت اُمیوں کی کسی پیر سے تعلیم پا کر نماز جہری میں قراءت سن کر، اور کبھی سری میں بھی ہوں ہوں کر کے چیخ مارتے ہیں، اس سے نماز ان کی فاسد ہوگی یا نہیں؟ اور یہ اُہ اور اُف نہیں بلکہ محض چیخ ہے؟ (۱۴۴۵/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: والأنين هو قوله: ”أه“ بالقصر، والتّأوه هو قوله: ”آه“ بالمدّ،

---

(۱) نعم تكون المتابعة فرضًا بمعنى أن يأتي بالفرض مع إمامه أو بعده كما لو ركع إمامه فركع معه مقارنًا أو معاقبًا، وشاركه فيه أو بعد ما رفع منه، فلو لم يركع أصلاً إلخ بطلت صلاته. (ردّ المحتار: ۲/۱۴۷، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام) ظفیرؔ

(۲) ولها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوبًا إلخ، إن لم يسجد له (أي للسّهو إلخ، الشّامي) وهي .... قراءة فاتحة الكتاب إلخ والقعود الأوّل. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۲۹-۱۴۰، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب واجب الصّلاة)

سها عن القعود الأوّل من الفرض إلخ، ثمّ تذكّره عاد إليه إلخ، ما لم يستقم إلخ، وإلّا أي وإن استقام قائمًا لا يعود لاشتغاله بفرض القيام، وسجد للسّهو لترك الواجب.
(الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۷۸-۴۷۹، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو) ظفیرؔ

والتّافیف أف أو تف ، والبکاء بصوت یحصل به حروف لوجع أومصیبة إلخ ، لا لذِکر جنّة أو نار، فلو أعجبته قراء ة الإمام فجعل یبکي ویقول: بلی أونعم ، أوآرِی لا تفسد ، سراجیة ، لدلالته علی الخشوع إلخ. اورشامی میں ہے: قوله: (لدلالته علی الخشوع) أفاد أنّه لو کان استلذاذًا بحسن النّغمة یکون مفسدًا إلخ (۱) پس معلوم ہوا کہ نماز میں اس طرح چیخ اور پکار کرنا اور ہوں ہوں کرنا اگر جنت ودوزخ کے ذکر سے نہیں ہے تو مفسدِ صلاۃ ہے، لہٰذا جہلاء کو اس سے بہ تشدّد روکنا چاہیے کہ وہ اپنی نماز بھی فاسد کرتے ہیں اور دوسرے نمازیوں کی نماز میں بھی خلل ڈالتے ہیں۔ کما جرّبناہ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۱)

حسن صوت کے لیے کھنکھارنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال: (۱۳۰۵) اگر فرض نماز میں امام صاحب بلا عذر تنحنح کریں (کھنکھاریں) جو محض حسن صوت کے لیے ہو، اور جس کی تعداد تین مرتبہ تک پہنچ گئی ہو تو اس تنحنح کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟ (۱۵۱۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قال في الدّرّ المختار: والتّنحنحُ ...... بلا عذر إلخ فلو لتحسین صوتِهٖ إلخ فلا فساد علی الصّحیح إلخ (۲) اس سے معلوم ہوا کہ حسنِ صوت کے لیے تنحنح کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اگرچہ تین بار یا کم وبیش ہو۔ لإطلاق الرّاویة. فقط (۴/۶۵)

نماز میں ناک سے آواز نکالنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۳۰۶) ایک شخص کو زکام ہے، وہ اگر مخارجِ حروف صحیح نکالنے کی وجہ سے سوسو کرتا، یعنی ناک میں سے اوپر کی طرف دَم کھینچ کر ناک کو درست کر لیتا ہے؛ جائز ہے یا نہیں؟

(۱۶۱۵/۱۳۳۹ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۲۵-۳۲۶، کتاب الصّلاة ، باب ما یفسد الصّلاة وما یکره فیها ، مطلب: المواضع الّتي لا یجب فیها ردُّ السّلام .

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۲۵، کتاب الصّلاة ، باب ما یفسد الصّلاة وما یکره فیها ، مطلب: المواضع الّتي لا یجب فیها ردُّ السّلام .

الجواب: نماز میں ایسی آواز نکالنا نہ چاہیے، با ایں ہمہ اگر نکالی گئی بہ ضرورت تصحیحِ مخارجِ حروف تو نماز صحیح ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۱۳-۱۱۴)

حالتِ نماز میں تالیاں بجانے، کودنے اور رقص کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے

سوال: (۱۳۰۷) بعض لوگ نماز میں شور وغل مچایا کرتے ہیں، یعنی تالیاں بجانا، ہا ہو آواز کرنا، کودنا، رقص کرنا؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟ بعض ان کے معتقد مولوی کہتے ہیں کہ درمختار وغیرہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ شوق جنت وخوف نار سے رونا مفسدِ صلاۃ نہیں ہے یہ صحیح ہے یا نہ؟

(۹۲۱/۱۳۴۲ھ)

الجواب: یہ امور مفسدِ صلاۃ ہیں، اور کتب فقہ میں خوفِ دوزخ وشوقِ جنت میں رونے کو بے شک جائز لکھا ہے، مگر تالیاں بجانا اور رقص کرنا کسی نے جائز نہیں لکھا، بالخصوص نماز میں ایسی حرکات بہ اتفاق مفسدِ صلاۃ ہیں۔ وتفصیله في كتب الفقه[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۵۱)

---

(۱) والتَّنحنحُ بحرفينِ بلا عذرٍ أمّا به بأن نَشَأَ من طبعِهِ فلا ، أو بلا غَرَضٍ صحيحٍ فلو لتحسينِ صوتِهِ إلخ فلا فساد على الصّحيح (الدّرّ المختار) لأنّه يفعله لإصلاح القراءة فيكون من القراءة معنًى. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۲۵، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة و مايكره فيها ، مطلب: المواضع الّتي لا يجب فيها ردُّ السّلام) ظفیرؔ

(۲) والتَّنَحْنُحُ بِحرفينِ بلا عذر إلخ ، أو بلا غَرَضٍ صحيحٍ إلخ ، والأنينُ إلخ ، والتَّأَوُّهُ إلخ ، والتَّأفيفُ إلخ، والبُكاءُ بصوتٍ إلخ، لا لذِكرِ جنّةٍ أونارٍ إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۲۵-۳۲۶، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: المواضع الّتي لا يجب فيها ردُّالسّلام)

وفيه أيضًا ويفسدها كلّ عملٍ كثير ليس مِن أعمالها ولا لإصلاحها. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۳۲، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب في التّشبّه بأهل الكتاب) ظفیرؔ

ذِکرِ سرّی سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۳۰۸) مریدانِ بزرگانِ نقش بندیہ بہ موجب فہمانیدن مرشداں در نماز فرائض ونوافل ذِکرِ سرّی می نمایند کہ الفاظ اوں وہوں مسموع می شوند، نماز فاسد خواہد شد یا نہ؟
(۱۴۴۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: ظاہر ہمیں است کہ نماز فاسد شود، لہٰذا احتیاط دریں امر واجب است[1] (۴۶/۴)

ترجمہ سوال: (۱۳۰۸) نقش بندیہ سلسلہ کے بزرگوں کے مرید مرشدوں کے سمجھانے کے مطابق فرض اور نفل نمازوں میں ذکر سری کرتے ہیں؛ جس سے ''اوں'' اور ''ہوں'' کے الفاظ سننے میں آتے ہیں، تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب: ظاہر یہی ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی، لہٰذا اس معاملہ میں احتیاط واجب ہے۔

قبلہ دریافت کر کے نماز پڑھی بعد میں معلوم ہوا کہ قبلہ غلط تھا تب بھی نماز ہوگئی

سوال: (۱۳۰۹) شب کو زید نے اپنے ہمراہی سے قبلہ دریافت کر کے نماز ادا کی، کئی روز بعد معلوم ہوا کہ قبلہ غلط بتایا گیا تو وہ نماز ہوئی یا نہیں؟ (۲۹۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: نماز ہوگئی[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۴/۴)

---

(۱) ومن تكلّم في صلاته عامدًا أو ساهيًا بطلت صلاته. (الهداية: ۱/۱۳۴، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها)

(۲) ويتحرّى هو بذلُ المَجهود لِنَيل المقصود عاجزٌ عن معرفة القبلة ...... فإن ظهر خطؤه لم يُعِدْ لما مرّ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۰۳، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة مطب : مسائل التحرّي في القبلة) ظفير

جیب میں ناپاک چیز رہ جائے تو نماز صحیح نہیں ہوتی

سوال: (۱۳۱۰) اگر جیب میں کوئی ناپاک چیز یا ناپاک کپڑا قصداً یا سہواً رہ جائے اور نماز پڑھ لی جائے تو نماز صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ (۲۵۴/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز صحیح نہ ہوگی، اس نماز کو پھر پڑھنا چاہیے (۱) فقط (۴۲/۴)

وضاحت: یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ نجاستِ غلیظہ قدرِ درہم سے زائد ہو یا نجاستِ خفیفہ ربع ثوب کے بہ قدر ہو، لیکن نجاست غلیظہ اگر قدرِ درہم یا قدرِ درہم سے کم ہو، یا نجاست خفیفہ ربع ثوب سے کم ہو تو نماز ہو جائے گی، البتہ نجاست غلیظہ قدرِ درہم ہیں تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی، اور قدرِ درہم سے کم ہے تو نماز مکروہ تنزیہی ہوگی۔ ہدایہ میں ہے: **وقدر الدّرهم وما دونه من النّجس المغلّظ ...... جازت الصّلاة معه وإن زاد لم تجز ...... وإن كانت مخفّفةً ...... جازت الصّلاة معه حتّى يبلغ ربع الثّوب. (الهداية: ۱/۴۷-۷۵، كتاب الطّهارات، باب الأنجاس وتطهيرها)**

فجر کی نماز میں آفتاب نکل آئے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے

سوال: (۱۳۱۱) اگر فجر کی نماز میں آفتاب طلوع کرے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ (۲۷۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: عند الحنفیہ نماز اس کی فاسد ہوگئی، بعد طلوع وارتفاعِ آفتاب پھر صبح کی نماز اس کو پڑھنی چاہیے۔ **كما في الدّرّ المختار والشّامي: بخلاف الفجر .... فتبطل بطرء الطّلوع الّذي هو وقت فساد إلخ** (۲) **(الشّامي) والأحاديث تعارضت فتساقطت إلخ (الدّرّ المختار)** (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۷/۴)

---

(۱) وعفى الشّارع عن قدر درهم وإن كره تحريمًا إلخ، وفوقَهُ مبطِل (الدّرّ المختار) ففي المحيط يكره أن يصلّي ومعه قدر درهم أو دونه من النّجاسة عالمًا به إلخ. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۱/۴۵۱، كتاب الطّهارة، باب الأنجاس) ظفیرؒ

(۲) ردّ المحتار والدّرّ المختار: ۲/۳۱، كتاب الصّلاة، مطلب: يشترط العلم بدخول الوقت تحت قوله: (بخلاف الفجر)

زیر ناف بال نہ مونڈنے والے کی نماز درست ہے

سوال: (۱۳۱۲) جو شخص زیر ناف کے بال نہ مونڈے اس کی نماز صحیح ہے یا نہیں؟
(۲۳۰۶/۱۳۴۱ھ)

الجواب: نماز صحیح ہے، لیکن یہ فعل برا ہے، اور چالیس دن سے زیادہ موئے زیر ناف کو باقی رکھنا مکروہ ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۹-۵۰)

پوسٹ کارڈ، سکہ اور ماچس جیب میں ہو تو نماز ہو جاتی ہے

سوال: (۱۳۱۳) پوسٹ کارڈ اور سکہ مروجہ اور ڈبی دیا سلائی جن پر جاندار چیزوں کی تصویر ہوتی ہے، اگر کوئی اس کو جیب میں لے کر نماز پڑھے تو درست ہوگی یا نہیں؟ (۱۰۹/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: نماز ہو جاتی ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۵۵)

صدری کی جیب میں روپیہ ہو تو بھی نماز ہو جاتی ہے

سوال: (۱۳۱۴) روپیہ پیسہ اگر صدری کی جیب میں ہو، اور نیت باندھنے کے وقت ہاتھ کے نیچے رہے تو کیا نماز ہو جاتی ہے؟ (۱۵۴/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) الأفضلُ أن يُقلِّمَ أظفارَهٗ ، ويُحْفِيَ شاربَهٗ ، ويَحلِقَ عانتَهٗ ، ويُنظِّفَ بدنَه بالاغتسال في كلّ أسبوعٍ مرّةً ، فإن لم يفعلْ ففي كلّ خمسةَ عشرَ يومًا ولا يُعْذَرُ في تركِهٖ وراءَ الأربعين إلخ ، ويستحقُّ الوعيدَ كذا في القُنية. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۵۷-۳۵۸، كتاب الكراهية ، الباب التّاسع عشر في الختان والخصاء وقلم الأظفار وقصّ الشّارب وحلق الرّأس إلخ) ظفیرؒ

(۲) وأن يكون فوقَ رأسهٖ وبين يديه أو بحذائهٖ .... تمثال إلخ ، ولا يكره لو كانت تحت قدميه إلخ ، أو على خاتمهٖ بنقش غير مستبين قال في البحر: ومفادُهٗ كراهةُ المستبين لا المستتر بكيس أو صرّة أو ثوب آخر .... أو كانت صغيرةً لا تتبيّن تفاصيل أعضائها للنّاظر قائمًا إلخ . (الدّرّ المختار مع الرّدّ : ۲/۳۶۰-۳۶۱، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب: إذا تردّد الحكم بين سنّة وبدعة كان ترك السّنّة أولٰى) ظفیرؒ

الجواب: نماز اس صورت میں بلا کراہت صحیح ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۴۶-۱۴۷)

جس جائے نماز پر پرندہ کی تصویر ہو اس پر دوسرا کپڑا اچھا کر نماز پڑھنا درست ہے

سوال: (۱۳۱۵) جس جائے نماز پر پرندہ کی تصویر ہو اس پر دوسرا کپڑا ڈال کر نماز جائز ہے یا نہیں؟ (۳۰۰/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز جائز ہے بلا کراہت[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۲۹)

شکستہ بال ڈاڑھی میں پھنسے رہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال: (۱۳۱۶) ڈاڑھی کا شکستہ بال جو کہ ڈاڑھی میں پھنسا ہوا ہے، تو نماز میں کچھ فرق تو نہ آگیا؟ (۱۰۹/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس سے نماز میں کچھ خلل نہیں آتا اور وہ بال شکستہ ناپاک نہیں ہے۔ فقط (۴/۵۵)

حالتِ نماز میں صحن مسجد سے مسجد میں جانے سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۳۱۷) زید صحنِ مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا، پانی جو زور سے آیا نیت توڑ دی، بکر مقتدی نے

---

(۱) ولا يكره لو كانت تحت قدميه ....أو في يدهٖ ، عبارة الشّمنّي: بدنه ، لأنّها مستورة بثيابهٖ إلخ ومفادُهٗ كراهةُ المستبين لا المُستتر بكِيس أو صُرّة أو ثوبٍ آخرَ (الدّرّ المختار) بأن صلّى ومعهٗ صُرةٌ أو كيس فيه دنانيرُ أو دراهمُ فيها صورٌ صغارٌ فلا تكره لاستتارها. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ۲/۳۶۰-۳۶۱، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب : إذا تردّد الحكم بين سنّة وبدعة كان ترك السّنّة أولٰى) ظفیرؔ

(۲) قوله: (أو ثوب آخر) بأن كان فوق الثّوب الّذي فيه صورة ثوب ساتر له فلا تكره الصّلاة فيه لاستتارها بالثّوب. (ردّ المحتار: ۲/۳۶۱، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب : إذا تردّد الحكم بين سنّة وبدعة كان ترك السّنّة أولٰى)

کہا کہ آپ اندر چلے جاتے، بلاتحویلِ قبلہ تو مقتدی بھی اندر جاسکتے تھے، نماز توڑنا نہ چاہیے تھا، زید نے کہا اس طرح نماز فاسد ہوجاتی ہے کیونکہ عمل کثیر ہے زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا؟ (۲۰۹۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: زید کا قول صحیح ہے، زید کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا، اس لیے کہ اس صورت میں بلاخلاف اس کی نماز صحیح ہوگئی، جب کہ از سرِ نو اسنے نماز پڑھ لی، اور اگر نماز میں وہ اندر مسجد کے جاتا؛ اور پھر مقتدی بھی جاتے تو اس میں سب سے عمل کثیر ہوتا، اور وہ عند البعض مفسد ہے، اور تفصیل اس کی شامی میں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۵۶-۵۷)

چلتی بیل گاڑی پر بلا عذر نماز جائز نہیں

سوال: (۱۳۱۸) چلتی بیل گاڑی پر نماز جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۸/۱۳۴۱ھ)

الجواب: چلتی ریل گاڑی پر نماز جائز ہے، اور چلتی بیل گاڑی میں بلا عذر نماز درست نہیں ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۵۸)

---

(۱) ويُفسدها كلّ عملٍ كثيرٍ ليس مِن أعمالها ولا لإصلاحها (الدّرّ المختار) الثّالث: الحركات الثّلاث المتوالية كثيرٌ وإلاّ فقليلٌ إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۳۲، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في التّشبّه بأهل الكتاب)

مشٰى مستقبلَ القبلة هل تفسد إن قدرَ صفّ ثمّ وقف قدرَ ركنٍ ثمّ مشٰى و وقف كذلك، وهٰكذا لا تفسد وإن كثر ما لم يختلف المكان، وقيل: لا تفسد حالةَ العذر ما لم يستدبر القبلةَ استحسانًا (الدّرّ المختار) أمّا إن كان إمامًا فجاوز موضعَ سجودِهٖ فإن بقدر ما بينه وبين الصّفّ الّذي يليه لا تفسد، وإن أكثر فسدت وإن كان منفردًا فالمعتبر موضعُ سجوده فإن جاوزه فسدت وإلاّ فلا إلخ، قوله: (وقيل:لا تفسد حالة العذر إلخ) والقياس الفساد إذا كثر إلخ، ثمّ اختلفوا في تأويلهٖ فقيل: تأويله إذا لم يجاوز الصّفوف أو موضعَ سجودِهٖ و إلاّ فسدت، وقيل: إذا لم يكن متلاحِقًا بل خُطْوَةً ثمّ خُطْوَةً فلو متلاحِقًا تفسد، إن لم يستدبِر القبلةَ لأنّه عملٌ كثير إلخ. (الدّرّ و ردّ المحتار: ۲/۳۳۵-۳۳۶، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في المشي في الصّلاة) ظفیرؒ

(۲) وأمّا الصّلاةُ على العَجَلَةِ إن كان طرفَ العَجَلَةِ على الدّابّة، وهي تسيرُ أو لا تسيرُ فهي صلاةٌ على الدّابّة، فتجوز في حالة العذر المذكور في التّيمّم لا في غيرها، ==

امام کا قومہ اور جلسہ میں دیر کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۳۱۹) جمعہ کی نماز کے قومہ اور جلسہ میں امام اتنی دیر ٹھہرتا ہے کہ ایک سورت چھوٹی بہ خوبی پڑھ لی جاسکے، اس سے نماز میں کچھ نقص تو واقع نہیں ہوتا؟ (۱۹۱۴/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز صحیح ہے کچھ نقص نہیں آیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۹/۴)

وضاحت: قومہ اور جلسہ طویل رکن ہیں یا قصیر؟ اس میں اختلاف ہے، احناف اور شوافع کے نزدیک یہ دونوں مختصر رکن ہیں، جب رکوع اور سجدے سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہوگیا یا بیٹھ گیا اور بدن ڈھیلا چھوڑ دیا اور ہر ہڈی اس کی جگہ سیٹ ہوگئی تو قومہ اور جلسہ ہوگیا، اب سجدہ کرسکتا ہے، ٹھہرنا ضروری نہیں۔

اور حنابلہ کے نزدیک رکوع اور سجود کی طرح قومہ اور جلسہ بھی طویل رکن ہیں، چنانچہ حرم کے ائمہ جتنی دیر رکوع اور سجدہ میں ٹھہرتے ہیں اتنی دیر قومہ اور جلسہ میں ٹھہرتے ہیں اور ان کو دیکھ کر ہمارے بعض حنفی امام بھی ایسا کرتے ہیں، یہ درست نہیں، کیوں کہ نماز میں موالات واجب ہے، یعنی دو رکنوں کے درمیان فصل نہیں ہونا چاہیے، ورنہ سجدہ سہو واجب ہوگا، لہٰذا اگر کوئی قومہ میں دیر تک خاموش کھڑا رہتا ہے، یا جلسہ میں خاموش بیٹھا رہتا ہے تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا، البتہ کوئی ذکر کرتا ہے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔ محمد امین پالن پوری

قومہ اگر اطمینان سے نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۳۲۰) جس نماز میں قومہ، جلسہ اطمینان کے ساتھ اچھی طرح نہ کیا جاوے؛ اس نماز کا کیا حکم ہے؟ (۶۱۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نماز مکروہ ہوتی ہے اور ایسی نماز واجب الاعادہ ہے یعنی واجب ہے کہ اعادہ کرے،

== ومِن العذر المطرُ وطينٌ يغيب فيه الوجه إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (المذكور في التيمّم) بأن يَخاف علٰى مالهٖ أو نفسهٖ أو تَخافُ المرأةُ من فاسقٍ. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۴۲۶/۲، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في الصّلاة على الدّابّة) ظفيرؒ

بہ سبب ترکِ واجب کے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۴۲-۱۴۵)

وضاحت: ترکِ واجب کی وجہ سے نماز کا اعادہ وقت کے اندر واجب ہے، وقت گزر جانے کے بعد اعادہ واجب نہیں افضل ہے۔ شامی میں ہے: **فالحاصل أنّ من ترك واجبًا من واجباتها أو ارتكب مكروهًا تحريميًا لزمه وجوبًا أن يعيد في الوقت ، فإن خرج أثم ، ولا يجب جبر النّقصان بعده ، فلو فعل فهو أفضل . (ردّ المحتار: ۲/۴۵۵، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت ، مطلب في تعريف الإعادة)** محمد امین پالن پوری

جو نمازیں تعدیل ارکان کے ساتھ ادا نہیں ہوئیں ان کا دہرا لینا اچھا ہے

سوال: (۱۳۲۱) ایک شخص کی عمر ۲۰ برس کی ہے، اس عرصہ تک اس نے کوئی نماز درست نہیں پڑھی، صرف دو ٹکر مار کر نماز ختم کر دیتا ہے یہ نمازیں ہوئی یا نہیں؟ اگر اعادہ کرے تو صرف فرض ہی ادا کرے یا سنت بھی؟ (۷/۵۲-۱۳۳۵ھ)

الجواب: جو نمازیں تعدیلِ ارکان کے ساتھ ادا نہیں ہوئیں اگرچہ وہ ہوگئی ہیں، لیکن ان کا دُہرا لینا اچھا ہے، فرض اور وتر کا اعادہ کرے سنتوں کا اعادہ نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۴۷)

وضاحت: اس جواب میں اور سابقہ جواب میں بہ ظاہر تعارض ہے، اور اس کا حل یہ ہے کہ ترکِ واجب کی وجہ سے نماز کا اعادہ وقت کے اندر واجب ہے، جیسا کہ سابقہ جواب میں ہے، اور نماز کا وقت گزر جانے کے بعد اعادہ واجب نہیں، افضل ہے، جیسا کہ اس جواب میں ہے۔

محمد امین پالن پوری

---

(۱) ويجب الإطمئنان وهو التّعديل في الأركان بتسكين الجوارح في الرّكوع والسّجود حتّى تطمئنّ مفاصله في الصّحيح (مراقي الفلاح) ويستقرّ كلّ عضو في محلّه بقدر تسبيحة كما في القهستاني ، هٰذا قول أبي حنيفة ومحمّد على تخريج الكرخي . (حاشية الطّحطاوي على مراقي الفلاح ، ص: ۲۴۹، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة وأركانها ، فصل في بيان واجب الصّلاة)

امام نے اپنی نماز توڑ دی تو سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہوجائے گی

سوال: (۱۳۲۲) امام کو قعدۂ اُولیٰ میں سہو ہوا، مقتدیوں نے اللہ اکبر کہہ کر اس کو اطلاع دی، اس نے غلطی سے نماز توڑ دی، جو مقتدی جانب یمین ویسار تھے یا دوسری صف میں تھے ان کو علم نہیں ہوا کہ ہمارے امام نے نماز فاسد کردی، وہ اسی پہلی نیت پر قائم رہے، اور یہ سمجھے کی امام تیسری رکعت کے پورا کرنے کو کھڑا ہوا ہے، اب امام نے دوسری نماز کی رکعت کا رکوع کیا، مقتدی سب امام کے ساتھ رکوع میں چلے گئے، امام نے چار رکعت پوری کر کے سلام پھیرا، مقتدیوں نے بھی چار رکعت پوری کی۔ دریافت طلب یہ ہے کہ جن مقتدیوں نے امام کے ساتھ مکرر نیت نہیں باندھی بلکہ امام کے ساتھ تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں چلے گئے، اس صورت میں ان مقتدیوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اور یہ اوّل تکبیر جو امام کے ساتھ رکوع میں جاتے وقت کہی ہے تکبیر تحریمہ ہوگی یا نہیں؟

(۲۹۳۱/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس صورت میں مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی کیونکہ جب کہ امام نے اپنی نماز توڑ دی تو سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہوگئی، پھر مقتدیوں نے دوبارہ نیت اقتداء کے ساتھ تکبیر تحریمہ نہیں کہی اور دوبارہ نماز شروع نہیں کی، بلکہ پہلی نماز پر بناء کی جو کہ فاسد ہوچکی تھی، اور بناء علی الفاسد فاسد ہے، لہٰذا نماز اُن کی فاسد ہی رہی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۸-۴۹)

مغرب میں امام نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو امام اور مقتدیوں کی نماز فاسد ہوگئی

سوال: (۱۳۲۳) مغرب کی نماز میں امام نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا، اور لقمہ نہ لیا، مقتدیوں نے تیسری رکعت کھڑے ہوکر پڑھ لی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۹۳۶/ ۱۳۴۵ھ)

---

(۱) وإذا ظهر حدث إمامه وكذا كلّ مفسد في رأى مقتد بطلت ، فيلزم إعادتها لتضمّنها صلاة المؤتم صحّة وفسادًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۲۹۳، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، مطلب : المواضع الّتي تُفسد صلاةَ الإمام دونَ المؤتمّ) ظفيرؒ

الجواب: اس صورت میں امام اور مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی پھر پڑھنی چاہیے[۱] فقط (۶۰/۴)

تین رکعت پر سلام پھیر کر بات کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے

سوال: (۱۳۲۴) امام نے سہواً تین رکعت پر سلام پھیر دیا، کسی نے لقمہ نہیں دیا، اور امام و مقتدیان میں کلام کثیر ہوا تو اب بقیہ ایک رکعت پڑھی جائے یا چار رکعت؟ اور کلام والی حدیث منسوخ ہے یا نہیں؟ (۵۰/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: جب کہ تیسری رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد امام اور مقتدیان میں کلام ہو گیا تو چاروں رکعت پھر پڑھنی ضروری ہیں، کیونکہ کلام والی حدیث کی تاویل کی گئی ہے یا منسوخ ہے، اس کے ظاہر پر عمل نہیں ہے کیونکہ کلام منافی نماز کے ہے[۲] قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ وَقُوْمُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶۱/۴)

مقتدی نماز ختم ہونے سے پہلے سہواً سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۳۲۵) اگر مقتدی نماز ختم ہونے سے پہلے سلام پھیر دے، اور فوراً یاد آنے پر بغیر کلام کیے نماز امام کے ساتھ پوری کرے تو نماز ہو جاوے گی یا نہیں؟ (۶۱۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) وإذا ظهر حدث إمامه وكذا كلّ مفسد في رأي مقتد بطلت فيلزم إعادتها لتضمّنها صلاة المؤتم صحّةً وفسادًا (الدّرّ المختار) فلو قال المصنّف كما في النّهر: ولو ظهر أنّ بإمامه ما يمنع صحّة الصّلاة لكان أولٰى، ليشمل ما لو أخلّ بشرط أو ركن إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۹۳/۲، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب: المواضع الّتي تُفسِد صلاةَ الإمام دونَ المؤتمّ) ظفیرؒ

(۲) يُفسدها التّكلّمُ هو النّطقُ بحرفين أو حرفٍ مُفْهِم إلخ، عَمْدُهُ و سَهْوُهُ قبل قعودِهٖ قدرَ التّشهّد سِيَّانِ إلخ، وحديثُ ذي اليدين منسوخٌ بحديث مسلمٍ: إنّ صلاتنا هٰذهٖ لا يَصلُحُ فيها شيءٌ من كلام النّاس (والتّفصيل في الشّامي) (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۱۹/۲-۳۲۱، كتاب الصّلاة، أوائل باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها) ظفیرؒ

الجواب: ہوجاوے گی[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۴۲-۱۴۵)

باجماعت نماز پڑھنے کے بعد مقتدی نے نماز لوٹائی تو کون سی نماز درست ہوئی؟

سوال: (۱۳۲۶) مقتدی نے نماز لوٹائی تو ایسی صورت میں اس کی نماز جو جماعت سے پڑھی تھی وہ درست ہوئی یا جو علیحدہ پڑھی تھی وہ درست ہوئی؟ (۱۳۳۹/۳۶۱ھ)

الجواب: اگر ترک واجب وغیرہ کی وجہ سے نماز لوٹائی گئی تو فرض پہلے ادا ہو چکا ہے، لوٹانے میں اس کی تکمیل ہے یعنی جو نقصان رہ گیا تھا اس کو پورا کیا گیا ہے اور جبرِ نقصان کیا گیا ہے[۲] فقط (۴/۳۷۹)

امام نے تین رکعت پر سلام پھیر دیا تو نماز واجب الاعادہ ہے

سوال: (۱۳۲۷)...... (الف) امام عشاء کی نماز میں تین رکعت پر بیٹھ گیا سہواً، اس خیال سے کہ چار پوری ہوگئی، لیکن اس کو فوراً یقین ہوگیا کہ تین رکعت ہوئی ہیں، اس نے التحیات کو پورا کر کے سجدۂ سہو کیا، اور تین ہی رکعت پر سلام پھیر دیا نماز ہوگئی یا نہیں؟

---

(۱) يُفسدها التّكلّمُ إلخ ، عَمْدُهُ و سَهْوُهُ قبل قعودِهِ قدرَ التّشهّد سِيَّانِ إلخ ، ......إلّا السّلام ساهيًا للتّحليلِ أي للخروج من الصّلاة قبلَ إتمامها على ظنّ إكمالِها فلا يفسد. (الدّرّ المختار: ۲/۳۱۹-۳۲۱، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة و ما يكره فيها ، مطلب في الفرق بين السّهو و النّسيان) جمیل الرحمٰن

نوٹ: حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمہ اللہ کا ۱۳۷۵ھ میں ترتیب فتاویٰ کے لیے تقرر ہوا تھا، پھر دو سال کے بعد ان کو نائب مفتی بنایا گیا اور ان کی جگہ حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی رحمہ اللہ کو ترتیب فتاویٰ کی ذمہ داری سپرد کی گئی۔ محمد امین پالن پوری

(۲) ولها واجباتٌ لا تفسد بتركها وتعاد وجوبًا إلخ ، والمختار أنّهُ جابرٌ للأوّل لأنّ الفرض لا يتكرّر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۲۹-۱۳۱، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب : واجبات الصّلاة) ظفیر

(ب) اگر کسی نے اپنی تنہا نماز دہرائی تو اچھا ہوا یا نہیں؟ (۷۷/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: (الف) اس حالت میں نماز نہیں ہوئی (۱)

(ب) دہرانا نماز کا سب کو ضروری ہے جس نے تنہا دہرالی اس کی نماز صحیح ہوگئی (۲) (۶۱/۴)

نماز میں لقمہ دینے کا طریقہ کیا ہے؟

سوال: (۱۳۲۸) نماز میں اگر امام کو سہو ہو جائے تو لقمہ دینے کا کیا طریقہ ہے؟

(۳۴۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: سبحان اللہ کہہ دے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶۲/۴)

سوال: (۱۳۲۹) امام نے ایک رکعت پڑھ کر ایک سجدہ کیا اور تشہد پڑھنے کو بیٹھ گیا دوسرے سجدہ کو کس طور سے مقتدی کو یاد دلانا چاہیے، اگر مقتدی اللہ اکبر یا سبحان اللہ کہتا ہے تو امام کھڑا ہوتا ہے۔ (۱۹۴۰/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: یاددلانے سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ سبحان اللہ وغیرہ کہہ کر امام کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ کچھ کمی وبیشی نماز میں ہوگئی ہے، اس پر وہ خود غور کر کے یاد کرے گا کہ کیا فعل رہا ہے، نہ یہ کہ بعینہٖ

---

(۱) رکعت کی تلافی سجدۂ سہو سے نہیں ہوتی؛ اس لیے نماز نہیں ہوئی۔ سجدہ ترک واجب اور اس کی تقدیم وتاخیر وغیرہ کے لیے ہے۔ یجب إلخ بترك إلخ واجب ممّا مرّ في صفة الصّلاة سهوًا إلخ وتأخير قيام إلخ. (الدّرّ مع ردّ المحتار: ۲/۴۷۲-۴۷۵، كتاب الصّلاة، باب: سجود السّهو) ظفیرؒ

(۲) وإذا ظهر حدث إمامه وكذا كلّ مفسد في رأي مقتدٍ بطلت فيلزم إعادتها لتضمّنها صلاة المؤتمّ صحّة وفسادًا كما يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمّهم وهو محدث أو جنب أو فاقد شرط أو ركن. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۹۳-۲۹۴، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب: المواضع الّتي تُفسِدُ صلاةَ الإمام دونَ المؤتمّ) ظفیرؒ

(۳) أو يَدفع بالتّسبيح لما رَوينا من قبلُ (الهداية) قوله: (لما روينا من قبل) يعني قول النّبيّ صلّى الله عليه وآله وسلّم: إذا نابت أحدكم نائبة وهو في الصّلاة فليُسبّح. (الهداية وحاشية الهداية: ۱/۱۳۹، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، رقم الحاشية: ۹) ظفیرؒ

وہ فعل بتلایا جائے جو کہ فوت ہوا ہے، لہٰذا تنبیہ کے لیے سبحان اللہ کہہ دینا کافی ہے، اگر اس کو یاد آ گیا فبہا، ورنہ بعد نماز کے معلوم ہونے پر نماز کا اعادہ کیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۶۱-۱۶۲)

سوال: (۱۳۳۰) اگر قعدۂ اولیٰ میں التحیات پڑھنے کو بھول کر کھڑا ہونے لگے، اور مقتدی التحیات کہہ کر یاد دلا وے تو کچھ حرج تو نماز میں نہ ہوگا؟ (۳۴۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: سبحان اللہ کہنا چاہیے اور اگر لفظ التحیات کہہ دے تب بھی نماز صحیح ہے۔ (۴/۶۲)

سبحان اللہ کہہ کر لقمہ دینا حدیث سے ثابت ہے

سوال: (۱۳۳۱) ایک شخص امام کے سہو پر ہر موقع میں سبحان اللہ سے لقمہ دینا افضل بتاتا ہے، یہ حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ (۳۴۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: حدیث شریف میں ایسا ہی وارد ہوا ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۶۲-۶۳)

امام قعدۂ اخیرہ کے بعد کھڑا ہو گیا تو مقتدی بیٹھ کر لقمہ دیں

سوال: (۱۳۳۲) اگر امام سے سہواً قعدۂ اخیرہ ترک ہو گیا اور امام قریب قیام کے پہنچ گیا تو مقتدی کو سبحان اللہ کہتے ہوئے کھڑا ہونا اولیٰ ہے یا بیٹھ کر سبحان اللہ کہے اولیٰ کیا ہے؟

(۲۳۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: بیٹھے ہوئے کہنا اولیٰ معلوم ہوتا ہے (۲) جزئیہ کوئی نظر سے نہیں گذرا اور درست ہر دو طرح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۱۹)

---

(۱) عن سهل بن سعد رضي الله عنه قال : قال النبيّ صلّى الله عليه وسلّم : التّسبيح للرّجال والتّصفيق للنّساء. (صحيح البخاري: ۱/۱۶۰، كتاب العمل في الصّلاة ، باب التّصفيق للنّساء)

(۲) ثمّ الأصحُّ أنّ القومَ ينتظرونَهُ فإن عاد تبِعُوه ، وإن سجد للخامسة سلّموا لأنّه تمّ فرضُهُ إذ لم يبقَ عليه إلاّ السّلامُ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۲/۴۸۳، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مقتدی بیٹھ کر لقمہ دیں۔ محمد امین

السلام علیکم کہہ کر لقمہ دینا کیسا ہے؟

سوال: (۱۳۳۳) ...... (الف) امام نے چار رکعت والی نماز میں قعدہ اخیرہ میں سلام ادا نہیں کیا اور قیام کیا، زید نے امام کو السلام علیکم کہا اس صورت میں زید کی نماز قائم رہی یا نہیں؟

(ب) امام نے تین رکعت والی نماز پڑھائی، زید کو دوسری رکعت میں قعدہ میں خیال ہوا کہ یہ تیسری رکعت ہے، اور امام کو السلام علیکم یا فقط السلام کہہ کر بٹھانا چاہا، اس صورت میں زید کی نماز قائم رہی یا نہ؟ (۴۲۲/۱۳۳۶ھ)

الجواب: (الف - ب) دونوں صورتوں میں زید کی نماز میں کچھ خلل نہیں آیا، کیونکہ غرض اس کی امام کو تلقین کے لیے السلام علیکم کہنا تھا، یعنی یہ کہ یہ سلام پھیرنے کا وقت ہے، اور اخیر بیٹھنے کا وقت ہے، سو اگر چہ ایسے موقع پر زید کو سبحان اللہ کہنا چاہیے تھا[۱] لیکن السلام الخ کے لفظ کہنے سے بھی نماز میں کچھ فساد اور خلل نہیں آیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۶۸-۶۹)

امام نے چوتھی رکعت کے بعد قعدہ نہیں کیا اور پانچویں رکعت کے بعد سجدۂ سہو کر کے نماز ختم کی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۳۳۴) عشاء کی نماز میں چار رکعت ہونے پر امام کو یہ خیال رہا کہ تین رکعت ہوئی ہیں اس لیے کھڑا ہو گیا بعض مقتدی بیٹھ گئے اور امام کو اشارہ کیا مگر امام نہ بیٹھا، بلکہ پانچویں رکعت کا رکوع سجدہ کر کے سجدۂ سہو کر کے نماز ختم کی، اس صورت میں امام کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اور جو مقتدی قعدۂ اخیرہ کی غرض سے اوّل بیٹھ گئے تھے اور پھر امام کے ساتھ رکوع میں پانچویں رکعت کے شامل ہو گئے تھے ان کی بھی نماز ہوئی یا نہ؟ (۱۰۶۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) عن سهل بن سعد السّاعديّ رضي الله عنه .... قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: مالي رأيتُكم أكثرتم التّصفيقَ ، من نابه شيءٌ في صلاتهٖ فليسبِّحْ فإنّهٗ إذا سَبّح التُفِتَ إليه وإنّما التّصفيقُ للنّسآء . (صحيح البخاري : ۱/۹۴، كتاب الأذان ، باب مَن دَخل لِيَؤُمّ النّاسَ فجآء الإمامُ الأوّل فتأخّر الأوّلُ أم لا إلخ)

الجواب: امام جب کہ چوتھی رکعت میں نہ بیٹھا، اور پانچویں رکعت میں کھڑا ہوکر رکوع سجدہ کر کے بیٹھا تو بہ وجہ فوت ہونے قعدۂ اخیرہ کے امام کی نماز نہیں ہوئی، اور جب کہ امام کی نماز نہیں ہوئی تو مقتدیوں میں سے کسی کی بھی نماز نہیں ہوئی؛ نہ مسبوق کی نہ مدرک کی [۱] فقط (۴/۴۰۵)

امام کی پانچویں یا چھٹی رکعت میں جو مسبوق شریک ہوا اس کی نماز نہیں ہوگی

سوال: (۱۳۳۵) امام پانچویں رکعت میں کھڑا ہوگیا، چھ رکعت پوری کر کے سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دیا، پانچویں رکعت میں ایک آدمی اور شریک ہوگیا تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

(۱۳۳۴-۳۳/۵۵۴ھ)

الجواب: امام اگر چوتھی رکعت میں بہ قدر تشہد بیٹھ کر سہواً کھڑا ہوگیا، اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کرلیا تو چھٹی رکعت ملالے، اور سجدۂ سہو کرے، فرض اس کے پورے ہوگئے، اگر کوئی شخص پانچویں یا چھٹی رکعت میں اس امام کا مقتدی ہوا تو مقتدی کی نماز نہ ہوگی، کیونکہ امام کی وہ دو رکعت نفل ہیں۔ هٰكذا في الشّامي [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۱۰-۴۱۱)

جس نے عشاء کے فرض بے وضو اور سنت و وتر با وضو پڑھے وہ وتر کا اعادہ کرے یا نہیں؟ اس میں امام صاحب اور صاحبین کا جو اختلاف ہے اس کی وجہ کیا ہے؟

سوال: (۱۳۳۶) اگر عشاء کے فرض بھول کر بے وضو پڑھ لے، اور سنت و وتر کو باوضو پڑھے،

---

(۱) وإن سهٰى عن القعدة الأخيرة حتّٰى قام إلى الخامسة رجع إلى القعدة ما لم يسجد إلخ ، وإن قيّد الخامسة بسجدةٍ بطل فرضُهُ عندنا. (الهداية: ۱/۱۵۹، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو)

(۲) لو اقتدٰى بهٖ مفترضٌ في قيام الخامسة بعدَ القعود قدرَ التّشهّد لم يصحّ ولو عاد إلى القعدة لأنّه لَمَّا قام إلى الخامسة فقد شرع في النّفل فكان اقتداء المفترض بالمتنفّل .

(ردّ المحتار: ۲/۴۸۴، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) ظفير

اور اندرون وقت یاد آجائے تو فرضوں کے ساتھ سنتوں کا اعادہ کرنا چاہیے نہ وتر کا امام صاحبؒ کے نزدیک، اور صاحبین کے نزدیک وتر کا بھی اعادہ کرے گا اس کی کیا وجہ ہے؟ (۱۲۴۵/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: یہ مسئلہ وقت کے اندر پڑھنے کا ہے، اور وجہ سنتوں کے اعادہ کی اور وتر کے عدم اعادہ کی موافق مذہب امام اعظمؒ کے یہ ہے کہ جب فرض عشاء کے نہ ہوئے تو فرض کے اعادہ کے ساتھ سنت کا بھی اعادہ کرے، کیونکہ سنت تابع فرض کے ہیں، اور وتر چونکہ واجب مستقل ہے اور وہ وضو سے ہوئے لہٰذا اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور صاحبینؒ چونکہ وتر کو سنت فرماتے ہیں، اس لیے وہ فرض کے ساتھ وتر کے اعادہ کا بھی حکم کرتے ہیں، اور صورت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ نماز کے بعد وقت کے اندر یاد آ گیا اور بعد وقت گذرنے کے اگر یاد آیا تو صرف فرض عشاء کے پڑھے[1] فقط (۴/۶۳-۶۴)

اسپرٹ کی پالش والے کپڑے پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۳۳۷) هل تجوز الصّلاة على الموائد الّتي تزيّن بخلاصة الخمر أم لا؟ (۱۲۵۸/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: ما كان فيه اختلاط خلاصة الخمر (اسپرٹ) فهو نجس لا تجوز الصّلاة عليه بلا بسط الثّوب الطّاهر. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۶۴)

ترجمہ سوال: (۱۳۳۷) کیا ایسے دسترخوان پر جسے خمر کے خلاصہ یعنی اسپرٹ سے پالش کیا گیا ہو نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جس چیز میں خمر کا خلاصہ یعنی اسپرٹ کی آمیزش ہوتی ہے وہ ناپاک ہے، پس اس (دسترخوان) پر پاک کپڑا اچھائے بغیر نماز جائز نہیں۔

وضاحت: اس جواب کا مدار اس بات پر ہے کہ اسپرٹ خمر سے بنتی ہے، جب کہ اسپرٹ

---

(۱) وعلىٰ هٰذا إذا صلّى العشاءَ ثمّ توضّأَ ، وصلّى السّنّةَ و الوترَ ثمّ تبيّنَ أنّه صلّى العشاءَ بغير طهارةٍ فعندهٗ يُعيد العشاءَ والسّنّةَ؛ دون الوتر، لأنّ الوترَ فرضٌ علىٰ حدةٍ عندهٗ ، وعندهما يُعيد الوترَ أيضًا لكونهٖ تبعًا للعشاءِ ، واللّٰه أعلم. (الهداية: ۱/۱۵۶، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت ، قبيل باب سجود السّهو) ظفیرؒ

کے بارے میں نئی تحقیق یہ ہے کہ وہ خمر یعنی انگور کی شراب سے نہیں بنتی؛ اس لیے جن چیزوں میں اسپرٹ کی آمیزش ہو وہ ناپاک نہیں، پاک ہیں، اور جس کپڑے پر اسپرٹ کی پالش کی گئی ہے، اس کو بچھا کر نماز پڑھنا درست ہے، تفصیل کے لیے دیکھیں فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶/ ۱۲۹، سوال نمبر: (۲۲۴) کا حاشیہ۔ محمد امین پالن پوری

سترہ کی جگہ چھتری ہو تو بھی کافی ہے

سوال: (۱۳۳۸) نمازی کے آگے چادر یا چھتری سترہ کے بجائے ہو تو کافی ہے یا نہیں؟ یا سترہ لکڑی کا ہی ہونا ضروری ہے؟ اور لکڑی کا سترہ کم از کم انگشت موٹا ہونا ضروری ہے، یا اس سے کم بھی کافی ہو سکتا ہے؟ (۱۸۶/ ۳۳-۱۳۳۴ھ) (۱)

الجواب: چادر یا چھتری مصلی کے آگے ہو تو بجائے سترہ کے کافی ہے، لکڑی کی خصوصیت نہیں ہے، اور قیدِ غلظِ اَصابع کو صاحب بدائع نے قول ضعیف لکھا ہے: **في الشّامي: لكن جعل في البدائع بيان الغِلَظ قولاً ضعيفًا وأنّه لا اعتبار بالعرض، وظاهره أنّه المذهب، بحر إلخ** (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۲-۴۳)

نمازی کے آگے سترہ نہ ہو تو کتنی دوری سے گذرنا درست ہے؟

سوال: (۱۳۳۹) اگر کوئی شخص مسجد یا جنگل میں نماز پڑھ رہا ہے، اور سترہ کھڑا نہیں کیا تو کہاں تک اس کے آگے کو چلنا نہ چاہیے؟ (۲۰۷۷/ ۱۳۳۹ھ)

---

(۱) اس سوال کی عبارت رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

(۲) **ويَغْرِزُ نَدْبًا ...... الإمام، وكذا المنفردُ في الصّحراء ونحوها سُترةً بقدرِ ذراعٍ طولاً، وغِلَظِ أُصْبُعٍ لِتَبْدُوَ للنّاظرِ بِقُربِهِ دونَ ثلاثةِ أذرُعٍ علىٰ حذاء أحدِ حاجِبَيْهِ إلخ (الدّرّ المختار) لكن جعل في البدائع بيان الغِلَظ إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۳۴۵-۳۴۶، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: إذا قرأ قوله: ”تعالىٰ جدُّك“ بدون الألف لا تفسد)** ظفیرؔ

الجواب: جنگل میں نمازی کی نظر جہاں تک پہنچے اس سے آگے کو جانا درست ہے[۱] فقط (۶۵/۴)

نمازیوں کے آگے سے کتنے فاصلہ سے گذرنا چاہیے؟

سوال: (۱۳۴۰) بہ روز جمعہ اکثر آدمی نمازیوں کے آگے سے گذر جاتے ہیں آیا کچھ فاصلہ بھی مقرر ہے کہ اس فاصلہ سے گذرنا جائز ہے؟ (۱۳۳۵/۷۵۲ھ)

الجواب: بڑی مسجد میں اگر موضعِ سجود یا موضعِ بصر سے (نمازی کے)[۲] آگے کو کوئی شخص گذر جاوے تو درست ہے، اور چھوٹی مسجد میں جو چالیس ہاتھ سے کم ہو آگے سے گذرنا کسی جگہ بھی درست نہیں ہے۔ كذا في الدرّ المختار[۳] (۱۳۶/۴)

نمازی کے آگے سے گذرنے کی حد کیا ہے؟

سوال: (۱۳۴۱) نمازی کے آگے کو گذرنا منع ہے اس کی کیا حد[۴] ہے؟ اگر کوئی شخص

---

(۱) ولا يُفسدُها نظرُهُ إلى مكتوب إلخ ومرورُ مارٍّ في الصّحرآءِ أو في مسجدٍ كبيرٍ بموضع سجودِهِ في الأصحّ ، أو مرورُهُ بين يديه إلخ في بيتٍ ومسجدٍ صغيرٍ إلخ وإن أثِمَ المارُّ...... في ذلك المرورِ لو بلا حائل إلخ . (الدّرّ المختار مع الردّ : ۳۴۲/۲-۳۴۵، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب: إذا قرأ قوله:"تعالىٰ جدّك" بدون الألف لا تفسدُ) ظفیر

(۲) قوسین کے درمیان والے الفاظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیے گئے ہیں ۱۲۔

(۳) ولا يُفسدُها نظرُهُ إلى مكتوب إلخ ومرورُ مارٍّ في الصّحراءِ أو في مسجدٍ كبيرٍ بموضع سجودِهِ في الأصحّ، أو مرورُهُ بين يديه إلى حائط القبلة في بيتٍ ومسجدٍ صغيرٍ فإنّه كبُقعةٍ واحدةٍ مطلقًا إلخ ، وإن أثِمَ المارُّ لِحديثِ البزّارِ لو يَعلمُ المارُّ ماذا عليه من الوِزر لَوقف أربعينَ خَرِيْفًا (الدّرّ المختار) قوله: (ومسجدٍ صغيرٍ) هو أقلّ من ستّين ذراعًا ، وقيل: من أربعين ، وهو المختار كما أشار إليه في الجواهر، قهستاني. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۴۲/۲-۳۴۴، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب:إذا قرأ قوله:"تعالىٰ جدّك" بدون الألف لا تُفسِدُ) ظفیرؒ

(۴) مطبوعہ فتاویٰ میں (حد) کی جگہ "وجہ" تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے ۱۲۔

باہر فرش پر نماز پڑھ رہا ہے تو اندر مسجد کے اس کے آگے کو گذرنا جائز ہے یا نہ؟ (۳۷۲/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس کی حد یہ ہے کہ بڑی مسجد میں جہاں تک نمازی کی نظر پہنچے جب کہ وہ اپنی نظر کو موضعِ سجود پر رکھے وہاں تک آگے کو نہ گذرے، پس اگر کوئی شخص باہر فرش پر نماز پڑھتا ہو تو اندر کے درجے میں آگے کو گذر سکتا ہے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۱/۴)

نمازی کے آگے جو نماز پڑھ رہا ہے وہ آگے سے ہٹ سکتا ہے

سوال: (۱۳۴۲) دو مصلی آگے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، آگے والا پہلے فارغ ہوگیا، اب وہ داہنے جانب یا بائیں جانب سے اٹھ کر چلا جاوے یہ جائز ہے یا نہ؟ (۶۳۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: آگے والا فوراً دائیں بائیں کو جا سکتا ہے، یہ جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم (۱۴۸/۴)

مرور بین یدی المصلی قاطع صلاۃ نہیں

سوال: (۱۳۴۳) ایک عالم شخص مرور بین الصفین کے جواز کے استدلال میں حدیث شریف حضرت عبداللہ بن عباسؓ پیش کرتا ہے کیا یہ استدلال صحیح ہے؟ اور امام صاحبؒ کے نزدیک مسئلہ کس طرح ہے؟ (۱۶۰۲/۱۳۳۹ھ)

الجواب: یہ حنفیہ کا بھی مذہب ہے کہ امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے کافی ہے، درمختار میں ہے: **وکَفَتْ سُترةُ الإمام للکلّ** [۲] اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرور بین یدی المصلی قاطعِ صلاۃ نہیں ہے، اور یہی مذہب حنفیہ کا ہے [۳] اور علاوہ بریں وہ

---

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۳۴۷-۳۴۸، باب ما یفسد الصّلاۃ وما یکرہ فیها، آخر مطلب: إذا قرأ قوله: "تعالیٰ جدّك" بدون الألف لا تفسدُ) ظفیرؒ

(۳) ولا یُفسدها إلخ مرورُهُ بین یدیه إلی حائط القبلة في بیتٍ ومسجدٍ صغیرٍ فإنّه کبُقعةٍ واحدةٍ مطلقًا ولو امرأةً أو کلبًا (الدّرّ المختار) بیانٌ للإطلاق، وأشار به إلی الرّدّ علی الظّاهریة بقولهم یقطع الصّلاةَ مرورُ المرأةِ والکلبِ والحمارِ، ==

اس وقت تک بالغ نہ تھے وہ خود فرماتے ہیں کہ ناهزتُ البلوغ یعنی میں اس وقت قریب البلوغ تھا، پس اس سے حجت جوازِ مرور کی نہیں ہوسکتی [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۲/۴-۱۱۳)

نمازی کے آگے سے کتّا گذر جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال: (۱۳۴۴) اگر نمازی کے آگے کو کتا نکل جاوے تو نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۲۵۸۳ھ)

الجواب: نماز فاسد نہیں ہوتی دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے [۲] فقط (۴۱/۴)

نمازی کے آگے سے عورت یا کوئی جانور گذر جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال: (۱۳۴۵) نمازی کے سامنے سے اگر کتّا یا اور کوئی جانور یا عورت گذر جائے تو اس کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۲۷۲۹ھ)

== وعلى أحمدَ في الكلب الأسودِ ، وإلٰى أن ما رُوي في ذلك منسوخ كما حقّقه في الحلبة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ۳۴۲/۲-۳۴۳، كتاب الصّلاة ،باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب:إذا قرأ قوله: ''تعالٰى جدّك'' بدون الألف لا تفسدُ)ظفیرؔ

(۱) وعن ابن عبّاسٍ رضي الله عنهما قال: أقبلتُ راكبًا علٰى أتانٍ ، و أنا يومئذٍ قد ناهَزْتُ الاحتلامَ الحديث .

وعن أبي جُهَيم رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : لو يَعلم المارُّ بين يدي المصلّي ماذا عليه ، لَكان أن يَقِفَ أربعينَ خيرًا لهٗ مِن أن يَمُرَّ بين يديه .

وعن أبي سعيد رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : إذا صلّى أحدكم إلٰى شيءٍ يَسترُهٗ من النّاس، فأراد أحدٌ أن يجتازَ بين يديه ، فليدفعه ، فإن أبٰى فليقاتله فإنّما هو شيطان. (مشكاة المصابيح: ص:۷۴، باب السّترة، الفصل الأوّل)ظفیرؔ

(۲) ولايُفسدُها إلخ، مرورُه بين يديه إلٰى حائط القبلة في بيتٍ ومسجدٍ صغيرٍ......مطلقًا ولو امرأةً أو كلبًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۳۴۲/۲-۳۴۳، كتاب الصّلاة ، باب ما يُفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: إذا قرأ قوله : ''تعالٰى جدّك'' بدون الألف لا تفسدُ)ظفیرؔ

الجواب: نمازی کے سامنے سے کتایا کوئی جانور یا عورت اگر نکل جائے تو نماز اس کی فاسد نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے: **ولا يُفسد ها .... مُرورُ مارّ إلخ ولو امرأ ةً أو كلبًا إلخ**(۱) اور شامی میں حلبہ (۲) سے منقول ہے کہ جو کچھ اس بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے وہ منسوخ

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۴۲-۳۴۳، كتاب الصّلاة ، باب ما يُفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب: إذا قرأ قوله : "تعالىٰ جدّك" بدون الألف لا تفسدُ .

(۲)

منية المصلّي کی شرح کا نام حلية نہیں حلبة ہے

شامی کے تمام نسخوں میں الحلية ہے، مگر شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق صحیح نام الحلبة ہے، یہ منية المصلّي وغنية المبتدي کی شرح ہے، اور اس کا پورا نام حلبة المجلّي وبغية المهتدي ہے

قال الشّيخ عبد الفتّاح أبوغدّة رحمه اللّٰه في تحقيقاته على "الأجوبة الفاضلة" للكنوي ماحاصله: أنّ "الحلبة" بالباء الموحّدة وفتح الحاء: مجال الخيل للسِّباق، " والمجلِّي": الفرس السّابق الأوّل منها، وأمّا تسميته: بـ"حلية المجلّي"– بالياء المثنّاة التّحتيّة – فهو تحريف قطعًا ؛ فإنّ اسم الكتاب في النّسخ المخطوطة الموثوقة " حلبة المجلّي وبغية المهتدي في شرح منية المصلّي وغنية المبتدي"، وقد رجعت إلى النّسختين المحفوظتين منه في "دار مكتبات الأوقاف الإسلامية"، ببلدتنا "حلب": نسخة الأحمدية ، ورقمها: (۵۰۶) ونسخة العثمانية ، ورقمها: (۳۵۵) فرأيت منها التّصريح بالاسم– كما ذكرته – مشكولاً مضبوطًا واضحًا جليًّا في وجه النّسختين. وكذا في خاتمة النّسخة العثمانية أيضًا: وهٰذه النّسخة مكتوبة في حياة المؤلّف: "ابن أمير حاج" ، ومن أصله المبيّض بخطّهٖ ومقابلة بنسختهٖ ومقروء ة عليه أيضًا ، وعليها خطّه في مواضع كثيرة جدًّا ، وبعض تعليقات عن المؤلّف ، أضافها تلميذه " بدر الدّين محمود العيني الحلبي " أثناء قراء تها عليه .

فهٰذه النّسخة – النّسخة المنقولة عن مبيّضة المؤلّف والمقابلة بها والمقروء ة عليه والمتحلّية بخطّه وتوقيعه – لا تدع أيّ مجال للتّردّد في أن اسم الكتاب الّذي سمّاه مؤلّفه: " حلبة المجلّي " بفتح الحاء من " حلبة " وسكون اللّام ، يليها باء موحّدة ، و "المجلّي" بضمّ الميم وفتح الجيم وكسر اللّام المشدّدة .

==

ہے یا مؤول ہے[1] كما هو مذكور في الشّروح والحواشي، بہرحال اعادہ اس نماز کا واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۳/۴)

عورتوں کے سامنے آنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال: (۱۳۴۶) اگر نماز ادا کرتے وقت عورتیں سامنے آجاویں تو نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

(۱۶۶۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: عورتوں کے سامنے آجانے سے نماز میں کچھ خلل نہیں ہوتا اور نماز فاسد نہیں ہوتی ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۸/۴)

== وأضاف الشّيخ أنّ هٰذا التّحريف وقع عن " ابن عابدين " أيضًا في " حاشيته على الدّرّ المختار " كما في مخطوطة " الحاشية " الّتي كتبها ابن عابدين بعده .

وكان التّحريف في جميع نسخ الحاشية المطبوعة متابعة بخطّ الشّيخ ابن عابدين نفسه .

وقال: أنا أجزم أنّ هٰذا سرى على ابن عابدين من "مخطوطة الحلبة" الّتي كانت بيده، ولا ريب! وفي حوزتي نسخة مخطوطة من الكتاب المذكور، وقع التّحريف في تسميتها أيضًا ، فجاء على وجهها: "حلية المجلّي" بالياء وهو تحريف يقع مثله كثيرًا في المخطوطات ، وصوابه ما أثبتناه آنفًا .

ومن هٰذا كلّه وجب الجزم بأنّ ما وقع في "حاشية ابن عابدين" أو غيرها من تسمية الكتاب:"حلية المجلّي" بالإضافة ، أو: "حلية" من غير إضافة ؛ إنّما هو تحريف من النّسّاخ يجب تصحيحه وإثباته بلفظ "حلبة المجلّي" أو: "حلبة" بالباء الموحّدة . (الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة للكنوي ، بتحقيق الشّيخ عبد الفتّاح أبو غدة، ص:۱۹۷-۲۰۱، ملخّصًا ، المطبوعة: مكتب المطبوعات الإسلامية ، بيروت)

(۱) وقوله : (ولو امرأةً أو كلبًا) بيانٌ للإطلاق ، وأشار بهٖ إلى الرّدّ على الظّاهرية بقولهم يقطع الصّلاةَ مرورُ المرأةِ والكلبِ والحمارِ ، وعلٰى أحمدَ في الكلب الأسودِ ، وإلٰى أن ما روي في ذلك منسوخ كما حقّقه في الحلبة. (ردّ المحتار : ۳۴۳/۲، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب:إذا قرأ قوله:"تعالٰى جدّك"بدون الألف لا تفسدُ)ظفیرؔ

عورت کے محاذات میں ہونے کا مطلب

سوال: (۱۳۴۷) محاذاتِ عورت سے کیا مراد ہے؟ اور یہ اجنبیہ ہی سے ہوتا ہے یا محرمہ سے بھی؟ (۱۳۴۳/۱۳۱۳ھ)

الجواب: محاذات عورت کی مرد سے تین طرف سے مفسدِ صلاۃ ہے، شامی میں ہے: وقد صرّحوا بأنّ المرأةَ الواحدةَ تُفسِدُ صلاةَ ثلاثةٍ إلخ مَن عن يمينِها ومَن عن يسارِها ومَن عن خلفها [۱] اور یہ عام ہے عورت محرمہ ہو یا غیر محرمہ ہو (شامی) [۲] فقط واللہ اعلم (۴/۵۴)

عورت مردوں کے پہلو میں کھڑی ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۳۴۸) ایک عورت ظہر، عصر پنج گانہ نمازوں میں آ کر خود با جماعت مردوں کے برابر کھڑی ہو جائے تو مردوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۷۹۱/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: ایسی صورت میں جو مرد بالغ اس عورت کے برابر ہے اس کی نماز نہیں ہوئی، یعنی ایک مرد داہنی طرف اور ایک بائیں طرف جو برابر اس عورت کے ہیں ان دونوں کی نماز نہ ہوگی۔ کذا في الدّرالمختار: و إذا حاذتْه و لوبعضوٍ واحدٍ إلخ امرأةٌ ...... مُشتهاةٌ إلخ فسدت صلاتُهُ لو مكلّفًا إلخ [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۶۸)

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۲۷۱، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، مطلب في الكلام على الصّفّ الأوّل .

(۲) المرأةُ إذا صلّت مع زوجِها في البيت إن كان قدمُها بحذاءِ قدمِ الزّوج لا تجوز صلاتُهما بالجماعة (وفيه أيضًا) قوله (غير معلول بالشّهوة) أي ليست علّة الفساد الشّهوة ولذا أفسدنا بالعَجوزِ الشَّوْهَآء وبالمَحرمِ كأُمِّهٖ وبنتِهٖ. (ردّ المحتار: ۲/۲۷۱-۲۷۶، كتاب الصّلاة باب الإمامة ، مطلب في الكلام على الصّفّ الأوّل) ظفیرؒ

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۷۰-۲۷۴، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، مطلب في الكلام على الصّفّ الأوّل .

نماز میں بوسہ لینے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۱۳۴۹) مرد نماز میں تھا، عورت نے اس کا بوسہ لیا، اس سے مرد کو خواہش پیدا ہوئی، نماز جاتی رہی، اگر چہ یہ اس کا اپنا فعل نہ تھا، اور عورت نماز پڑھتی تھی، مرد نے بوسہ لیا، عورت کو خواہش ہوئی تو عورت کی نماز نہ جائے گی، اگر چہ یہ بھی اس کا اپنا فعل نہیں ہے، زید کا یہ قول صحیح ہے یا غلط؟ (۱۶۸۱/۱۳۴۳ھ)

الجواب: درمختار میں یہ مسئلہ اس طرح لکھا ہے کہ اگر مرد نے عورت کا بوسہ نماز میں لیا یعنی عورت نماز پڑھ رہی تھی اور اس حالت میں مرد نے اس کا بوسہ لیا خواہ شہوت ہو یا نہ ہو تو عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر مرد نماز پڑھ رہا تھا اور عورت نے اس کا بوسہ لیا اور مرد کو شہوت ہوگئی تو مرد کی نماز فاسد ہوگئی، اور اگر مرد کو شہوت نہ ہوئی تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی، عبارت اس کی یہ ہے: مسّها بشهوةٍ أو قبّلها بدونها فسدت لا لو قبّلته ولم يشتهها إلخ[۱] (الدّرّ المختار) فقط (۴/۵۴-۵۵)

وضاحت: اور فرق دونوں مسئلوں میں یہ ہے کہ مرد کے بوسہ لینے میں جماع کے معنی ہے (درمختار) یعنی اگر عورت نماز پڑھتی تھی اور شوہر نے بوسہ لے لیا تو عورت کی نماز اس لیے فاسد ہوئی کہ فاعل جماع کا مرد ہوتا ہے، تو جب دواعی جماع میں سے کوئی عورت کے ساتھ کرے گا تو اس کی نماز فاسد ہوگی اور اگر مرد نماز پڑھتا ہے اور عورت نے بوسہ لیا تو عورت فاعل جماع کی نہیں، اس لیے اس کی طرف سے دواعی کا پایا جانا داخل جماع نہیں، جب تک کہ مرد کو شہوت نہ ہو۔

(غایۃ الاوطار: ۱/۳۳۰)

والفرق أنّ في تقبيله معنى الجماع (الدّرّ المختار) وأشار في الخلاصة إلى الفرق بأنّ تقبيله في معنى الجماع، يعني أنّ الزّوجَ هو الفاعل للجماع فإتيانه بدواعيه في معناه ولو جامعها ولو بين الفخذين تفسد صلاته فكذا إذا قبّلها مطلقًا لأنّه من دواعيه،

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۳۶، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في المشي في الصّلاة.

وکذا لو مسّها بشهوة ، بخلاف المرأة فإنّها ليست فاعلةً للجماع فلا يكون اتيان دواعيه منها في معناه ما لم يشتهي الزّوج. (الدّرالمختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۳۶، كتاب الصّلاة باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب في المشي في الصّلاة)

صرف إلاّ الله کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اور لا إله کے بغیر إلاّ الله کا ذکر کرنا جائز ہے

سوال: (۱۳۵۰) ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے، ناگاہ بندوق یا گولے کی آواز اس کے کان میں آئی بے اختیار اس کے مُنہ سے محض إلاّ الله نکلا، اس صورت میں نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہ؟ اور لفظ إلاّ الله بغیر لآ إله کے ذکر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۸۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قال في الدّرّالمختار: ولو سَقَطَ شيءٌ من السّطح فَبَسْمَلَ أودعا لأحدٍ أو عليه ، فقال: آمين تفسد ، ولا يفسد الكلُّ عندالثّاني ، والصّحيح قولُهُمَا إلخ . وفي ردّ المحتار: قوله: (فَبَسْمَلَ) يُشْكَلُ عليه ما في البحر: لو لدغتْه عقربٌ أو أصابَهُ وَجَعٌ فقال: بِسْمِ الله ، قيل: تَفسُدُ لأنّه كالأَنِينِ ، وقيل: لا ، لأنّه ليس من كلام النّاس ، وفي النّصاب: وعليه الفتوىٰ ، وجزم بِهِ في الظّهيرية ، وكذا لو قال: يَارَبِّ! كما في الذّخيرة إلخ [1] پس معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں راجح عدم فسادِ نماز ہے۔ اور ذکر الا اللہ بدون لا الہ کے صوفیائے کرام میں معروف ومروج ہے، اور درست ہے کیونکہ مقصود اس سے اثبات بعد النفی ہے، اسی لیے صوفیائے کرام جو یہ ذکر فرماتے ہیں تو اوّل پورا کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں، پھر اسی نفی اوّل کے ساتھ اثبات کا کلمہ متصل کرتے ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ مقصود الا اللہ سے یہی ہوتا ہے کہ کوئی معبود ومقصود اللہ کے سوا نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۶۵-۶۶)

---

(۱) الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲/۳۲۸، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب: المواضع الّتي لا يجب فيها ردّ السّلام .

نماز میں آنحضرت ﷺ کا خیال آنا اور لانا کیسا ہے؟

سوال: (۱۳۵۱) نماز میں رسول اللہ ﷺ کا اگر خیال آجاوے تو نماز ہو جاوے گی یا نہیں؟ اگر نماز میں خیال لایا جاوے تو کیا حکم ہے؟ (۱۳۱۹/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: جب نماز میں خود التحیات میں اور درود شریف میں آنحضرت ﷺ کا ذِکر ہے تو خیال آنا تو ضروری ہوا، باقی نماز خالص عبادت اللہ کے لیے ہے، غیر اللہ کا خیال علی سبیل التعظیم والعبادۃ نہ آنا چاہیے، اور نماز ہر حال میں صحیح ہے؛ کیونکہ خیال پر باز پرس نہیں ہے۔ فقط (۴/ ۱۴۰)

شغدف (ہودج) میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۳۵۲) ...... (الف) مکہ معظّمہ سے جو قافلہ مدینہ منورہ کو جاتا ہے، اس میں اگر 'شغدف' (پردہ دار کجاوہ) سے اتر کر نماز پڑھیں تو قافلہ سے بعید ہونے کی حالت میں جان جوکھوں کا ڈر ہے تو 'شغدف' میں نماز عصر پڑھنا کیسا ہے؟

(ب) مغرب کے وقت قافلہ کچھ دیر ٹھہرتا ہے، نماز سب زمین پر پڑھتے ہیں، مگر بعض حاجی 'شغدف'' سے اتر کر استنجاء اور وضو کر کے نماز 'شغدف' میں جا کر پڑھتے ہیں یہ جائز ہے یا نہ؟

(ج) نماز عشاء شافعی تو مغرب ہی کے وقت پڑھ لیتے ہیں، مگر احناف 'شغدف' میں ادا کرتے ہیں، یہ وقت نہایت خوف ناک ہوتا ہے۔

(د) فجر کو بھی مثل عصر کے کچھ اصحاب اونٹوں سے اتر کر نماز ادا کرتے ہیں، اور اکثر ''شغدف' پر۔

(ھ) بعض چھوٹی منزل پر [آخر] [1] رات میں قبل از طلوع صبح صادق [قافلہ کا] [2] قیام ہوتا ہے، اس صورت میں بعض لوگ تو تاخیر عشاء کر کے منزل پر پہنچ کر نماز پڑھتے ہیں، اور کثرت سے وقت موعودہ پر 'شغدف' میں ہی نماز پڑھ لیتے ہیں؟ (۵۶۴/ ۱۳۴۰ھ)

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں [آخر] کی جگہ '' آدھی'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) قوسین کے درمیان والے الفاظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیے گئے ہیں۔۱۲

الجواب: (الف) عذر مذکور سے 'شغدف' میں نماز صحیح ہے[۱]

(ب) اس وقت میں 'شغدف' میں نماز صحیح نہیں ہے۔

(ج) اس وقت بھی 'شغدف' میں نماز صحیح ہے۔

(د) اس کا حکم بھی مثل جواب (الف) کے ہے۔

(ھ) جو لوگ بلا انتظار منزل 'شغدف' میں نماز پڑھتے ہیں ان کی نماز بھی صحیح ہے، **كذا حققه في الشامي**. (اب نہ 'شغدف' کی مصیبت ہے اور نہ راستہ خطرناک اور خوف ناک ہے، اب بس کے ذریعہ حجاج آتے جاتے ہیں اور نماز کے وقت سب اتر کر نماز ادا کرسکتے ہیں، اس لیے اب اتر کر باجماعت نماز ادا کرنی چاہیے، 'شغدف' میں نماز فرض درست نہ ہوگی، اس لیے کہ عذر باقی نہ رہا۔ ظفیر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۶۶-۶۸)

اونٹ پر نماز درست نہیں

سوال: (۱۳۵۳) سفر حجاز میں اونٹ پر بیٹھ کر نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ (۲۰۴۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: سفر حجاز میں اونٹ پر نماز درست نہیں ہے[۲] لیکن علماء حنفیہ حرمین شریفین کا فتویٰ اس پر ہے کہ وہاں جمع بین الصلاتین کر لینا درست ہے، مثلاً مغرب کے وقت قافلہ ٹھہرتا ہے؛

---

(۱) واعلمْ إن ما عدَا النّوافلِ من الفرضِ والواجبِ بأنواعِهِ لا يصحّ على الدّابّة إلاّ لضرورةٍ كخوف لصٍّ علٰى نفسِهِ أو دابّتِهِ أو ثيابِهِ لو نزل ، وخوفِ سَبُعٍ وطينٍ ونحوِهِ ممّا يأتي والصّلاة على المَحملِ الّذي على الدّابّة كالصّلاة عليها فيُومئ عليها. (ردّ المحتار: ۲/۴۲۵ كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في الصّلاة على الدّابّة) اب حجاز میں اس طرح کا خطرہ باقی نہیں رہا، اور نہ 'شغدف' پر سفر کا رواج رہا۔ ظفیرؒ

(۲) ويَتنفّلُ المقيمُ راكبًا خارجَ المصرِ (الدّرّ المختار) واحترزَ بالنّفل عن الفرضِ والواجبِ بأنواعهِ كالوترِ والمنذورِ و ما لَزِمَ بالشّروع و الإفسادِ و صلاةِ الجنازة و سجدةٍ تُليتْ على الأرض فلا يجوز على الدّابّة بلا عذرٍ لعدم الحَرَج . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۲۴، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل، مطلب في الصّلاة على الدّابّة)

اگر عشاء کے وقت پھر اترنا دشوار ہو تو مغرب کے وقت میں مغرب کی نماز کے بعد عشاء کی نماز بھی پڑھ سکتے ہیں، اسی طرح ظہر وعصر کو جمع کر سکتے ہیں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۷۰)

وضاحت: یہ فتویٰ اس زمانہ میں تھا جب حجاز میں امن وامان باقی نہ رہ گیا تھا۔ الحمد للہ اب یہ حالت نہیں ہے، اب پورا امن وامان ہے، لہٰذا اب یہ جمع بین الصلاتین کا فتویٰ بھی باقی نہیں رہا، سوائے عرفہ اور مزدلفہ کے موقع کے۔ واللہ اعلم۔ محمد ظفیر الدین عفی عنہ

دو منزلہ مکان پر نماز درست ہے

سوال: (۱۳۵۴) دو منزلہ مکان پر نماز پڑھنی جائز ہے یا نہ؟ (۱۶۸۲/۱۳۴۲ھ)

الجواب: جائز ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۶۹)

جمائی میں یا درد سے آواز نکل جائے تو نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۳۵۵) جو شخص نماز میں جمائی اس قدر چلا کر کرے کہ اس کی آواز مسجد سے

---

(۱) ولا جمعَ بين فرضينِ في وقتٍ بعذرِ سفرٍ و مطرٍ خلافًا للشّافعي ، وما رواه محمولٌ على الجمع فِعلًا ؛ لا وقتًا ، فإن جمع فسد لو قدّم الفرضَ على وقتِهِ ، وحَرُمَ لو عكس أي أخرّهُ عنه ، وإن صحّ بطريقِ القضاءِ إلّا لِحاجٍّ بعَرَفَةَ ومُزْدَلِفَةَ كما سيجيء ، ولا بأس بالتّقليد عند الضّرورة ، لكن بشرط أن يلتزِمَ جميعَ ما يُوجبُهُ ذلك الإمامُ لما قدّمنا أنّ الحكمَ المُلَفَّقَ باطلٌ بالإجماع (الدّرّ المختار) قوله : (عند الضّرورة إلخ) ...... المسافر إذا خاف اللصوصَ أو قُطّاعَ الطّريق ولا ينتظرهُ الرُّفقة جاز له تأخيرُ الصّلاة ، لأنّه بعذر إلخ لكن الظّاهر أنّهُ أراد بالضّرورة ما فيه نوعُ مشقّةٍ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ۲/۴۱-۴۳، كتاب الصّلاة ، قبيل باب الأذان) ظفير

(۲) اس لیے کہ یہ زمین ہی کے حکم میں ہے، محمل کے متعلق فقہاء لکھتے ہیں: لا تجوز الصّلاةُ عليها إذا كانت واقفةً إلّا أن تكون عِيْدانُ المَحملِ على الأرض بأن ركّزَ تحتَهُ خشبةً (الدّرّ المختار) وهٰذا لو بِحيثُ يَبقٰى قرارُ المَحْملِ علَى الأرضِ لا على الدّابّة فيصيرُ بمنزلةِ الأرضِ فتصحّ الفريضةُ فيه قائمًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ۲/۴۲۶، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل مطلب في الصّلاة على الدّابّة) ظفیرؒ

باہر چلی جائے اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر وہ شخص بوجہ شدّت درد کے چلایا تو کیا حکم ہے؟

(۱۰۳۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: جمائی میں آواز نکل جانے سے نماز ہوجاتی ہے۔ اور آواز سے رونا درد اور مصیبت کی وجہ سے اور چلانا درد کی وجہ سے مفسد نماز ہے۔ کذا في الدّرّ المختار[1] فقط (۶۹/۴)

امام نماز میں فوت ہوجاوے تو مقتدی کس طرح نماز پوری کریں؟

سوال: (۱۳۵۶) اگر امام سجدہ میں فوت ہوجاوے تو مقتدی نماز کس طرح پوری کریں؟

(۲۵۸۰/۱۳۳۹ھ)

الجواب: وہ نماز فاسد ہوگئی[2] پھر کسی کو امام بنا کر ازسرنو نماز پڑھنی چاہیے۔ فقط (۷۰/۴)

---

(۱) والبُکاءُ بصوتٍ یحصلُ بِہٖ حروفٌ لِوَجَعٍ أو مصیبةٍ ؛ قَیدٌ للأربعة إلاّ لمریضٍ لا یَملِكُ نفسَہ عن أنینٍ وتأوّہٍ ، لأنّہ حینئذٍ کعُطاسٍ وسُعالٍ وجُشاءٍ وتَثاؤُبٍ ، وإن حصل حروفٌ للضّرورة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۲۶/۲، کتاب الصّلاة ، باب ما یفسد الصّلاة وما یکرہ فیها ، مطلب: المواضع الّتي لا یجب فیها ردُّ السّلام) ظفیرؒ

(۲) وإذا ظهر حدث إمامه وکذا کلّ مفسد في رأي مقتد بطلت فیلزم إعادتها لتضمّنها صلاة المؤتمّ صحّةً و فسادًا . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۹۳/۲-۲۹۴، کتاب الصّلاة باب الإمامة، مطلب: المواضع الّتي تُفسِدُ صلاةَ الإمام دونَ المؤتمّ) ظفیرؒ

بقيَ من المفسداتِ ارتدادٌ بقلبِہٖ وموتٌ وجنونٌ و إغماءٌ وکلُّ موجبٍ لوضوءٍ أو غُسلٍ (الدّرّ المختار) قوله: (وموتٌ) أقول: تَظهرُ ثمرتُہٗ في الإمام لو مات بعدَ القعدة الأخیرة بطلتْ صلاةُ المُقْتدِیْنَ بِہٖ فیلزمُهُم استئنافُها (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۳۷/۲، کتاب الصّلاة ، باب ما یفسد الصّلاة وما یکرہ فیها ، مطلب في المشي في الصّلاة) ظفیر

قراءت کی لغزشوں کا بیان

اِلَیْنَآ اِیَابَھُمْ کے بجائے عَلَیْنَآ اِیَابَھُمْ پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی

سوال: (۱۳۵۷) ایک شخص نے نماز میں بجائے ﴿اِنَّ اِلَیْنَآ اِیَابَھُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَھُمْ﴾ (سورۂ غاشیہ، آیت: ۲۵-۲۶) کے اِنَّ عَلَیْنَا اِیَابَھُمْ ثُمَّ اِنَّ اِلَیْنَا حِسَابَھُمْ پڑھا، نماز ہوئی یا نہیں؟

(۱۲۸۲/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: ﴿اِنَّ اِلَیْنَآ اِیَابَھُمْ﴾ میں اگر اِنَّ عَلَیْنَا اِیَابَھُمْ سہواً پڑھا گیا تو نماز ہوگئی، کیونکہ اس سے معنی میں کچھ فرق نہیں ہوا[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۷۱)

فَالْمُلْقِیَاتِ ذِکْرًا کی جگہ فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا پڑھا تو نماز صحیح ہے

سوال: (۱۳۵۸) زید نے سورۂ والمرسلات نماز میں شروع کی، مگر بجائے ﴿فَالْمُلْقِیٰتِ ذِکْرًا﴾ کے ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ جو والنازعات میں ہے پڑھا نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

(۱۷۱/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز ہوگئی[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۸۵)

---

(۱) ومنها ذِكرُ كلمةٍ مكانَ كلمةٍ علىٰ وجهِ البدلِ إن كانت الكلمةُ الّتي قرأَها مكانَ كلمةٍ يَقرُبُ معْناها وهي في القرآن لا تَفسُدُ صلاتُهٗ ؛ نحو إن قرأ مكانَ الْعَلِيْمِ الْحَكِيْمَ. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۰، كتاب الصّلاة ، الباب الرّابع في صفة الصّلاة ، الفصل الخامس في زلّة القاري) ظفیر

مِنْ رَّبِّهٖ کی جگہ مِنْ قِبَلِهٖ پڑھا تو نماز صحیح ہے

سوال: (۱۳۵۹) ایک امام نے ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۸۵) کی جگہ مِنْ قِبَلِهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ پڑھا نماز ہوئی یا نہیں؟ (۳۶۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جو صورت سوال کی آپ نے لکھی ہے اس میں نماز ہوگئی[1] فقط (۴/۸۷-۸۸)

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ کی جگہ وَلَآ اَنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ پڑھا تو نماز ہوگئی

سوال: (۱۳۶۰) زید نے فرض مغرب میں سورت: ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ میں ﴿لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَآ اَنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ الآية﴾ پڑھ کر رکعت اوّل پڑھائی، اور دوسری میں اِذَا جَآءَ پڑھی آیا نماز ہوگئی یا نہیں؟ (۳۷۴/۱۳۳۵ھ)

الجواب: نماز ہوگئی کیونکہ معنی صحیح رہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۸۵)

لَآ اَعْبُدُ اور مَا تَعْبُدُوْنَ کو لَا اور مَا کا الف حذف کر کے پڑھا تو نماز نہیں ہوئی

سوال: (۱۳۶۱) سورۂ کافرون کی دوسری آیت کے شروع میں جو ﴿لَآ اَعْبُدُ﴾ ہے اور میم کے ساتھ ﴿مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ ہے، اگر لَا کا الف اور مَا کا الف گرادیا جاوے اور صرف زبر کے ساتھ دونوں پڑھے جاویں تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو نماز لوٹانی چاہیے یا نہ؟ (۶۳۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نماز نہیں ہوئی، سب کو لوٹانا چاہیے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۸۹)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

(۲) ومنها حذفُ حرفٍ ...... إلى قولِهٖ ...... وإن لم يكن علٰى وجهِ الإيجاز والتّرخيم............ وإن غيّـرَ المعنٰى تفسُدُ صلاتُهٗ عند عامّة المشائخ. (الفتاوى الهندية : ۱/۷۹، كتاب الصّلاة، الباب الرّابع في صفة الصّلاة ، الفصل الخامس في زلّة القاري) ظفیرؔ

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ کے بجائے مِنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ پڑھا تو نماز نہ ہوگی

سوال: (۱۳۶۲) ایک شخص نے نماز میں آیت کریمہ: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۵۷) میں غلطی سے سہواً دونوں جگہ یعنی ﴿مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ کی جگہ مِنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اور ﴿مِنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ﴾ کی جگہ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ پڑھا، اس صورت میں نماز صحیح ہوگئی یا نہیں؟ (۱۳۸۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز نہیں ہوئی کیونکہ یہ غلطی مفسدِ معنی ہے، اس میں نماز صحیح نہیں ہوتی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۷۱-۷۲)

امام بھول کر کچھ الفاظ چھوڑ دے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۱۳۶۳) امام نے قراءت شروع کی اور ایک دو آیت پڑھ کر بھول گیا، اور کچھ الفاظ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا تو نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ (۴۹۳/۱۳۳۸ھ)

الجواب: نماز ہوگئی (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۷۴)

(۱) وإن كانَ في القرآنِ ولكن لا تَتقارَبَانِ في المعنٰى نحوُ إن قرأ وعدًا علينا إنّا كُنّا غَافِلِيْنَ مكانَ "فَاعِلِيْنَ" ونحوُه ممّا لو اعتقدَهُ يَكْفُرُ تَفسُدُ عندَ عامّة مشائخِنَا ، وهو الصّحيح من مذهب أبي يوسفؒ ، هٰكذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية :۱/۸۰، كتاب الصّلاة ، الباب الرّابع في صفة الصّلاة ، الفصل الخامس في زلّة القاري) ظفيرؒ

(۲) ولو زاد كلمةً أونقص كلمةً أونقص حرفًا أوقدّمه أو بدّله بآخر إلخ لم تفسد ما لم يتغيّر المعنٰى (الدّرّ المختار) قوله: (نقص كلمة) ...... ولم يُمثِّل لهُ الشّارح ، قال في شرح المنية: وإن ترك كلمةً من آيةٍ فإن لم تُغيِّرِ المعنٰى مثلَ :﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا﴾ (في سورة الشّورٰى الآية: ۴۰) بترك ﴿سَيِّئَةٌ﴾ الثّانية لا تفسد ، وإن غيّرت مثلَ ==

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَآءَ رَبِّهٖ میں كَانَ چھوٹ جائے تو نماز صحیح ہے

سوال: (۱۳۶۴) امام نے جمعہ کی نماز میں آیت: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ﴾ (سورۂ کہف، آیت: ۱۱۰) میں لفظ ﴿كَانَ﴾ کو سہواً چھوڑ دیا تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ یا اعادہ ضروری ہے اعادہ نہ کرنے کی وجہ سے جو شخص امام پر طعن کرے اس کے لیے کیا حکم ہے؟ (۱۵۱۴/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز صحیح ہوگئی، پس جو شخص بوجہ عدم واقفیت کے اعادہ نماز کا ضروری سمجھتا ہو اس کو سمجھا دیا جاوے کہ مسئلہ اس طرح ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۵/۴)

اٰيٰتِهٖ کی جگہ اٰيٰتِنَا پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی

سوال: (۱۳۶۵) حافظ صاحب سے نماز جمعہ کی اوّل رکعت میں یہ سہو ہوا کہ سورۂ جمعہ کی دوسری آیت میں کلمہ ﴿اٰيٰتِهٖ﴾ کی جگہ اٰيٰتِنَا پڑھا، اس صورت میں نماز صحیح ہوئی یا اعادہ کی ضرورت تھی، اور ﴿اٰيٰتِهٖ﴾ اور اٰيٰتِنَا کے معنی میں کیا فرق ہے؟ (۲۴۸۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اگرچہ ﴿اٰيٰتِهٖ﴾ اور اٰيٰتِنَا کے معنی میں فرق ہے، لیکن اس موقع پر دونوں طرح مطلب صحیح ہے[1] جیسا کہ اہل بلاغت کے نزدیک غائب سے تکلم کی طرف التفات ہونا ایک خوبی اور حسن سمجھا جاتا ہے، اور قرآن شریف میں بہت جگہ التفات واقع ہوا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۳/۴)

لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ کی جگہ اَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهٗ پڑھا تو نماز صحیح ہے

سوال: (۱۳۶۶) اگر کوئی شخص نماز میں بجائے ﴿بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ﴾

= = ﴿فَمَا لَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ﴾ بترك ﴿لَا﴾ فإنّه يُفسد عند العامّة، وقيل: لا، والصّحيح الأوّل. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۴۰-۳۴۱ كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: مسائل زَلّةِ القاري) ظفیرؒ

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

(سورۂ قیامہ، آیت:۵) کے بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهٗ پڑھ دیوے تو نماز صحیح ہے یا نہیں؟

(۶۵۱/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: نماز ہوجائے گی [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۷۴)

لحافظون کی جگہ لنافظون پڑھنے سے نماز ہوجاتی ہے

سوال: (۱۳۶۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ امام نے نماز کی پہلی رکعت میں بہ مقدار دس آیات کے بعد سہواً بجائے ﴿لَحَافِظُوْنَ﴾ کے لَنَافِظُوْنَ پڑھا ہے، اس صورت میں نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اس کا جواب مع حوالہ کتاب تحریر فرماویں۔

(۲۹۷/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: نماز ہوگئی [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۹۱-۹۲)

خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى کی جگہ خَيْرٌ لَّكَ وَالْاُوْلٰى پڑھنے سے نماز ہوجاتی ہے

سوال: (۱۳۶۸) امام نے نماز میں بجائے ﴿خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى﴾ (سورۂ ضحیٰ) کے خَيْرٌ لَّكَ وَالْاُوْلٰى پڑھا ہے تو نماز ہوئی یا نہیں؟ (۲۹۳/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز ہوگئی کیوں کہ معنی میں ایسا تغیر نہیں ہوا جو کہ مفسدِ نماز ہو، اب معنی یہ ہوگئے کہ البتہ آخرت اور دُنیا آپ کے لیے دونوں بہتر ہیں؛ جیسا کہ مفہوم آیت: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً﴾ (سورہ بقرہ، آیت:۲۰۱) کا ہے [۱] فقط (۴/ ۸۲)

الْكَرِيْم کی جگہ الْعَظِيْم پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی

سوال: (۱۳۶۹) ایک روز میں نے نماز میں سورۂ مومنون کی آخر کی آیتیں پڑھیں،

---

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

اور بجائے ﴿رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ﴾ کے سہواً رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ پڑھا نماز ہوگئی یا نہیں؟

(۶۶۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز ہوگئی[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۶/۴)

زِیْنَةً لَّهَا کی جگہ فِتْنَةً لَّهَا اور عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ کی جگہ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ پڑھنے سے نماز ہوجاتی ہے

سوال: (۱۳۷۰)...... (الف) اگر کسی نے نماز میں ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا﴾ (سورۂ کہف، آیت: ۷) کی جگہ فِتْنَةً لَهَا پڑھا تو یہ فسادِ معنی مفسدِ صلاۃ ہوگا یا نہیں؟

(ب) اگر کسی نے نماز میں بجائے ﴿فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ﴾ (سورۂ کہف، آیت: ۱۱) کے عَلٰى آثَارِهِمْ پڑھا تو نماز درست ہوئی یا نہ؟

(ج) اگر کوئی شخص نماز میں ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ﴾ (سورہ کہف، آیت: ۱۰۵) میں ﴿وَ لِقَآئِهٖ﴾ کو چھوڑ دے، تو نماز ہوگی یا نہیں؟ (۸۳/۱۳۴۱ھ)

الجواب: (الف-ج) ان تینوں صورتوں میں نماز درست اور صحیح ہے[1] فقط (۷۷/۴)

كَفَرُوْا کی جگہ اٰمَنُوْا اور بِوَالِدَيْهِ کی جگہ بِوَالِدَتِي پڑھا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۳۷۱)...... (الف) امام نے سورۂ رعد میں بجائے ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ﴾ (آیت: ۲۷) رکوع چہارم شروع کیا، اور وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِلیٰ آخرہ پڑھ دیا، حالانکہ سورۂ محمد میں رکوع سویم ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ الآية﴾ (آیت: ۲۰) بھی موجود ہے، اس صورت میں نماز ہوگئی یا نہیں؟ (۱۰۵/۱۳۴۱ھ)

---

(۱) حوالہ سابقہ ۱۲

(ب) سورۂ مریم میں پہلا رکوع ﴿یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ إلخ ، وَکَانَ تَقِیًّا وَّ بَرًّا م بِوَالِدَیْہِ﴾ کی بجائے، وَ بَرًا بِوَالِدَتِی پڑھا تو نماز کا کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۱/۱۰۵ھ)

الجواب: پہلی اور دوسری صورت میں نماز ہوگئی اور یہ اوسع ہے [1] فقط (۷۸/۴)

اگر قراءت میں کوئی لفظ رہ جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۱۳۷۲) نماز جمعہ کی دوسری رکعت میں ایک شخص نے آیت: ﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ﴾ آخر تک پڑھی، لفظ ﴿نُوْدِیَ﴾ کے بعد ﴿لِلصَّلٰوۃِ﴾ نہیں پڑھا گیا، بعد سلام کے کہا گیا تو جواب دیا کہ آیت بڑی تھی، اس لیے چھوڑ کر پڑھا ہے تو نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۳۳۱ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز ہوگئی، مگر عمداً چھوڑنا لفظ ﴿لِلصَّلٰوۃِ﴾ کا بعد ﴿نُوْدِیَ﴾ کے غلط ہے، اور یہ اس امام کی جہالت اور غلطی ہے کہ ایسی تاویل رکیک کرتا ہے، اس کو صاف کہہ دینا چاہیے کہ مجھ سے سہو ہوا، اور سہوًا یہ کلمہ چھوٹ گیا ہے، مگر نماز صحیح ہوگئی بوجہ نہ فاسد ہونے معنی کے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۵/۴-۷۶)

سوال: (۱۳۷۳) آیت: ﴿یٰۤاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۳۵) میں اگر ﴿اَنْتَ﴾ سہوًا رہ جائے تو نماز ہوگی یا نہ؟ (۱۳۳۷/۱۴۲۲ھ)

الجواب: نماز صحیح ہے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۲/۴)

---

(۱) إذا لَحَنَ في الإعرابَ لحنًا لایُغیّر المعنٰی بأن قرأ: لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتُکُمْ برفعِ التّاء لاتَفسُدُ صلاتُہٗ بالإجماع . وإن غیّرَ المعنٰی تغیُّرًا فاحشًا بأن قرأ: وَعَصٰی آدَمَ رَبُّہٗ بنصب المیم ورفع الرّبّ ، وما أشبہ ذلک ممّا لو تعمّد بہٖ یَکفُرُ. إذا قرأ خطاءً فسدت صلاتُہٗ في قولِ المتقدّمینَ ، واختلف المتأخّرون ، قال محمّد بن مُقاتلٍ وأبو نَصْرٍ محمّدُ بن سلامٍ إلخ لا تفسد صلاتُہٗ. وما قالہُ المتقدّمون أحوطُ، لأنّہ لو تعمّدَ یکون کفرًا وما یکونُ کفرًا لا یکون من القرآن ، وما قالہ المتأخّرون أوسعُ لأنّ النّاس لا یُمیّزون بین إعرابٍ وإعرابٍ إلخ وھو الأشبہ. کذا في المحیط: وبہ یفتٰی، کذا في العتّابیّۃ وھٰکذا في الظّھیریّۃ. (الفتاوی الھندیّۃ: ۸۱/۱، کتاب الصّلاۃ ،الباب الرّابع في صفۃ الصّلاۃ ، الفصل الخامس في زلّۃ القاري) ظفیرؒ

کوئی آیت چھوٹ جائے اور معنی نہ بدلے ہوں تو نماز بلا کراہت صحیح ہے

سوال: (۱۳۷۴) اگر امام سے درمیان قراءت کے کوئی آیت چھوٹ جاوے تو نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ (۲۳۱۶/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: نماز بلا کراہت صحیح ہے اگر معنی نہ بدلے ہوں [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۷۵)

قُلْ هُوَ اللّٰه میں اَللّٰهُ الصَّمَدُ چھوڑ دیا تو نماز ہوگئی

سوال: (۱۳۷۵) امام نے قُلْ هُوَ اللّٰه پڑھی اور ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ چھوٹ گیا، اور سجدۂ سہو کرلیا؛ نماز ہوگئی یا نہیں؟ (۱۷۹۳/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: نماز ہوگئی [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۷۵)

آیت کا کوئی حصہ چھوٹ جائے اور معنی نہ بدلے ہوں تو نماز ہوگئی

سوال: (۱۳۷۶) امام صاحب نماز میں سورۂ جمعہ پڑھ رہے تھے، درمیان میں آیت: ﴿بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ سہواً چھوٹ گئی، زید کہتا ہے کہ نماز نہیں ہوئی، عمر کہتا ہے کہ نماز ہوگئی، اس میں سجدۂ سہو کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(۲۷۲۸/ ۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز میں کوئی نقص نہیں آیا، اور سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا کیونکہ سجدۂ سہو واجب کے ترک کرنے سے لازم آتا ہے، اور یہاں پر قدر فرض اور واجب کے قراءت ادا ہوگئی، اور درمیان قراءت کے چھوٹ جانے سے کچھ حرج نہیں ہوا [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۷۷)

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا بھول گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی

سوال: (۱۳۷۷) ایک شخص نے نماز میں بعد فاتحہ کے اِذَا زُلْزِلَتْ پڑھی، اور ﴿وَاَخْرَجَتِ

---

(۱) حوالہ سابقہ ۱۲

﴿الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا﴾ بھول گیا تو نماز ہوئی یا نہ؟ (۱۳۴۱/۱۵۰۵ھ)

الجواب: اورآیت: ﴿وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا﴾ کے درمیان میں سے چھوٹنے سے معنی میں بھی کچھ تغیر نہیں ہوتا، لہٰذا صحت نماز میں کچھ شبہ نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۸/۴)

بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ

پڑھنا بھول گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی

سوال: (۱۳۷۸) امام جہری نمازی میں ﴿بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ﴾ (سورۂ قیامہ، آیت: ۴) پڑھنا بھول گیا، اوراوّل سے اخیر تک پوری سورت پڑھ لی تو اس صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۳۵۵ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز ہوگئی[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۹/۴)

چند آیتیں بھول کر چھوڑ دیں تو نماز ہوگئی

سوال: (۱۳۷۹) ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ تک پڑھ کر درمیان کی آیات بھول کر چھوڑ گیا، اور ﴿وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا﴾ سے اخیر تک پڑھا، اس صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ یا سجدۂ سہو کی ضرورت ہے؟ (۱۳۴۲/۵۶۹ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز ہوگئی، سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے[1] فقط (۷۹/۴)

سوال: (۱۳۸۰) امام نے نماز میں وَالشَّمْسِ شروع کی اور درمیان میں دو آیت چھوڑ کر ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ...... وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا﴾ پڑھی تو نماز ہوگئی یا نہیں؟ (۱۳۴۳-۳۲/۱۱۰۶ھ)

الجواب: نماز ہوگئی[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۹/۴)

آیت کا کچھ حصہ بھول کر چھوڑ دیا تو نماز ہوگئی

سوال: (۱۳۸۱) سورۂ مزمل کا آخری رکوع نماز میں پڑھا گیا، مگر سہواً ﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا﴾ سے

---

(۱) حوالہ سابقہ ۱۲

﴿وَاَعْظَمَ اَجْرًا﴾ تک چھوٹ گیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اس صورت میں زید نماز کا اعادہ واجب کہتا ہے؟ (۱۱۲۴/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: نماز ہوگئی، زید کا قول صحیح نہیں ہے۔ کذا في الدّرّ المختار وغیرہ من کتب الفقه[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۵۷-۵۸)

سورۂ عَصْر پڑھتے ہوئے وَالتِّيْنِ میں چلا گیا تو نماز ہوگئی

سوال: (۱۳۸۲) سورۂ والعصر میں ﴿آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ﴾ سے سورۂ والتین میں چلا گیا، اور ﴿فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ پڑھنے لگا اور آخر تک پڑھا، اس صورت میں بھی سجدۂ سہو کی ضرورت ہے یا نہیں؟ (۵۶۹/۱۳۴۲ھ)

الجواب: اس صورت میں بھی نماز ہوگئی سجدہ سہو کی ضرورت نہیں ہے[1] فقط (۴/ ۷۹)

آیت کا ایک حصہ بدل گیا تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۱۳۸۳) إن إمامًا قرأ هذه الآية غلطًا ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا الآية﴾ (سورة المزّمّل، رقم الآية: ۱۵) فقرأ اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا أ فسدتِ الصّلاة أم لا؟ (۳۴۴/۱۳۴۳ھ)

الجواب: لا تفسد الصّلاة في هذه الصّورة[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۸۰)

ترجمہ سوال: (۱۳۸۳) امام نے غلطی سے ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا الآية﴾ کی جگہ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا پڑھا تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

یکذبون کی جگہ یمسکون یا یعلمون کی جگہ تعقلون پڑھ دے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۱۳۸۴) امام نے نماز میں بجائے ﴿اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ﴾ کے اَنْ يُّمَسِّكُوْن پڑھا،

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

دوسری نماز میں بجائے ﴿یَعْلَمُوْنَ﴾ کے ﴿لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ پڑھا، دونوں صورتوں میں نماز کا اعادہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ (۴۹۴/۱۳۴۳ھ)

الجواب: پہلی صورت میں نماز کا اعادہ کرے اور دوسری صورت میں نماز ہوگئی[۱] فقط (۸۰/۴)

نُرَدُّ کی جگہ لَا نُرَدُّ پڑھ دیا تو نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

سوال: (۱۳۸۵) آیت کریمہ: ﴿یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ﴾ (سورۂ انعام، آیت: ۲۷) کی جگہ وَلَا نُرَدُّ پڑھا تو نماز فاسد ہوگی یا نہ؟ (۱۳۱۴/۱۳۴۳ھ)

الجواب: ایسی صورت میں احوط یہ ہے کہ نماز کا اعادہ کرلے[۲] فقط واللہ اعلم (۸۱/۴)

دِھَاقًا کی جگہ دحاقا پڑھا تو نماز صحیح نہ ہوگی

سوال: (۱۳۸۶) نماز میں اگر کسی نے اپنے غلط خیال کے بھروسہ پر بجائے ﴿دِھَاقًا﴾ کے دِحَاقًا پڑھ دیا تو نماز ہوجائے گی یا واجب الاعادہ ہوگی؟ (۶۸۱/۱۳۴۲ھ)

الجواب: ﴿دِھَاقًا﴾ (سورۂ نباء، آیت: ۳۴) کی جگہ دِحَاقًا حاء حطی سے پڑھنا بہ ظاہر حسبِ قواعد مفسدِ صلاۃ ہے کیونکہ معنی بدل جاتے ہیں[۳] (لہٰذا نماز نہیں ہوگی۔ظفیر) فقط (۷۹/۴)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

(۲) اعلم أنّ الكلمةَ الزّائدةَ إمّا أن تكون في القرآن أو لا ، وعلىٰ كلّ إمّا أن تَغيَّرَ أو لا، فإن غيّرتْ أفسدتْ مطلقًا إلخ. (ردّ المحتار: ۲/۳۴۰-۳۴۱، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب: مسائل زلّة القاري) ظفیرؔ

(۳) إن ذَكرَ حرفًا مكانَ حرفٍ ولم يُغير المعنىٰ إلخ لم تفسد صلاته ، وإن غيّرَ المعنىٰ فإن أمكن الفصلُ بينَ الحرفين مِن غَيرِ مشقَّةٍ كالطّاء مع الصّاد إلخ تفسد صلاتُهُ عندَ الكلّ ، وإن كان لا يُمكنُ الفصلُ بين الحرفين إلاّ بِمَشقّةٍ كا الظّاءِ مع الضّادِ ، والصّادِ مع السّينِ ، والطّاء مع التّاء ؛ اختلف المشائخ قال : أكثرهم لا تَفسُدُ صلاتُهُ ، هٰكذا في فتاوىٰ قاضي خان . وكثيرٌ من المشائخ أفتَوْا بِهٖ ==

ذال کی جگہ جیم پڑھنے سے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۳۸۷) امام نے نماز میں ذال کی جگہ جیم پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ (۵۸۹/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: وہ مثال لکھنی چاہیے تھی جس جگہ امام نے ذال کی جگہ جیم پڑھا ہے، تاکہ معنی کے تغیر و تبدل کا حال معلوم ہوتا کہ کس درجہ کا تغیر ہوا ہے، مگر ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں نماز نہیں ہوئی، بہر حال اعادہ اس نماز کا احوط ہے اور یہی حکم طاء کی جگہ تاء پڑھنے کا ہے[1] فقط (۴/ ۸۲-۸۳)

ایک سورت کی چند آیتیں پڑھ کر دوسری سورت میں چلا گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۳۸۸) عمرو نے پہلی رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے یہ آیت پڑھی: ﴿لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ﴾ سے ﴿لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (سورۂ جمعہ، آیت: ۱-۵) تک، بعد اس کے لوٹ کر یہ پڑھنا شروع کیا، یعنی سورۂ بقرہ کا آخری رکوع ﴿لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ﴾ آخر رکوع تک پڑھا، اور دوسری رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ مزمل کا آخری رکوع پڑھ کر نماز کو ختم کر دیا، اس حالت میں نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ (۱۱۸۴/ ۲۳-۱۳۳۳ھ)

الجواب: عمرو سے اوّل بھول ہوئی غلط پڑھ دیا، پھر سورۂ بقرہ کی آخری آیات کو صحیح پڑھ دیا اور دوسری رکعت میں سورۂ مزمل کا آخری رکوع پڑھا نماز ہوگئی، اور سجدۂ سہو وغیرہ کچھ لازم نہیں، مگر افضل

== قال القاضي الإمام أبوالحسن والقاضي الإمام أبو عاصم: إن تعمَّد فسدت، وإن جرىٰ علىٰ لسانه أو كان لا يَعرِفُ التّميُّزَ لا تفسُدُ وهو أعدلُ الأقاويلِ والمختار، هٰكذا في الوجيز لِلْكَرْدَرِيّ. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۹، كتاب الصّلاة، الباب الرّابع في صفة الصّلاة، الفصل الخامس في زلّة القاري) ظفیر

(۱) یعنی طاء کی جگہ تاء پڑھنے کی صورت میں بھی نماز کا اعادہ احوط ہے، کیوں کہ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، تفصیل کے لیے سابقہ حاشیہ دیکھئے۔ محمد امین پالن پوری

یہ کہ فرائض کی ہر ایک نماز میں ہر ایک رکعت میں اولیین سے پوری سورت بعد الحمد کے پڑھے، متفرق آیات پڑھنا فرائض میں خلاف مستحب ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۸۹-۹۰)

وتر میں نصف سورت پڑھنا خلافِ اولیٰ ہے

سوال: (۱۳۸۹) وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ زلزال پڑھی، اور دوسری رکعت میں آدھی و العادیات پڑھی، اور تیسری میں آدھی القارعات پڑھی؛ آیا وتر میں خرابی آئی یا نہیں؟ (۱۹۰۹/۱۳۲۷ھ)

الجواب: ایسا کرنا اچھا نہیں ہے پوری پوری سورت ہر ایک رکعت میں پڑھنا افضل اور بہتر ہے؛ لیکن نماز وتر کی اس صورت میں بھی ہوگئی[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۶۰-۱۶۱)

پڑھتے ہوئے سورت بھول جائے تو دوسری جگہ سے پڑھے

سوال: (۱۳۹۰) اگر امام نے بعد الحمد شریف کے کوئی سورت پارۂ عم سے شروع کی، اور بوجہ بھول جانے کے نہ پڑھ سکا تو امام کو یہ اختیار ہے کہ وہ پارۂ تبارک الذی یا اور کسی پارہ سے کوئی رکوع پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۹۱۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس صورت میں امام کو چاہیے کہ دوسری جگہ سے پڑھے[۳] فقط (۴/۱۰۶)

---

(۱) الأفضل أن يقرأ في كلّ ركعةٍ الفاتحةَ وسُورةً كاملةً في المكتوبة .... وفيه بعد السّطرين .... ولو قرأ في ركعةٍ من وَسَطِ سورةٍ أومن آخِرِ سورةٍ ، وقرأ في الرّكعة الأخرىٰ مِن وَسَطِ سورةٍ أخرىٰ ، أو مِن آخِرِ سورةٍ أخرىٰ لا ينبغي لهُ أن يفعلَ ذٰلك علىٰ ما هو ظاهر الرّواية ، ولكن لو فعل ذٰلك لا بأسَ بِهٖ . (الفتاوى الهندية : ۱/۷۸، كتاب الصّلاة ، الباب الرّابع في صفة الصّلاة ، الفصل الرّابع في القراءة)ظفیرؔ

(۲) مع أنّهم صرّحوا بأنّ الأفضل في كلّ ركعة الفاتحة وسورة تامّة. (ردّ المحتار : ۲/۲۳۱، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراءة ، مطلب: السّنّة تكون سنّةَ عين و سنّة كفايةٍ)ظفیرؔ

(۳) يُكره أن يُفتَحَ من ساعتهٖ كما يُكره للإمام أن يُلجِئَهُ إليه بل ينتقل إلى آيةٍ أخرىٰ لا يلزم مِن وصلها ما يُفسد الصّلاة أو إلى سورةٍ أخرىٰ ، ==

مقدارِ واجب کے بعد اگر کوئی آیت چھوٹ جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۱۳۹۱) نماز میں قراءت مسنون کر چکا ہو، اس کے بعد ایک آیت چھوٹی سہواً چھوڑ گیا درمیان میں، تو نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۴۲۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اگر معنی متغیر نہیں ہوئے تو نماز ہوگئی اور معنی بدل گئے تو نماز نہیں ہوئی، خواہ بہ قدر فرض پڑھ چکا ہو یا نہ پڑھ چکا ہو[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۲/۴)

مفسد صلاۃ غلطی سے نماز فاسد ہو جاتی ہے

سوال: (۱۳۹۲) اگر امام تین آیت سے زیادہ پڑھ کر غلطیٔ فاحش مفسدِ صلاۃ کرے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ (۲۳۳۰/۱۳۳۸ھ)

الجواب: غلطی مفسدِ صلاۃ نماز میں کسی وقت بھی ہو نماز فاسد ہو جاتی ہے[2] البتہ اگر اس غلطی کو پھر لوٹا کر صحیح کر لیوے اور صحیح پڑھ لیوے تو نماز صحیح ہو جاتی ہے[3] فقط (۷۵/۴)

== أو يَركعُ إذا قرأ قدرَ الفرضِ كما جزم به الزَّيلعيّ وغيره وفي رواية : قدر المستحبّ كما رجّحه الكمال . (ردّ المحتار: ۳۳۰/۲، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب: المواضع الّتي لا يجب فيها ردُّ السّلام)ظفیرؔ

(۱) إنّ الخطأ في القرآن إمّا أن يكون في الإعراب إلخ ، أو في الحروف إلخ ، أو زيادته أو نقصه إلخ ، أو في الكلمات أو في الجمل كذلك إلخ ، والقاعدة عند المتقدّمين أنّ ما غيّر تغييرًا يكون اعتقاده كفرًا يفسد في جميع ذٰلك. (غُنية المستملي المعروف بالحلبي الكبير، ص:۴۱۰، فصل في بيان أحكام زَلّة القاري)ظفیرؔ

(۲) والقاعدة عند المتقدّمين أنّ ما غيّر المعنٰى تغييرًا يكون اعتقادُهٗ كفرًا يفسد في جميع ذٰلك إلخ. (ردّ المحتار: ۳۳۹/۲، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب: مسائل زَلّةِ القاري)ظفیرؔ

(۳) ذكر في الفوائد: لو قرأ في الصّلاة بخطأٍ فاحش ثم رجع وقرأ صحيحًا ، قال: عندي صلاته جائزة وكذلك الإعراب. (الفتاوى الهندية: ۸۲/۱، كتاب الصّلاة ،الباب الرّابع في صفة الصّلاة ، الفصل الخامس في زلّة القاري)

متشابہ لگنے کی وجہ سے کوئی لفظ رہ گیا تو نماز صحیح ہوگئی

سوال: (۱۳۹۳) امام نے قراءت نماز میں ۱۳ آیت پڑھ کر سہواً آیت متشابہات پڑھ گیا، یا کوئی لفظ درمیان میں رہ گیا اور بلا سجدۂ سہو نماز ختم کی تو نماز درست ہے یا نہ؟ (۷/۹۶-۳۳/۱۳۳۴ھ)

الجواب: نماز صحیح ہوگئی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۶/۴)

لِسَانَكَ کی جگہ لِسَأْنَكَ اور بَاسِرَةٌ کے بجائے بَاصِرَةٌ پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال: (۱۳۹۴) زید نے نماز میں سورۂ قیامہ میں ﴿لِسَانَكَ﴾ کو لِسَأْنَكَ بہ ہمزہ پڑھا، اور ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ﴾ میں ﴿بَاسِرَةٌ﴾ کو باصرة پڑھا تو اس صورت میں نماز فاسد ہوگئی یا نہیں؟ (۹۰۰/۱۳۳۹ھ)

الجواب: ان ہر دو صورت میں نماز ہوگئی ﴿لِسَانَكَ﴾ کو مہموز پڑھنا لحن فی الاداء ہے، معنی نہیں بدلتے، اور ﴿بَاسِرَةٌ﴾ اور باصرة کے معنی میں بے شک فرق ہے مگر یہ غلطی مفسد نماز نہیں ہے کیونکہ وجوہ جیسا کہ باسرہ —— شدیدۃ العبوس —— ہوں گے، باصرہ بھی ہوں گے، یعنی دیکھنے والے بھی ہوں گے۔ فلا فساد (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶۲/۴)

---

(۱) ومنها ذكرُ آيةٍ مكان آيةٍ لو ذكرَ آيةً مكان آيةٍ إلخ لا تَفسُدُ. (الفتاوى الهندية : ۱/۸۰، كتاب الصّلاة ، الباب الرّابع في صفة الصّلاة ، الفصل الخامس في زلّة القاري) ظفير

(۲) ومنها القراء ة بالألحان إن غير المعنى وإلاّ لا (الدّرّ المختار) أي وإن لم يغيّر المعنى فلا فساد إلخ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ۲/۳۳۸، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، قبيل مطلب: مسائل زَلّة القاري) أو بدَّلهٗ بآخر إلخ لم تفسد ما لم يتغيّر المعنى. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۲/۳۴۱، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب: مسائل زَلّة القاري) ظفيرؒ

مَاهِيَهْ کے بجائے مَاهِيَةٌ پڑھنا غلط ہے

سوال: (۱۳۹۵) اگر بجائے ہائے ہوز مَـاهِـيَـهْ کے تاء مع تنوین پڑھی جاوے تو درست ہے یانہیں؟ اور مفسدِ صلاۃ ہے یا نہ؟ (۱۳۴۰/۱۳۵ھ)

الجواب: ﴿وَمَآ اَدْرَاكَ مَـاهِيَهْ﴾ میں اخیر کی ہاء کو جو کہ ہاء سکتہ ہے تاء پڑھنا لحن فی القراءۃ ہے، اور غلطی صریح ہے کہ یہ ہاء مبدلہ عن التاء نہیں ہے، لیکن جس نے غلطی سے ایسا پڑھا نماز اس کی ہوگئی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۳-۴۴)

نماز میں اَنَا ضمیر متکلم کو بہ اثبات الف پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۳۹۶) لفظ ﴿اَنَـــا﴾ ضمیر متکلم جو کہ کلام پاک میں بہ رسم خط بہ اثبات الف ہے، مگر قراءت میں بھی بہ اثبات الف پڑھا جائے، مثلاً ﴿اِنَّـمَآ اَنَـا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ الآية﴾ (سورۂ کہف، آیت: ۱۱۰، سورۂ حم سجدہ، آیت: ۶) آیا نماز کا کیا حکم ہے؟ (۲۵۴۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ﴿اَنَا﴾ کو بہ اثبات الف پڑھنے سے اگرچہ نماز ہوجائے گی، لیکن یہ لحن فی القراءۃ ہوگا (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۷۳)

غُثَـآءً کو غُشَـآءً پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی

سوال: (۱۳۹۷) زید امام جمعہ ہوا، اور سورۂ اعلیٰ میں ﴿فَـجَـعَـلَهُ غُثَـآءً اَحْوٰى﴾ کو غُشَـآءً اَحْوٰى یعنی 'ث' کو 'ش' پڑھا تو نماز جائز ہے یانہیں؟ (۲۰۸۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ کما في الشّامي في شرح قوله: (أوبدّله بآخر)

---

(۱) حوالہ سابقہ ۱۲۔

(۲) ومنها القراءة بالألحان إن غيّرَ المعنیٰ وإلاّ لا، إلاّ في حرفِ مدٍّ ولينٍ إذا فَحُش وإلاّ لا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۳۸، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها قبيل مطلب: مسائل زَلّة القاري) ظفیرؔ

فإذا لم يغيّر المعنٰى إلخ لا يفسد (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۷۳)

شین کی جگہ سین پڑھنے سے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۳۹۸) ایسے شخص کو امام بنانا کیسا ہے جو شین کی جگہ سین پڑھے، اور سین کی جگہ شین پڑھے؟ اور جو نمازیں ان غلطیوں کے ساتھ پڑھی گئیں وہ ہوگئیں یا نہیں؟ (۱۲۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: امام ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو قرآن شریف صحیح پڑھے، اس کو امام نہ بناویں جو مذکورہ غلطیاں کرتا ہے، جو نمازیں ان غلطیوں کے ساتھ پڑھیں وہ ہوگئیں (۲) مگر آئندہ کو اسے امام نہ بناویں جب تک کہ وہ قرآن شریف کو صحیح ادا نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۸۷)

باوجود قدرت کے قاف کو کاف پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی

سوال: (۱۳۹۹) سورۃ الطارق میں امام نے ﴿لَقَوْلٌ فَصْلٌ﴾ میں 'ق' کو 'ک' پڑھ دیا، اور یہ شخص صحیح پڑھنے پر قادر ہے تو نماز فاسد ہوئی؟ اور اعادہ واجب ہے یا نہیں؟ (۹۸۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس صورت میں اس نماز کا اعادہ ضروری ہے کیونکہ باوجود قدرت کے ایسی غلطی سے نماز نہیں ہوتی (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۷۶)

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۳۴۱، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: إذا قرأ قوله: "تعالٰى جدّك" بدون الألف لا تفسدُ.

(۲) ردّ المحتار میں ہے: إن كان الخطاءُ بإبدال حرفٍ بحرفٍ فإن أمكن الفصلُ بينهما بلا كُلْفَةٍ كالصّاد مع الطّاء .... فاتّفقوا علٰى أنّه مفسد، و إن لم يمكن إلّا بمشقّةٍ كالظّاء مع الضّاد والصّاد مع السّين فأكثرهم علٰى عدم الفساد لعمومِ البلوٰى، وبعضهم يَعتَبِر عُسْرَالفصلِ بين الحرفين وعدمِه وبعضهم قُرْبَ المخرجِ وعدمِه. (ردّ المحتار: ۲/۳۳۹، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: مسائل زلّة القاري) ظفیرؒ

(۳) قال في الخانية والخلاصة: الأصل فيما إذا ذَكر حرفًا مكانَ حرفٍ وغَيَّرَالمعنٰى إن أمكن الفصلُ بينهما بلا مَشقّةٍ تَفسُدُ إلخ، وفي خزانة الأكمل: قال القاضي أبوعاصم: إن تعمّدَ ذٰلك تفسُدُ، ==

بسم اللہ مجریھا میں اِمالہ نہ کیا جاوے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۴۰۰) ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِيْهَا ﴾ میں اگر اِمالہ نہ کریں تو نماز ہوگی یا نہ؟

(۷۵۲/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: نماز ہوجاتی ہے مگر یہ غلطی قراءت کی ہے کہ امالہ سے نہ پڑھا جاوے۔ فقط (۵۷/۴)

امام کی غلطی سے حافظ مقتدی کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۰۱) اگر امام ناظرہ خواں سے غلطی ہو تو حافظ مقتدی کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

(۵۰۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اگر کوئی غلطی ایسی نہیں کی جس سے نماز فاسد ہوجائے تو نماز حافظ کی بھی ہوگئی۔ فقط

(۷۴/۴)

عَزِیْزٌ کے بجائے عَلَيْهِ مَا پر وقف کرے یا اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ کو اِلَّا الَّذِيْنَ سے ملا دے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۴۰۲)......(الف) امام سورۂ توبہ کی آیت (۱) میں عَزِیْزٌ کے بجائے مَا کو عَلَيْهِ کے ساتھ ملا کر قصداً وقف کرتا ہے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

(ب) سورۂ والتّین میں ﴿ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ﴾ کے ساتھ ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ الآية ﴾ کو ملا کر پڑھنے

== وإن جرىٰ علىٰ لسانهٖ أولا يَعرِفُ التّمييزَ لا تفسُدُ وهو المختار. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۴۱/۲، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: إذا قرأ قوله : "تعالىٰ جدّك" بدون الألف لا تفسدُ) ظفیرؔ

(۱) ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ۱۲۸)

سے نماز ہوگی یا نہیں؟ (۲۲۲۶/۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف-ب) فقہاء متأخرین نے اس باب میں توسیع کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے تغیرات سے نماز فاسد نہیں ہوتی، تاوقتیکہ ایسا تغیر نہ ہوجائے کہ معنی بالکل فاسد ہوجائیں؛ نماز ہی کی صحت کا حکم رہے گا۔ **ولو زاد كلمةً أو نقص كلمةً أو نقص حرفًا أو قدّمه أو بدّله بآخر ...... لم تفسد ما لم يتغيّر المعنیٰ إلخ**(۱) لیکن جو امام اکثر ایسی غلطیاں کرتا ہے وہ عہدۂ امامت کے قابل نہیں، اس کی جگہ کسی دوسرے کو تجویز کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم (۸۴/۴)

صِرَاطَ الَّذِیْنَ پر وقف کرنے سے نماز ہوجاتی ہے

سوال: (۱۴۰۳) ایک امام سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے ﴿صِرَاطَ الَّذِیْنَ﴾ پر قیام کرتے ہیں، اور سانس بھی توڑ دیتے ہیں نماز ہوتی ہے یا نہ؟ (۱۷۹۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: نماز ہوجاتی ہے، مگر یہ بڑی غلطی ہے ایسا آئندہ کرنا نہ چاہیے(۲) فقط (۷۶/۴)

صراط الّذین پر سانس ٹوٹ جانے سے نہ کفر لازم آتا ہے نہ نماز فاسد ہوتی ہے

سوال: (۱۴۰۴) ایک شخص جو علم قراءت سے ناواقف اور بے بہرہ ہے، جہری نماز میں امام ہوا، اور بہ حالت اضطرار صراط الذین پر سانس منقطع ہوگیا کیا وہ امام کافر ہوگیا؟ اور نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟ (۲۷۵۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہوئی، اور امام مذکور کافر (وفاسق)(۳) نہیں ہے،

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۴۰-۳۴۱، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب: مسائل زَلّة القاري .

(۲) اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ پر سانس توڑنا چاہیے۔ ظفیرؒ

(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

بلکہ اس کو کافر کہنے والے پر خوفِ کفر ہے۔ کما في الحدیث : أیّما رجل قال لأخیه : کافر ، فقد باء بها أحدهما ، رواه الشّیخان (۱) وفي حدیث آخر: سباب المسلم فسوق وقتالهٗ کفرٌ (۲) وفي حدیث آخر أیضًا: من دَعَا رجُلاً بالکفرِ، أو قال: عَدُوَّاللّٰهِ ، ولیس کذلك إلاّ حَارَ علیه ، متّفق علیه (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳/۴)

السلام علیکم کے بجائے السلام علیتم پڑھ لیا تو بھی نماز درست ہے

سوال: (۱۴۰۵) اگر السلام علیکم میں علیکم کی بجائے علیتم نکل جاوے تو نماز ہوگی یا نہ؟

(۱۳۴۰/۷۴۴ھ)

الجواب: نماز ہوگئی (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۵/۴)

---

(۱) عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم: أیّما رجل قال لأخیه: کافر الحدیث. (مشکاة المصابیح، ص:۴۱۱، کتاب الآداب – باب حفظ اللّسان والغیبة والشّتم ، الفصل الأوّل)

(۲) عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه أنّ النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال : سباب المسلم فسوق الحدیث. (صحیح البخاري: ۱/۱۲، کتاب الإیمان – باب خوف المؤمن أن یحبط عمله و هولایشعر ، وفیه أیضًا: ۲/۸۹۳، کتاب الأدب – باب ما ینهی عن السّباب واللّعن ، وفیه أیضًا: ۲/۱۰۴۷-۱۰۴۸، کتاب الفتن – باب قول النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم لاترجعوا بعدي کفّارًا، و في مشکاة المصابیح، ص:۴۱۱، کتاب الآداب)

(۳) عن أبي ذرّ رضي اللّٰه عنه أنّه سمع رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم یقول:........... ومن دعا رجلاً بالکفر الحدیث. (صحیح المسلم: ۱/۵۷، کتاب الإیمان – باب بیان حال إیمان من قال : لأخیه المسلم یا کافر ، و في مشکاة المصابیح، ص:۴۱۱، کتاب الآداب)

(۴) وفي التّتارخانیة عن الحاوي : حکي عن الصَّفّار أنّه کان یقول : الخطاء إذا دخل في الحروف لا یُفسِد لأنّ فیه بلوٰی عامّةِ النّاس لأنّهم لا یقیمون الحروف إلاّ بمَشقّةٍ . (ردّ المحتار: ۲/۳۴۱، کتاب الصّلاة ، باب ما یفسد الصّلاة وما یکره فیها ، مطلب: إذا قرأ قوله:" تعالیٰ جدّك" بدون الألف لا تَفسدُ)

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ اور فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْ لَ میں اعراب کی غلطی ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۴۰۶) آیت کریمہ: ﴿وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ ﴾ میں اگر دوسری دال کو زبر اور جَالُوْتَ کی 'ت' کو پیش پڑھا تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اور پڑھنے والا کافر ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح ﴿فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ﴾ میں اگر 'نون' کو زبر اور 'لام' کو پیش پڑھا تو نماز ہوگی یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۵۴۲ھ)

الجواب: ﴿وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۵۱) میں اگر دوسری دال کو زبر، اور جَالُوْتَ کی 'ت' کو پیش پڑھا تو نماز فاسد ہوگی مگر غلط پڑھنے والا کافر نہ ہوگا، اسی طرح ﴿فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ ﴾ (سورۂ مزمل، آیت: ۱۶) میں اگر 'نون' کو زبر اور 'لام' کو پیش پڑھا تو نماز فاسد ہوگی (۱) اور صحیح کرکے لوٹا لیا تو نماز صحیح ہوگئی (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۱/۴)

زیر کی جگہ زبر پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۴۰۷) ایک کتاب میں لکھا ہے کہ اگر مصلی قراءت میں زیر کی جگہ زبر یا برعکس پڑھے

---

(۱) إذا لَحَنَ في الإعراب لحْنًا لا يُغيّر المعنٰى بأن قرأ: لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتُكُمْ برفعِ التّاء لاتفسُدُ صلاتُهٗ بالإجماع. وإن غيّرَ المعنٰى تغيُّرًا فاحشًا بأن قرأ: وَعَصٰی آدَمَ رَبُّهٗ بنصب الميم و رفع الرّبّ ، وما أشبه ذلك ممّا لو تعمّد به يَكفُرُ. إذا قرأ خطاءً فسدت صلاتُهٗ في قولِ المتقدّمينَ ، واختلف المتأخّرون ، قال محمّد بن مُقاتلٍ وأبونَصْرٍ محمّدُ بن سلامٍ إلخ لا تفسد صلاتُهٗ. وما قالهُ المتقدّمون أحوطُ، لأنّه لو تعمّدَ يكون كفرًا وما يكونُ كفرًا لا يكون من القرآن ، وما قاله المتأخّرون أوسعُ لأنّ النّاس لا يُميّزون بين إعرابٍ وإعرابٍ إلخ وهو الأشبه. كذا في المحيط: وبه يفتٰى، كذا في العتّابيّة وهٰكذا في الظّهيريّة. (الفتاوى الهنديّة : ۸۱/۱، كتاب الصّلاة ، الباب الرّابع في صفة الصّلاة ، الفصل الخامس في زلّة القاري) ظفير

(۲) ذكرفي الفوائد: لو قرأ في الصّلاة بخطأٍ فاحش ثمّ رجع وقرأ صحيحًا ، قال: عندي صلاته جائزة وكذلك الإعراب. (الفتاوى الهندية : ۸۲/۱، كتاب الصّلاة، الباب الرّابع في صفة الصّلاة ، الفصل الخامس في زلّة القاري)

تو کافر ہو جاتا ہے، یہ صحیح ہے یا کیا؟ (۸۵۱/۲۳-۱۳۳۳ھ)

الجواب: کافر نہیں ہوتا، مگر نماز فاسد ہو جاتی ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۹/۴)

مُنْزَلِيْنَ کو مُنْزِلِيْنَ پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی

سوال: (۱۴۰۸) زید نے لَنْ تَنَالُوْا کے پارہ میں ﴿مُنْزَلِيْنَ﴾ کو ’ز‘ کے زیر سے پڑھا جو چوتھے رکوع میں ہے تو نماز جائز ہے یا نہیں؟ (۳۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز ہو گئی (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۴/۴)

ضَعُفُوا کو ضُعَفُوا پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی

سوال: (۱۴۰۹) ﴿وَ مَا ضَعُفُوا﴾ (سورۂ آل عمران، آیت: ۱۴۶) کو وَمَا ضُعَفُوا پڑھا نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۴۲۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: یہ غلطی ہے، لیکن نماز ہو گئی (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۲/۴)

---

(۱) زیر و زبر کی غلطی سے نماز اس وقت فاسد ہوتی ہے، جب معنی میں تغیر فاحش ہو، مثلاً کسی نے وعَصٰی آدَمُ رَبَّهُ کے بجائے وعَصٰی آدمَ رَبُّهُ پڑھا، یا وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ کے بجائے وَقَتَلَ دَاوٗدَ جَالُوْتُ پڑھا، شامی میں ہے: إنّ الخطأ إمّا في الإعراب أي الحركات والسّكون (إلى قولهٖ) أنّ ما غيّر المعنٰى تغييرًا يكون اعتقادُهٗ كفرًا يُفسِد في جميع ذٰلك سواء كان في القرآن أو لا إلخ. (ردّ المحتار: ۲/۳۳۹، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: مسائل زَلّة القاري)

(۲) ومنها زَلّة القاري فلو في إعراب إلخ لم تفسد وإن غيّر المعنى بهٖ يفتٰى، بزّازية (الدّرّ المختار) قوله: (فلو في إعراب) ككَسْرِ ﴿قِوَامًا﴾ (الفرقان، الآية: ۶۷) مكانَ فتحِها، وفتحِ باءِ ﴿نَعْبَدُ﴾ مكانَ ضمّها إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۳۳۸-۳۴۰، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: مسائل زَلّة القاري) ظفیرؒ

(۳) ومنها زلّةُ القاري فلو في إعرابٍ أو تخفيف إلخ لم تفسد (الدّرّ المختار) قوله: (فلو في إعراب) ككسر ﴿قِوَامًا﴾ (الفرقان، الآية: ۶۷) مكانَ فتحِها، وفتح باءِ ﴿نَعْبَدُ﴾ مكانَ ضمّها إلخ، ==

حَامِيَةً کی جگہ حَامِيَةٌ پڑھا تو نماز صحیح ہے

سوال: (۱۴۱۰) امام نے نماز جمعہ میں آیت کریمہ: ﴿تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً﴾ میں بجائے نصب کے رفع پڑھا، یعنی بجائے ﴿حَامِيَةً﴾ کے حَامِيَةٌ پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ (۲۲۹۲/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز ہوگئی کیونکہ اس موقع پر حَـامِيَةٌ کے رفع سے معنی میں تغیر نہیں ہوتا، اور تاویل صحیح ہوسکتی ہے، گویا یوں کہا جاوے گا: تَصْلٰى نَارًا هِيَ حَامِيَةٌ (۱) فقط (۷۸/۴)

پُر حرف کو باریک پڑھنا مفسد نماز نہیں

سوال: (۱۴۱۱) جن موقعوں پر 'راء' اور 'لام' کو پُر کر کے پڑھنا چاہیے، وہاں پر باریک پڑھنے سے نماز کے اندر کچھ نقصان ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس قدر؟ (۱۱۲۳/۱۳۴۳ھ)

الجواب: نماز صحیح ہے نماز میں کچھ خلل نہیں ہوا (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۰/۴)

اعراب اور جمع و واحد میں تغیر کی وجہ سے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۱۲) قراءت میں زبر کی جگہ مد اور مد کی جگہ زبر پڑھا جاوے اور جمع کو واحد اور واحد کو جمع پڑھنے سے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ (۱۳۹۸/۱۳۴۰ھ)

== وكذا ﴿ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذِرِيْنَ ﴾ (الشّعراء، الآية: ۱۷۳) بكسر الذّالّ ﴿وَإِيَّاكِ نَعْبُدُ﴾ بكسر الكاف. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۳۸-۳۴۰، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: مسائل زَلّة القاري) ظفیرؒ

(۱) حوالہ سابقہ ۱۲

(۲) وفي التّتارخانية عن الحاوي: حكي عن الصَّفّار أنّه كان يقول: الخطاء إذا دخل في الحروف لا يُفسِد لأنّ فيه بلوٰى عامّةِ النّاس لأنّهم لا يقيمون الحروف إلّا بمَشقّةٍ. (ردّالمحتار: ۲/۳۴۱، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: إذا قرأ قوله: "تعالٰى جدّك" بدون الألف لا تفسدُ) ظفیرؒ

الجواب: وہ موقع معلوم ہونا چاہیے جس میں تغیر ہوا ہے تا کہ اس کے موافق مطلب اور معنی کو دیکھ کر حکم لکھا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۷۶-۷۷)

علیھم کا لام زیادہ کھینچا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

سوال: (۱۴۱۳) لفظ عَلَیْھِمْ کے 'لٗ' پر نو، دس الف کے برابر مد کھینچ کر پڑھنے سے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۱۲۴ھ)

الجواب: یہ ظاہر ہے کہ حسب قاعدۂ تجوید اس جگہ مد نہیں ہے، لہٰذا یہ لحن ہے اور خطا ہے، مگر نماز ہو جاتی ہے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۸۰-۸۱)

غنہ کی جگہ اظہار کر کے پڑھے تو نماز صحیح ہے

سوال: (۱۴۱۴) جس جگہ میم اور نون کو غنہ کر کے پڑھا جاتا ہے اس جگہ میم اور نون کو ظاہر کر کے پڑھے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۱۲۴ھ)

الجواب: اس صورت میں بھی نماز صحیح ہے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۸۰-۸۱)

مُوْسٰی کو مُوْسَان اور صَحْرَآء کو صَحْرَان اور بَشَرًا کو بَشَرَان پڑھنے سے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۱۵) اگر کوئی قاری حافظ نماز میں الف مقصورہ کو اور الف ممدودہ کو نون کے ساتھ پڑھے نماز میں کوئی قصور ہے یا صحیح ہے؟ مثلاً موسی کو موسان اور صحراء کو صحران اور بَشَرًا کو بشران علی ہذا القیاس، اور جب ان سے کہتے ہیں تو بگڑتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ میں ہرگز ایسا نہیں پڑھتا، حالانکہ حافظوں نے بھی سنا وہ بھی شکایت کرتے ہیں۔ (۱۳۳۴-۳۳/۲۰۷۱ھ)

الجواب: نماز صحیح ہوگئی، لیکن امام کو ایسی غلطی نہ کرنی چاہیے، اس طرح پڑھنے سے غلط ہونے

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

میں کچھ کلام نہیں ہے؛ یہ لحن ہے، لیکن پچھلی نمازوں کا اعادہ لازم نہیں ہے، آئندہ احتیاط ضروری ہے [۱] اگر امام اس غلطی کو نہ چھوڑے تو دوسرا امام صحیح خواں مقرر کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۶/۴)

لَفِیْ کی جگہ لَا فِیْ پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی

سوال: (۱۴۱۶) سورۂ والعصر میں بجائے لَفِیْ کے لَا فِیْ پڑھنے سے نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ یعنی بجائے فتحہ پست کے کھڑا فتحہ یا الف پڑھنے سے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ (۴۴۹/۱۳۴۵ھ)

الجواب: ایسی غلطی سے نماز نہیں ہوتی، اس میں احتیاط کرنی چاہیے [۲] اور صحیح پڑھنے والے کو امام بنانا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۲/۴)

''روب العالمین، الروحمٰن الروحیم'' اور ''ولغ ضالین'' پڑھنے والے کی نماز درست نہیں

سوال: (۱۴۱۷) شخص در قراءت ''ولغ ضالین'' گوید، و ''یا روب العالمین الروحمٰن الروحیم'' گوید، نماز درست است یا نہ؟ (۱۳۴/۱۳۴۵ھ)

الجواب: دریں صورت نماز صحیح نخواہد شد و حکم الثغ وغیرہ در کتب فقہ باید دید [۳] (۵۸/۴-۵۹)

---

(۱) ومنها القراءة بالألحان إن غيّرَ المعنىٰ وإلاّ لا، إلاّ في حرفِ مدٍّ ولينٍ إذا فَحُش وإلاّ لا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۳۸/۲، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، قبيل مطلب: مسائل زَلّة القاري) ظفیرؒ

(۲) ومنها زيادةُ حرفٍ؛ إن زاد حرفًا فإنْ كان لا يُغيّر المعنىٰ لا تفسُدُ صلاتُهٗ عندَ عامّة المشائخ إلخ، وإن غيّر المعنىٰ إلخ تَفسُدُ، هٰكذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۷۹/۱-۸۰، كتاب الصّلاة، الباب الرّابع في صفة الصّلاة، الفصل الخامس في زلّة القاري) ظفیر

(۳) ولا غيرِ الألْثَغ به أي بالألْثَغِ على الأصحّ كما في البحر عن المجتبىٰ، وحرّر الحلبيُّ وابنُ الشّحْنَةِ أنّه بعد بذلِ جهدهِ دائمًا حتمًا كالأمّيِّ، فلا يؤمّ إلاّ مثلهٗ، ولا تصحّ صلاتُهٗ إذا أمكنه الاقتداء بمَن يُحسِنُهٗ إلخ (الدّرّ المختار) ==

ترجمہ سوال: (۱۴۱۷) کوئی شخص (سورہ فاتحہ کی) قراءت میں ''ولغ ضالین'' پڑھے، اور ''یاروب العالمین، الرحمٰن الروحیم'' پڑھے، تو نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں نماز نہ ہوگی، اور الثغ وغیرہ کا حکم کتب فقہ میں دیکھ لیں۔ فقط

مفسد صلاۃ غلطیاں

سوال: (۱۴۱۸) ایک امام قرآن شریف غلط پڑھتے ہیں، غلطیاں یہ ہیں، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں اَلْ کو اس طرح پڑھتے ہیں جس سے ل کا زیر معلوم ہوتا ہے، نَعْبُدُ کی دال کو زبر پڑھتے ہیں، مُسْتَقِیْمْ کے قاف کو کاف پڑھتے ہیں الخ، ان غلطیوں سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ (۵۰۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: ایسی غلطیوں سے جن کا سوال میں ذکر ہے، نماز ان کے پیچھے نہیں ہوتی، اعادہ کرنا چاہیے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۸/۴)

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهْ کی غلط ادائیگی کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۴۱۹) ایک شخص سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهْ کو اس طرح پڑھتا ہے کہ ہو لیمن مسموع ہوتا ہے، آیا صحیح ہے یا غلط؟ (۳۷۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس طرح پڑھنا اس شخص کا بہ اعتبار قراءت کے غلط ہے صحیح نہیں ہے، قراءت کے قاعدہ میں یہ ہے کہ ضمہ اور کسرہ میں صرف کچھ بو واؤ اور یاء کی آجاوے، نہ یہ کہ صریح واؤ اور یاء یعنی ہو لیمن پڑھا جاوے یہ بالکل غلط ہے، چاہیے کہ وہ امام سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهْ پڑھیں اور ایسی قراءت سے احتیاط رکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۸/۴)

== اللّثغ بالتّحريك قال في المُغرب هو الّذي يتحوّل لسانهُ من السّين إلى الثّاء ، وقيل: من الرّاء إلى الغين ، أو اللّام أو الياء ، زاد في القاموس: أو من حرف إلى حرف إلخ و لكن الأحوط عدم الصّحة . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۸۲-۲۸۳، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، مطلب في الألثغ) ظفیر

(۱) حوالہ سابقہ۔ ۱۲

ترتیل ضروری ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۲۰) ترتیل ضروری ہے یا نہیں؟ اور شد و مد ضروری ہیں یا کیا؟

(۱۳۳۳-۳۲/۵۰۳ھ)

الجواب: اس قدر ترتیل جس سے حروف صحیح ہوں فرض ہے(۱) شد و مد میں بعض ضروری ہیں بعض اولیٰ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۸۸-۸۹)

فرائض میں ایک آیت بار بار پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۴۲۱) اگر فرض نماز میں کوئی شخص کسی آیت کو خدا کا خوف دل پر طاری ہو جانے کی وجہ سے یا بہ طور دعا کے مکرر سکرر پڑھے ایسا کرنے سے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ (۱۸۱۴/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: تکرار ایک آیت کا بعض احوال میں ثابت ہے، پس نماز میں اس سے کچھ خلل نہیں آتا، مگر تکرار آیت جو ثابت ہے وہ نوافل میں ہے، فرائض اور جماعت میں ایسا نہ کرنا چاہیے، اگر چہ نماز ہو جاتی ہے(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۱۴-۱۱۵)

---

(۱) ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلاً﴾ (سورۂ مزمل، آیت:۴)

وفي الحجّة: يقرأ في الفرض بالتّرسّل حرفًا حرفًا ، وفي التّراويح بين بين ، وفي النّفل ليلاً له أن يسرع بعد أن يقرأ كما يفهم. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۳۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراء ة ، مطلب ، السّنّة تكون سنّة عين وسنّة كفاية)

(۲) شد و مد یعنی حروف کو کھینچنا اور مد کرنا بعض جگہ واجب ہے اور بعض جگہ جائز۔

(۳) وإذا كرّر آيةً واحدةً مرارًا فإن كان في التّطوّع الّذي يصلّي وحدَهُ فذلك غيرُ مكروه، وإن كان في الصّلاة المفروضة فهومكروه في حالة الاختيار ، وأمّا في حالة العذر والنّسيان فلا بأس ، هٰكذا في المحيط . (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۰۷، كتاب الصّلاة ، الباب السّابع فيما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، الفصل الثّاني فيما يكره في الصّلاة وما لايكره) ظفير

فرائض وتراویح میں بعض آیتوں کے ختم پر خاص خاص اذکار پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۴۲۲)......(الف) ایک امام عالم نے نمازتراویح میں سورۂ رحمٰن پڑھی، ہر ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ﴾ کو پڑھ کر خاموش ہوگیا، مقتدیوں نے اس کے جواب میں لَا بِشَیْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ جہراً پڑھا، اسی طرح وہ فرائض جس میں جہری قراءت کی جاتی ہے اس میں ختم سورۂ قیامہ پر بَلٰی اور سورۂ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ میں (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّك) پر سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی اور ختم سورۂ والتین پر بَلٰی وَ اِنَّا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ وغیرہ مقتدی جہراً پڑھا کرتے ہیں، تراویح یا فرائض میں جوابات آیت مسطورہ پڑھنے کی تعلیم مقتدیوں کو دینا اوران سے عمل کرانا کیسا ہے؟

(ب) امام کا بہ حالت نماز فرض یا تراویح جوابی آیت کی قراءت کے بعد رکنا اور مقتدی کے جوابات سن لینے کے بعد پھر قراءت کرنا کیسا ہے؟

(ج) جوابات بالا کو نماز فرائض یا تراویح میں پڑھنے سے مقتدی مشتغل بغیر القرآن ہے یا نہیں؟

(د) اس قسم کے اشتغال بغیر القرآن سے نماز کا کیا حکم ہے؟

(ھ) اگر حکم کراہت تحریمی ثابت ہو تو نماز کا اعادہ لازم ہوتا ہے یا نہیں؟

(و) خیر القرون میں جب سے کہ تراویح کی بیس رکعت پر اجماع ہوا ہے کسی نے ایسا عمل کیا ہے یا نہیں؟ ائمہ اربعہؒ میں سے یہ فعل کس کا مذہب ہے؟ (۲۶۲۰/۱۳۳۹ھ)

الجواب: (الف) جائز نہیں ہے۔ كما يظهر من الرّوايات المنقولة في السّوال وفي شرح المنية الكبير: وأمّا الإمام والمقتدي فلا يفعل ذلك السّوال والتّعوّذ لا في الفرض ولا في النّفل الّذي تقصد فيه الجماعة كالتّراويح[1]

(ب) یہ فعل امام کا مکروہ اور منافی موضوع نماز کے ہے۔

(ج-ھ) ظاہر ہے کہ یہ اشتغال بغیر القرآن ہے، اوراس سے نماز میں کراہت تحریمی ہوگی،

(۱) غنية المستملي: ص:۳۱۱، فصل في بيان ما يكره في الصّلاة و ما لا يكره فيها.

اور کراہتِ تحریمیہ میں اعادہ نماز کا واجب ہے، اور اعادہ کی ضرورت سے معلوم ہوا کہ پہلی نماز میں نقصان رہا، اس نقصان کے جبر کے لیے اعادہ واجب ہوا[۱]۔

(و) ثابت نہیں ہے، اور ائمہ میں سے امام شافعیؒ اس کو جائز فرماتے ہیں: کما في شرح المنية الكبير: وإن كان المصلي المنفرد في الفرض يكره له ذٰلك لعدم الورود، وفيه خلاف الشّافعيّ استدلّ بالحديث المتقدّم ولنا أنّه في النّفل كما مرّ[۲] فقط (۴/۹۶-۹۷)

راگ کے ساتھ قرآن پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۴۲۳) راگ میں قرآن شریف پڑھنا کیسا ہے؟ کیا خوش الحانی راگ میں داخل ہے؟ راگ اور خوش الحانی میں کیا فرق ہے؟ (۹۵۶/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: راگ میں قرآن شریف پڑھنا ناجائز ہے، چنانچہ حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہے: عن حُذيفةَ رضي اللّٰه عنه قالَ: قالَ رسولُ اللّٰهِ صلّى اللّٰهُ عليه وسلّمَ: اقرءُوا القرآنَ بِلُحونِ العَرَبِ وأصواتِها، وإيّاكم و لحونَ أهلِ العشق، ولحونِ أهل الكتابَينِ وسيجيءُ بعدي قومٌ يُرجّعونَ بالقرآن ترجيعَ الغناءِ و النّوحِ لا يجاوزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُوْنَةً قلوبُهُمْ و قلوب الّذينَ يُعْجِبُهُمْ شأنُهُمْ، رواه البيهقي في شعب الإيمان[۳] اور غناء میں ترجیع اور تردید صورت ہوتی ہے، جیسے: آ آ آ آ آ إلـخ، بہ خلاف خوش الحانی کے کہ اس میں مدو غیرہ حسب قواعد تجوید ہوتا ہے، اور خوش الحانی راگ میں داخل نہیں ہے۔ (۴/۸۴)

---

(۱) وكلّ صلاة أدّيت مع كراهة التّحريم تجب إعادتها، والمختار أنّه جابرٌ للأوّل. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱/۱۰۳-۱۳۱، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: واجبات الصّلاة) ظفیرؒ

(۲) غنية المستملي: ص:۳۱۱، فصل في بيان ما يكره في الصّلاة و ما لا يكره فيها.

(۳) مشكاة المصابيح، ص:۱۹۱، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثّالث.

مکروہاتِ نماز کا بیان

مسجد کی چھت پر نماز مکروہ ہے

سوال: (۱۴۲۴) ایک پرانی مسجد جو ایک کہنی تھی، اب اس کے آگے جدید برآمدہ بنایا، جدید برآمدہ کی چھت پر نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ (۱۸۱۱/۱۳۳۹ھ)

الجواب: مسجد کی چھت پر نماز پڑھنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، اور اس میں درجہ قدیم اور برآمدہ جدید دونوں برابر ہیں [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۴/۴)

ورکشاپ میں ممانعت کے باوجود نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۴۲۵) ہم لوگ ریلوے ورکشاپ میں ملازم ہیں، ہم لوگ چوری سے نماز ظہر ادا کرتے ہیں، لیکن افسر کا یہ حکم ہے کہ جس کو نماز پڑھنی ہو وہ آدھ گھنٹہ کی رخصت لے کر باہر نماز پڑھے، ورکشاپ میں نماز پڑھنے والا سزا کا مستوجب ہوگا، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (۱۵۵۸/۱۳۴۲ھ)

الجواب: جب کہ حاکم نے ورکشاپ میں نماز پڑھنے کو منع کر رکھا ہے، اور یہ کہا کہ جس کو نماز پڑھنی ہو وہ آدھ گھنٹہ کی رخصت لے کر باہر نماز پڑھے تو رخصت لے کر باہر جا کر ہی نماز پڑھنی چاہیے، کیونکہ ورکشاپ جب کہ ان کا مملوک ہے، تو ممانعت کے بعد اس میں نماز پڑھنا ایسا ہے،

---

(۱) ثمّ رأيت القهستاني نقل عن المفيد كراهة الصّعود على سطح المسجد اهـ ، ويلزمه كراهة الصّلاة أيضًا فوقه . (ردّ المحتار : ۳۷۰/۲، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب في أحكام المسجد) ظفیرؔ

جیسا کہ زمین مغصوبہ میں نماز پڑھنا اور وہ مکروہ ہوتی ہے[1] لہٰذا کیوں اپنی نماز کو مکروہ کیا جاوے، باہر جا کر ہی نماز پڑھی جاوے اور پھر اندیشہ سزا علاوہ بریں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۳/۴)

سرکاری کاغذ یا سرکاری باکس پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۴۲۶) اگر کوئی شخص سرکاری دفتر سے کاغذ یا چوبی باکس بلا اجازت لے آئے، اور اس پر جاء نماز بچھا کر نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۲۶۲ھ)

الجواب: نماز اس پر صحیح ہے مگر مکروہ ہے۔ کما في الأرض المغصوبة[1] اور اعادہ واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۳/۴)

مزار اور قبر کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ ہے

سوال: (۱۴۲۷) زید نے ایک مسجد تعمیر کی اس مسجد کے وسطِ صحن میں ایک مزار ہے جس کا نقشہ منسلک ہے، اگر کوئی شخص مزار کے مقابل نماز پڑھے جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۲۱۲۶ھ)

الجواب: قبر کے سامنے نماز فرض اور نفل پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے مناسب یہ ہے کہ ایسے موقع پر اگر قبر واقع ہو جیسا کہ اس صورت موجودہ میں ہے تو اس قبر کا نشان مٹا دیا جاوے، پس جب کہ نشانِ قبر فرشِ مسجد میں نہ رہے گا تو نماز میں کچھ کراہت نہ ہوگی، اور اگر نشانِ قبر مٹایا نہ جاوے گا تو پھر قبر کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس کا علاج اور بندوبست ایسا کیا جاوے کہ قبر کے ہر طرف ایک کٹہرا بنا دیا جاوے تو پھر بھی کراہت مرتفع ہو جاوے گی[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۳/۴)

---

(۱) وكذا تكره في أماكن كفوق كعبة إلخ وأرض مغصوبة أو للغير. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۹/۲-۴۱، كتاب الصّلاة، مطلب في الصّلاة في الأرض المغصوبة إلخ) ظفیرؔ

(۲) وكذا تُكره في أماكنَ كفوقِ كعبةٍ إلخ ومقبرةٍ (الدّرّ المختار) واختُلف في علّتِهِ فقيل: لأنّ فيها عظامَ الموتىٰ وصديدَهم وهو نجِسٌ، وفيه نظر وقيل: لأنّ أصلَ عبادةِ الأصنام اتّخاذُ قبورِ الصّالحين مساجدَ، وقيل: لأنّه تشبّهٌ باليهود وعليه مشىٰ في الخانية، ولا بأس بالصّلاة فيها إذا كان فيها موضعٌ أُعدّ للصّلاة، وليس فيه قبرٌ ولا نجاسةٌ كما في الخانية، ولا قبلتُهُ إلى قبر. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۹/۲، كتاب الصّلاة، مطلب في الصّلاة في الأرض المغصوبة إلخ) ظفیرؔ

قبرستان میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۲۸) مقبرہ میں نماز جائز ہے یا ناجائز؟ (۱۹۰۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر مقبرہ میں کوئی جگہ صاف اور ستھری نماز کے لیے ہو، اور اس میں نجاست اور قبر نہ ہو اور آگے نمازی کے بہ سوئے قبلہ کوئی قبر نہ ہو تو نماز جائز ہے بلا کراہتِ تحریمیہ، اور اگر سامنے قبر ہو یا خود اس جگہ قبر ہو جہاں نماز پڑھتا ہے تو مکروتحریمی ہے۔ شامی میں ہے: ولا بأس بالصّلاة فيها إذا كان فيها موضعٌ أُعدّ للصّلاة ، وليس فيه قبرٌ ولا نجاسةٌ كما في الخا نية ، ولا قبلتُهُ إلى قبر ، حلبة [۱] اور لفظ لا بأس سے اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مقبرہ میں نماز پڑھنا اچھا نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۵/۴-۱۴۶)

نقشہ مسجد منسلکہ میں نماز درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۲۹) نقشہ مسجد منسلکہ سوال کو ملاحظہ فرما کر تحریر فرمائیے کہ اس مسجد میں نماز درست ہے یا نہیں؟ (۲۰۱۲/۱۳۳۹ھ)

الجواب: نقشہ کے ملاحظہ سے معلوم ہوا کہ کوئی قبر آگے کی طرف یعنی بہ جانب قبلہ نہیں ہے جو نمازی کے سامنے واقع ہوتی، پس مسجد مذکور میں نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے۔ كذا في شرح المنية والشّامي وغيره [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۹/۴)

نمازی کے سامنے پیپل کا درخت ہو تو نماز مکروہ نہیں ہوتی

سوال: (۱۴۳۰) اگر پیپل کا درخت نمازی کے سامنے ہو تو نماز ہو جاوے گی یا نہیں؟ (۱۰۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: نماز صحیح ہے اس میں کچھ کراہت بھی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۶/۴)

---

(۱) ردّ المحتار: ۳۹/۲، كتاب الصّلاة ، مطلب في الصّلاة في الأرض المغصوبة إلخ .

مسجد کے مغربی گوشہ میں قبریں بنانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۳۱) ایک مسجد کے مغربی گوشے کے سوا تمام اطراف میں قبریں بنی ہوئی ہیں تو مغربی گوشے میں قبریں تیار ہوسکتی ہیں یا نہیں؟ کیا مسجد کی دیوار جو حائل ہے؛ کافی ہے یا نہیں؟
(۱۳۴۰/۳۸۴ھ)

الجواب: اس گوشۂ مغربی میں اگر قبور کی جاویں تو نماز میں کراہت نہ ہوگی کیونکہ دیوار مغربیٔ مسجد حائل کافی ہے۔ قال في شرح المنية: لا بأس في الصّلاة في المَقبرة إذا كان فيها موضعٌ أعدّ للصّلاة وليس فيه قبرٌ ، وهذا لأنّ الكراهةَ معلّلةٌ بالتّشبيه بأهل الكتاب، وهو منتفٍ فيما كان على الصّفة المذكورة إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۶/۴-۱۰۷)

نمازی کے سامنے مسجد میں لیٹنا اور بات کرنا مکروہ ہے

سوال: (۱۴۳۲) جب کہ مسجد میں نمازی نماز پڑھتے ہوں اُن کے درمیان لیٹنا اور بیٹھ کر گفتگو کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۲۲۴ھ)

الجواب: نماز پڑھنے والوں کے پاس اس طرح باتیں کرنا کہ ان کی نماز میں سہو اور نقصان آنے کا خوف ہو مکروہ ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۷/۴)

---

(۱) غنية المستملي، ص:۳۱۵، فصل في بيان ما يكره في الصّلاة و ما لا يكره فيها .
وفيه أيضًا : ويكره أن تكون قِبلة المسجد إلى المخرج أي إلى الخلاء أو إلى الحمّام أو إلى قبر لأن فيه ترك تعظيم المسجد، وفي الخلاصة : هذا إذا لم يكن بين يدي المصلّي وبين هذه المواضع حائل كالحائط وإن كان حائط لايكره. (غنية المستملي ، ص:۳۱۸، فصل في بيان ما يكره في الصّلاة وما لا يكره فيها)

(۲) وصلاتُهُ إلى وجهِ إنسانٍ ككراهةِ استقبالِه ، فالاستقبال لو مِن المصلّي فالكراهةُ عليه وإلاّ فعلى المستقبِل و لو بعيدًا إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۵۵/۲، كتاب الصّلاة باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب : إذا تردّد الحكم بين سنّة و بدعة كان ترك السّنّة أولى)

==

نمازی کی طرف مُنہ کر کے بیٹھنا مکروہ ہے

سوال: (۱۴۳۳) نمازی کے سامنے مُنہ کر کے بیٹھنا کیسا ہے؟ اگر پہلے سے کوئی بیٹھا ہوا ہے اور اس کے مُنہ کی طرف کوئی نماز پڑھنے لگے یا پہلے سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو، اور اس کی طرف کوئی مُنہ کر کے بیٹھ جائے تو اِن دونوں صورتوں میں نماز مکروہ ہوگی یا ایک صورت میں؟ اور کراہت دونوں صورتوں میں کس کی طرف راجع ہوگی؟ (۱۹۱۲/۱۳۳۸ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **وصلاتُهُ إلی وجهِ إنسانٍ ککراهةِ استقبالِهِ، فالاستقبال لو مِن المصلّي فالکراهةُ علیه وإلّا فعلی المستقبِل إلخ**[1] یعنی استقبال نمازی کی طرف سے ہے تو کراہت اس پر ہے، اور اگر دوسرے کی طرف سے ہے تو کراہت اس پر ہے نمازی پر نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۱۰-۱۱۱)

نمازی کے سامنے چارپائی ہو تو بلا کراہت نماز درست ہے

سوال: (۱۴۳۴) کسی مکان یا دُکان کے اندر مصلّی کے سامنے چارپائی خالی بچھی ہوئی ہے، اور وہ اس چارپائی کے پاس قبلہ رخ نماز پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۹۴۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۳۳)

محراب میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۳۵) محراب میں نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ (۲۰۳۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

== **ولا يُکره صلاةٌ إلی ظهرِ قاعدٍ أو قائمٍ و لو یتحدّثُ إلّا إذا خیفَ الغَلَطُ بحدیثِهِ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۶۵، کتاب الصّلاة، باب ما یفسد الصّلاة وما یکره فیها، مطلب: الکلام علی إتّخاذ المِسْبَحَةِ)** ظفیرؒ

(۱) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۵۵، کتاب الصّلاة، باب ما یفسد الصّلاة وما یکره فیها، مطلب: إذا تردّد الحکم بین سنّة و بدعة کان ترک السّنّة أولٰی.**

الجواب: جائز ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۲۷)

دَر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۴۳۶) مسجد میں اندر کی صفیں پوری کر کے دروازوں میں ۳ یا ۴ نمازی مل کر کھڑے ہوجاتے ہیں، اس صورت میں جو دروں میں نمازی کھڑے ہوتے ہیں، ان کی نماز بلا کراہت جائز ہے یا مکروہ؟ (۱۶۱۲/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: فقہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ در میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ لیکن اگر بوجہ اژدحام نمازیان جیسا کہ بہ روز جمعہ ہوتا ہے کہ کئی کئی آدمی دروں میں جو کہ وسیع ہیں کھڑے ہوجاویں تو بہ ضرورت اس میں کچھ حرج نہیں ہے، اور نماز میں خلل نہیں آتا[۲] فقط (۴/۱۳۴)

اشارہ مفسد صلاۃ نہیں

سوال: (۱۴۳۷) اگر کوئی نابینا یا بینا جماعت میں خلاف امام کے بیٹھا رہا، جب کہ امام کھڑا ہوگیا، ایسی حالت میں دوسرا مقتدی اس کو متنبہ کرے یا نہ؟ اگر کرے تو کیسے کرے؟ سبحان اللہ کہے یا کچھ اور؟ یا ہاتھ پاؤں کا اشارہ کرے، ایسے خفیف طور پر کہ اپنی نماز فاسد نہ ہو، اگر مقتدی نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا جب کہ اس کو ایک رکعت اور پڑھنی چاہیے تھی دوسرے مقتدی کے کہنے سے کھڑا ہوگیا، ان صورتوں میں نماز فاسد تو نہیں ہوگی؟ (۱۲۰۵/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) یعنی مقتدی ومنفرد کے لیے جائز ہے، لیکن امام کے لیے مکروہ ہے۔ وکرہ إلخ ، قیام الإمام في المحراب. (الدّرّ المختار مع الرّدّ: ۲/۳۵۶-۳۵۷، کتاب الصّلاۃ ، باب ما یفسد الصّلاۃ وما یکرہ فیھا ، مطلب : إذا تردّد الحکم بین سنّۃ و بدعۃ کان ترك السّنّۃ أولٰی) ظفیر

(۲) وکرہ إلخ ، وقیام الإمام في المحراب لاسجودُہٗ فیہ وقدماہ خارجَۃٌ لأنّ العبرۃ للقدم مطلقًا إلخ ، وانفراد الإمام علی الدّکان إلخ ، وکرہ عکسہ في الأصحّ ، وھٰذا کلّہ عند عدم العُذر کجمعۃٍ وعیدٍ فلو قاموا علی الرُّفوف والإمام علی الأرض أو في المحراب لضیق المکان لم یکرہ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۵۶-۳۵۹، کتاب الصّلاۃ ، باب ما یفسد الصّلاۃ وما یکرہ فیھا ، مطلب: إذا تردّد الحکم بین سنّۃ وبدعۃ کان ترك السّنّۃ أولٰی) ظفیر

الجواب: مقتدی کے بیٹھے رہ جانے سے اس کو اشارہ سے متنبہ کرنے میں شامی وغیرہ کی تحقیق سے عدمِ فسادِ صلاۃ ظاہر ہوتا ہے، اور ان سب صورتوں کا جو آپ نے لکھی ہیں ایک ہی حکم ہے یعنی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ درمختار میں ہے: **لا بأس بتكليمِ المصلّي و إجابتِهِ برأسِهِ كما لو طُلب منه شيءٌ أو أُرِيَ درهمًا، وقيل: أَ جَيِّدٌ ؟ فأومأ بنعم أولا، أو قيل : كم صلّيتم فأشار بيدهِ أنّهم صلّوا ركعتين . أمّا لو قيل له: تقدّم فتقدّم أو دخل أحد الصّف فوسّع له فورًا فسدت ذكره الحلبي وغيره خلافًا لما مرّ عن البحر. وفي ردّ المحتار : قوله: (أمّا لو قيل إلخ) هوما وعد به فيما تقدّم قبيل قوله: (وفتحه على إمامه) وقدمّنا هناك ضعفه عن الشّرنبلالية** (۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۱۶)

اشارہ کرنے سے نماز میں خرابی نہیں آتی

سوال: (۱۴۳۸) زید و عمر نے ظہر میں بکر کی اقتداء کی، زید چونکہ نابینا ہے رکعت سوم کو چہارم سمجھ کر بیٹھ گیا، عمر نے زید نابینا کو اشارہ کیا، زید اور عمر کی نماز میں کچھ نقصان تو نہیں ہوا؟

(۱۳۳۹/۲۰۴۰ھ)

الجواب: کچھ نقصان نہیں آیا (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۱۵)

ہاتھ کے اشارہ سے نابینا کو قبلہ رخ کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۴۳۹) اگر کوئی نابینا بغیر ٹھیک کرنے سمت قبلہ کے نماز جماعت میں شامل ہوجاوے اور پاس والے نمازی نے اپنے ہاتھ چھوڑ کر اس کا رخ ٹھیک کردیا، اور رخ ٹھیک کرنے والے کی چھاتی قبلہ سے نہیں پھری تھی، اور نہ کوئی اور حرکت نماز کے توڑنے والی سرزد ہوئی تو اس کی نماز ہوجاوے گی یا نہیں؟ اور اگر نابینا بغیر رخ ٹھیک کرنے کے نماز ادا کرتا ہے تو کیا اس کی نماز درست ہوگی؟ (۳۹۶/۱۳۴۰ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۵۶، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها مطلب : إذا تردّد الحكم بين سنّة و بدعة كان ترك السّنّة أولىٰ .

الجواب: اگر ایک ہاتھ کے اشارے اور حرکت سے اس نابینا کے رخ کو ٹھیک کرے تو اس قدر فعل قلیل ہے، اور فعل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اور اگر ضرورت دونوں ہاتھوں سے ٹھیک کرنے کی ہو تو یہ فعل کثیر ہے، اگر ایسا کرے گا تو ٹھیک کرنے والے کی نماز نہ ہوگی، اور بہتر یہی ہے کہ اگر اس نابینا کے رخ کو یہ نمازی ٹھیک کرے تو پھر از سر نو نیت باندھے[۱] اور اگر اسنے ٹھیک نہ کیا تو نابینا کی نماز ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۹۷-۹۸)

غلط رخ نماز پڑھنے والے کی اصلاح کرنا جائز ہے

سوال: (۱۴۴۰) جو شخص بے رخ نماز پڑھ رہا ہے اس کو ہاتھ سے سیدھا کرنا چاہیے یا زبان سے؟ (۱۳۴۲/۱۵۰۲ھ)

الجواب: ہاتھ سے بھی سیدھا کرنا درست ہے اور زبان سے بھی اس سے نماز میں کچھ خلل نہ آوے گا (یعنی اس نمازی کی نماز میں خلل نہ ہوگا اور سیدھا کرنے والا اگر خود نماز میں ہو تو اسے ایک ہاتھ کے اشارہ سے کرنا چاہیے، زبان سے بولے گا تو نماز نہ ہوگی، اس لیے کہ نماز میں بولنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفیرؒ) (۴/ ۱۰۳)

اگر نمازی کا تہبند یا پائجامہ کھل جائے تو دونوں ہاتھ سے باندھنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۴۱) اگر مصلی کا تہبند یا ازار بند حالتِ نماز میں بہ وقت قیام کھل گیا تو مصلی

---

(۱) ويُفسدها كلّ عمل كثير ليس من أعمالها ولا لإصلاحها وفيه أقوال خمسة أصحّها ما لا يشكّ بسببه النّاظر من بعيد في فاعله أنّه ليس فيها وإن شكّ أنّه فيها أم لا فقليل (الدّرّ المختار) رواه الثّلجيّ عن أصحابنا حلبة . القول الثّاني: إنّ ما يُعْمَل عادة باليدين كثير ، و إن عمل بواحدةٍ كالتّعمم وشدِّ السّراويلِ وما عُمل بواحدةٍ قليلٌ إلخ، وأكثرُ الفروع أو جميعُها مفرّعٌ على الأوّلين. والظّاهر أنّ ثانيهما ليس خارجًا عن الأوّل لأنّ ما يُقام باليدين عادةً يَغلِبُ ظنّ النّاظر أنّه ليس في الصّلاة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۳۲/۲، كتاب الصّلاة باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب في التّشبّه بأهل الكتاب)ظفیر

اس کو دونوں ہاتھوں سے باندھ کر نماز پوری کرسکتا ہے یا از سرنو پڑھنی چاہیے؟ ایسے ہی گھنڈی یا بندیا ٹوپی یا اوڑھنی یہ جملہ افعال دونوں ہاتھوں کے ہیں ایسی نماز کا کیا حکم ہوگا؟ (۱۳۴۰/۵۵۲ھ)

الجواب: کبیری شرح منیہ میں ہے: **ویکرہ أیضًا في الصّلاۃ نزع القمیص ونحوہ والقلنسوۃ إلخ، وکذا یکرہ لبسھما إذا کان النّزع أو اللّبس بعمل یسیر لأنّہ عمل أجنبيّ من الصّلاۃ لا یحصل بہ تتمیم شيء من أعمالھا، ولھذا کان مفسدًا إذا حصل بعمل کثیر بأن احتاج إلی الیدین أو کان ممّا لو رأہ النّاظر ظنّہ لیس في الصّلاۃ إلخ**[1] اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حالت نماز میں کرتا اور ٹوپی کا نکالنا اور پہننا اگر عمل یسیر سے ہو یعنی ایک ہاتھ سے اور اس طور سے ہو کہ دیکھنے والا اس نمازی کو یہ خیال نہ کرے کہ یہ نماز میں نہیں ہے تو مکروہ ہے، اور اگر عمل کثیر سے ہو تو مفسدِ صلاۃ ہے، اور ازار بند اور تہہ بند اور بند انگہ (دھوتی) وغیرہ کا باندھنا بغیر دونوں ہاتھوں کے بہ ظاہر دشوار ہے، لہٰذا یہ عمل کثیر ہے اور مفسدِ صلاۃ ہوگا[2] فقط (۴/۹۹-۱۰۰)

نماز میں تہبند یا پائجامہ کھل جائے تو کیا کرے؟

سوال: (۱۴۴۲) اگر نماز کی حالت میں مقتدی یا امام کا تہبند یا پائجامہ کا کمر بند کھل گیا تو وہ نماز میں کیا کرے؟ (۱۳۴۵/۳۱-۴۴ھ)

الجواب: اگر ایک ہاتھ سے یعنی عمل یسیر سے درست ہونا ممکن نہ ہو تو نماز کو توڑ کر دونوں ہاتھوں سے تہبند باندھ کر پھر شریک جماعت ہو جاوے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۲)

---

(۱) **غنیۃ المستملي،** ص:۳۰۹، **فصل في بیان ما یکرہ في الصّلاۃ وما لا یکرہ فیھا.**

(۲) **ویفسدھا کلّ عمل کثیر لیس من أعمالھا ولا لإصلاحھا وفیہ أقوال خمسۃ أصحّھا ما لا یشکّ بسببہٖ النّاظر من بعید في فاعلہٖ أنّہ لیس فیھا، وإن شکّ أنّہ فیھا أم لا، فقلیل (الدّرّ المختار) القول الثّاني أن ما یُعمل عادۃً بالیدین کثیرٌ، وإن عمل بواحدۃ کالتّعمّم و شدّ السّراویل، وما عمل بواحدۃ قلیلٌ، وإن عمل بھما کحلّ السّراویل ولبس القلنسوۃ ونزعھا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۳۲، کتاب الصّلاۃ، باب ما یفسد الصّلاۃ وما یکرہ فیھا، مطلب في التّشبّہ بأھل الکتاب)** ظفیرؔ

سجدے میں جاتے ہوئے پائجامہ چڑھانا عمل کثیر نہیں

سوال: (۱۴۴۳) نماز میں سجدہ کو جاتے وقت جو دو ہاتھ سے پائجامہ چڑھاتے ہیں یہ فعل کثیر میں داخل ہے یا نہیں؟ (۹۴۲/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: یہ فعل کثیر میں داخل نہیں ہے، اور نماز اس سے فاسد نہیں ہوتی، البتہ ایسا کرنا اچھا نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶۳/۴)

سجدے میں جاتے ہوئے پائجامہ اٹھانا اچھا نہیں؟

سوال: (۱۴۴۴) قومہ سے سجدہ میں جاتے ہوئے پائجامہ اوپر کو اٹھا لیتے ہیں نماز جائز ہے یا نہ؟ (۲۱۹۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: بلاضرورت ایسا کرنا اچھا نہیں اور نماز ادا ہو جاتی ہے (۲) فقط (۹۳/۴)

سوال: (۱۴۴۵) سجدے میں جانے کے وقت پائجامہ اوپر کو کرنا کیسا ہے؟ (۴۵۵/۱۳۴۳ھ)

الجواب: بلاضرورت یہ اچھا نہیں ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۵/۴)

سوال: (۱۴۴۶) نماز میں بار بار پائجامہ کو اٹھانا کیسا ہے؟ (۲۸۴۹/۱۳۳۷ھ)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

(۲) وكُره كفُّهُ أي رفعُهُ ولو لتُرابٍ كَمُشْمِّرٍ كمٍّ أو ذَيلٍ، وعَبَثُهُ بِهِ أي بثَوبِهِ وبجسدِهِ للنّهيِ إلّا لحاجةٍ، ولا بأسَ بِهِ خارجَ صلاةٍ (الدّرّ المختار) قال في النِّهاية: وحاصلُهُ أنّ كلَّ عملٍ هو مفيدٌ للمصلّي فلا بأسَ بِهِ، أصلُهُ ما رُوي أنّ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم عَرِقَ في صلاتِهِ فَسَلَتَ العَرَقَ عن جَبِيْنِهِ أي مَسَحَهُ لأنّه كان يُؤْذِيْهِ فكان مفيدًا، وفي زَمن الصّيفِ كان إذا قام من السّجودِ نَفَضَ ثوبَهُ يَمْنَةً أو يَسْرَةً لأنّهُ كان مفيدًا كي لا تبقٰى صورةً. فأمّا ما ليس بمفيدٍ فهو العَبَثُ اهـ. وقولُهُ: (كي لا تبقٰى صورةً) يعني حكايةُ صورةِ الأَلْيَةِ كما في الحواشي السّعدية إلخ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۵۰-۳۵۱، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في الكراهة التّحريميّة والتّنزيهيّة) ظفیر

الجواب: بار بار اٹھانا اچھا نہیں ہے مگر نماز صحیح ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۰۸)

ٹخنوں سے نیچے پائجامہ لٹکا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے

سوال: (۱۴۴۷) نماز میں ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہننا جائز ہے یا نہیں؟

(۶۵۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نماز میں ٹخنوں سے نیچے پائجامہ لٹکا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، ثواب سے محروم رہے گا، نماز کے علاوہ بھی ٹخنوں سے اوپر رکھنا ضروری ہے، حدیث میں ایسے شخص کے لیے بہت وعید آئی ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۲۷)

سوال: (۱۴۴۸) جامہ کہ از شتالنگ فرومی روداز آں نماز مکروہ است یا نہ؟ (۵۲/۷-۱۳۴۰ھ)

الجواب: مکروہ است۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۳۱)

ترجمہ سوال: (۱۴۴۸) جو پائجامہ ٹخنے سے بڑھا ہوا ہو اس میں نماز مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب: مکروہ ہے۔

دوسرے کی زمین میں بلا اجازت نماز پڑھنا درست ہے

سوال: (۱۴۴۹) بلا اجازت دوسرے کی زمین میں نماز پڑھی نماز ہوئی یا نہیں؟

(۲۲۵۳/۱۳۳۹ھ)

الجواب: نماز ہوگئی[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۹۴)

---

(۱) ویکرہ المصلّي أن یعبث بثوبِہِ أو بجسدِہِ إلخ. (الهداية: ۱/۱۳۹، کتاب الصّلاۃ، باب ما یفسد الصّلاۃ وما یکرہ فیها) ظفیر

(۲) عن أبي هریرۃ رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم ما أسفل من الکعبین من الإزار في النّار، رواہ البخاري. (مشکاۃ المصابیح: ص:۳۷۳، کتاب اللّباس، الفصل الأوّل) ظفیر

(۳) وکذا تُکرہ إلخ أو لِلغیرِ لَو مَزروعۃً (الدّرّالمختار) فإن اضْطُرَّ بین أرضِ مسلمٍ وکافرٍ یصلّي في أرضِ المسلم إذا لم تکن مزروعۃً، فلو مزروعۃً أو لکافرٍ یصلّي في الطّریق اھـ ==

نماز میں بیچ سے سر کھلا ہوا ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۴۵۰) اگر سر پر عمامہ ہو اور ٹوپی نہ ہو بیچ سے سر کھلا ہوا تو نماز میں کیسا ہے؟ (۲۸۴۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایسا مکروہ ہے مگر نماز ہو جاتی ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۸/۴)

عاجزی کے پیش نظر ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے

سوال: (۱۴۵۱) ایک کتاب میں لکھا ہے کہ جو شخص ننگے سر اس نیت سے نماز پڑھے کہ عاجزانہ درگاہ خدا میں حاضر ہوتا ہوں تو کچھ حرج نہیں۔ (۲۵۳۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: یہ تو کتب فقہ میں بھی لکھا ہے کہ بہ نیت مذکورہ ننگے سر نماز پڑھنے میں کراہت نہیں ہے۔ درمختار میں ہے: لا بأسَ بِهِ للتّذلّل إلخ(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۴/۴)

== أي لأنّ لَهُ في الطّريق حقًّا كما في مختارات النّوازل ، وفيها: تُكره في أرضِ الغير لو مزروعةً أو مَكْرُوْبَةً إلّا إذا كانت بينهما صَداقةٌ أو رأى صاحبها لا يَكرهُهُ فلا بأسَ اهـ تنبيه: نَقل سيّدي عبدُ الغني عن الأحكام لوالدِهِ الشّيخ إسماعيل أنّ النّزولَ في أرضِ الغير إن كان لها حائطٌ أو حائلٌ يمنعُ منه وإلّا فلا ، والمعتبر فيه العُرف اهـ يعني عُرفَ النّاس بالرِّضا و عدمِهِ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۹/۲-۴۱، كتاب الصّلاة، مطلب في الصّلاة في الأرض المغصوبة إلخ) ظفیرؒ

(۱) يُكره اشتمالُ الصَّمّاءِ والاعتجارُ (الدّرّ المختار) لنهي النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم عنه وهو شدّ الرّأس أو تكويرُ عِمامتِهِ على رأسِهِ وتركُ وَسَطِهِ مكشوفًا. (الدّرّ المختار و الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۶۶/۲، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: الكلام على اتّخاذ المِسبحة) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۵۱/۲، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في الخشوع .

تولیہ یا رومال باندھ کر نماز پڑھانا کیسا ہے؟

سوال: (۱۴۵۲) تولیہ یا رومال بجائے عمامہ کے باندھ کر نماز پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور تولیہ ٹوپی پر باندھنا مکروہ ہے یا نہیں؟ اور اس سے نماز پڑھانا مکروہ ہے یا نہیں؟ اور یہ اعتجار (پگڑی باندھنا) ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اس پر طعن کرے اور الفاظ جاہلانہ توہین کے کہے تو اس کو عتاب ہونا چاہیے یا نہیں؟ (رجسٹر میں نہیں ملا)

الجواب: تولیہ و رومال ٹوپی پر باندھنا مکروہ نہیں ہے؛ یعنی عمامہ کے طور پر باندھنا، اور نماز اس سے مکروہ نہ ہوگی، بلکہ اِطلاق عمامہ کا اس پر آوے گا اور باندھنے والا مستحق ثواب ہوگا، اور یہ اعتجار مکروہ نہیں ہے، عِصابہ بہ معنی عمامہ بھی آتا ہے، اور پٹی جو سر پر باندھی جائے اس کو بھی عصابہ کہتے ہیں۔ العِصابة تأتي بمعنى العِمامة كما في القاموس وغيره[1] عمامہ رسول اللہ ﷺ کی نسبت منقول ہے کہ آپ کے پاس دو عمامے تھے: ایک سات ذراع کا اور ایک بارہ ذراع کا، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس میں کوئی تحدید شرعًا نہیں ہے، بہ قدر ضرورت ہونا کافی ہے[2] جمع الوسائل

---

(۱) جمع الوسائل: ۱/۱۶۹، باب ماجاء في عمامة رسول الله صلّى الله عليه وسلّم، المطبوعة: مصطفٰى البابي الحلبي، مصر.

(۲) فإن لم تكن عِمامته بالكبيرة الّتي يؤذي حملُها حاملَها إلخ، ولا بالصّغيرة الّتي تقصر عن وقاية .... الرّاس من الحرّ والبرد، بل كانت وسطًا بين ذلك إلخ، وقال السّيوطي: لم يثبت في مقدارها حديث، وفي خبرٍ ما يدلّ علىٰ أنّها عشرة أذرع، والظّاهر أنّها كانت نحو العشرة أو فوقها بيسير، وقال السّخاوي في فتاويه: رأيتُ مَن نَسب لعائشة أنّ عِمامتهٗ في السّفر بيضاءُ وفي الحضر سوداءُ وكلّ منهما سبعة أذرع إلخ، وفي تصحيح المصابيح لابن الجزريّ تتبّعتُ الكتب وتطلّبتُ من السّير والتّواريخ لأقف على قدر عِمامتهٖ صلّى الله عليه وسلّم فلم أقف على شيء حتّى أخبرني من أثق بهٖ أنّه وقف على شيء من كلام النّووي ذكر فيه: أنّه كان لهٗ عِمامة قصيرةٌ ستّةَ أذرع، و عِمامة طويلة إثنا عشر ذراعًا. (شرح مواهب اللدُّنية للزّرقاني: ۶/۲۵۶، المقصد الثّالث فيما فضّله الله تعالىٰ به، الفصل الثّالث فيما تدعو ضرورته إليه من غذائه و ملبسه إلخ، النّوع الثّاني في لباسهٖ وفراشه، دار الكتب العلمية، بيروت) ظفیرؔ

شرح الشّمائل للعلي القاري میں ہے: وقال الشّيخ الجزري في تصحيح المصابيح : قد تتبعتُ الكتب وتطلّبتُ من السّير والتّواريخ لأقف علىٰ قدر عمامة النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم فلم أقف على شيء حتّٰى أخبرني من أثق به أنّه وقف علىٰ شيءٍ من كلام النّووي ذَكر فيه أنّه كان لهٗ صلّى اللّٰه عليه وسلّم عمامة قصيرة وعمامة طويلة ، وأنّ القصيرة كانت سبعةَ أذرعٍ والطّويلة كانت إثني عشر ذراعًا أهـ . وظاهر كلام المدخل أن عمامته كانت سبعةَ أذرعٍ مطلقًا من غير تقييد بالقصير والطّويل إلخ[1] فقط (۴/۹۴-۹۵)

بلا عمامہ نماز مکروہ نہیں

سوال: (۱۴۵۳) آیا نماز بہ کلاہ بدون عمامہ مکروہ است یا نہ؟ (کیا عمامہ کے بغیر ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟) فتاویٰ سعدیہ میں مکروہ لکھا ہے، اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی جائز بلا کراہت تحریر فرماتے ہیں؟ (۱۱۵۶/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اقول وباللہ التوفیق: شرح منیہ کبیری میں ہے: والمستحبّ أن يصلّي الرّجل في ثلاثة أثواب : إزار وقميص وعِمامة ولو صلّى في ثوب واحد متوشّحًا بهٖ جميع بدنه كما يفعله القصّار في المِقصرة جاز من غير كراهة مع تيسر وجود الطّاهر الزّائد ولكن فيه ترك الاستحباب[2] اس روایت سے معلوم ہوا کہ بلا عمامہ کے نماز مکروہ نہیں ہے، البتہ عمامہ کا ہونا مستحب ہے، اور عمامہ نہ ہونے کی صورت میں باوجود میسر ہونے کے ترکِ استحباب ہے، پس حضرت مولانا گنگوہیؒ قدس سرہ کی غرض یہی ہے کہ اگرچہ ترک عمامہ میں خلاف استحباب ہے، لیکن جائز بلا کراہت ہے اور غیر مستحب کو کراہت لازم نہیں ہے۔ کما صرّح به الشّامي: ولا يلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة إذ لابُد لها من دليل خاصّ[3] پس صحیح یہی ہے جو حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ نے لکھا ہے، اور فتاویٰ سعدیہ میں جو اس کو مکروہ لکھا ہے؛

---

(۱) جمع الوسائل: ۱/ ۱۶۸، باب ماجاء في عمامة رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم .

(۲) غنية المستملي، ص: ۳۰۳، فصل في بيان ما يكره في الصّلاة و ما لا يكره فيها .

(۳) ردّ المحتار: ۱/۲۲۲، كتاب الصّلاة ، مطلب: ترك المندوب هل يكره تنزيهًا إلخ .

یہ اس قول کی بناء پر ہوگا جو کہتے ہیں کہ ترکِ مستحب خلافِ اولیٰ ہے، اور خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی کا مرجع واحد ہے تو مراد صاحب فتاویٰ سعدیہ کی مکروہ تنزیہی ہونا ہے، لیکن شامی کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ مکروہ تنزیہی بھی نہ کہنا چاہیے، البتہ عمامہ کی وجہ سے زیادتیٔ ثواب ہونا مسلم ہے، جیسا کہ جملہ مستحبات کے ادا میں زیادتیٔ ثواب ہے، لیکن ان کے ترک میں کراہت نہیں جیسے صلاۃِ ضحیٰ وغیرہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۰/۴-۱۲۱)

شملہ دراز ہونے کی وجہ سے نماز مکروہ نہیں ہوتی

سوال: (۱۴۵۴) عمامہ باندھنا کتنا سنت ہے؟ اور اوسطًا اس کا شملہ پیچھے چھوڑنا کتنا مسنون ہے؟ اگر کوئی سرین تک چھوڑے تو نماز میں نقصان آتا ہے یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ اگر شملہ سوا بالشت سے زیادہ چھوڑے تو نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، اس بارے میں شرعًا کیا حکم ہے؟

(۸۸۳/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: درمختار میں ہے کہ عمامہ کا شملہ پیچھے چھوڑنا مستحب ہے، اور وسطِ ظہر تک شملہ کا ہونا مستحب ہے، اور بعض نے کہا ایک بالشت ہوگا، اور یہ کہنا اس شخص کا کہ اگر سوا بالشت سے زیادہ شملہ چھوڑے تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی غلط ہے۔ وسطِ ظہر تک ہونا شملہ کا یا ایک بالشت ہونا یہ سب امور مستحبہ میں سے ہیں، اس کا خلاف مکروہ تحریمی نہیں ہے، اور نماز میں کچھ کراہت نہیں آئی۔ ایک قول شملہ کے بارے میں درمختار میں یہ بھی ہے کہ موضعِ جلوس تک شملہ کا ہونا مستحب ہے(۱) اس سے معلوم ہوا کہ کمر کی جڑ تک یعنی سرین کے شروع تک ہونا شملہ کا بھی مکروہ نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ اقوال ہیں دربارۂ استحباب ہیں، باقی گناہ کسی حال میں نہیں ہے، شملہ چھوٹا ہو یا بڑا، اسی طرح عمامہ کے طول کی شرعًا کوئی حد خاص نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کا عمامہ کبھی بارہ ہاتھ کا ہوا ہے، اور کبھی سات ہاتھ کا، اور دوسروں کو آپ نے کوئی خاص طول کا امر نہیں فرمایا، پس جس طرح عادت ہو

---

(۱) ونُدِبَ لبُسُ السَّواد و إرسالُ ذَنَبِ العِمامة بين كَتِفَيْهِ إلى وَسَطِ الظّهرِ ، وقيل لموضعِ الجلوسِ وقيل: شِبْرٌ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۰/۴۰۳-۴۰۴، كتاب الخنثیٰ ، مسائل شتّٰی) ظفیرؔ

اور جتنا باندھنے کی عادت ہو باندھ لے کچھ وہم نہ کرے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۱۳۸)

صرف ٹوپی پہن کر امامت کرنا مکروہ نہیں

سوال: (۱۴۵۵) ٹوپی اوڑھ کر امامت کرنا بلا کراہت درست ہے یا نہ؟ (۱۲۹۷/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: ٹوپی سے امامت درست ہے کچھ کراہت نہیں ہے، البتہ عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنا اور امامت کرانا افضل ہے، اور ثواب زیادہ ہے لیکن بلا عمامہ (۲) بھی مکروہ نہیں ہے، **كذا في شرح المنية الكبير** (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۹۷)

جو امام شرعی لباس پہن کر نماز پڑھاتا ہے مگر اس سے خوش نہیں اس کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۴۵۶) امام کہ لباس شرعی مثل چوغہ و اِزار و رِداء و عمامہ را پوشیدہ امامت می سازد، ولیکن پوشیدہ ایں لباس اُورا ناخوش است آیا نماز جائز می شود یا نہ؟ (۵۲/ ۱۳۴۰ھ)

الجواب: نماز ادا می شود۔ (۴/ ۴۵)

ترجمہ سوال: (۱۴۵۶) جو امام شرعی لباس؛ مثلاً چوغہ، اِزار، چادر اور دستار پہن کر امامت کرائے، مگر وہ اس لباس کے پہننے سے ناخوش ہے؛ آیا اس صورت میں نماز جائز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: نماز ادا ہوگئی۔

---

(۱) ذكر فيه أنّهٗ كان لهٗ صلّى الله عليه وسلّم عِمامةٌ قصيرةٌ وعِمامةٌ طويلةٌ وأنّ القصيرةَ كانت سبعةَ أذرعٍ والطّويلةَ اثني عشرَ ذراعًا. (مرقاة المفاتيح: ۸/ ۲۱۵، كتاب اللّباس، الفصل الثّاني، رقم الحديث: ۴۳۴۰) ظفیرؒ

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (بلا عمامہ) کی جگہ ''ٹوپی'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) والمستحبّ أن يصلّي الرّجل في ثلاثة أثواب: إزار وقميص وعِمامة ولو صلّى في ثوب واحد متوشّحًا بهٖ جميع بدنه كما يفعله القصّار في المِقصرة جاز من غير كراهة مع تيُّسر وجود الطّاهر الزّائد ولكن فيه ترك الاستحباب. (غنية المستملي: ص: ۳۰۳، فصل في بيان ما يكره في الصّلاة وما لا يكره فيها)

بلاضرورت ریشمی کپڑے میں پڑھی ہوئی نماز واجب الاعادہ ہے

سوال: (۱۴۵۷) بلاضرورت شرعی ریشمی کپڑا پہنے ہوئے مرد کو نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ اور برتقدیر اوّل اعادہ نماز کا واجب ہوگا یا نہیں؟ (۱۰۸۳/۱۳۳۵ھ)

الجواب: بہ ظاہر مکروہ تحریمی ہے اور اعادہ واجب ہے۔ کما قالوا: بإعادة صلاة صلّيت في ثوب فيه صورة. قال في ردّ المحتار: ويؤيّدُهٗ ما صرّحوا بهٖ من وجوبِ الإعادة بالصّلاة في ثوب فيه صورةٌ بمنزلةِ من يُصلّي وهو حاملُ الصّنم إلخ (۱)(۱/۳۰۷/ في بيان واجب الصّلاة)(۴/۱۳۹)

ریشمی کپڑا پہن کر یا بچھا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۴۵۸) ریشمی کپڑا پہن کر یا بچھا کر اس پر نماز پڑھنے سے نماز ادا ہو جاتی ہے یا اعادہ واجب ہے؟ ایک اہل علم کا بیان ہے کہ نماز تو ہو جاتی ہے لیکن وہ شخص گنہ گار ہے، جیسے کوئی مرد طلائی یا زائد از مقدار شرعیہ نقرئی انگوٹھی یا اور کوئی زیور پہن کر نماز پڑھے گا تو نماز ادا ہو جائے گی لیکن اس ناجائز استعمال کا گناہ اس کے سر رہے گا، اسی طرح اگر کوئی لباس یا پاجامہ وغیرہ ٹخنے سے نیچے ہو تو ایسے شخص کی نماز ادا ہوگی یا نہیں؟ نیز ریشمی کپڑے والے یا دراز پائجامہ والے جیسے اہل عرب وغیرہ جبہ یا عباء وغیرہ اتنا دراز پہنتے ہیں کہ زمین سے لگتا ہے، یا زیور پوش یا ڈاڑھی صفا کی امامت درست ہے یا نہیں؟ اور اس علم کے بعد مقتدیوں کو اپنی نماز لوٹانا ہوگی یا نہیں؟ خاص کر ایسی صورت میں نماز جمعہ وعیدین کے اعادہ کی کیا صورت ہوگی جب کہ بہت سے لوگ سلام کے بعد ہی منتشر ہو جاتے ہیں؟ (۶۲۷/۱۳۳۷ھ)

---

(۱) ردّ المحتار: ۱۳۱/۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: كلّ صلاة أدّيت مع كراهة التّحريم تجب إعاتها.

شرح حموی میں ہے: لأنّ الصّلاة في الحرير مكروهة للرّجال. (شرح الحموي على الأشباه و النّظائر: ۴۳۴/۱، الفنّ الثّاني، كتاب الصّلاة) ظفیرؔ

الجواب: ریشمی کپڑا پہننا حرام ہے، پس نماز جو ریشمی کپڑا پہن کر پڑھی جاوے مکروہ واجب الاعادہ ہوگی (۱) اور اس پر نماز پڑھنا بچھا کر اس کو فقہاء نے جائز لکھا ہے۔ کما في ردّ المحتار: بخلاف الصّلاة على السّجادة منه أي من الحرير لأنّ الحرام هو اللّبس دون الانتفاع إلخ (۲) پھر اس میں حموی سے روایتِ کراہت بھی نقل کی ہے، اگر چہ اس کو مرجوح کہا ہے، بہر حال احتیاط ترکِ صلاۃ علی الحریر میں ہے، لیکن اگر پڑھے تو اعادہ واجب نہ ہوگا، اور جس کا لباس خلاف شرع ہو یا ڈاڑھی محلوق ہو امامت اس کی مکروہ ہے بوجہ فاسق ہونے امام کے۔ اور درمختار میں ہے: صلّى خلفَ فاسقٍ أو مُبتدعٍ نال فضلَ الجماعة إلخ (درمختار) أفاد أن الصّلاة خلفهما أولى من الانفراد الخ (۳) (شامی) اور نماز جمعہ وعیدین میں ترک واجب سے سجدۂ سہو کے وجوب کا حکم نہ کرنا (۴) مقتضی اس کو ہے کہ اعادہ اس کا بہ صورت مذکورہ لازم نہیں ہے۔ فقط (۴/۱۲۶-۱۲۷)

ریشم اور سونا پہن کر نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۵۹) اگر کوئی شخص بلا عذر ریشم اور سونا پہن کر نماز پڑھے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ بعض احباب کا خیال ہے کہ سونا اور ریشم مردوں کو پہننا حرام ہے، لیکن اگر پہن کر نماز پڑھے تو نماز ہو جاوے گی یہ صحیح ہے یا نہیں؟ (۷۴۵/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) لأنّ الصّلاة في الحرير مكروهة للرّجال. (شرح الحموي على الأشباه والنّظائر: ۱/۴۳۴، كتاب الصّلاة) ظفیرؔ

(۲) في الدّرّ الملتقٰى: ولا تُكره الصّلاةُ على سجّادةٍ من الإبريسَمِ لأنّ الحرامَ هو اللّبس أمّا الانتفاعُ بسائر الوجوه فليس بحرامٍ كما في صلاة الجواهر. (ردّ المحتار: ۹/۴۳۱، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللّبس) ظفیرؔ

(۳) ردّ المحتار: ۲/۲۵۷-۲۵۸، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعةُ خمسةُ أقسام.

(۴) والسّهو في صلاةِ العيد والجمعة والمكتوبة والتّطوّع سواءٌ، والمختار عند المتأخّرين عدمُه في الأوليين. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۸۹، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو) ظفیر

الجواب: ریشمی کپڑا اور سونا بے شک مردوں کے لیے حرام ہے، اور نماز جو اُن سے پڑھی گئی وہ صحیح ہے، مگر ظاہر ہے کہ جب کہ استعمال ریشم اور سونے کا مردوں کو ہر وقت حرام ہے تو نماز میں بھی حرام ہے، مگر چونکہ وہ دونوں نجس نہیں ہیں اس لیے نماز ہوگئی (لیکن جو نماز ریشمی کپڑا اور سونا پہن کر پڑھی گئی ہے وہ مکروہ واجب الاعادہ ہے۔ کما مرّ في الجواب السّابق. محمد امین پالن پوری) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۴۷)

ریشمی ازار بند کے ساتھ نماز درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۶۰) ریشمی کپڑا مردوں کو حرام ہے، اور نماز اس سے مکروہ ہے، غایت الاوطار جلد اوّل ص: ۱۹۰، لیکن فتاویٰ ہندیہ جلد چہارم میں لکھا ہے کہ اگر ریشم کے تکہ کے ساتھ نماز پڑھے تو جائز ہے مکروہ نہ ہوگی، لیکن پہننے والا گناہ کا مرتکب ہوگا۔ (۲۹۵۰/۱۳۴۱ھ)

الجواب: یہ تو ظاہر ہے کہ ریشمی کپڑا مرد کو پہننا حرام ہے، اور اس کے ساتھ نماز بھی مکروہ ہوگی [۱] اور فتاویٰ ہندیہ میں غالباً جواز نماز بلا کراہت اس لیے لکھا ہے کہ تکہ ریشم کا عند البعض جائز ہے۔ کذا في الدّرّ المختار: وتکره التِکّة منه أي من الدّیباج هو الصّحیح، وقیل: لا بأسَ بها إلخ، وفي الشّامي عن التّتارخانیة: ولا تکره تکّة الحریر لأنّها لا تلبس وحدها، وفي شرح الجامع الصّغیر لبعض المشائخ: لا بأس بتکة الحریر للرّجال عند أبي حنیفةؒ وذکر صدرُ الشّهید أنّه یکره عندهما [۲] اس روایت سے ایک وجہ تطبیق بھی معلوم ہوگئی کہ صاحب غایۃ الاوطار نے صاحبین کے قول کو لیا ہو، اور فتاویٰ ہندیہ میں امام صاحب کے قول کو اختیار کیا ہو، اس کے علاوہ غایۃ الاوطار میں ریشم کے کپڑے کو لکھا ہے تکہ سے بحث نہیں کی، تکّة: کمر بند ہے، اس کی کراہت میں اختلاف ہے۔ کما مرّ. (۴/۱۳۲-۱۳۳)

---

(۱) لأنّ الصّلاة في الحریر مکروهة للرّجال بخلاف الصّلاة في الثّوب النّجس فإنّها غیر صحیحة. (شرح الحموي علی الأشباه والنّظائر: ۱/۴۳۴، الفنّ الثّاني، کتاب الصّلاة) ظفیرؒ

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۹/۴۳۰-۴۳۱، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللّبس.

سونے کا چھلّا پہن کر نماز مکروہ ہے

سوال: (۱۴۶۱) سونے کا چھلّا پہن کر نماز پڑھ لی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۷۲۶/۱۳۳۵ھ)(۱)

الجواب: سونے کی انگوٹھی اور چھلّا پہننا مردوں کو حرام ہے۔ کما في الحدیث: نھٰی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم عن خاتم الذّھب الحدیث (۲) پس جب کہ سونے کا چھلّا پہننا ہر وقت مردوں کو حرام ہے نماز میں بھی حرام ہے، اور نماز بہ کراہت ادا ہو جاتی ہے، یعنی نماز ہو جاتی ہے، مگر مکروہ ہوتی ہے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۴/۴)

تصویر والے کپڑوں میں نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۶۲) تصویر اگر کپڑے پر ہو تو اس کپڑے سے نماز ہو جائے گی؟

(۲۰۳۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اگر جان دار کی تصویر ہے تو نہیں ہونے کی، اگر غیر جان دار کی ہوگی تو ہو جاوے گی (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۷/۴)

---

(۱) سوال مطبوعہ فتاویٰ میں نہیں ہے، رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) عن أبي ھریرۃ رضي اللّٰہ عنہ عن النّبيّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم أنّہ نھٰی عن خاتم الذّھب. (صحیح البخاري: ۸۷۱/۲، کتاب اللّباس ، باب خواتیم الذّھب)

(۳) لأنّ الصّلاۃ في الحریر مکروھۃ للرّجال . (شرح الحموي علی الأشباہ والنّظائر: ۴۳۴/۱، الفنّ الثّاني ،کتاب الصّلاۃ) ظفیرؔ

(۴) وکرہ إلخ لبُس ثوبٍ فیہ تَماثیلُ ذي روح (الدّرّ المختار) ویأتي أنّ غیر ذي الرّوح لایکرہ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۵۸/۲-۳۵۹، کتاب الصّلاۃ ، باب ما یفسد الصّلاۃ وما یکرہ فیھا ، مطلب : إذا تردّد الحکم بین سنّۃ وبدعۃ کان ترک السّنّۃ أولٰی)

قولہ: (ولبس ثوب فیہ تصاویر) لأنّہ یشبہ حاملَ الصّنم فیکرہ ، وفي الخلاصۃ: وتکرہ التّصاویر علی الثّوب صلّی فیہ أو لم یصلّ اھ وھٰذہ الکراھۃ تحریمیّۃ . (البحر الرّائق: ۴۷/۲-۴۸، کتاب الصّلاۃ ، باب ما یفسد الصّلاۃ وما یکرہ فیھا) ظفیر

نقش ونگار والے مصلّے پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۶۳) اگر کسی مصلّے یا جانماز پر نقشہ کسی روضہ یا مسجد یا خانہ کعبہ یا مدینہ منورہ کا ہو، اور ہر حالت میں پیش نظر رہے، اس پر نماز پنج گانہ ادا کرنا کیسا ہے؟ (۲۶/۱۷۲۶ھ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: نماز ادا ہو جاتی ہے[1] لیکن پیش نظر ہونا نقش ونگار کا اچھا نہیں ہے[2] فقط (۴/۱۲۷-۱۲۸)

میلے کپڑوں میں نماز مکروہ ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۶۴) میلے کپڑے اور جڑاول[3] سال گذشتہ کے ثیاب بذلہ میں داخل ہیں یا نہ؟ اور نماز ان میں جائز ہوگی یا مکروہ؟ (۱۲۱۳/۱۳۳۵ھ)

الجواب: کپڑوں کے میلے ہو جانے کی وجہ سے وہ ثیاب بذلہ نہیں ہوئے، اسی طرح جڑاول سال گذشتہ؛ ثیاب بذلہ میں داخل نہیں، لہٰذا نماز ان میں مکروہ نہ ہوگی[4] فقط (۴/۱۳۹)

---

(۱) أو لغير ذي روح لا يكره لأنّها لا تعبد (الدّرّ المختار) لقول ابن عبّاس رضي اللّٰه عنهما للسّائل : فإن كنت لا بدّ فاعلاً فاصنع الشّجرَ وما لا نَفْسَ لهٗ ، رواه الشّيخان. (ردّالمحتار: ۲/۳۶۱، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة و ما يكره فيها ، مطلب : إذا تردّد الحكم بين سنّة وبدعة كان ترك السّنّة أولٰى) ظفير

(۲) ولا بأس بنقشہٖ خلا محرابه فإنّه يكره لأنّهٗ يُلهي المصلّي (الدّرّ المختار) فيُخلّ بخشوعهٖ من النّظر إلى موضع سجودهٖ ونحوهٖ .... ويكون منتهى بصرهٖ إلى موضع سجوده إلخ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۷۳، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب كلمة لا بأس دليل علٰى أنّ المستحب غيره لأن البأسَ الشّدّة) ظفیرؒ

(۳) گرم کپڑے، جاڑے کے کپڑے، پوشاک سرما۔ (فرہنگ آصفیہ: ۲/۴۰)

(۴) وصلاتُهٗ في ثيابٍ بِذْلَةٍ يَلبسها في بيتهٖ ومِهْنَةٍ أي خدمةٍ إن لهٗ غيرُها وإلّا لا (الدّرّ المختار) وفسرّها في شرح الوقاية: بما يَلبسُهٗ في بيتهٖ ولا يذهبُ بهٖ إلى الأكابر، والظّاهرُ أنّ الكراهةَ تنزيهيّةٌ. (الدّرّ المختار والرّدّ: ۲/۳۵۱، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب في الكراهة التّحريميّة والتّنزيهيّة ، قبيل مطلب في الخشوع) ظفير

قومِ نصاریٰ کے مستعمل کپڑوں میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۴۶۵) کپڑا مستعملہ قوم نصاریٰ سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ (۴۸۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: جامہائے مستعملہ قوم نصاریٰ وغیرہ سے فقہاء نے نماز پڑھنے کو جائز لکھا ہے، سوائے پائجامہ اور ازار کے کہ اس کا نجس ہونا بہ ظن غالب ہے۔ کذا في الشامي (۱) اور دھولینا ہر ایک کپڑے کا احوط ہے، خصوصاً ازار و پائجامہ کا دھونا زیادہ ضروری ہے۔ فقط (۴/ ۱۲۵-۱۲۶)

کثیف کپڑے میں نماز درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۶۶) امام باوجود دیگر پارچہ موجود ہونے کے نہایت کثیف کپڑے استعمال کرتا ہے اس کے پیچھے نماز میں کوئی نقص تو نہیں ہے؟ (۱۱۸۰/۱۳۴۲ھ)

الجواب: نماز اس کی صحیح ہے کپڑا پاک ہونا چاہیے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۱۲۸)

ساڑی میں عورتوں کی نماز جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۶۷) عورتوں کو دھوتی باندھنا اور اس سے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (۳۴۸/۱۳۳۹ھ)

---

(۱) ثيابُ الفَسَقَة وأهل الذّمّة طاهرةٌ (الدّرّ المختار) قال في الفتح: وقال بعض المشائخ: تُكره الصّلاة في ثياب الفسقةِ لأنّهم لا يتّقون الخمورَ، قال المصنّف: يعني صاحب الهداية الأصحّ أنّه لايكره لأنّه لم يُكره من ثياب أهل الذّمّة إلاّ السّراويلُ مع استحلالهم الخمرَ فهٰذا أولٰى أهـ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱/۴۹۰، كتاب الطّهارة، باب الأنجاس، مطلب في الفرق بين الاستبراء والاستنقاء والاستنجاء، قبيل كتاب الصّلاة) ظفیرؒ

(۲) لیکن فقہاء نے بہ وقت وسعت ایسے کپڑوں میں نماز کو مکروہ تنزیہی لکھا ہے۔ كره كفّه إلخ وصلاتُهٗ في ثيابٍ بِذْلَةٍ يَلبسها في بيتهِ ومِهْنَةٍ أي خدمةٍ إن لهُ غيرُها و إلاّ لا. (الدّرّ المختار مع الرّدّ: ۲/ ۳۵۰-۳۵۱، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في الكراهة التّحريميّة والتّنزيهيّة، قبيل مطلب في الخشوع) ظفیر

الجواب: عورتوں کو دھوتی باندھنا اور دھوتی سے نماز پڑھنا درست ہے، غرض یہ ہے کہ پردہ پورا ہونا چاہیے، دھوتی ہو یا پائجامہ اس کی کچھ خصوصیت نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۱۱)

صرف لنگی میں نماز درست ہے

سوال: (۱۴۶۸) ایک شخص تونگر حاجی ہے، وہ گرمی کے موسم میں پانچ وقت کی نماز ایک لنگی سے جو گھنٹوں سے دو انگل نیچی ہے، اور دوسری چادر سے نماز پڑھتا ہے، بعض وقت کی نماز صرف اسی لنگی سے پڑھ لیتا ہے تو اس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ (۲۷۱۰/۱۳۴۱ھ)

الجواب: صرف لنگی سے بھی نماز ہو جاتی ہے (۲) مگر بہتر یہ ہے کہ بہ صورت استطاعت لنگی و چادر یا کرتا و پاجائمہ وکلاہ یا عمامہ معہ کلاہ کے ساتھ نماز پڑھے یہ افضل ہے (۳) فقط واللہ اعلم (۴/۱۳۱-۱۳۲)

---

(۱) والرّابع سَتر عورة ، و وجوبه عامٌّ ولو في الخلوة على الصّحيح إلخ ، وهي إلخ للحُرّة ولو خنثٰى جميعُ بدنها حتّى شَعرها النّازل في الأصحّ خلا الوجه والكفّين إلخ والقدمين . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۶۹-۷۱، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة، مطلب في ستر العورة) ظفیرؒ

ستر عورت خواہ پاجامے سے ہو خواہ ساڑی سے دونوں برابر ہے، یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ ساڑی باندھنا ہندوانہ لباس ہے، بلکہ ملک کے بعض حصوں میں مسلمان عورتوں کا بھی یہی لباس ہے، جس طرح پائجامہ پہننے والے علاقوں میں ہندو عورتیں بھی بہ کثرت پائجامہ پہنتی ہیں، یعنی ان کا بھی لباس یہی ہے، اور مسلمان عورتوں کا بھی۔ واللہ اعلم۔ محمد ظفیر الدین غفرلہٗ۔

(۲) والرّابع سَتر عورتهٖ إلخ وهي للرّجل ما تحت سُرّتهٖ إلى ما تحت ركبتهٖ. (الدّرّ المختار مع الرّدّ: ۲/۶۹-۷۰، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة، مطلب في ستر العورة) ظفیرؒ

(۳) والمستحبّ أن يصلّي الرّجل في ثلاثة أثواب: إزار وقميص وعِمامة ولو صلّى في ثوب واحد متوشّحًا بهٖ جميع بدنه كما يفعله القصّار في المِقصرة جاز من غير كراهة مع تيسر وجود الظّاهر الزّائد ولكن فيه ترك الاستحباب. (غنية المستملي، ص:۳۰۳، فصل في بيان ما يكره في الصّلاة و ما لا يكره فيها) ظفیر

سیپ کے بٹن لگا کر نماز پڑھنا جائز ہے

سوال: (۱۴۶۹) سیپ کے بٹن کپڑے میں لگے ہوئے سے نماز جائز ہے یا نہیں؟ ویسے سیپ حلال و پاک ہے؟ (۸۱۳/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: نماز صحیح ہے، اور سیپ حلال و پاک ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۷/۴)

جالی دار ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا درست ہے

سوال: (۱۴۷۰) جالی دار کپڑے کی ٹوپی سے نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟ اور ہمیشہ استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۸/۱۹۰ھ)

الجواب: جو کپڑا مردوں کو پہننا مباح ہے، اگر وہ جالی دار ہو تو اس کی ٹوپی سے نماز درست ہے، اور استعمال اس کا اس طریقے پر کہ کشفِ عورت نہ ہو درست ہے۔ فقط واللہ اعلم (۱۰۹/۴)

فوجی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے

سوال: (۱۴۷۱) اگر کوئی شخص سر پر بجائے ٹوپی کے کلاہ فوجی بلاضرورت رکھ کر نماز پڑھے یا پڑھاوے تو نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور بغیر نماز پہننا کیسا ہے؟ (۱۳۴۲/۸۵ھ)

الجواب: اس ٹوپی سے نماز ہو جاتی ہے، لباس اور ٹوپی میں کوئی خاص طریق اور وضع مامور بہ نہیں ہے، بلکہ جیسے جس ملک کی عادت اور رواج ہو اس کے موافق لباس اور ٹوپی، جوتا وغیرہ پہننا درست ہے۔ حدیث شریف میں ہے: کُلْ ما شِئتَ، والبس ما شِئتَ الحدیث[2]

---

(۱) سیپ حلال ہے، یعنی طاہر ہے، مگر وہ کھانے کی چیز نہیں ہے۔ وشَعْرُ المیتة .... وعَظْمها إلخ وكذا كلّ ما لا تُحلّهُ الحَیاة إلخ طاهرٌ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۲۰/۱-۳۲۲، کتاب الطّهارة ، باب المیاه، مطلب في أحكام الدِّباغة) ظفیر

(۲) یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، بخاری شریف میں ہے: قال ابن عباس رضي الله عنهما : كُلْ ما شئتَ، والبس ما شئتَ ما أخطأتْكَ اثنتان: سَرَفٌ أومَخيلةٌ (یعنی جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو؛ مگر تکبر و اِسراف نہ کرو) (صحیح البخاري: ۸۶۰/۲، أوائل كتاب اللّباس)

یعنی جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو، مگر حرام سے بچو اور تکبر و اِسراف نہ کرو۔ فقط واللہ اعلم (۴/۱۰۲)

کہنیاں کھلی ہوں تو نماز مکروہ ہے

سوال: (۱۴۷۲) اگر کہنیاں کھلی ہوں تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ (۲۵۸۲/۱۳۴۰ھ)

الجواب: نماز ہو جاتی ہے، مگر یہ امر خلافِ سنت ہے اور مکروہ ہے، یعنی جب کہ کپڑا موجود ہو، اور اگر نہ ہو تو پھر کچھ کراہت نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۰۰)

سوال: (۱۴۷۳) خالی گنجی پہن کر جس کی نصف آستین ہوتی ہے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ (۱۲۲۹/۱۳۳۸ھ)

الجواب: نماز ہو جاتی ہے (لیکن اگر کہنی کھلی ہو تو یہ مکروہ ہے) (۱) فقط (۴/۱۲۳)

نماز میں کہنی کھلی رکھنا مناسب نہیں

سوال: (۱۴۷۴) نماز میں آستین مونڈھوں تک چڑھانا کیسا ہے نماز میں کچھ خلل تو نہیں آتا؟ (۲۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: نماز ہو جاتی ہے مگر یہ فعل اچھا نہیں ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۰۸)

---

(۱) ولو صلّى رافعًا كُمّيه إلى المِرفقين كره. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۰۶، كتاب الصّلاة، الباب السّابع فيما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، الفصل الثّاني فيما يكره في الصّلاة وما لايكره) ظفیرؒ

(۲) وكُره كفُّهُ أي رفعُهُ ولو لتُرابٍ كَمُشَمِّرِ كُمٍّ أو ذَيلٍ ، و عَبَثُهُ بِهِ أي بثوبِهِ وبجسدِهِ (الدّرّ المختار) قوله: (كَمُشَمِّرِ كمٍّ أو ذَيلٍ) أي كما لو دخل في الصّلاة وهو مُشمّرٌ كُمَّه أو ذَيلَهُ إلخ ، لكن قال في القُنية: واختُلِف فيمن صلّى وقد شَمَّرَ كُمّيه لعملٍ كان يَعملهُ قبل الصّلاة أو هَيئتُهُ ذلك اهـ . ومثلُهُ ما لو شَمَّرَ للوضوء ثمّ عَجَّل لإدراكِ الرّكعةِ مع الإمام ، و إذا دخل في الصّلاة كذلك، وقلنا بالكراهة فهل الأفضل إرخاءُ كُمّيه فيها بعملٍ قليلٍ أو تركهما لم أره ، والأظهر الأوّل إلخ، وقيّد الكراهةَ في الخلاصة والمُنية بأن يكون رافعًا كُمّيه إلى المرفقين . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۵۰، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في الكراهة التّحريميّة والتّنزيهيّة) ظفیر

عباء وجبہ کی آستین میں ہاتھ داخل کیے بغیر نماز پڑھنا مکروہ ہے

سوال: (۱۴۷۵) در ملک خراسان مرد مان در موسم سرما پوستین کلاں می پوشند کہ آستین دراز دارد، ودست در آستین نمی کند نماز خواندن؛ بایں ہیئت چہ حکم دارد؟ وبایں ہیئت سدل خواہد شد؟ (۱۳۴۴/۱۷۹ھ)

الجواب: در کتب فقہ بہ تصریح مذکور است کہ نماز خواندن بہ ہیئت کذائیہ مکروہ خواہد شد، چہ اسم سدل برآں ہم صادق آید۔ در کبیری شرح منیۃ گفتہ است: ولو صلّی في قَباء إلخ ینبغي أن یُدخِل یدیه في کُمّیه احترازًا عن السّدل [۱] (ص:۳۳۶) وفي الشّامي: والصّحیحُ الّذي علیه قاضي خان، والجمهورُ أنّه یکره، لأنّه إذا لم یُدخِل یدیه في کُمَّیه صَدقَ علیه اسمُ السّدل إلخ [۲] (ص:۴۳۳) فقط (کتبہ عتیق الرحمٰن عثمانی) (۱۲۳/۴)

ترجمہ سوال: (۱۴۷۵) مُلک خراسان میں لوگ سردی کے موسم میں لمبی پوستین پہنتے ہیں، جس کی آستین لمبی رکھتے ہیں، اور ہاتھوں کو آستین میں نہیں داخل کرتے، تو اس ہیئت کا کیا حکم ہے؟ اوراس ہیئت کے ساتھ ''سدل'' ہوگا؟

الجواب: کتب فقہ میں صراحت ہے کہ اس ہیئت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ اس لیے اس پر ''سدل'' کا نام صادق آئے گا، کبیری شرح منیہ میں ہے: ولو صلّی إلخ. اور شامی میں ہے: والصّحیح الّذي علیه إلخ.

حالتِ نماز میں چادر یا رضائی کس طرح اوڑھنی چاہیے؟

سوال: (۱۴۷۶) حالتِ نماز میں چادر یا رضائی کو سر پر اوڑھنا چاہیے یا کاندھے پر؟ اوراس کے بائیں جانب کے دونوں کونے لٹکتے رہیں یا کندھے پر ڈال لیں افضل کیا ہے؟ (۱۶۵۶/۱۳۴۲ھ)

---

(۱) غنیة المستملي، ص:۳۰۲، فصل في بیان ما یکره في الصّلاة وما لا یکره فیها.

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۳۴۹، کتاب الصّلاة، باب ما یفسد الصّلاة وما یکره فیها، مطلب في الکراهة التّحریمیّة والتّنزیهیّة) ظفیر

الجواب: دونوں طرح اوڑھنا درست ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ بائیں طرف کے دونوں کونے لٹکے رہیں کیونکہ جب داہنی طرف کا کنارہ بائیں مونڈھے پر اوڑھ لیا تو سدل جو کہ مکروہ ہے نہ رہا، اور بہتر ہے کہ بائیں طرف کے کونے بھی مونڈھے پر ڈالے [۱] فقط واللہ اعلم (۴/۱۰۴)

بغیر کلیوں کا کرتا پہن کر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے

سوال: (۱۴۷۷) اگر کوئی شخص بغیر کلیوں کا کرتا پہن کر نماز پڑھے تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ (۱۰۹۸/۱۳۴۳ھ)

الجواب: بغیر کلیوں کا کرتا پہن کر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے کیونکہ مقصود ستر عورت ہے، اور وہ اس صورت میں حاصل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۰۶)

ولایتی کپڑے میں نماز درست ہے

سوال: (۱۴۷۸) ولایتی کپڑے سے نماز درست ہے یا نہیں؟ (۹۷/۱۳۴۰ھ)

الجواب: نماز درست ہے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۰۷)

چوری کا کپڑا قیمۃً خرید کر اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۴۷۹) چوری کا کپڑا قیمت سے لے کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ (۷۰/۱۳۳۸ھ)

---

(۱) وكُره إلخ سَدْلُ ...... ثوبِهٖ أي إرسالُهُ بلا لُبسٍ مُعتادٍ (الدّرّ المختار) فعلى هٰذا تكره في الطَّيْلَسَان الّذي يُجعل على الرّأس وقد صرّح به في شرح الوقاية أهـ أي إذا لم يُدِرهُ علىٰ عُنُقِهٖ و إلّا فلا سَدْلَ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۴۸-۳۴۹، كتاب الصّلاة ، باب مايفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب في الكراهة التّحريميّة والتّنزيهيّة) ظفیرؔ

(۲) من شكّ في إنائهٖ أو ثَوبهٖ أو بدنهٖ أصابتْهُ نجاسةٌ أو لا ، فهو طاهرٌ ما لم يَستيقنْ ، إلخ وكذا ما يتّخذُهُ أهلُ الشّركِ أو الجَهَلَةِ من المسلمينَ كالسَّمْنِ والخُبزِ والأطعمةِ والثّيابِ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱/۲۵۴، كتاب الطّهارة ، قبيل مطلب في أبحاث الغسل)

الجواب: نماز صحیح ہے مگر جان بوجھ کر چوری کا کپڑا خریدنا نہ چاہیے اور چوری کے کپڑے سے نماز نہ پڑھنی چاہیے، اور اگر پڑھے تو نماز ہوگئی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۵-۳۶)

چوری والے کپڑے کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۴۸۰) اکثر لوگ ایسا کرتے ہیں کہ درزی سے کوئی کپڑا مانگ لیا یا کرتا میں مثلاً گلا لگوایا تو درزی دوسروں کے کپڑے میں سے لگاتے ہیں ایسے کپڑے سے نماز جائز ہے یا نہ؟

(۲۹۰۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: نماز اداء ہوجاتی ہے لیکن ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور اگر گمان غالب یہ ہو کہ اس درزی نے چوری کا کپڑا لگایا ہے تو اس سے نماز بھی مکروہ ہوتی ہے اگرچہ ادا ہوجاتی ہے (۲) فقط

(۴/۱۰۰-۱۰۱)

رشوت کی کمائی کے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے

سوال: (۱۴۸۱) رشوت کے کپڑوں سے نماز جائز ہے یا نہیں؟ (۲۹۰۳/۱۳۴۰ھ)

---

(۱) وما نُقل عن بعض الحنفيّة من أنّ الحرامَ لا يتعدّٰى ذِمّتينِ ، سألت عنه الشّهاب بن الشَّلَبِيّ فقال : هو محمولٌ علٰى ما إذا لم يَعْلَم بذلك ، أمّا لو رأى المكّاسَ مثلاً يأخذ من أحدٍ شيئًا من المَكْس، ثمّ يُعطيه آخرَ ، ثمّ يأخذ من ذلك الآخرِ آخرَ فهو حرامٌ. اهـ (ردّ المحتار: ۷/۲۲۳، كتاب البيوع ، باب البيع الفاسد ، مطلب: الحرمة تتعدّد) ظفیرؒ

(۲) تكره الصّلاة في الثّوب المغصوب وإن لم يجد غيره، لعدم جواز الانتفاع بمِلك الغير قبل الإذن أو أداء الضّمان. (حاشية الطّحطاوي على مراقي الفلاح، ص:۳۵۸، كتاب الصّلاة فصل في المكروهات)

وفيه أيضًا : قوله: (مع الكراهة) أى التّحريميّة ، ذكره السّيّد ، وفي السّراج والقهستاني : تكره الصّلاة في الثّوب الحرير والثّوب المغصوب ، وإن صحّت ، والثّواب إلى اللّٰه تعالٰى. (حاشية الطّحطاوي على مراقي الفلاح ، ص:۲۱۱، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة وأركانها)

الجواب: نماز ادا ہو جاتی ہے مگر وہ شخص عاصی اور فاسق ہے، یعنی حرام کی کمائی کے کپڑوں سے نماز پڑھنا مکروہ ہے (۱) لیکن نماز ادا ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۸)

جیب میں رشوت کے پیسے رکھ کر نماز پڑھنا درست ہے

سوال: (۱۴۸۲) اگر کسی شخص کی جیب میں رشوت کا روپیہ پڑا ہو تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اور رشوت کے روپے سے بنا ہوا کپڑا اگر بدن پر ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۲۶۲ھ)

الجواب: نماز ہو جاتی ہے اور نماز میں کراہت اس وجہ سے نہیں ہے کہ رشوت کا گناہ علیحدہ ہے، اور اگر کپڑا بدن پر رشوت کے روپے سے بنا ہوا ہے تو اس سے نماز مکروہ ہے (۱) فقط (۴/۱۰۲)

کواڑ بند کر کے نماز شروع کی اور کسی نے آ کر شور مچانا شروع کیا تو کیا کرے؟

سوال: (۱۴۸۳) کسی حالت میں اگر دروازہ کوٹھی کا اندر سے بند کر کے کوئی نماز شروع کرے، اور دوسرا شخص باہر سے اندر جانا چاہے جب کہ اندر والے شخص کا حال نماز پڑھنے کا معلوم نہیں، حالانکہ باہر والے نے ایسا تنگ کیا ہے کہ اندر والے کو نماز کا رجوع مشکل ہو گیا ہے (۲) اب نمازی کیا طریقہ اختیار کرے؟ (۸۲۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ایسی حالت میں اگر کھنکھارنے سے کام چل جائے تو کھنکھارنا درست ہے تا کہ باہر سے آنے والا سمجھے کہ نماز پڑھ رہا ہے جیسا کہ درمختار میں کہا: **أو لـلإعـلام أنّـه فـي الصّلاة فلا فسـاد عـلى الصّحيح إلخ** (۳) باقی نماز توڑنا اس صورت میں درست نہیں ہے۔ **کـمـا يظهر من تفصيل الفقهاء.** (۴/۹۸-۹۹)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

(۲) یعنی نمازی کے لیے خشوع باقی رکھنا مشکل ہو گیا۔

(۳) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۲۵، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: المواضع الّتي لا يجب فيها ردُّ السّلام.**

ہرن کی دباغت دی ہوئی کھال کا مصلّٰی بنانا درست ہے

سوال: (۱۴۸۴) ہرن کی ایسی کھال پر جس کے ساتھ چاروں کھر اور سینگ معلق ہوں مصلّٰی بنا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے یا نہ؟ (۱۲۵۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس کھال پر نماز بلا کراہت کے درست ہے وجہ کراہت کی کچھ نہیں ہے[۱] فقط (۱۰۰/۴)

تمباکو کے ساتھ نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۸۵) اگر کوئی شخص پینے کا تمباکو ہمراہ لے کر نماز پڑھے تو نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ تمباکو کے دھوئیں کو اکثر لوگ حرام کہتے ہیں تو تمباکو کا پینا بھی حرام[۲] ہوا؟ بینوا توجروا (۲۳۰۶/۱۳۳۷ھ)

الجواب: تمباکو کا پینا حرام نہیں ہے، اور نہ اس کا دھواں حرام ہے، اور نہ نجس ہے، پس اگر اس تمباکو میں کوئی نجس چیز نہیں ہے تو اس کے پاس رکھنے سے نماز ہو جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ خود تمباکو تو ناپاک نہیں ہے، لیکن اس میں جو شیرہ وغیرہ پڑتا ہے اگر وہ پاک ہو نجس نہ ہو تو پھر اس کو ساتھ رکھ کر نماز صحیح ہے اگرچہ اچھا نہیں ہے[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۱۰۷-۱۰۸)

---

(۱) شعر الميتة وعظمها طاهران وكذا العصب والحافر والخفّ والظّلف والقرن والصّوف والوبر والرّيش والسّنّ والمنقار والمخلب إلخ . (الفتاوى الهندية: ۱/۲۴، كتاب الطّهارة ، الباب الثّالث في المياه ، الفصل الثّاني فيما لايجوز به التّوضّؤ) ظفیر

كلّ إهاب دُبغ دباغةً حقيقيّةً بالأدوية أو حكميّة بالتّتريب والتّشميس والإلقاء في الرّيح فقد طهر وجازت الصّلاة فيه (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۵، كتاب الطّهارة) ظفیر

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (حرام) کی جگہ ''مکروہ'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) قلتُ: فيُفهمُ منه حكمُ النّبات الّذي شاعَ في زماننا المسمّٰى بالتُّتُن فتنبّه ، وقد كَرِهَهُ شيخنا العِمادي في هديّتِهِ إلحاقًا بالثّوم والبَصل بالأولٰى (الدّرّ المختار) قوله: (فيفهم منه حكم النّبات) وهو الإباحة على المختار. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۰/ ۴۲، كتاب الأشربة) ظفیر

غیر نمازی کے پنکھا کرنے سے نمازی کی نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال: (۱۴۸۶) اگر غیر نمازی نماز پڑھنے والے کو پنکھا ہلائے تو مصلی کی نماز میں کچھ فساد لازم آئے گا یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۲۹۰۴ھ)

الجواب: مصلی کی نماز میں اس سے کچھ خلل اور فساد لازم نہیں آتا، اگرچہ یہ اچھا نہیں ہے کہ نمازی بہ حالت نماز کسی سے پنکھا کرائے، اس لیے اس کو چاہیے کہ پنکھا کرنے والے کو روک دے۔ (۴۳/۴)

نمازی پنکھا کرنے سے خوش ہو تو اس کی نماز میں کوئی کراہت نہیں

سوال: (۱۴۸۷) نمازی کو اگر کوئی شخص پنکھا کرے اور نمازی اس فعل سے خوش ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۱۱۵ھ)

الجواب: نمازی کو اگر کوئی شخص پنکھا کرے، لوجہ اللہ اور نمازی کو اس سے راحت ہو اور وہ بہ اطمینان نماز پوری کرے تو اس سے نماز میں کچھ فساد اور خلل اور کراہت نہ ہوگی، نماز پڑھنے والا اگر اس سے خوش ہو تب بھی اس کی نماز میں کچھ فساد اور کراہت نہ آوے گی اور مساجد میں جو پنکھے لگے ہوئے ہیں اُن سے کسی کی نماز میں کچھ کراہت نہ ہوگی، البتہ نماز پڑھنے والے کو خود یہ حکم کسی کو نہ کرنا چاہیے کہ وہ اس کو پنکھا کرے نماز پڑھتے ہوئے کہ یہ امر خلاف ادب کے ہے، اگرچہ نماز میں اس سے بھی کچھ کراہت نہ آوے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۱/۴)

نماز میں پیشانی کی مٹی پونچھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۴۸۸) نماز پڑھنے میں اکثر پیشانی پر مٹی لگ جاتی ہے اس کا پونچھنا کیسا ہے؟ (۱۳۴۱/۹۵۸ھ)

الجواب: نماز میں نہ پونچھے بعد نماز کے اگر پونچھے تو کچھ حرج نہیں ہے[۱] لیکن اچھا یہ ہے کہ نہ پونچھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۲/۴)

نماز میں بچہ وغیرہ کا تصور اچھا نہیں

سوال: (۱۴۸۹)......(الف) نماز میں پسر کا تصور کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) کسی دُنیاوی چیز کا خیال کرنا کیسا ہے؟

(ج) تکبیر تحریمہ کے بعد قصداً پسر کا خیال کیا جائے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۶۸۷ھ)

الجواب: (الف۔ب) نماز میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تصور اور کسی کا خیال قصداً نہ کرنا چاہیے۔

(ج) نہیں چاہیے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۳/۴)

نماز میں آنکھیں بند کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۴۹۰) آنکھیں بند کر کے (نماز میں) قراءت پڑھنا کیسا ہے؟ (۱۳۳۸/۳۳۳ھ)

الجواب: آنکھیں بند کرنا نماز میں اچھا نہیں ہے یعنی مکروہ تنزیہی ہے اور خلاف اولیٰ ہے[۳]

---

(۱) ویکره أیضًا للمصلّي أن یمسح عَرَقَهٗ أو یمسح التُّراب من جبهتهٖ في أثناء الصّلاة إلخ ولا یکره ذلك بعد السّلام . (غنیة المستملي: ۳۱۰، فصل في بیان ما یکره في الصّلاة وما لا یکره فیها) ظفیر

(۲) في الفتاویٰ ولو تفکّر في صلاتهٖ فتذکّر حدیثًا أو شعرًا أو خطبةً أو مسئلةً یکره، ولا تفسد صلاتُهٗ ، هکذا في السّراج الوهّاج (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۰۰، کتاب الصّلاة، الباب السّابع فیما یفسد الصّلاة وما یکره فیها، الفصل الأوّل فیما یفسدها، النّوع الأوّل في الأقوال) ظفیر

(۳) وکره إلخ تغمیض عینیه للنّهي إلّا لکمالِ الخشوع (الدّرّ المختار) ثمّ الظّاهر أنّ الکراهة تنزیهیّة (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۵۶-۳۵۷، کتاب الصّلاة ، باب ما یفسد الصّلاة وما یکره فیها، مطلب: إذا تردّد الحکم بین سنّة و بدعة کان ترك السّنّة أولیٰ) ظفیر

اور بہ غرض تحصیلِ خشوع وخضوع آنکھیں بند کرنا بلا کراہت درست ہے، بلکہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ خشوع حاصل کرنے کے لیے آنکھیں بند کرلینا اولیٰ ہے۔شامی میں ہے: بل قال بعض العلماء: إنّه الأولیٰ إلخ [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۹/۴)

شک کی وجہ سے اعادہ کی ضرورت نہیں

سوال: (۱۴۹۱) اگر نماز کے سجدے میں ناواقفی سے دعا کی، پس جب معلوم ہوا کہ یہ جائز نہیں، اب اسے شک ہوا کہ یہ دعا کلام الناس تھی یا نہیں؟ پس اعادہ واجب ہے یا نہیں؟ (۹۵۰/۱۳۳۸ھ)

الجواب: شک میں اعادہ کی ضروت نہیں ہے اگر اعادہ کرلیوے تو اچھا ہے۔فقط (۱۰۹/۴)

طلائی یا ریشمی کپڑوں میں نماز درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۴۹۲) جس کلاہ یا ٹوپی پر سچی یا جھوٹی طلاء کا کام ہو اس کے ساتھ نماز پڑھنی یا پڑھانی یا کسی ٹسری (ادنیٰ ریشم) وریشمی کپڑے کے ساتھ نماز پڑھنا کیسا ہے؟ (۱۷۳۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اگر چار انگشت سے زیادہ کام ہو تو استعمال اس کا ناجائز ہے، اور نماز اس کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے، ایسا ہی حکم ہے ریشمی کپڑے کا [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۰/۴)

ناکا حیوان کی چربی کے ساتھ نماز درست ہے

سوال: (۱۴۹۳) اگر ناکا [3] حیوان بحری کی چربی کا تیل ہاتھوں پاؤں پر مالش کرکے بغیر دھوئے نماز پڑھی جائے تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟ (۶۹۷/۱۳۳۹ھ)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

(۲) یحرم لبس الحریر إلخ علی الرّجل لا المرأة إلاّ قدر أربع أصابع. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۹/۴۲۷-۴۲۸، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللّبس) ظفیرؔ

(۳) ناکا: مگرمچھ کی قسم کا ایک دریائی جانور (فیروز اللغات)

الجواب: نماز اس صورت میں صحیح ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۲/۴)

نماز میں اگر تھوکنا ہو تو کیا کرے؟

سوال: (۱۴۹۴) نماز میں مُنہ بھر کر تھوک آیا تو کس طرف تھوکے یا نہیں؟ (۱۰۲۶/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اگر نگل نہ سکے تو کپڑے میں لے لے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۲/۴)

قطرہ کے خوف سے عضو خاص پر کپڑا لپیٹنے سے نماز مکروہ نہیں ہوتی

سوال: (۱۴۹۵) قطرہ نکلنے کے خوف سے پیشاب گاہ پر کپڑا باندھ کر نماز پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟ (۱۴۷۰/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس میں کچھ حرج نہیں ہے اور نماز بلا کراہت صحیح ہے[3] فقط[4] (۱۱۲/۴)

آنے والے کی رعایت میں قراءت یا رکوع کو دراز کرنا اچھا نہیں

سوال: (۱۴۹۶) امام کو نماز میں نمازیوں کے آنے کا علم ہوا، کیا امام اس خیال سے قراءت یا رکوع وسجود کو لمبا کر دیوے یا کچھ لحاظ نہ کرے؟ (۱۱۱۸/۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) بحری جانور کی یہ چربی حکماً پاک ہے، لہٰذا کوئی مضائقہ نہیں۔ ظفیرؔ

(۲) عن أنس رضي الله عنه قال: .... قال النبيّ صلّى الله عليه وسلّم: فلا يَبْزُقَنَّ أحدُكم قِبَلَ قبلتِهِ ولكن عن يسارِهِ أو تحت قدمِهِ ثمّ أخذ طرفَ رِدائِهِ فبَصَقَ فيه ، ثمّ ردّ بعضَه على بعض ، فقال: أو يفعل هٰكذا، رواه البخاري. (مشكاة المصابيح : ص:۷۱، كتاب الصّلاة، باب المساجد و مواضع الصّلاة ، الفصل الأول) ظفیرؔ

(۳) يُستحبّ للرّجل أن يَحْتَشِيَ إن رَابَهُ الشّيطان ، ويجب إن كان لا يَنقطعُ إلاّ به قدر ما يصلّي . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۲۵۳/۱، كتاب الطّهارة ، مطلب في ندب مراعاة الخلاف إذا لم يرتكب مكروه مذهبه) ظفیرؔ

(۴) یہ جواب رجسٹر نقول فتاویٰ کے مطابق کیا گیا ہے۔ ۱۲

الجواب: درمختار میں ہے کہ امام کو بہ خیال شامل ہونے والے کے رکوع اور قراءت کو طویل کرنا مکروہ تحریمی ہے یعنی اگر اس کو پہچانتا ہو؛ وگرنہ مکروہ تنزیہی ہے (۱) فقط (۴/۱۱۵-۱۱۶)

وسوسے کا علاج

سوال: (۱۴۹۷) اگر کسی شخص کے مزاج میں شکوک اور وساوس کثرت سے پیدا ہوں تو اس کے دفعیہ کی کون سی صورت ہے؟ (۱۲۳۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: وساوس وشکوک واوہام کے دفعیہ کی یہی صورت ہے کہ اس کو وسوسہ شیطانی سمجھ کر اس کی طرف التفات نہ کرے، اور اس پر عمل نہ کرے، اور نماز پوری کرے احادیث میں اس کا یہی علاج وارد ہوا ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۱۷)

وسوسے کی وجہ سے نیت توڑنا مناسب نہیں

سوال: (۱۴۹۸) زید کو نماز میں شک ہوا کہ میرا کپڑا پاک نہیں، اسی وقت نماز چھوڑ کر ازسرنو کپڑا بدل کر اور چونکہ بیمار تھا اس لیے ازسرنو تیمّم کر کے نماز پڑھنا شروع کیا، پھر نماز میں اس کو اپنے تیمّم کی عدم درستگی یا تقاطرِ بول یا عدمِ طہارت کا شبہ ووسوسہ پیدا ہوا، حالانکہ اس کا مزاج شکی ہے، اور اس کو اکثر وسوسہ اور شبہات ہوا کرتے ہیں، لیکن دوبارہ شبہ ہونے پر بوجہ ہنسنے لوگوں کے اس نے بلا قراءت وتکبیر وتسبیح والتحیات ودرود کے نماز تمام کی، اور قیام وقعود وغیرہ سے قیام صلاۃ وقعود صلاۃ کی نیت نہیں کی، اور دو رکعت سنت کی جگہ پر بھی اسی طرح بلا نیت وبدون قراءت وغیرہ کے

---

(۱) وكُره تحريمًا إطالةُ ركوعٍ أو قراءةٍ لإدراك الجائي أي إن عرَفَهُ وإلاّ فلا بأس به، ولو أراد التّقرّبَ إلى الله تعالىٰ لم يُكره اتّفاقًا لكنّه نادرٌ، وتسمّى مسئلة الرّياء، فينبغي التّحرّزُ عنها. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۷۵، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في إطالة الرّكوع للجائي) ظفير

(۲) عن القاسم بن محمّد أنّ رجلاً سأله فقال: إنّي أَهِمُ في صلاتي فيكثر ذلك عليّ، فقال له امْضِ في صلاتك فإنّهُ لن يذهب ذلك عنك حتّى تنصرِف، وأنت تقول: ماأتممتُ صلاتي، رواه مالك. (مشكاة المصابيح، ص:۱۹، كتاب الإيمان، باب في الوسوسة، الفصل الثّالث) ظفير

صرف قیام وقعود وغیرہ کے کرلیا، بعد کو وہ اپنے اس فعل پر سخت نادم و پشیمان ہوا اور توبہ کی، اور اس نماز کا اعادہ کرلیا تو وہ گنہ گار ہوگا یا نہ؟ (۱۲۳۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: ایسے وساوس اور شکوک سے نماز میں کچھ خلل نہیں آتا، زید کو نماز پوری کرلینی چاہیے تھی، یہ اس کے جہل اور ناواقفیت کی وجہ سے ہوا کہ قراءت وغیرہ چھوڑ کر نماز کو فاسد کیا، بہر حال جب اس نماز کا اعادہ کرلیا تو نماز ہوگئی، اور چونکہ اس نے غلطی سے نماز کو فاسد کیا اور قراءت وغیرہ چھوڑی اور پھر نماز کا اعادہ کرلیا، اس لیے جو کچھ گناہ ہوا تھا وہ معاف ہوگیا آئندہ ایسا نہ کرے۔ فقط (۱۱۶/۴-۱۱۷)

دو آدمیوں کا ایک جگہ الگ الگ نماز پڑھنا درست ہے

سوال: (۱۴۹۹) دو آدمی ایک جگہ علیحدہ علیحدہ نماز فرض ادا کریں تو نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ (۱۶۶۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: نماز ہر ایک کی اس صورت میں صحیح ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۷/۴-۱۱۸)

نماز میں سر ہلانا اور اِدھر اُدھر جھکنا منع ہے

سوال: (۱۵۰۰) اگر امام نماز میں سر ہلائے اور چھوٹی چھوٹی سورتوں میں بھی کبھی دائیں اور کبھی بائیں طرف بوجھ ڈال کر نماز پڑھے اور اپنے اعضاء کو بھی متحرک رکھے، بلکہ قراءت میں آوازیں ''ہا، ہو'' رونے کی آواز نکالے تو ایسی نماز اور آواز کے حق میں کیا حکم ہے؟ (۲۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایسی حرکتیں نماز میں نہ چاہیے کہ مبنی نماز کا خشوع وخضوع پر ہے[2] فقط (۱۱۹/۴)

---

(۱) ویؤیده ما في الظّهیریة: لو دخلَ جماعةُ المسجدَ بعد ما صلّی فیه أهلُه یُصلُّون وحدانًا وهو ظاهر الرّوایة. (ردّ المحتار: ۲۴۶/۲، کتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب في تکرار الجماعة في المسجد) ظفیرؒ

(۲) وأنّ من لوازمِه (أي الخشوع) ظهورَ الذّلّ وغضَ الطّرف وخفضَ الصّوت وسکونَ الأطراف. (ردّ المحتار: ۳۵۱/۲، کتاب الصّلاة، باب ما یفسد الصّلاة وما یکره فیها، مطلب في الخشوع) ظفیرؒ

جوتے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے

سوال: (۱۵۰۱) صلاۃ فی النعال جائز ہے یا نہیں؟ (۱۷۳۷/ ۱۳۳۷ھ) (۱)

الجواب: درمختار میں جوتوں میں نماز پڑھنے کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ اگر جوتے پاک ہوں تو ان میں نماز پڑھنا جائز بلکہ افضل ہے، اور علامہ شامی نے اس پر یہ حدیث بھی نقل فرمائی ہے: صلّوا في نعالكم و لا تشبّهوا باليهود (۲) لیکن آخر میں عمدۃ المفتی سے یہ نقل کیا ہے: إن دخول المسجد متنعّلاً من سوء الأدب (۲) یعنی مسجد میں جوتا پہن کر جانا اس زمانے میں اچھا نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے اس لیے کہ اس زمانے میں لوگ احتیاط نہیں کرتے، ممکن ہے کہ جوتوں کو نجاست لگی ہوئی ہو، اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کما ہو مشاہد، البتہ اگر یقیناً جوتے پاک ہوں جیسے نیا جوتا تو اس زمانے میں بھی اس کو پہن کر نماز پڑھنے میں کچھ حرج نہیں ہے، بلکہ بہتر ہے، كما صرّح به الفقهاء و ورد في الحديث. (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۹/۴-۱۳۰)

سوال: (۱۵۰۲) جوتا نیا اور کپڑا نیا گاڑھے کا یا لٹھے ململ کا بغیر دھوئے پہن کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (۲۰۵۲/ ۱۳۴۳ھ)

الجواب: نئے جوتے اور کپڑے سے نماز پڑھنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۲/۴)

---

(۱) یہ سوال رجسٹر نقول فتاویٰ کے مطابق کیا گیا ہے۔ ۱۲

(۲) وصلاتُهُ فيهما أفضل (الدّرّ المختار) أي في النّعل والخُفّ الطّاهرين أفضلُ مخالفةً لليهود، تتارخانيّة، وفي الحديث: صلّوا في نِعالكم ولا تشبّهوا باليهود، رواه الطّبراني، كما في الجامع الصّغير رامزًا لصحّتهِ، وأخذَ منه جمع من الحنابلة أنّه سنّةٌ ولو كان يَمشي بها في الشّوارع لأن النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم وصَحْبَهُ كانوا يمشون بها في طُرق المدينة ثمّ يصلّون بها، قلتُ: لكن إذا خشي تلويث فرشِ المسجد بها ينبغي عدمُه وإن كانت طاهرةً إلخ ولعلّ ذلك مَحمَل ما في عمدةِ المفتي من أن دخولَ المسجد متنعّلاً من سوء الأدب. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۷۱/۲-۳۷۲، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد) ظفیرؔ

جوتے پہن کر نماز پڑھنا درست ہے مگر مسجد میں جوتے پہن کر نماز نہ پڑھے

سوال: (۱۵۰۳) ایک شخص نمازی ہے وہ اپنے علم میں اپنے جوتے اور کپڑے کو اچھی طرح سے جانتا ہے کہ یہ پاک ہے، اور استعمال میں روزمرہ لاتا رہتا ہے، اس جوتے سے نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ ایک جوتا جس کو نجاست لگی تھی اور اس کو بالکل صاف کردیا، نجاست باقی نہ رہی اس سے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۴۰۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: جوتا اگر پاک ہو یعنی اس کو نجاست نہ لگی ہو یا لگی ہو تو پاک وصاف کرلیا گیا ہو؛ دونوں صورتوں میں نماز اس کو پہن کر درست ہے، لیکن چونکہ اس زمانے میں مساجد میں فرش وغیرہ ہوتا ہے، اور جوتا پہن کر مسجد میں جانے سے فرش کے ملوث بالطین وغیرہ ہونے کا احتمال ہے، اور نیز اس میں سوئے ادبی بھی معلوم ہوتی ہے، اس لیے مسجد میں جوتا پہن کر نماز نہ پڑھے۔ کما في الشامي: ولعل ذلك محمل ما في عمدة المفتي من أن دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب الخ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۱۹-۱۲۰)

ناپاک جوتے میں نماز ناجائز اور ناپاک زمین پر پاک کپڑا بچھا کر نماز جائز ہونے کی وجہ

سوال: (۱۵۰۴) اگر ناپاک زمین یا فرش پر پاک کپڑا بچھا کر نماز پڑھنا جائز ہے تو ایسے ہی بوٹ کی صورت میں جائز ہے یا نہ؟ کیوں کہ بوٹ میں بھی اوپر کا حصہ پاک ہے اور نیچے کا ناپاک ہے، اس میں کیا فرق ہے؟ (۵۶۰/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: ناپاک کپڑے پر اگر پاک کپڑا بچھا کر نماز پڑھے تو صحیح ہے کیوں کہ وہ دونوں کپڑے علیحدہ علیحدہ ہیں، بہ خلاف جوتے کے کہ جب اس کا نیچے کا حصہ ناپاک ہے تو اس کے ساتھ

(۱) ردّ المحتار: ۳۷۲/۲، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد.

نماز صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ متصل ہوکر سلائی کی وجہ سے ایک ہوگیا ہے[۱] فقط (۱۲۴/۴)

جس جوتے کا تلا ناپاک ہواُسے پہن کر نماز پڑھنا درست نہیں

سوال: (۱۵۰۵) بوٹ کا وہ حصہ جو زمین سے لگتا ہے وہ پاک نہیں رہ سکتا، لیکن تلوے کے اوپر کا حصہ جس پر پیروں کے تلوے لگ رہے ہیں وہ پاک ہے تو اس کو پہنے ہوئے نماز جائز ہے یا نہ؟ (۵۶۰/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: جب کہ بوٹ کے نیچے کا حصہ جو زمین پر لگتا ہے پاک نہیں ہے تو اس پر مسح جائز نہیں ہے، اور اس بوٹ کو پہن کر نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۴/۴)

لاحق کا لقمہ دینا درست ہے

سوال: (۱۵۰۶) اگر امام کا وضو ٹوٹ جائے اور اس نے خلیفہ مقرر کرکے وضو جدید کرنا شروع کیا، اگر نائب امام بھول جائے تو محدِث امام اوّل اس کو کچھ بتادے اور فتح (لقمہ) دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ اس کو وضو بھی نہیں ہے اور جماعت سے خارج ہے۔ (۸۱۶/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس صورت میں فتح (لقمہ) دینا درست نہیں ہے، اور اگر امام فتح لے لے گا تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ وكذا الأخذُ (الدّرّ المختار) أي أخذُ المصلّي غيرَ الإمام بفتح من فَتَحَ عليه مفسدٌ أيضًا كما في البحر عن الخلاصة، أو أخذُ الإمام بفتح من ليس في صلاتِه كما فيه عن القُنية[۲] (ردّ المحتار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۰/۴)

---

(۱) ويُفسدها إلخ صلاتهُ على مصلّى مُضَرَّبٍ نَجِسِ البِطانة بخلاف غيرِ مضرّب ومبسوط على نجس إن لم يظهر لونٌ أو ريح (الدّرّ المختار) قوله: (صلاتهُ على مصلّى مضرّب) أي مَخيط إلخ ومفهومه أنّ الأصح في غيرِ المضرّبِ الجوازُ اتّفاقًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۳۲/۲-۳۳۴، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في التّشبّه بأهل الكتاب) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار ۳۲۹/۲، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: المواضع الّتي لا يجب فيها ردّ السّلام.

استدراک: یہ جواب صحیح نہیں، صحیح جواب یہ ہے کہ ''لاحق حکمًا نماز میں داخل ہے؛ اس لیے اس کا لقمہ دینا درست ہے''۔ اور یہ مسئلہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ترتیب جدید جلد دوم، ص: ۳۷۰، سوال نمبر: ۵۰۷ پر آچکا ہے؛ جو درج ذیل ہے:

سوال: ایک مقتدی کی وضوٹوٹ گئی نماز میں، وہ جب وضو کرنے گیا نماز سے خارج کوئی فعل نہیں کیا، اب اس کے امام کو متشابہ لگا اور اس وضو کرنے والے نے امام کو لقمہ دیا اور وہ مسجد سے خارج نہ تھا، شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ نماز میں کچھ نقصان نہیں آیا، اور آپ نے لکھا ہے کہ نماز نہ ہوگی۔ (۱۱۷۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: لاحق کے لقمہ دینے اور امام کو لینے سے نماز میں کچھ خلل نہیں آتا، یہی صحیح ہے، کیونکہ لاحق کے لیے وہ امام ہے حکماً، اور امام کو لقمہ دینے اور لینے سے نماز میں فساد نہیں آتا، اور پہلا لکھنا کچھ یاد نہیں ہے، شاید وہ اس صورت میں لکھا گیا ہو کہ لاحق نے کوئی فعل مفسدِ صلاۃ کرلیا ہو۔ (ضمیمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴۰۳/۴) محمد امین

حالتِ نماز میں مُنہ سے کوئی چیز باہر آجائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال: (۱۵۰۷) اثنائے نماز میں بہ مقدار چنے کے یا کم وبیش کھانے کی چیز مُنہ میں سے نمازی کی زبان پر آئی اس کو کپڑے یا ہاتھ سے باہر نکال دینے سے نماز میں نقصان ہوگا یا نہیں؟

(۱۱۵۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس سے نماز میں کچھ نقصان نہیں آئے گا[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۱/۴)

صابون لگا کر نماز پڑھنا درست ہے

سوال: (۱۵۰۸) صابون انگریزی اور دیسی کو لگا کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۲۰۵۲/۱۳۴۳ھ)

---

(۱) کیوں کہ یہ عملِ قلیل ہے، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ لو كان معه حجر فرمٰى به الطّائرَ أو نحوَه لا تفسد صلاتهُ لأنه عمل قليل. (ردّ المحتار: ۳۳۷/۲، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في المشي في الصّلاة)

الجواب: صابون انگریزی یا دیسی (بعد وضو کے)[1] لگا کر نماز پڑھنا درست ہے[2] فقط
(۱۲۲/۴)

حالتِ نماز میں انسان یا حیوان حملہ آور ہو تو کیا کرے؟

سوال: (۱۵۰۹) نماز قائم ہوئی حالت میں مقابلہ دشمن از قسم انسان یا حیوان یا حشرات الارض کس طرح کرے جس میں اندیشۂ نقصان ہو؟ (۸۲۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: نماز توڑ دے؛ درمختار میں ہے: **ویباح قطعها لنحو قتل حيّة إلخ**[3] فقط
(۹۸/۴-۹۹)

چار آنے کے نقصان پر نماز توڑنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۵۱۰) چار آنہ کا نقصان ہوتا ہو تو نماز توڑنا بلا معصیت جائز ہے یا نہیں؟
(۲۱۰۶/۱۳۳۸ھ)

---

(۱) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) صابون پاک ہے، محض شک کی وجہ سے ناپاکی کا حکم نہیں کیا جاسکتا، قاعدہ ہے: **اليقين لا يزول بالشّكّ** (ردّ المحتار: ۲۵۱/۱، كتاب الطّهارة ، مطلب في نَدْب مراعاة الخلاف إلخ)
ولو شكّ في نجاسة ماء أو ثوب إلخ لم يعتبر (الدّرّ المختار) وكذا ما يتّخذُهُ أهلُ الشّركِ أو الجَهَلَةِ من المسلمينَ كالسَّمْنِ والخُبزِ والأطعمةِ والثّيابِ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۵۴/۱، كتاب الطّهارة ، قبيل مطلب في أبحاث الغسل) ظفیر

(۳) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۶۸/۲، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب في بيان السُّنّة و المستحبّ و المندوب و المكروه إلخ**
اس سے آگے عبارت ہے: **و نـدّ دابّةٍ ، وفَوْرِ قِدْرٍ ، و ضياعِ ما قيمتُه درهمٌ له أو لغيره (الدّرّ المختار) قوله: (ويباح قطعها) أي ولو كانت فرضًا كما في الإمداد .**
(حوالہ سابقہ) ظفیر

الجواب: درمختار میں ہے کہ ایک درہم [۱] کی مقدار کے نقصان ہونے پر نماز کو قطع کرنا درست ہے، اور درہم قریب چار آنے کے ہوتا ہے، اور شامی نے بعض فقہاء سے اس سے کم پر بھی جوازِ قطعِ صلاۃ نقل کیا ہے، مگر عام مشائخ اسی پر ہیں کہ چار آنے کے نقصان پر قطع کرسکتا ہے [۲] فقط (۱۳۳/۴)

ریاح روک کر نماز ادا کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۵۱۱) زید نے نماز ظہر کی جماعت کرائی شروع کی، ایک رکعت کے بعد اس کو ریح خارج ہونے لگی، مگر اس نے روکے رکھا اور نماز کو تمام کیا یہ نماز جائز ہوئی یا نہیں؟ (۱۱۹۳/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز ہوگئی البتہ اس میں کراہت ہے، پس اگر قلب اس کا اس میں زیادہ مشغول ہوتو کراہت تحریمی ہوگی ورنہ تنزیہی [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۵/۴)

---

(۱) درہم کا وزن چاندی میں ۳ گرام، ۶۱ ملی گرام، اور ۸ میکرو ملی گرام ہے، لہٰذا اس کی قیمت کے برابر نقصان پر نماز قطع کرسکتا ہے۔ محمد امین پالن پوری

(۲) رجل قامَ إلٰی صلاۃٍ فسرق منه شيء قیمته درهم ، له أن یقطع الصّلاۃ ویطلب السّارق سواء کانت فریضۃً أو تطوّع ، لأنّ الدّرهم مالٌ. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۰۹، کتاب الصّلاۃ ، الباب السّابع فیما یفسد الصّلاۃ وما یکره فیها، الفصل الثّاني فیما یکره في الصّلاۃ وما لا یکره)

ویُباح قطعُها لنحو قتل حیّة وندّ دابّة وفورِ قدرٍ وضیاعِ ما قیمتُهٗ درهمٌ له أو لغیرہٖ (الدّرّ المختار) قال في مجمع الرّوایات: لأنّ ما دُونَهٗ حقیرٌ فلا یقطع الصّلاۃَ لأجلهٖ ، لکن ذکر في المحیط في الکفالۃِ أنّ الحَبْسَ بالدّانق یجوز فقطعُ الصّلاۃِ أولٰی ، وهٰذا في مال الغیر أمّا في مالهٖ لا یقطع ، والأصحّ جوازه فیهما اهـ ، وتمامُهٗ في الإمداد والّذي مشٰی علیه في الفتح التّقییدُ بالدّرهم. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۶۸، کتاب الصّلاۃ ، باب ما یفسد الصّلاۃ وما یکره فیها ، مطلب في بیان السُّنّة والمستحبّ والمندوب والمکروہ إلخ)

(۳) ویباح قطعها لنحو قتل حیّة إلخ ویستحبّ لمدافعۃِ الأخبثین (الدّرّ المختار) کذا في مواهب الرّحمٰن ونور الإیضاح ، لکنّه مخالفٌ لما قدّمناہ عن الخزائن وشرح المنیة من أنّه إن کان ذلك یَشغَلُهٗ أي یَشغلُ قلبَهٗ عن الصّلاۃ وخشوعها فأتمّها یأثَم لأدائها مع الکراهة التّحریمیّة ، و مقتضی هٰذا أنّ القطع واجبٌ لا مستحبٌ إلخ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۶۸، کتاب الصّلاۃ، باب ما یفسد الصّلاۃ وما یکره فیها ، مطلب في بیان السُّنّة والمستحبّ والمندوب والمکروہ إلخ .

ریاح روک کر جو نماز ادا کی وہ صحیح ہے

سوال: (۱۵۱۲) جس شخص کی بوجہ قبض؛ ریاح جلدی جلدی خارج ہوتی ہے اگر وہ روک کر نماز ادا کرے تو کیا نماز صحیح ہو جائے گی؟ (۶۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: نماز صحیح ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۶/۴)

پیشاب روک کر جماعت میں شرکت مکروہ ہے

سوال: (۱۵۱۳) ایک شخص کو قضائے حاجتِ بول کی ہوئی، اس نے قضائے حاجت موقوف کر کے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی، اور قوّتِ مثانہ سے بول کو روکتا رہا، بعد کو قضائے حاجت کی، اس حالت میں نماز کا کیا حکم ہے؟ (۲۶۱/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اس حالت میں نماز مکروہ تحریمی ہے، لیکن یہ اس وقت ہے کہ پیشاب و پاخانہ کی ایسی حاجت ہو کہ اس کا دل اس میں مشغول ہو۔ كما في الشّامي: قوله: (وصلاتُه مع مدافعةِ الأخبثين) أي البول والغائط، قال في الخزائن: سواء كان بعد شروعهٖ أو قبلهٗ ، فإن شغلهٗ قطعها إن لم يخف فوتَ الوقت إلخ[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۶/۴)

پان کھانے اور چائے پینے کے بعد بلا کلی نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۵۱۴) کوئی شخص چائے پینے اور پان کھانے کے بعد اس قدر توقف کرے کہ اثر پان اور چائے کا زائل ہو جاوے تو بلا مضمضہ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یا ضرورت مضمضہ کی ہے؟ (۱۲۱۳/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) يجبُ ردُّ عذرِهٖ أو تقليلُهٗ بقدر قدرتِهٖ إلخ و بردّهٖ لا يبقٰى ذا عذر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱/۴۴۰-۴۴۱، كتاب الطّهارة ، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور، قبيل باب الأنجاس) ظفیرؒ

(۲) ردّ المحتار: ۲/۳۵۱، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة ما يكره فيها، مطلب في الخشوع

الجواب: مضمضہ کرنا پھر بھی بہتر ہے، اور نہ کرے تب بھی نماز ہو جاوے گی[(۱)] (۴/۱۳۰-۱۳۱)

امام کی جان بچانے کے لیے نماز توڑنا واجب ہے

سوال: (۱۵۱۵) اگر امام کو دشمن قتل کریں بہ حالت جماعت تو مقتدی نیت توڑ کر دشمن کو پکڑیں یا کیا کریں؟ (۶۱۷/۱۳۴۱ھ)

الجواب: فقہاء حنفیہ نے لکھا ہے کہ احیاءِ نفس کے لیے نماز کو توڑنا واجب ہے۔ شامی اور درمختار میں ہے: ویجب القطع لنحو إنجاءِ غریقٍ أو حریقٍ إلخ[(۲)] لہٰذا صورت مسئولہ میں مقتدیوں کو نماز قطع کر کے امام کو بچانا چاہیے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ نماز میں معروف ہے، اور کتب احادیث میں مذکور ہے کہ صحابہ کرامؓ مقتدیوں نے دوسرے[(۳)] صحابی کو امام کر کے نماز پوری کی، اور بعض صحابہ نے نماز توڑ کر قاتل کو پکڑا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۳۱)

نماز میں دانستہ مکروہ کا ارتکاب کیسا ہے؟

سوال: (۱۵۱۶) اگر دانستہ نماز میں فعل مکروہ کا ارتکاب کیا جاوے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) عن عبد اللّٰہ بن الحارث بن جَزءٍ رضي اللّٰہ عنہ قال: أُتي رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم بخبزٍ ولحمٍ وھو في المسجد، فأکل وأکلنا معہٗ، ثمّ قام فصلّی وصلّینا معہٗ، ولم نزِدْ علٰی أن مسَحْنا أیدینا بالحَصباء، رواہ ابن ماجۃ. (مشکاۃ المصابیح، ص:۳۶۶، کتاب الأطعمۃ، الفصل الثّاني)

قولہ: (بالحصباء) ممدودًا أي بالحِجارات الصّغار استعجالاً للصّلاۃ أو بیانًا للجواز. (مرقاۃ المفاتیح: ۱۲۰/۸، کتاب الأطعمۃ، الفصل الثّاني، رقم الحدیث: ۴۲۱۳) ظفیرؒ

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۴۰/۲، کتاب الصّلاۃ، باب إدراك الفریضۃ.

ویجب (قطع الصّلاۃ) لإغاثۃِ مَلھوفٍ وغریقٍ وحریقٍ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۶۹/۲، کتاب الصّلاۃ، باب ما یفسد الصّلاۃ وما یکرہ فیھا، قبیل مطلب في أحکام المسجد) ظفیرؒ

(۳) 'دوسرے' کا اضافہ مفتی ظفیر الدین صاحب نے کیا ہے، رجسٹر میں نہیں ہے۔ ۱۲

اور گناہ ہوتا ہے یا نہیں؟ (۶۱۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نماز ہو جاتی ہے مگر نقصان رہتا ہے، اور قصداً ایسا کرنا گناہ کا سبب ہے۔ فقط (۱۴۱/۴-۱۴۳)

تکبیر تحریمہ اور سلام امام کے ساتھ شروع کرے اور پہلے ختم کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۵۱۷) تکبیر تحریمہ یا دیگر تکبیریں یا ہر دو سلام ختم نماز یا سلام سجدۂ سہو شروع تو کیا جائے امام کے ساتھ یا امام کے بعد مگر ختم ہو جائے امام سے پہلے تو نماز مقتدی کی ہو جائے گی یا نہیں؟ (۶۱۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: تکبیر کے بارے میں درمختار میں ہے: **فلو قال: 'اللّٰهُ' مع الإمام و'أكبرُ' قبلَهُ...... لم يصحَّ** [۱] ترجمہ: پس اگر 'اللہ' امام کے ساتھ کہا، اور 'اکبر' امام سے پہلے نماز نہ ہوگی، اور سلام کے بارے میں درمختار میں ہے: **وتنقضي قُدوة بالأوّل قبلَ 'عليكم'** [۲] پس معلوم ہوا کہ سلام کی صورت میں نماز ہو جاوے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۱/۴-۱۴۴)

سلام پھیرتے وقت مقتدی کا سانس امام سے پہلے ٹوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۵۱۸) مقتدی کا سانس سلام پھیرتے وقت السّلام علیکم کہنے میں امام سے پہلے ٹوٹ جائے تو مقتدی کی نماز (صحیح ہے یا نہ؟) [۳] (۱۵۳۰/۱۳۳۷ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۵۷، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، آداب الصّلاة.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۴۳، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، واجبات الصّلاة، مطلب: لا ينبغي أن يُعْدَلَ عن الدّراية إذا وافقتها رواية.

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں (صحیح ہے یا نہ) کی جگہ ''ہو جاتی ہے یا نہ'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

الجواب: مقتدی کی نماز میں اس صورت میں کچھ خلل (۱) نہیں (ہے)(۲) فقط (۲/۱۶۳)

سوال: (۱۵۱۹) اگر کوئی مقتدی امام سے پہلے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے میں سانس توڑ دے، یا امام کے منہ پھیرنے سے پہلے منہ پھیر دے، تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ (۲۷۱۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: نماز اس صورت میں صحیح ہے، مگر امام سے پہلے سلام پھیرنا مکروہ ہے، و إنّما کرہ للمؤتمّ ذلك لترکه متابعة الإمام بلا عذر إلخ(۳) (شامی: جلد اول) فقط (۲/۱۹۳)

جو مقتدی امام سے پہلے رکوع سجدہ کرے اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۱۵۲۰) امام سے پہلے اگر مقتدی رکوع یا سجدہ یا قومہ وغیرہ کرلے تو نماز مقتدی کی ہوجاوے گی یا نہیں؟ اور امام سے پہلے سجدہ کرنے والے مقتدی کا سر گدھے کا سا ہوجاوے گا یا نہیں؟
(۶۱۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: امام سے پہلے اگر رکوع اور سجدہ میں گیا تو اگر امام بھی اس میں شامل ہوگیا تو وہ رکوع وسجدہ ہوگیا ورنہ نہیں ہوا۔ اور وہ حدیث یہ ہے: أمّا یَخشیٰ الّذي یرفعُ رأسَه قبلَ الإمام أن یُحوّل اللّٰهُ رأسَه رأسَ حِمارٍ، متّفق علیه(۴) ترجمہ: کیا نہیں ڈرتا وہ شخص جو امام سے

---

(۱) لو أتمّ الموتمّ التّشهّد بأن أسرع فیه وفرغ منه قبل إتمام إمامه فأتی بما یخرجه من الصّلاة کسلام أو کلام أو قیام جاز أي صحّت صلاته لحصوله بعد تمام الأرکان إلخ ، وإنّما کره للمؤتمّ ذلك لترکه متابعة الإمام بلا عذر فلو به إلخ فلا کراهة. (ردّ المحتار: ۲/۲۱۲، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة ، قبل مطلب في وقت إدارك فضیلة تکبیرة الافتتاح) ظفیر

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (ہے) کی جگہ ''آیا'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) ردّ المحتار: ۲/۲۱۲، کتاب الصّلا ة ، باب صفة الصّلاة ، قبل مطلب في وقت إدارك فضیلة تکبیرة الافتتاح .

(۴) عن أبي هریرة رضي اللّٰه عنه قال : قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم :أمّا یخشی الّذي یرفع رأسَه الحدیث. (مشکاة المصابیح ص:۱۰۲، کتاب الصّلاة ، باب ما علی المأموم من المُتابعة وحکم المسبوق ، الفصل الأوّل)

پہلے سر اُٹھاتا ہے کہ اس کا سر حمار کا سا ہو جاوے۔ حاشیہ میں ہے: ولعلّ المراد تحويله في الآخرة لا في الدّنيا (۱) اور ابن حجر علیہ الرحمہ سے بھی منقول ہے کہ دُنیا میں بھی کسی کے لیے ہو جاوے تو مستبعد نہیں۔ كما نقل عن البعض (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۴۱-۱۴۵)

جو مقتدی نماز میں اونگھتا رہتا ہے اس کی نماز ہو جاتی ہے

سوال: (۱۵۲۱) امام کے پیچھے اگر نماز میں مقتدی رکوع، سجدہ، قومہ، قیام، قعدہ وغیرہ میں اونگھتا رہتا ہے، ان صورتوں میں نماز مقتدی کی ہو جاتی ہے یا نہیں؟ (۶۱۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: ان سب صورتوں میں نماز ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ اعلم (۴/۱۴۱-۱۴۵)

غلبۂ نیند کے وقت نماز ادا کرے یا چھوڑ دے؟

سوال: (۱۵۲۲) غلبۂ نوم یا غنودگی میں نماز کا کیا حکم ہے؟ ادا کرے یا چھوڑ دے؟

(۶۱۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نماز کو نہ چھوڑے جس طرح ہو نیند اور سستی کو دفع کر کے نماز پڑھے قضا نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۴۲-۱۴۵)

---

(۱) حاشية مشكاة المصابيح: ص:۱۰۲، كتاب الصّلاة ، الفصل الأوّل ، رقم الحاشية : ۵.

(۲) وقال ابنُ حجر: يحتمل أن يكون على حقيقتِهِ ، فيكون ذلك مسخًا خاصًّا ، والممتنعُ المسخُ العامُّ كما صرّحت به الأحاديث الصّحاح ، وأن يكون مَجازًا عن البَلادة ، ويُؤيّد الأوّلَ ما حُكي عن بعض المحدّثين أنّهُ رَحَلَ إلىٰ دِمَشق لأخذِ الحديث عن شيخ مشهور بها فقرأ عليه جملةً لكنّه كان يجعل بينهُ وبينهُ حِجابًا ولم يرَ وجهَهُ ، فلمّا طالت ملازمتُهُ لهُ ورأى حرصَهُ على الحديث كَشَفَ له السِّترَ فرأى وجهَهُ وجهَ حمارٍ ، فقال له: احذَرْ يا بُنيّ ! أن تسبق الإمامَ ، فأنّي لمّا مرّ بي في الحديث استبعدتُ وقوعَهُ فسبقتُ الإمام فصار وجهي كما ترىٰ. (مرقاة المفاتيح:۳/۱۹۹، كتاب الصّلاة ، باب ما على المأموم من المُتابعة وحكم المسبوق ، الفصل الأوّل ، رقم الحديث :۱۱۴۱)

نماز میں کھجانا درست ہے اور ناک سے میل نکالنا برا ہے

سوال: (۱۵۲۳) نماز میں خارش کو کتنی مرتبہ ہاتھ سے دفع کر سکتا ہے؟ یا ناک سے کتنی مرتبہ چوہے (ناک کا میل) نکال سکتا ہے؟ اور تین مرتبہ کھجلانا مفسد نماز تو نہیں ہے؟ (۶۱۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: خارش جتنی دفعہ بھی ہو کھجانا درست ہے مفسدِ نماز نہیں ہے (۱) ناک سے میل نکالنا یہ بُرا ہے، اگر چہ نماز اس سے فاسد نہیں ہوتی مگر یہ مکروہ ہے، اور جس جگہ نماز کو فاسد لکھتے ہیں وہاں اِعادہ لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۲/۴-۱۴۵)

پیروں میں مہندی لگا کر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں، اور ہاتھوں میں مہندی لگا کر مٹھیاں بند کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے

سوال: (۱۵۲۴) [پیروں] (۲) کو مہندی لگا کر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۶۱۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جائز نہیں (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: (۱۵۲۵) ہاتھوں کو مہندی لگا کر بند مٹھیوں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۶۱۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس سے ترکِ سنن لازم آتا ہے، اس لیے مکروہ ہے (۴) فقط (۱۴۲/۴-۱۴۵)

---

(۱) **ویفسدها کل عمل کثیر .... ما لا یشكّ بسببه النّاظر من بعید في فاعله أنّه لیس فیها. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۳۲/۲، کتاب الصّلاة، باب ما یفسد الصّلاة وما یکره فیها مطلب في التّشبّه بأهل الکتاب)** درّ مختار کی اس تصحیح کے پیش نظر خارش اگر چہ بدفعات ہو عمل کثیر کی تعریف سے خارج ہے۔ جمیل الرحمٰن

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں [پیروں] کی جگہ ''مردوں'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۳) چوں کہ قیام جو فرض ہے وہ بلا عذر ترک ہوا۔ جمیل الرحمٰن

(۴) چوں کہ نماز کے ہر رکن میں مٹھی کا کھلا رہنا مسنون ہے۔ جمیل الرحمٰن

احکامِ مساجد

قبلہ سے منحرف مسجد میں پڑھی ہوئی نمازیں صحیح ہوئیں یا نہیں؟

سوال: (۱۵۲۶) ایک مسجد میں لوگ نماز پڑھا کرتے تھے، چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ مسجد جانب قبلہ سے منحرف ہے، بعد تحقیق کچھ لوگ پہلی ہی طرح سے رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں، اور بعض اس جانب سے ذرا مڑ کر پڑھتے ہیں، اب جو لوگ پہلی جانب کو پڑھتے ہیں ان کو نماز کا اعادہ کرنا چاہیے یا نہ؟ اور قبل تحقیق جو نمازیں پڑھی گئیں ان کا اعادہ کرنا چاہیے یا نہ؟ اور ٹیڑھی جانب کو اگر نماز پڑھتے رہیں تو نماز صحیح ہوگی یا نہ؟ (۲۷۲۷/۱۳۴۰ھ)

الجواب: پہلے رخ پر جو لوگ نماز پڑھتے ہیں ان کی نماز صحیح ہے، اور گذشتہ نمازوں کا اعادہ کرنا لازم نہیں ہے، کیوں کہ تھوڑے سے انحراف سے استقبال قبلہ میں کچھ فرق نہیں آتا[۱] اور قطب حساب بھی تحقیقی نہیں ہے تقریبی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۶)

مسجد کا سائبان جو ناچ میں دیا گیا ہو اس کے نیچے نماز پڑھنا جائز ہے

سوال: (۱۵۲۷) ایک شخص نے مسجد کا سائبان ناچ میں دے دیا، اب اس سائبان کے نیچے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ نمازیوں کو دھوپ کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے۔ (۲۱۰۰/۱۳۳۹ھ)

---

(۱) فللمكيّ ...... إصابة عينها ...... ولغيره أي غير معاينها إصابة جهتها بأن يبقىٰ شيء من سطح الوجه مُسامتًا للعكبة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۹۷-۹۸، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة ، مبحث في استقبال القبلة) ظفير

الجواب: اس سائبان کے نیچے نماز پڑھنا جائز ہے، اس کو دھوپ وغیرہ کے وقت مسجد میں لگانا چاہیے، اور آئندہ کسی محفل ناچ وغیرہ کے لیے نہ دیا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۱۵)

مسجد کسی کی ملک نہیں ہوتی، اس میں سب کی نماز درست ہے

سوال: (۱۵۲۸) جس محلّہ والے مسجدِ محلّہ کو اپنی ملکیت سمجھتے ہوں، اس مسجد میں نماز پڑھنا شرعًا کیسا ہے؟ (۱۳۴۱/۱۵۹۳ھ)

الجواب: مسجد کسی کی ملک نہیں ہوتی [۱] اور کسی کے سمجھنے سے اس میں کچھ تغیر نہیں ہوتا، پس نماز اس میں صحیح ہے اور ثواب مسجد کا حاصل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۹)

سنّی کی نماز شیعی مسجد میں ہوجاتی ہے

سوال: (۱۵۲۹) سنی؛ شیعہ کی مساجد میں اور شیعہ؛ سنی کی مساجد میں نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہ؟ (۱۳۳۹/۱۶۱۳ھ)

الجواب: نماز ہوجاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۱۳)

وضاحت: سنی شخص شیعہ مسجد میں نماز پڑھے تو نماز ہوجاتی ہے، مگر شیعہ امام کے پیچھے سنی کی نماز نہیں ہوتی، کیوں کہ ان کے بعض عقائد موجبِ کفر ہیں، درمختار میں ہے: **ومبتــــدع .... لایکفر بها إلخ وإن أنکر بعض ما علم من الدّین ضرورة کفر بها، کقوله: إنّ اللّٰه تعالٰی جسم کالأجسام، وإنکاره صحبة الصّدّیق فلا یصحّ الاقتداء به أصلاً. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۵۶-۲۵۷، کتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام)** محمد امین پالن پوری

---

(۱) ﴿أنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ﴾ (سورۂ جن، آیت:۱۸) **ویزول ملکه عن المسجد والمصلّٰی بالفعل وبقوله: جعلتُه مسجدًا عند الثّاني، وشرط محمّد والإمام الصّلاة فیه بجماعة، وقیل: یکفي واحدٌ، وجعله في الخانیة ظاهرَ الرّوایة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۶/۴۲۶-۴۲۷، کتاب الوقف، مطلب في أحکام المسجد)** ظفیرؒ

زکاۃ کے روپیوں سے خریدی ہوئی صفوں پر نماز ہو جاتی ہے لیکن زکاۃ ادا نہیں ہوتی

سوال: (۱۵۳۰) اگر کوئی شخص زکاۃ کے روپے سے جائے نمازیں خرید کر مسجدوں میں دیتا ہے تو تونگروں کو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ نماز ہو گی یا نہیں؟ (۱۱۹۳/۱۳۴۲ھ)

الجواب: نماز اس پر ہو جاتی ہے، لیکن زکاۃ اس کی ادا نہیں ہوئی[1] فقط (۵۱/۴)

سنکھ بجتے وقت نماز درست ہے

سوال: (۱۵۳۱) پانی پت میں ہنود اور اہل اسلام میں کچھ تنازع ہوا، وجہ یہ ہوئی کہ مغرب کی نماز کے وقت ہنود نے سنکھ بجایا، منع کرنے سے نہ رکے، نوبت مقدمہ کی پہنچی، وکیل کے مشورے سے مسلمانوں نے مغرب کے وقت اذان کہنا اور نماز پڑھنا چھوڑ دیا؛ آیا سنکھ بجنے کے وقت ان مساجد میں نماز پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟ (۲۰۴۹/۱۳۴۲ھ)

الجواب: اس حالت میں نماز صحیح ہے[2] اور نماز نہ پڑھنا اور اذان و جماعت اس مسجد میں ترک کرنا اچھا نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۳/۴)

سنکھ بجنے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی

سوال: (۱۵۳۲) اگر بہ وقت نماز ضداً سنکھ بجایا جائے اور شور وغل کیا جائے تو نماز میں شرعی نقص آتا ہے یا نہ؟ (۱۰۱۵/۱۳۴۳ھ)

---

(۱) زکاۃ کے پیسے مسجد میں لگانے درست نہیں ہیں، یہاں چوں کہ تملیک پائی نہیں گئی؛ اس لیے اس کی زکاۃ ادا نہیں ہوئی۔ يصرف المزكّي إلخ تمليكًا لا إباحةً كما مرّ ، لا يصرف إلى بناءٍ نحو مسجد ولا إلى كفن ميّت إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۲/۳-۲۶۳، كتاب الزّكاة ، باب المصرف) ظفیرؒ

(۲) اس لیے کہ کوئی چیز مفسدات نماز میں سے نہیں پائی گئی۔ ظفیر

الجواب: اگر بہ ذریعہ حکام اس کا انسداد ہو سکے تو انسداد اس کا ضروری ہے، کیونکہ اگر چہ نماز میں کسی کے شور وغل اور سنکھ بجانے سے فساد نہیں ہوتا، لیکن نمازیوں کو تشویش و پراگندگیٔ خاطر اور عدم خشوع وخضوع اس کی وجہ سے ضرور ہوگا، لہٰذا ضروری ہے کہ حکام کے ذریعہ سے ان کو نماز کے وقت اس سے روکا جائے، کیونکہ فقہاء نے مسجد میں ذکرِ جہر کو بہ وقت نماز منع فرمایا ہے[1] کہ اس سے نماز میں پراگندگیٔ خاطر ہوگی، اور ممکن ہے کہ نمازی قراءت وغیرہ کو بھول جائے، پس جب کہ ذکرِ جہر کو بہ وقت نماز منع کیا جاتا ہے تو باجا بجانا اور سنکھ بجانا بہ وقت نماز ظاہر ہے کہ نہایت برا ہے، لیکن چونکہ مسلمانوں کو قدرت نہیں ہے کہ از خود اس کو روکیں، لہٰذا حکام کے ذریعہ سے اگر انسداد ہو سکے تو کرایا جائے۔ (۵۴/۴)

جس پانی کے بھرنے کی اُجرت سقہ کو نہ دی گئی ہو اس سے وضو کر کے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۵۳۳) ایک مسجد میں وضو وغیرہ کے واسطے پانی بھرنے کو بہشتی (سقّہ) مقرر کیے جاتے ہیں، اور ان سے کہا جاتا ہے کہ تم پانی اچھی طرح سے بھرو تم کو اس کی اُجرت مزدوری دی جاوے گی، ایک سال کے بعد وہ اس پانی کی مزدوری مانگتے ہیں، بعض کا خیال ہے کہ دی جاوے اور بعض کا یہ خیال ہے کہ نہ دی جاوے اور جو وضو ونماز اس پانی سے کی گئی وہ درست ہوئی یا نہیں؟

(۵۳۱/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس بہشتی کو اُجرت اور مزدوری مروّج دینی چاہیے[2] اور وضو اور نماز ہوگئی (۵۹/۴)

---

(۱) ويكره إلخ رفع صوتٍ بذِكر (الدّرّ المختار) لأنّه حيث خيف الرّياء أو تأذي المصلّين إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۷۵/۲-۳۷۶، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في رفع الصّوت بالذِّكر) ظفیرؒ

(۲) عن عبد اللّٰه بن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: أعطُوا الأجيرَ أجرَهٗ قبل أن يَجِفَّ عَرَقُهٗ، رواه ابن ماجة. (مشكاة المصابيح، ص:۲۵۸، كتاب البيوع، باب الإجارة، الفصل الثّاني) ظفیرؒ

صحن مسجد میں نماز باجماعت درست ہے

سوال: (۱۵۳۴) مسجد کے صحن میں فرض نماز باجماعت بلا کراہت گرمی کی شدت کی وجہ سے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی صحن مسجد میں نماز نہیں پڑھائی، زید کا قول کہاں تک درست ہے؟ (۸۴۴/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: زید کا یہ قول غلط ہے، مسجد کے دونوں حصہ مسقّف اور غیر مسقّف میں جماعت جائز اور صحیح ہے، اور فقہاء رحمہم اللہ نے مسجد صیفی اور مسجد شتوی دونوں کو مسجد کہا ہے، اور دونوں میں جماعت بلا کراہت صحیح ہے، اور یہ ہر دو نام خود دلیل ہے اس کی کہ ایک حصہ غیر مسقّف میں گرمیوں میں اور دوسرے حصے مسقّف میں جاڑوں میں نماز ہوتی ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۴/۴-۱۲۵)

مسجد کا دروازہ بند کر دینا کیسا ہے؟

سوال: (۱۵۳۵) زید ایک مسجد کا امام ہے وہ بعد نماز عشاء نو بجے مسجد کے کواڑ بند کر لیتا ہے، اور جو نمازی کواڑ بند کرنے کے بعد آتا ہے تو زید کواڑ نہیں کھولتا، کیا کسی حدیث میں ہے کہ مسجد کے کواڑ بند کر کے پھر نہ کھولے جائیں؟ (۳۰۱/۱۳۳۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے کہ دروازہ مسجد کا بند کرنا مکروہ ہے[۲] لیکن اگر اَسبابِ مسجد کے گم ہوجانے کا اندیشہ ہے تو سوائے اوقات نماز کے دروازہ مسجد کا بند کرنا درست ہے، اور شامی میں ہے

---

(۱) ولو كان المسجدُ الصّيفيُّ بجَنب الشّتويّ وأمتلأ المسجدُ يقوم الإمام في جانب الحائطِ ليستوىَ القومُ من جانبيه. (ردّ المحتار: ۲/۲۶۶، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، قبيل مطلب في كراهة قيام الإمام في غير المحراب) ظفیرؒ

(۲) وكما كُره غلقُ بابِ المسجدِ إلّا لخوفٍ على متاعهِ به يفتىٰ (الدّرّ المختار) قال في البحر: وإنّما كُره لأنّهُ يُشبهُ المنعَ من الصّلاة، قال تعالىٰ: ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ الآية﴾ (البقرة، الآية: ۱۱۴)........ والتّدبيرُ في الغلق لأهل المحلّة. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲/۳۷۰، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد) ظفیرؒ

کہ یہ امر اہل محلّہ کی رائے پر ہے جس وقت وہ مناسب سمجھیں سوائے اوقات نماز کے دروازہ بند کرادیا کریں، صورت مذکورہ میں امام مسجد کا نمازیوں کے لیے دروازہ نہ کھولنا خلافِ حکم شریعت ہے، اور دروازہ بند کر کے پھر نہ کھولنا اگرچہ نمازیوں کی ضرورت سے ہو کہیں ثابت نہیں ہے۔ فقط (۴/۱۴۹)

مسجد کی دوسری منزل میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۵۳۶) اوّل ایک مسجد ایک منزلہ تھی، پھر اس کو دو منزلہ بنایا گیا، اس طرح سے ایک سمت میں تو پہلی ہی بنیاد رہی اور تین سمت میں بنیاد بھی بڑھائی گئی، اور پوری مسجد پر دوسری منزل بنادی گئی ہے، صحن بالکل نہیں رہا، بعض علماء سے معلوم ہوا کہ مسقّف مسجد پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اگر نیچے کی منزل میں نماز پڑھی جاوے تو موسم گرما میں سخت تکلیف ہوتی ہے، ایسی حالت میں موسم گرما میں اوپر کی منزل میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (۲۴۰۲/۱۳۴۰ھ)

الجواب: شرح منیہ میں ہے: **وكلُّ ما يكره في المسجد يكره فوقَهُ أيضًا إلخ** [۱] اور شامی میں ہے: **قوله :(الوطءُ فوقَهُ)أي الجماعُ خزائن ، أمّا الوطءُ فوقَهُ بالقدم فغيرُ مكروهٍ إلّا في الكعبةِ لغير عُذرٍ لقولِهم بكراهةِ الصّلاة فوقَها ، ثمّ رأيتُ القهستانيّ نقل عن المفيد كراهةَ الصُّعود إلى سطحِ المسجد اهـ . ويلزمهُ كراهةُ الصّلاةِ أيضًا فوقَه فليتأمّل** [۲] خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ بعض عبارات سے جوازِ نماز فوقِ مسجد معلوم ہوتا ہے، اور بعض سے کراہت معلوم ہوتی ہے، اور صورت مسئولہ میں اوپر کے درجہ میں نماز مکروہ نہیں ہے کہ اوّلاً سطح مسجد پر نماز کی کراہت میں اختلاف ہے، پھر درجہ بالائی کو مصداق اس کا کہنے میں تامل ہے، پھر عذر مذکور موجود ہے [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۵۰)

---

(۱) غنية المستملي، ص:۵۲۸۱، فصل في أحكام المسجد .

(۲) ردّ المحتار: ۲/۳۷۰، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب في أحكام المسجد .

(۳) حضرت مفتی علامؒ نے دوسری منزل میں نماز کے سلسلہ میں عدم کراہت کا فیصلہ کیا ہے، وہ بالکل فقہ کے مطابق ہے، دوسری منزل کو چھت کہنا اصطلاحًا ہرگز درست نہیں ہے، ==

قریب کی مسجد میں نماز پڑھنا چاہیے

سوال: (۱۵۳۷) ایک شخص اس مسجد میں نماز پڑھتے ہیں جو اُن کے مکان سے قریب ہے، اور ایک مسجد اُن کے مکان سے کچھ فاصلہ پر ہے تو وہ شخص کونسی مسجد میں نماز پڑھے؟ (۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قریب کی مسجد میں نماز پڑھنا چاہیے کہ اس مسجد کا اُن پر حق ہے اور ثواب بھی اس میں زیادہ ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۱/۴)

= = اصطلاح میں چھت اس حصہ کو کہتے ہیں جس کے اوپر مزید چھت نہ ہو اور وہ بارش اور دھوپ کے لیے روک بنے، اور دوسری منزل نماز کے لیے ہی بنائی جاتی ہے، چھت کی غرض سے نہیں ہوتی، لہٰذا کسی طرح وہ چھت کے حکم میں نہیں ہے۔ جو لوگ اب تک دوسری تیسری منزل میں نماز مکروہ لکھتے ہیں خاکسار کے نزدیک درست نہیں ہے، البتہ یہ افضل ضرور ہے کہ جماعت نیچے کی منزل میں ہوا کرے، ضرورت اور مجبوری کی حالت میں دوسری تیسری منزل کا ارادہ کیا جانا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔ ظفیرؒ

(۱) أفضل المساجد مكّة ، ثمّ المدينة ، ثمّ القُدس ، ثمّ قبا ، ثمّ الأقدم ، ثمّ الأعظم ، ثمّ الأقرب. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۷۴/۲، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب في أفضل المساجد) ظفير

نمازِ وتر کے احکام

وتر کی تین رکعتیں ایک سلام سے اور رمضان میں با جماعت ادا کرنے کا ثبوت

سوال: (۱۵۳۸) زید کہتا ہے کہ بعد نماز عشاء تین رکعت نماز وتر ایک سلام سے کوئی چیز نہیں، اور جماعت کے ساتھ شرع شریف میں ان کی کہیں اصل نہیں، اوران کے منکر اور تارک کو عند اللہ کچھ مواخذہ نہیں؟ (۱۶۱۷/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: زید کا قول غلط ہے وتر کی تین رکعت ایک سلام سے احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، اور جماعت وتر کی رمضان شریف میں مستحب ہے اور افضل ہے۔ شامی میں ہے: رجّح الكمالُ الجماعةَ بأنّهٗ صلّى الله عليه وسلّم كان أوترَ بهم ثمّ بيّن العذرَ في تأخّرهٖ مثلَ ما صَنَعَ في التّراويح ، فالوترُ كالتّراويح فكما أنّ الجماعة فيها سنّة فكذٰلك الوترُ إلخ [1] دیکھئے اس عبارت میں کس وضاحت سے سنیتِ جماعتِ وتر کی ثابت فرمائی ہے۔ فویل للمنکر فقط (۱۶۶/۴)

جس مقتدی نے وتر کی تیسری رکعت میں رکوع نہیں کیا اس کی نماز نہیں ہوئی

سوال: (۱۵۳۹) اگر امام وتر کی رکعت ثالث پڑھ کر رکوع میں چلا گیا، اور قنوت نہیں پڑھا اور

(۱) ردّ المحتار: ۴۳۸/۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، قبيل باب إدراك الفريضة .

آخر میں سجدۂ سہو کرلیا تو جو مقتدی رکوع میں نہ گیا بوجہ اندھیرے یا کم دکھائی دینے کے بلکہ سجدہ میں چلا گیا تو اس مقتدی کی نماز ہوئی یا نہ؟ (۱۹۸۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس مقتدی کی نماز نہیں ہوئی جس نے رکوع نہیں کیا[۱] اگر بعد ختم نماز امام کے بھی وہ رکوع کرلیتا اور پھر سجدۂ سہو کرلیتا تو نماز ہوجاتی[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۱/۴)

رکوع سے اٹھ کر بھولی ہوئی دعائے قنوت نہیں پڑھنی چاہیے

سوال: (۱۵۴۰) بکر قنوت وتر کو بھول کر رکوع میں چلا گیا، جب رکوع میں یاد آیا تو رکوع سے اٹھ کر دعائے قنوت پڑھ کر سجدہ سہو کر کے نماز ختم کی نماز ہوئی یا نہیں؟ (۲۰۷۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: بکر کو پھر رکوع سے اٹھ کر قنوت نہ پڑھنی چاہیے تھی، لیکن اب جب کہ سجدہ سہو کرلیا تو نماز ہوگئی[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۱/۴-۱۵۲)

---

(۱) من فرائضها الّتي لا تصحّ بدونها التّحريمة إلخ ، ومنها الرّكوع بحيث لو مدّ يديهِ نال ركبتيه. (الدّرّ مع ردّ المحتار: ۲/۱۱۲-۱۱۹، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة) ظفیرؔ

(۲) شامی میں ہے: حكمُهُ أنّهُ يبدأُ بقضاءِ ما فاتهُ بالعذرِ ثمّ يتابع الإمامَ إن لم يفرُغْ ، وهٰذا واجبٌ لا شرطٌ حتّٰى لو عكسَ يصحُّ ، فلو نام في الثّالثةِ واستيقظ في الرّابعةِ فإنّهُ يأتي بالثّالثة بلا قراءةٍ، فإذا فرغ منها صلّى مع الإمام الرّابعةَ ، وإن فرغ منها الإمامُ صلّاها وحدهُ بلا قراءةٍ أيضًا ، فلو تابع الإمامَ ثمّ قضٰى الثّالثةَ بعد سلام الإمامِ صحّ وأثِم أهـ . (ردّ المحتار: ۲/۲۹۸ كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، مطلب فيما لو أتٰى بالرّكوع أو السّجود أو بهما مع الإمام أو قبلهُ أو بعدهُ)

(۳) ولو نسيَهُ أي القنوتَ ثمّ تذكّرهُ في الرّكوع لا يَقنتُ فيه لَفواتِ محلّهِ ولا يعودُ إلى القيام في الأصحّ ، لأنّ فيه رفْضَ الفرضِ لِلواجب فإن عاد إليه وَ قَنَتَ ولم يُعِدِ الرّكوع لم تَفسد صلاتُهُ لكون ركوعهِ بعد قراءةٍ تامّةٍ وسَجَدَ لِلسّهو قَنَتَ أو لَا لزوالهِ عن محلّهِ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۸۷-۳۸۸، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب : الاقتداء بالشّافعيّ) ظفیرؔ

قنوت چھوڑ کر رکوع میں چلا گیا، پھر کھڑے ہو کر دعائے قنوت پڑھی پھر رکوع کر کے نماز پوری کی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۵۴۱) اگر کوئی شخص نماز وتر میں دعائے قنوت بھول کر رکوع میں چلا جاوے، بعد میں خود یا دوسرے کے بتلانے سے رکوع سے اٹھ کر دعائے قنوت پڑھے اور دوبارہ پھر رکوع کر کے اپنی نماز پوری کرے تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہوگئی یا سجدہ سہو کرنے سے نماز کامل ہوگی؟ (۱۷۱۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: ﴿بعد سجدہ سہو﴾[۱] نماز صحیح ہے: كذا في الدّرّ المختار: فإن عاد إليه وقَنَتَ ولم يعدِ الرّكوعَ ﴿لم تفسد صلاتُه إلخ وفي الشّامي: وأعاد الرّكوعَ أولاً إلخ[۲]﴾[۳] (۱۵۶/۴)

سوال: (۱۵۴۲) امام وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت سہواً چھوڑ کر رکوع میں چلا گیا، اور مقتدی کے اللہ اکبر کہنے پر امام کھڑا ہوا، اور دعائے قنوت پڑھ کر دوبارہ رکوع کیا، اور آخر نماز میں سجدۂ سہو کیا تو وتر ہوئی یا نہیں؟ (۱۵۹۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اس صورت میں سجدۂ سہو سے نماز وتر ہوگئی۔ درمختار میں ہے: فإن عاد إليه وقنت ولم يُعِدِ الرّكوعَ لم تفسد صلاتُهُ إلخ وسجد للسّهو إلخ[۴] فقط واللہ اعلم (۱۶۶/۴)

وتر میں بھول کر دعا سے پہلے رکوع کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۵۴۳) نماز وتر میں رفع یدین اور دعائے قنوت بھول کر امام رکوع میں چلا گیا،

---

(۱) قوسین کے درمیان والے الفاظ مفتی ظفیر الدین صاحبؒ نے بڑھائے ہیں۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۸۸، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب: الاقتداء بالشّافعيّ.

(۳) قوسین کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۴) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۸۸، كتاب الصّلاة، مطلب: الاقتداء بالشّافعيّ.

اور فوراً یاد آنے پر واپس کھڑا ہوکر رفع یدین اور دعائے قنوت پڑھ کر سجدۂ سہو کرکے نماز سے فارغ ہوا نماز ہوئی یا اعادہ کرے؟ (۱۹۴۰/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: نماز صحیح ہوئی۔ فإن عاد إليه و قنت ولم يعد الرّكوع لم تفسد صلاتهٗ إلخ وسجد للسّهو إلخ[1] (الدّرّ المختار) (۱۶۱/۴)

مقتدی کی نماز لقمہ دینے سے فاسد نہیں ہوتی

سوال: (۱۵۴۴) اگر امام کو مقتدی نے واپس آنے کو یاد دلایا، اور امام نے واپس آکر رفع یدین کرکے و دعائے قنوت پڑھ کر سجدہ سہو کرکے ختم کیا تو مقتدی کی نماز میں تو کچھ فساد نہیں ہوا؟ (۱۹۴۰/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: کچھ فساد نہیں ہوا[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۱/۴)

جو عشاء کی جماعت میں شریک نہ ہوسکا وہ وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے

سوال: (۱۵۴۵) ایک شخص نے عشاء کے فرض علیحدہ پڑھے، تراویح سب یا اکثر امام کے ساتھ ادا کی یا بالکل نہ پڑھی، ہر سہ صورت میں وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟

اشتہار مدرسہ دیوبند ۱۳۴۲ھ میں ہے: جس کو عشاء کے فرض باجماعت نہیں ملے وہ وتر کو امام کے ساتھ باجماعت پڑھ سکتا ہے، اور علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں: إذا لم يصلّ الفرض معهٗ لايتبعهٗ في الوتر دونوں تحریروں میں تطبیق کیوں کر ہوگی؟ (۲۴۰۱/ ۱۳۴۲ھ)

الجواب: ہر سہ صورت میں وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے، تراویح امام کے ساتھ کل یا بعض نہ پڑھنے کی صورت میں جماعت وتر میں شریک ہونے کا جواز تو درمختار کی عبارت میں مذکور ہے:

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۸۸/۲، کتاب الصّلاة، مطلب: الاقتداء بالشّافعيّ.

(۲) بخلافِ فتحهٖ علىٰ إمامهٖ فإنّهٗ لا يُفسد مطلقًا لفاتحٍ و آخذٍ بكلّ حالٍ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۲۹/۲، کتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: المواضع الّتي لا يجب فيها ردُّ السّلام) ظفیر

ولو لم يصلِّها أي التّراويحَ بالإمام أو صلّاها مع غيرِه لهُ أن يُصلّيَ الوترَ معَهُ إلخ [1] اور فرض عشاء جماعت سے نہ پڑھنے کی صورت میں وتر کی جماعت میں شریک ہونے کا جواز تعلیل علامہ طحطاویؒ سے معلوم ہوتا ہے۔ حيث قال في شرح قول صاحب الدّرّ المختار: بقي لو تركها الكلُّ هل يصلّون الوترَ بجماعةٍ فليراجع. قوله: (فليراجع) قضية التّعليل في المسئلة السّابقة بقولهم لأنّها تبعٌ أن يصلّي الوترَ بجماعة في هذه الصّورة لأنّهُ ليس بتبعٍ للتّراويح ولا للعشاء عند الإمام انتهٰى حلبي [2] (طحطاوي) پس معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامی نے جو فرع قہستانی سے نقل کی ہے۔ ثمّ قال: لٰكنّهٗ إذا لم يُصلِّ الفرضَ معَهُ لا يتْبعُهُ في الوتر اهـ [3] یہ ضعیف ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ وتر مستقل نماز ہے نہ عشاء کے تابع ہے اور نہ تراویح کے، علامہ شامی کی رائے فليراجع کے جواب میں بھی یہی ہے کہ اس صورت میں بھی وتر جماعت کے ساتھ جائز نہ ہونا چاہیے، اور علامہ طحطاویؒ کی رائے صاف حسب قواعد یہ ہے کہ اس صورت میں وتر بہ جماعت جائز ہے، اور شامی کی آخر عبارت لا كراهة سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مراد قہستانی کی لا يتبعه في الوتر سے کراہت ہے، اصل جواز میں اختلاف نہیں ہے اور ظاہر تعلیل منقول عن العلامہ الطحطاویؒ سے یہ ہے کہ کراہت بھی نہیں ہے کیونکہ عشاء اور وتر ہر ایک نماز مستقل ہے۔ فقط (۴/۱۵۴-۱۵۵)

سوال: (۱۵۴۶) رمضان میں زید نے عشاء کی فرض جماعت سے نہیں پڑھی تو وتر جماعت سے پڑھے یا تنہا؟ (۲۱۶۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: جماعت وتر میں شریک ہوسکتا ہے۔ كذا صرح به في الطّحطاوي اور علامہ شامی نے بے شک عدم جواز نقل کیا ہے لیکن طحطاوی کی عبارت [4] میں جواز کی تصریح ہے، اور قاعدہ بھی مقتضی جواز کو ہے، اس لیے ہمارے اکابر اساتذہ وتر کی جماعت میں شرکت کے جواز کے قائل ہیں کیوں کہ وجہ عدم جواز کی کچھ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۵۲)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۳۶، كتاب الصّلاة، باب الوتر و النّوافل، مبحث: صلاة التّراويح.
(۲) حاشية الطّحطاوي على الدّرّ المختار: ۱/۲۹۷، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل.
(۳) ردّ المحتار: ۲/۴۳۶، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاة التّراويح.
(۴) طحطاوی کی عبارت سابقہ جواب میں مذکور ہے۔

سوال: (۱۵۴۷) جس شخص نے فرض عشاء جماعت سے نہیں پڑھی وہ وتروں میں امام کے ساتھ شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟ روایات فقہیہ اس مسئلہ میں متعارض ہیں، بعض میں تو عدمِ جواز مصرّح ہے: وإن وجدهم في الوتر وهو لم يصلّ العشاء فصلّى الوتر معهم لايجوز وتره في قولهم (۱) (قاضي خان، ص:۱۱۳) لٰكنّه إذا لم يصلّ الفرض معه لا يتبعهٗ في الوتر كما في المنية (۲) (جامع الرّموز، ص:۹۷) لٰكن في التّتارخانيّة عن التتمّة أنّهٗ سأل عليَّ ابنَ أحمدَ عمّن صلّى الفرضَ والتّراويحَ وحدَهٗ أو التّراويحَ فقط، هل يصلّي الوترَ مع الإمام؟فقال: لا أهـ ثمّ رأيتُ القهستانيَّ ذَكَرَ تصحيحَ ما ذكره المصنّفؒ ، ثمّ قال: لكنّه إذا لم يصلّ الفرضَ معَهٗ لا يتبعه في الوتر (۳) (ردّ المحتار) اور بعض روایات میں جواز محرر ہے: وإذا لم يصلّ الفرضَ مع الإمام قيل: لا يتبعه في التّراويح وفي الوتر وكذا إذا لم يصلّ معه التّراويحَ لايتبعه في الوتر، والصّحيح أنّه يجوز أن يتبعه في ذلك كلِّهٖ (۴) (صغيري شرح منية المصلّي، ص۲۱۰) اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ عندالاحناف مرجح کون سی روایت ہے، اور علت ترجیح کیا ہے؟ اور اگر ان روایات میں تطبیق ہوسکتی ہے تو کس طور پر؟ اور برائے تحصیل ثواب جماعت تو روایتِ جواز کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، اور جماعت وتر تابع جماعت تراویح ہے یا تابع جماعت عشاء؟ بنابرشق اوّل ترک جماعت عشاء سے وتروں کا امام کے ساتھ ادا نہ کرنا ظاہراً کوئی وجہ وجیہ نہیں رکھتا؟ اور بناء برشق ثانی خصوصیتِ رمضان لغو، غیر رمضان میں بھی وتر جماعت سے ادا کرنے چاہئیں۔ فقط (۱۶۶۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: صحیح وراجح روایت صغیری معلوم ہوتی ہے، طحطاوی کی تحقیق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے:

---

(۱) الفتاوى الخانيّة مع الفتاوى الهنديّة: ۱/۲۳۵، كتاب الصّوم، باب التّراويح، فصل في وقت التّراويح.

(۲) جامع الرّموز المعروف بالقهستاني: ۱/۹۷، كتاب الصّلاة، فصل في صلاة الوتر والنّوافل، المطبوعة: نول كشور، لكهنؤ، الهند.

(۳) ردّ المحتار: ۲/۴۳۶، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاة التّراويح.

(۴) الحلبي الصّغير شرح منية المصلّي، ص:۱۹۰، كتاب الصّلاة، صلاة التّراويح.

قوله: (بقي إلخ)قضية التّعليل في المسئلة السّابقة بقولهم لأنّها تبعٌ أن يصلّي الوتر بجماعة في هٰذه الصّورة لأنّهٗ ليس بتبع للتّراويح ولا للعشاء عند الإمام [1](طحطاوي)اورشاید کہ روایت عدم جواز مبنی صاحبینؒ کے مذہب پر ہو کہ وہ وتر کو عشاء کے تابع فرماتے ہیں، بہ خلاف قول امام اعظم کے کہ ان کے نزدیک وتر تابع عشاء کے نہیں ہے، پس امام صاحب کے قول پر جواز ظاہر ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۶/۴-۱۶۷)

غیر رمضان میں وتر کی جماعت کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۵۴۸) فتح القدير كتاب الصّلاة 'ہدایۂ' کے اس قول ولايصلّي الوترَبجماعةٍ في غيرِ شهرِرمضان عليه إجماعُ المسلمين کے تحت میں ہے: لأنّهٗ نفلٌ من وجهٍ والجماعةُ في النّفل فی غیرِ رمضانَ مكروهٌ [2] پس رمضان کے سواء اگر وتر بہ جماعت پڑھے جائیں تو کراہت تحریمی ہوگی یا تنزیہی؟ اس میں تداعی اور غیر تداعی میں فرق ہوگا یا نہیں؟

(۱۳۴۲/۲۸۴۶ھ)

الجواب: اتفاقًا کبھی ہو تو کراہت تنزیہی ہے اور اگر مواظبت اس پر کی جائے تو کراہت تحریمی ہے، تداعی کے ساتھ ہو یا بلا تداعی ثمّ إن كان ذلك أحيانًا كما فعل عُمرُؓ كان مباحًا غيرَ مكروهٍ (أي تحريميّ) وإن كان على سبيل المواظبةِ كان بدعةً مكروهةً، لأنّه خلافُ المتوارث (شامی)[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تداعی اور غیر تداعی برابر ہے، لفظ بدعت کراہت تحریمیہ پر دال ہے۔ کما لایخفیٰ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۲/۴-۲۲۳)

---

(۱) حاشية الطّحطاوي على الدّرّ المختار: ۲۹۷/۱، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل .

(۲) فتح القدير: ۴۸۷/۱ ، كتاب الصّلاة ، باب النّوافل ، فصل في قيام رمضان ، قبيل باب إراك الفريضة .

(۳) ردّ المحتار: ۴۳۶/۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في كراهة الاقتداء في النّفل علىٰ سبيل التّداعي وفي صلاة الرّغائب .

ملحق کی حاء پر زیر وزبر دونوں پڑھ سکتے ہیں

سوال: (۱۵۴۹) دُعائے قنوت میں جو لفظ مُلْحِقْ ہے اس کی حاء کو زبر ہے یا زیر؟
(۳۶۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: دعائے قنوت میں مُلْحِقْ کی حاء کو کسرہ اور فتحہ دونوں پڑھا گیا ہے، اور دونوں جائز ہیں، اگرچہ معروف تر کسرہ ہے۔ شامی میں ہے: قوله: (وملحِق بمعنى لاحق) مبتداءٌ وخبرٌ وهو بكسر الحاء، هذا هو المشهور، ونصّ عليه غير واحد على أنّه الأصحّ، ويقال بفتحها، ذكره ابن قُتيبة وغيره، ونصّ الجوهريّ على أنّه صوابٌ، كذا في الحلبة، قلت: بل في القاموس: الفتحُ أحسنُ إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۳/۴)

سوال: (۱۵۵۰) لفظ ملحق جو دعا قنوت میں ہے بہ کسر حاء بہتر ہے یا بہ فتح حاء؟
(۱۹۸۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ملحق بہ کسر حاء بہتر ہے اور اکثر ہے، اور بہ فتح حاء بھی درست ہے[2] فقط (۱۶۳/۴)

امام نے دعائے قنوت ختم کر کے رکوع کیا اور مقتدی کی دعائے قنوت پوری نہ ہو تو کیا کرے؟

سوال: (۱۵۵۱) جماعت وتر میں امام دعائے قنوت ختم کر کے رکوع میں چلا گیا مقتدی کی

---

(۱) ردّ المحتار: ۳۸۵/۲، كتاب الصّلاة، باب الوتر و النّوافل، مطلب في مُنكرِ الوترِ والسّننِ أو الإجماع.

(۲) وصحّ.........مُلْحِق بمعنى لاحِقٍ (الدّرّ المختار) قوله: (ومُلْحِق بمعنى لاحِقٍ) .... وهو بكسر الحاء، هذا هو المشهور، ونصّ عليه غير واحد على أنه الأصحّ، ويقال بفتحها، ذكره ابن قُتيبة وغيره، ونصّ الجوهريّ على أنّه صوابٌ، كذا في الحلبة...... قوله: (بمعنى لاحِقٍ) أي أنّه من أَلْحَقَ المزيدِ بمعنى لَحِقَ المجرّدِ. وفي الشّرنبلالية أنّ المُطَرِّزِيَّ صحّح أنّ المرادَ ملحِقُ الفُسّاقِ بالكفّار والأوّلُ أولى إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۸۵/۲ كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في مُنكرِ الوترِ والسّننِ أو الإجماع) ظفیرؒ

قنوت ختم نہیں ہوئی وہ متابعتِ امام کی غرض سے بلاختم قنوت رکوع میں چلا جائے؟ (۱۳۴۲/۳۲۰ھ)

الجواب: اگر قلیل باقی ہے کہ پورا کرکے رکوع میں امام کے شریک ہوسکتا ہے تو پورا کرکے رکوع کرے ورنہ چھوڑ دے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۴-۱۵۳/۴)

حنفیوں کو وتر میں کونسی دعا پڑھنی چاہیے؟

سوال: (۱۵۵۲) درمختار باب الوتر والنّوافل میں ہے: ویسنّ الدّعاء المشهور ویصلّي علی النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم به یفتیٰ (۲) تو حنفی مذہب میں کیا پڑھے؟

(۱۳۴۳/۱۷۵ھ)

الجواب: دعائے مشہور سے مراد دعائے قنوت اللّٰھمّ إنّا نستعینك إلخ اور دعا اللّٰھم اهدني فیمن هدیت إلخ ہے، اس دوسری دعا کے اخیر میں وصلّی اللّٰه علی النّبيّ بھی ہے (۳) حنفیوں کو بھی یہ دونوں دُعائیں پڑھنا اور جمع کرنا افضل ہے، اور اگر صرف اللّٰھمّ إنّا نستعینك إلخ پڑھے تو یہ بھی درست ہے (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۵/۴)

---

(۱) المقتدي یتابع الإمامَ في القنوت في الوتر فلو رکع الإمام في الوتر قبل أن یفرغ المقتدي من القنوت فإنّه یتابع الإمام إلخ. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۱۱، کتاب الصّلاة، الباب الثّامن في صلاة الوتر) ظفیرؒ

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۸۴-۳۸۵، کتاب الصّلاة، باب الوتر و النّوافل، مطلب في مُنکرِ الوترِ و السّننِ أو الإجماع.

(۳) عن الحسن بن عليّ رضي اللّٰه عنهما قال: علّمني رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم هؤلاء الکلمات في الوتر، قال: قُل: اللّٰهمّ اهدني فیمن هدیت و بارك لي إلخ وصلّی اللّٰه علی النّبيّ محمّد. (سنن النّسائي: ۱/۱۹۵، کتاب قیام اللّیل وتطوع النّهار، باب الدّعا في الوتر)

(۴) قوله: (ویسنّ الدّعاء المشهور) قدّمنا في بحث الواجبات التّصریحَ بذٰلك عن النّهر وذکر في البحر عن الکرخيّ أنّ القنوتَ لیس فیه دعاء مؤقّت لأنّه روي عن الصّحابة أدعیة مختلفة، ولأنّ الموقّت من الدّعاء یذهب برقّة القلبِ، ==

وتر کی نیت کس طرح کرے؟

سوال: (۱۵۵۳) وتر کی نیت کا کیا حکم ہے کیوں کہ درمختار میں ہے: ولذا ینوي الوترَ لا الوترَ الواجبَ كما في العيدين للاختلاف [1] اور شامی نے بھی یہی اختیار کیا ہے (بعض کہتے ہیں کہ مطلق نیت کرے) [2] بعض کہتے ہیں کہ اگر واجب کی نیت نہ کرے تو نماز جائز نہیں ہے؟

(۱۳۳۵/۱۶۴۶ھ)

الجواب: علامہ شامی نے اس موقع میں یہ لکھا ہے: أنّهٗ لا يلزمهٗ تعيينُ الوجوبِ لا مَنْعُهٗ مـــن ذٰلك [3] پس معلوم ہوا کہ نیتِ وجوب منع نہیں ہے، اور حنفی کا اعتقاد وجوب کا ہے، لہٰذا اس کو نیتِ وجوب کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے، اور اگر نیت مطلق وتر کی کرے تب بھی نماز میں کچھ خلل نہ ہوگا اور عبارت درمختار توسیع پر محمول ہے یعنی مطلق وتر کی نیت بھی درست ہے۔ فقط (۴/۱۵۵)

وتر میں تین رکعت کی نیت کرنی چاہیے

سوال: (۱۵۵۴) وتر کی ایک رکعت کی نیت کی جائے یا تین کی؟ (۳۲/۵-۱۳۳۳ھ)

الجواب: شریعت میں تین وتر ہیں [4] اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف ایک

== وذكر الإسبيجابي أنّه ظاهر الرّواية، وقال بعضهم: المراد ليس فيه دعاء مؤقّت ما سوى اللّٰهمّ إنّا نستعينك وقال بعضهم: الأفضل التّوقيت، ورجّحه في شرح المنية تبرّكًا بالمأثور اهـ إلخ ......ثمّ ذكر أنّ الأولٰى أن يُضمّ إليه اللّٰهُمّ اهدني إلخ. (ردّ المحتار: ۲/۳۸۴، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في مُنكرِ الوترِ والسّننِ أو الإجماع)

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۸۶-۳۸۷، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب: الاقتداء بالشّافعيّ.

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) ردّ المحتار: ۲/۳۸۷، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب: الاقتداء بالشّافعيّ.

(۴) وهو (أي الوتر) ثلاثُ ركعاتٍ بتسليمةٍ كالمغرب. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۸۲-۳۸۳، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في مُنكرِ الوترِ والسّننِ أو الإجماع)

رکعت پڑھنا جائز نہیں، حضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۱۶۰-۱۵۹/۴)

سنت کی نیت کر کے وتر پڑھے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۵۵۵) بعد تراویح جب وتر پڑھنے کھڑے ہوئے تو ایک شخص نے بھول کر سنت کی نیت کر کے وتر پڑھ لیے، مگر دُعائے قنوت کے وقت اس کو وتر کا خیال آیا اس صورت میں وتر ہوگئی یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۲۱۵۹ھ)

الجواب: اس کی وتر ہوگئی (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۲/۴)

وتر ادا کرتے وقت وتر کو واجب کہنا چاہیے یا نہیں؟

سوال: (۱۵۵۶) وتر ادا کرتے وقت وتر کو واجب کہنا چاہیے یا نہیں؟ بعض مولوی منع کرتے ہیں کہ واجب نہ کہنا چاہیے۔ (۱۰۹۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: وتر کو واجب کہنا چاہیے، وتر امام اعظمؒ کے نزدیک واجب ہے، لہٰذا ادائے وتر کے وقت واجب کا لفظ کہنے میں کچھ حرج نہیں ہے، اور اگر نہ کہا جائے تب بھی جائز ہے (۳)

---

(۱) عن أبي سعيدٍ الخدريّ رضي الله عنه أنّ رسول الله صلّى الله عليه و سلّم نهٰى عن البُتيراء أن يُصلي الرّجلُ واحدةً يوتر بها. (إعلاء السّنن: ۶/۶۳،كتاب الصّلاة ، أبواب الوتر، نهي النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم عن البُتيراء ، المطبوعة : إدارة القرآن و العلوم الإسلاميّة ، كراتشي، باكستان)

(۲) ولا عبرةَ بنيّةٍ متأخِّرةٍ عنها على المذهبِ ، وجوّزَهُ الكرخيّ إلى الرّكوعِ و كفٰى مطلقُ نيّةِ الصّلاةِ ، و إن لم يقل للّٰه لنفل و سنّةٍ راتبةٍ إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۸۵، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة ، بحث النّيّة) ظفيرؒ

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں ''جائز'' کے بجائے ''واجب'' ہے، تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

وتر ادا ہو جاویں گے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۳/۴)

وتر کی نیت میں واجب اللیل کہنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۵۵۷) وتر کی نیت میں واجب اللیل کہنا کیسا ہے؟ (۱۳۹۳/۲۳-۱۳۳۳ھ)

الجواب: وتر کی نیت میں یہ کہنا چاہیے کہ نیت کرتا ہوں میں نماز وتر کی، اور اگر واجب اللیل بھی کہہ دیوے تو کچھ حرج نہیں ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۰/۴)

وتر میں رکوع سے پہلے رفع یدین اور دعائے قنوت کا ثبوت

سوال: (۱۵۵۸) ہمارے یہاں چند اشخاص مذہب غیر مقلد ہیں، وتر کی وہ رکعت تو تین ہی پڑھتے ہیں، مگر قنوت بعد رکوع پڑھتے ہیں، ایک ان میں معمولی علم والا ہے وہ کہتا ہے کہ اگر حدیث سے یہ ثابت کردو کہ آنحضرت ﷺ قبل از رکوع ہاتھ اٹھا کر کانوں سے لگا کر پھر قنوت پڑھتے تھے تو ہم ماننے کو تیار ہیں، حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے، آپ ایک حدیث اس امر کے ثبوت میں تحریر فرمادیں؟ (۱۱۹۲/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: أخرج أبو نعيم في الحلية عن عطاء بن مسلم حدّثنا العلاء بن المسيّب عن حبيب بن أبي ثابت عن ابن عبّاس قال: أوتر النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم بثلاث قنت فيها قبل الرّكوع .... وعن ابن عمر أنّ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان يوتر بثلاث ركعات و يجعل القنوت قبل الرّكوع .... وقد روي عن ابن عمر أنّه كان إذا

---

(۱) وكفٰى مطلقُ نيّةُ الصّلاة وإن لم يقل للّٰهِ لنفلٍ وسنّةٍ راتبةٍ و تراويحِ إلخ ، ولا بدّ من التّعيين عند النّيّة إلخ لفرض إلخ و واجبٍ أنّه وترٌ (الدّرّ المختار) أشار إلٰى أنّه لا ينوي فيه أنّه واجبٌ للاختلاف فيه زيلعي أي لا يلزمه تعيين الوجوب ، وليس المرادُ مَنْعُهُ من أن ينوي وجوبَه لأنّه إن كان حنفيًا ينبغي أن يَنْوِيَهُ ليطابق اعتقادَهُ و إن كان غيرَهُ لا تضرُّهُ تلك ، ذكرهُ في البحر في بابِ الوتر. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱/۸۵-۸۷، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة ، بحث النّيّة ، مطلب في حضور القلب والخشوع) ظفيرؔ

فرغ عن القراءة كبّر، وفي الذّخيرة رفع يديه حذاء أذنيه، وهو مرويّ عن ابن مسعود وابن عمر و ابن عبّاس وأبي عبيدة وإسحاق وقد تقدّم[1] (كبيري شرح منية)

ان روایات سے صراحۃً وتر کا تین ہونا اور قنوت وتر کا قبل رکوع ہونا اور حضرت عبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عباس وغیرہ صحابہ کبار سے تکبیر قنوت کے وقت ہاتھ اٹھانا ثابت ہوگیا، اور ظاہر ہے کہ ان صحابہ کبار نے قنوت قبل رکوع اور تکبیر مع رفع الیدین آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر ہی کیا ہے، لہٰذا یہ حجت کافی ہے، اور اگر لا مذہب لوگ اس کو نہ مانیں تو ان سے کہو کہ جو مذہب عبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عباس وغیرہ صحابہ کا تھا وہی ہمارا ہے، جس دلیل سے یہ حضرات رفع یدین فی تکبیر القنوت کرتے تھے وہی ہماری دلیل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۵۶-۱۵۷)

دعائے قنوت سے پہلے ہاتھ اٹھانا سنت ہے

سوال: (۱۵۵۹) رفع اليدين مع التّكبير عند القنوت سنت ہے یا نہیں؟

(۱۵۵۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: شرح منیہ میں علامہ حلبی نے احادیث وآثار در بارۂ تکبیر ورفع یدین عند القنوت نقل کیے ہیں، ان سے سنیت اس کی ثابت ہے۔ من شاء التّفصيل فليراجع إليه[2] (۴/۱۶۵)

---

(۱) غنية المستملي المعروف بالحلبي الكبير، ص: ۳۶۰-۳۶۱، باب الوتر.

(۲) ثمّ إذا أراد القنوتَ كبّر و رفع يديه عندنا إلخ، قال أحمد: إذا قنت قبل الرّكوع كبّر قال: ابن قدامة في المغني، وقد رُوي عن ابن عمر أنّه كان إذا فرغ عن القراءة كبّر و في الذّخيرة: رفع يديه حذاء أذنيه، وهو مرويّ عن ابن مسعود وابن عمر وابن عبّاس وأبي عبيدة و إسحاق وقد تقدّم. (غنية المستملي: ص: ۳۶۱، باب الوتر)

واجبات صلاۃ میں مذکور ہے: وقراءةُ قنوتِ الوتر إلخ وكذا تكبيرُ قنوتِهِ (الدّرّ المختار) أي الوتر إلخ وجزم الزّيلعيُّ بوجوب السّجود بتركه .... وينبغي ترجيحُ عدمِ الوجوب لأنّه الأصلُ ولا دليلَ عليه. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۴۳-۱۴۴، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: لا ينبغي أن يُعدل عن الدّراية إذا وافقتها روايةٌ) ظفیرؔ

دعائے قنوت سے پہلے ہاتھ اٹھانے کی کیا وجہ ہے؟

سوال: (۱۵۶۰) وتر کی نماز میں جب قنوت پڑھتے ہیں تو ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہنے کی کیا وجہ ہے؟ (۱۳۳۴-۳۳/۹۸۱ھ)

الجواب: وتر کی تیسری رکعت میں تکبیر کہہ کر ہاتھ اٹھانے کی یہ وجہ ہے کہ مصنف ابی بکر بن شیبہ میں ایسا ہی وارد ہوا ہے: باب تكبير القنوت و رفع اليدين حدّثنا عبد السّلام بن حرب عن ليث عن عبد الرّحمٰن بن الأسود عن أبيه أنّ عبد الله بن مسعود كان إذا فرغ من القراءة كبّر ثمّ قنت ، فإذا فرغ من القنوت كبّر ثمّ ركع ، و مثلهٗ حدّثنا عبد الرّحمٰن بن محمّد المحاربيّ عن ليث عن بن الأسود عن أبيه عن عبد الله أنّه كان يرفع يديه إذا قنت في الوتر [۱] (مصنّف أبي بكر بن شيبة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۲/۴)

دعائے قنوت سے پہلے ہاتھ اٹھانے کی ایک مَن گھڑت وجہ

سوال: (۱۵۶۱) نماز وتر کب سے واجب ہوئی، وجہ رفع یدین فی الرکعۃ الثالثۃ کیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ معراج میں جب آنحضرت ﷺ تیسری رکعت پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو تعذیبِ والدین کو معائنہ کرکے رفع یدین کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۲۴۱۷ھ)

الجواب: اس کی کچھ اصل نہیں ہے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۳/۴)

---

(۱) مصنّف أبي بكر بن أبي شيبة: ۵۳۰/۴، كتاب الصّلاة ، باب في التّكبير للقنوت ، رقم الحديث: ۷۰۲۱، المطبوعة : دار قرطبة للطّباعة و النّشر و التّوزيع ، بيروت ، لبنان .

(۲) یہ تو صراحت نہیں مل سکی کہ وتر کی نماز آنحضرت ﷺ نے کس سنہ سے شروع کی، البتہ حدیث سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شروع سے برابر پڑھتے رہے اور تاکید فرمائی۔ الوترُ حقٌّ فمَن لم يُوتر فليس منّا (ابوداؤد: ۲۰۱/۱، كتاب الصّلاة، باب فيمن لم يوتر) قنوت میں ہاتھ اس لیے اٹھاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے یوں ہی ثابت ہے، اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ قراءت پر قیام ختم ہوجاتا ہے، اب چوں کہ حالت قیام میں ہی دعا پڑھی جارہی ہے، اس لیے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا جاتا ہے کہ قراءت الگ چیز ہے اور دُعا الگ چیز، سائل نے معراج کا حوالہ دیا ہے اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ ۱۲ ظفیرؒ

قبل قنوت رفع یدین کا ثبوت

سوال: (۱۵۶۲) رفع یدین قبل قنوت در رکعت ثالثہ وتر از کجا آمد و سببش چیست؟
(۲۲۲۳/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: از حدیث: **لا ترفعوا الأیدي إلاّ في سبع مواطن إلخ** [1] رفع یدین بہ وقت خواندن دعاء قنوت ثابت است، وتحقیق آں در کتب فقہ وحدیث مذکور است [1] فقط (۱۶۳/۴)

ترجمہ سوال: (۱۵۶۲) وتر کی تیسری رکعت میں قنوت سے پہلے رفع یدین کرنا کہاں سے ثابت ہے، اوراس کا سبب کیا ہے؟

الجواب: حدیث: **لا ترفعوا الأیدي إلاّ في سبع مواطن إلخ** سے دعائے قنوت پڑھتے وقت رفع یدین کرنا ثابت ہے، اوراس کی مزید تحقیق فقہ اور حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔

دعائے قنوت حدیث سے ثابت ہے

سوال: (۱۵۶۳) ایک شخص کہتا ہے کہ دعائے قنوت حدیث سے ثابت نہیں ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے وتر میں دعائے قنوت نہیں پڑھی یہ صحیح ہے یا نہیں؟ (۱۴۲/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: یہ قول اس شخص کا غلط ہے، دعائے قنوت مروّجہ حدیث سے ثابت ہے، اور وتر میں دعائے قنوت پڑھنا احادیث میں وارد ہے [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۲/۴)

---

(۱) (ولا یُسَنُّ) مؤکّدًا (رفعُ یدیه إلاّ في) سبعِ مواطنَ کما ورد، بناءً علی أنّ الصّفا والمروةَ واحدٌ نظرًا للسّعي ثلاثةٌ في الصّلاة، (تکبیرةِ افتتاحٍ وقنوتٍ وعیدٍ) (الدّرّ المختار) والواردُ وهو قولهُ صلّی اللّٰه علیه وسلّم: لا ترفعُ الأیدي إلاّ في سبعِ مواطنَ: تکبیرةِ الافتتاح، وتکبیرةِ القنوت، وتکبیراتِ العیدین. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۸۹/۲، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في إطالة الرّکوع للجائي) ظفیرؔ

(۲) حدّثنا ابن فضیل عن عطاء بن السّائب عن أبي عبد الرّحمٰن قال: علّمنا ابن مسعود رضي اللّٰه عنه أن نقرأ في القنوت: ==

وتر ختم کر کے سبحان الملك القدّوس کب پڑھے؟

سوال: (۱۵۶۴) بعد سلام وتر جو سبحان الملك القدّوس ثلاثًا وارد ہے یہ سجدہ کر کے پھر پڑھے یا قعدہ میں اور عند الاحناف یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۱۲۶/ ۱۳۴۵ھ)

== اللّٰهمّ إنّا نستعينك ونستغفرك ونثني عليك الخير ولا نكفرك ونخلع ونترك من يفجرك ، اللّٰهمّ إيّاك نعبد ولك نصلّي ونسجد وإليك نسعى ونحفد نرجو رحمتك ونخشى عذابك ، إنّ عذابك الجدّ بالكفّار ملحق . (مصنّف أبي بكر بن أبي شيبة: ۴/ ۵۱۸ كتاب الصّلاة ، باب في قنوت الوتر من الدّعاء ، رقم الحديث: ۶۹۶۵، المطبوعة : دار قرطبة للطّباعة والنّشر والتّوزيع ، بيروت ، لبنان.

عن خالد بن أبي عمران قال: بينا رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يدعو على مضر إذ جاءه جبرئيل فأومأ إليه أن اسكت فسكت ، فقال: يا محمّد ! إنّ اللّٰه لم يبعثكَ سبّابًا ولا لعّانًا وإنّما بعثك رحمةً ولم يبعثك عذابًا ﴿ليس لك من الأمر شيء أو يتوب عليهم أو يعذّبهم فإنّهم ظالمون﴾ ثمّ علّمه هٰذا القنوت : اللّٰهمّ إنّا نستعينك ونستغفرك ونؤمن بك ونخضع لك ونخلع ونترك من يكفرك ، اللّٰهمّ إيّاك نعبد ولك نصلّي ونسجد وإليك نسعى ونحفد ونرجو رحمتك ونخشى عذابك ونخاف عذابك الجد ، إنّ عذابك بالكافرين ملحق . (السّنن الكبرى للبيهقي: ۲/ ۲۹۸، كتاب الصّلاة ، أبواب صفة الصّلاة ، باب دعاء القنوت ، رقم الحديث: ۳۱۴۲، المطبوعة : دارالكتب العلميّة بيروت ، لبنان)

عن عليّ رضي اللّٰه عنه قال : إنّ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّمكان يقول في آخر وتره: اللّٰهمّ إنّي أعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك مِن عقوبتك وأعوذ بك مِنك لا أحصِي ثناءً عليك أنتَ كما أثنيتَ علىٰ نفسك ، رواه أبوداؤد والتّرمذي والنّسائي وابن ماجة. (مشكاة المصابيح ، ص:۱۱۲، باب الوتر ، الفصل الثّاني)

وقَنَتَ فيه ويُسنُّ الدّعاءُ المشهورُ ويصلّي على النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، بهٖ يُفتىٰ (الدّرّ المختار) ومنهُ ما أخرجهُ الأربعةُ وحسنهُ التّرمذيّ أنّه عليه الصّلاة والسّلامُ كان يقول في آخر وترهٖ : اللّٰهمّ إنّي أعوذُ بِرضاك إلخ. (الدّرّ المختار والرّدّ: ۲/۳۸۴-۳۸۵، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في مُنكرِ الوترِ والسّننِ إلخ) ظفیرؔ

الجواب: وتر کا سلام جب پھیر کر بیٹھے اس وقت پڑھے اور یہ عندالاحناف بھی جائز و مستحب ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۱۵۷)

وتروں کے بعد سبحان الملك القدّوس اور عیداضحیٰ میں جاتے ہوئے تکبیر بلند آواز سے نہ کہنے والے کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۵٦۵) ایک شخص بعد وتروں کے بلند آواز سے سبحان الملك القدّوس تین بار نہیں کہتا، اور نہ عیدالاضحیٰ کی نماز کو جاتے ہوئے راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہتا ہے؛ آیا یہ متبعِ سنت ہے یا نہ؟ (۲۳۳۸/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: وتر کے بعد بلند آواز سے سبحان الملك القدّوس تین بار پڑھنا مستحب ہے، اور بعض روایات میں تیسری مرتبہ بلند آواز سے پڑھنا آیا ہے، پس اس سے تیسری مرتبہ سبحان الملك القدّوس کو بلند آواز سے پڑھنا ثابت ہوتا ہے، بہر حال ایسا کرنا مستحب اور بہتر ہے، اور تارک پر کچھ طعن و ملامت نہ کرنی چاہیے کیونکہ مستحب فعل کو اگر کوئی نہ کرے تو اس پر کچھ طعن نہیں ہے، البتہ اتباعِ سنت کا مقتضاء یہ ہے کہ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے کیا ہے ویسا کرے یعنی خواہ تینوں مرتبہ یا ایک مرتبہ اخیر میں سبحان الملك القدّوس کو وتر کے بعد بلند آواز سے کہہ لیا کرے(۱) اسی طرح عیدالاضحیٰ میں تکبیر بالجہر راستے میں مشروع و مسنون ہے، اس کا ترک کرنا بھی خلافِ سنت ہے(۲) فقط (۴/ ۱٦۴)

---

(۱) عن أُبيّ بن كعبٍ رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم إذا سلّم في الوتر قال: سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ، رواه أبوداؤد ، والنّسائيّ . و زاد ثلاثَ مرّاتٍ يُطيل في آخرهنّ. (سنن النّسائي: ۱/ ۱۹۱، كتاب قيام اللّيل وتطوع النّهار، باب كيف الوتر بثلاث) وفي روايةٍ للنّسائيّ عن ابن عبد الرّحمٰن بن أبزىٰ عن أبيه قال: كان يقول: إذا سلّم سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ثلاثًا ويرفع صوتَهٗ بالثّالثة . (مشكاة المصابيح، ص:۱۱۲، باب الوتر، الفصل الثّاني ، وسنن النّسائي:۱/ ۱۹۴، كتاب قيام اللّيل وتطوّع النّهار)

(۲) وقالا: الجهرُ بهٖ سنّةٌ كالأضحىٰ إلخ ، ويُكبّر جهرًا اتّفاقًا في الطّريق قيل: وفي المصلّٰى وعليه عمل النّاس اليومَ لا في البيت. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۴۸-۵٦، كتاب الصّلاة، باب العيدين) ظفیرؔ

وتر کی تیسری رکعت میں شامل ہونے والا مسبوق دعائے قنوت کب پڑھے؟

سوال: (۱۵۶۶) رمضان شریف میں وتر کی تیسری رکعت میں شامل ہوا تو دو رکعت جو باقی رہیں ان میں دُعائے قنوت پڑھی جاوے گی یا نہیں؟ (۱۳۴۵/۲۸۵۶ھ)

الجواب: دعائے قنوت پڑھی جاوے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۷/۴)

استدراک: اس جواب میں تسامح ہے، صحیح مسئلہ یہ ہے کہ جو مسبوق وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے شامل ہوا وہ امام کے ساتھ قنوت پڑھے گا، بعد میں نہیں پڑھے گا، اسی طرح جو مسبوق تیسری رکعت کے رکوع میں شامل ہوا وہ تیسرے رکوع میں شامل ہونے کی وجہ سے قنوت کو پانے والا ہوگا، لہٰذا وہ بھی بعد میں نہیں پڑھے گا، درمختار اور شامی میں ہے: **وأمّا المسبوقُ فيقنتُ مع إمامِه فقط، ويصيرُ مدركًا بإدراك ركوعِ الثّالِثة (الدّرّ المختار) قوله: (فيقنت مع إمامِه فقط) لأنّهُ آخرُ صلاتِه وما يقضيهِ أوّلُها حكمًا في حقّ القراء ة وما أشبهَهَا وهو القنوت، وإذا وقع قنوته في موضعهِ بيقين لا يُكرّر لأنّ تكرارَهُ غيرُ مشروعٍ شرحُ المنيةِ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۸۹/۲، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب: الاقتداء بالشّافعيّ)**

اورنورالایضاح میں ہے: **ولو أدرك الإمامَ في ركوع الثّالثة من الوتر كان مدركًا للقنوت فلا يأتي بهِ في ما سبق بهِ. (نور الإيضاح، ص:۱۲۸، كتاب الصّلاة، باب الوتر، المطبوعة: مكتبة البشرى، كراتشي)** محمد امین

سوال: (۱۵۶۷) زید وتر کی اخیر رکعت میں آکر ملا اور امام کے ساتھ دعائے قنوت پڑھی، بعد میں جو دو رکعت پڑھے گا ان میں قنوت پڑھے یا نہیں؟ دوسری صورت یہ ہے کہ امام کو اخیر رکوع میں پایا اور قنوت نہیں پڑھا باقی دو رکعت میں قنوت پڑھے یا نہ پڑھے؟

(۱۳۳۳-۳۲/۵۰۶ھ)

الجواب: پہلی صورت میں پھر قنوت نہ پڑھے۔ وأمّا المسبوق فيقنت مع إمامه[1] اور دوسری صورت میں پچھلی رکعت میں قنوت پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۶۰)

استدراک: اس جواب میں بھی قدرے تسامح ہے، پہلی صورت کا جواب صحیح ہے، اور دوسری صورت کا حکم سابقہ استدراک میں ملاحظہ فرمائیں۔ محمد امین

جو وتر کی دوسری رکعت میں شامل ہوا وہ صرف امام کے ساتھ دعائے قنوت پڑھے

سوال: (۱۵۶۸) رمضان شریف میں جب وتر باجماعت پڑھے جاتے ہیں اگر کوئی شخص وتروں کی دوسری رکعت میں شامل ہو تو یہ شخص دعائے قنوت امام کے ساتھ پڑھے یا جو رکعت اس کی جماعت سے رہی ہوئی ہے اس میں دعائے قنوت پڑھے جس وقت امام دعائے قنوت کے واسطے ہاتھ اٹھاوے یہ اس وقت دعائے قنوت ہی پڑھے یا کچھ اور پڑھے؟ (۲۰۷۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: مسبوق صرف امام کے ساتھ دعائے قنوت پڑھے، پھر قضاء رکعت اخیر کے وقت نہ پڑھے، وأمّا المسبوق فيقنت مع إمامه[2] (الدّرّ المختار) فقط (۴/۱۶۷-۱۶۸)

سورۂ اخلاص دعائے قنوت کے قائم مقام نہ ہوگی، مگر نماز ہو جاتی ہے

سوال: (۱۵۶۹) در وتر سورۂ اخلاص سہ بار قائم مقام دعائے قنوت می شود یا نہ؟

(۴۷۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: در شامی آوردہ: ومن لا يُحسن القنوتَ يقول: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ وقال أبو اللّيث: يقول: اللّٰهمّ اغفرلي، يكرّرها ثلاثًا، وقيل: يقول: يا ربّ ثلاثًا، ذكره

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۸۹، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب: الاقتداء بالشّافعيّ.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۸۹، كتاب الصّلاة، مطلب: الاقتداء بالشّافعيّ.

في الذّخيرة إلخ (۱) پس معلوم شد کہ سورہ اخلاص بجائے دعائے قنوت منقول نیست۔ فقط (۴/۱۵۸)

ترجمہ سوال: (۱۵۶۹) وتر میں سورۂ اخلاص تین بار پڑھنا دعائے قنوت کے قائم مقام ہوگا یا نہیں؟

الجواب: شامی میں ہے: ''جو دعائے قنوت نہ پڑھ سکتا ہو وہ ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً الآية﴾ پڑھے، اور ابواللیثؒ نے فرمایا: تین بار اللّٰھمّ اغفرلي پڑھے، اور بعض علماء نے فرمایا: تین مرتبہ یا ربّ کہے، پس معلوم ہوا کہ دعائے قنوت کے بجائے سورۂ اخلاص پڑھنا منقول نہیں ہے۔

سوال: (۱۵۷۰) جس شخص کو دعائے قنوت نہ آتی ہو، اس کو بجائے دعائے قنوت کے سورۂ اخلاص پڑھنا جائز ہے یا نہ؟ اور نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ (۳/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: شامی میں ہے کہ جس کو دعا قنوت نہ آتی ہو تو وہ ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً الآية﴾ پڑھے، اور فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں کہ اللّٰھُمّ اغْفِرْلِيْ تین بار پڑھے، اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یَا رِبِّ تین بار کہے کذا في الذّخيرة الشّامي (۱) اور چونکہ یہ محل دعا کا ہے، لہٰذا سورۂ اخلاص اس کی قائم مقام نہ ہوگی، مگر نماز ہو جاتی ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۶۴-۱۶۵)

دعائے قنوت یاد ہو تو دوسری دعا نہیں پڑھنی چاہیے

سوال: (۱۵۷۱) اگر دعائے قنوت یاد ہو تو دوسری دعا مثلاً ربّنا آتنا إلخ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ (۶۲۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: دعائے قنوت یاد ہو تو ربّنا آتنا وغیرہ نہیں پڑھ سکتا، دعائے قنوت ہی پڑھنا چاہیے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۶۲)

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۳۸۵، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في مُنكرِ الوترِ والسّننِ أو الإجماع.

(۲) سعایہ میں ہے: اگر کسی کو دعائے قنوت یا کوئی اور دعا یاد نہ ہو تو سورۂ اخلاص قنوت کی جگہ پڑھ سکتا ہے، وفي المقدّمة الغزنويّة: إن كان لا يحسن القنوتَ يقرأ ثلاث مرّات: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ أو ثلاث مرّاتٍ: اللّٰهمّ اغفر لنا وللمؤمنين والمؤمنات انتهٰى. (السّعاية في كشف ما في شرح الوقاية للكنوي: ۲/۱۳۹، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، المطبوعة: المكتبة الأشرفية ديوبند)

وتر کی امامت عشاء کے امام کے علاوہ شخص بھی کرسکتا ہے

سوال: (۱۵۷۲) کیا وتر کی نماز کا امام غیر امام فرض بن سکتا ہے؟ (۱۳۶۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: وتر کی جماعت کا امام جماعت فرض کے امام کا غیر ہوسکتا ہے۔ فقط (۴/ ۱۵۸)

وتر کی دو رکعت پڑھ کر بیٹھنا واجب ہے

سوال: (۱۵۷۳) وتر کی دو رکعت پڑھ کر التحیات کے واسطے بیٹھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۸/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: بیٹھنا چاہیے جیسا کہ کتب فقہ واحادیث سے ثابت ہے، درمختار میں ہے: وهو ثلاث ركعات بتسليمةٍ كالمغرب، قوله: (كالمغرب) أفاد به أنّ القعدة الأولىٰ فيه واجبةٌ إلخ[1] (شامي، باب الوتر والنّوافل) (معلوم ہوا کہ دو رکعت کے بعد بیٹھنا واجب ہے۔ ظفیرؒ) (۴/ ۱۵۸)

وتر کا قعدہ اولیٰ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے

سوال: (۱۵۷۴) قعدہ اولیٰ وتر کا نبی کریم ﷺ یا صحابہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ (۲۴۵/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: قعدۂ اولیٰ وتر کا آنحضرت ﷺ اور صحابہ سے ثابت ہے، جیسا کہ روایت نسائی میں ہے: عن سعد بن هشامٍ أنّ عائشةَ رضي الله تعالىٰ عنها حدّثته أنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم كان لا يُسلّم في ركعتي الوترِ[2] اور صحیح مسلم میں ہے: ويصلّي تسعَ ركعاتٍ لا يجلسُ فيها إلّا في الثّامنةِ[3] اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: قيل للحسن

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۸۲/۲-۳۸۳، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في مُنكرِ الوترِ والسّننِ أو الإجماع.

(۲) سنن النّسائي: ۱۹۱/۱، كتاب قيام اللّيل وتطوّع النّهار، باب كيف الوتر بثلاث؟.

(۳) الصّحيح لمسلم: ۲۵۶/۱، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة اللّيل وعدد ركعات النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم في اللّيل إلخ.

أنّ ابن عمر كان يسلّم في الرّكعتين من الوتر، فقال: كان عمرُ أفقهَ منه كان ينهض في الثّالثة بالتّكبير [۱] فقط) [۲] (۴/۱۵۹)

سوال: (۱۵۷۵) وتر کی تین رکعتیں کیا اس طرح ہیں کہ دو رکعت پر قعود اولیٰ ہے؟

(۱۳۳۳-۳۲/۴۴۰ھ)

الجواب: تین وتروں میں درمیانی قعدہ کا ثبوت ایسا بدیہی ہے کہ اس کا انکار اہل حق واہل دین کا کام نہیں، یہ جرأت غیر مقلدین کو ہی ہے۔ صلاةُ اللّيل مَثنىٰ مَثنىٰ فإذا خشي أحدُكم الصّبحَ صلّى ركعةً واحدةً تُوْتِر لهٗ ما قد صلّى [۳] حدیث صحیح ہے، اس سے صاف ثابت ہے کہ بعد دو رکعت کے تشہد ہے۔ فتح القدیر میں ہے: وأخرجَ الحاكمُ قيل للحسن إنّ ابنَ عمرَ رضي اللّٰه عنه كان يُسلّمُ في الرّكعتين من الوتر، فقال: كان عمرُ أفقهَ منهُ و كان ينهض في الثّانيةِ بالتّكبيرِ [۴] اس میں دو رکعت کے بعد نہوض مصرح ہے، اور نہوض بعد بیٹھنے کے ہوتا ہے، نیز فتح القدیر میں ہے: قال الطّحاوي: حدّثنا أبوبكرٍ حدّثنا أبو داوٗدَ حدّثنا أبوخالدٍ قال: سألتُ أبا العاليةِ عن الوترِ فقال: عَلَّمَنَا أصحابُ رسولِ اللّٰهِ صلّى اللّٰه عليه وسلّم أنّ الوترَ مثلُ صلاةِ المغرب هٰذا وترُ اللّيل و هٰذا وترُ النّهار [۴] اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وتر مثل صلاۃ مغرب ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۸۹-۲۹۰)

جولوگ تہجد گذار ہیں وہ بھی وتر کو عشاء کے بعد پڑھ سکتے ہیں

سوال: (۱۵۷۶) جو نمازی تہجد گذار ہیں وہ تہجد کے وقت وتر ادا کرتے ہیں، اگر وتر پہلے ہی

(۱) ہمیں مصنف ابن ابی شیبہ میں بعینہٖ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نہیں ملی، البتہ مستدرك للحاكم: ۱/۴۴۷ كتاب الوتر، رقم الحديث: ۱۱۴۱، المطبوعة: دارالكتب العلميّة، بيروت، لبنان، میں ہے۔

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) سنن أبي داؤد: ۱/۱۸۷، كتاب الصّلاة، باب صلاة اللّيل مثنىٰ مثنىٰ.

(۴) فتح القدير: ۱/۴۴۱-۴۴۲، كتاب الصّلاة، مبحث التّراويح، باب صلاة الوتر، المطبوعة: مكتبه زكريا ديوبند.

نمازعشاء کے وقت پڑھ لیں تو اس میں کچھ حرج ہے یا نہیں؟ اکثر آدمی کہتے ہیں کہ وتر کے بعد صبح تک کوئی نماز نہیں ہوتی۔ (۹۶۹/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اس میں کچھ حرج نہیں ہے، کہ جو لوگ تہجد گذار ہیں وہ بھی وتر کو بعد عشاء کے پڑھ لیں، بلکہ یہ احوط ہے، پھر اگر اٹھیں تو تہجد پڑھ لیں، یہ بات غلط ہے کہ وتر کے بعد پھر نفلیں نہ پڑھی جائیں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۱۶۵)

وتر واجب ہے یا سنت؟

(فریقین کے دلائل)

سوال: (۱۵۷۷) وتر واجب ہیں یا سنت؟ (۲۳۲۷/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: (از جائے دیگر) وتر واجب نہیں بلکہ سنت ہیں، چنانچہ ترمذی اور نسائی شریف میں ہے: **عن عليّ بن أبي طالب قال: ليس الوتر بحتم كهيئة المكتوبة ولكنّه سنّةٌ سنّها رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم، رواه النّسائي والحاكم، وحسّنه التّرمذي** (۲) اور سبل السّلام شرح بلوغ المرام میں ہے: **ذهب الجمهور إلٰى أنّه ليس بواجب** (۳) اور ابن ماجہ میں ہے:

---

(۱) و تأخيرُ الوترِ إلى آخرِ اللّيل لواثقٍ بالانتباهِ و إلّا فقبْلَ النّوم فإن أفاق وصلّى نوافلَ، والحالُ أنّه صلّى الوترَ أوّلَ اللّيل فاتهُ الأفضل (الدّرّ المختار) أي إذا أوترَ قبلَ النّوم ثمّ استيقظَ يصلّي ما كُتب لهٗ ولا كراهةَ فيه بل هو مندوبٌ و لا يعيدُ الوترَ إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۲۶، كتاب الصّلاة، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها) ظفیر غفرلہ

(۲) سنن النّسائي: ۱/ ۱۸۹، كتاب قيام اللّيل وتطوّع النّهار، باب الأمر بالوتر، والمستدرك للحاكم: ۱/ ۴۴۱، كتاب الوتر، المطبوعة: دار الكتب العلميّة، بيروت، وجامع التّرمذيّ: ۱/ ۱۰۳، أبواب الوتر، باب ما جاء أن الوتر ليس بحتم.

(۳) سبل السّلام شرح بلوغ المرام: ۳/ ۲۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة التّطوّع، المطبوعة: دار ابن الجوزي، سعوديّة.

إنّ الوتر ليس بحتم ولا كصلاتكم المكتوبة (۱) اور تفسیر خازن میں ہے: عن عائشة رضي الله عنها أنّ النبيّ صلّى الله عليه وسلّم قال: ثلاثٌ هنّ عليّ فريضةٌ وهن سنّةٌ لكم: الوتر والسّواك وقيام اللّيل (۲) غرض یہ کہ ان احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وتر واجب نہیں، چنانچہ یہی مذہب ہے امام ابو یوسفؒ ومحمدؒ کا جو امام ابوحنیفہ کے بڑے شاگرد ہیں، اور اکثر سلف کا بھی یہی مذہب ہے، ان سب کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ کا مذہب قوی نہیں ہوسکتا، کیونکہ جہاں صحیح حدیث ہو اس کے برخلاف کسی مذہب پر چلنا سراسر غلطی اور محض تعصب ہے۔

مجیب صاحب نے جو عقبہ بن عامر کی حدیث سے وجوب کا استدلال کیا بالکل غلط ہے کیونکہ اس حدیث میں وجوب کا کہیں ذکر نہیں، صرف حدیث مذکور سے فضیلت ثابت ہوتی ہے نہ وجوب، اور فضیلت کی حدیث سے وجوب ثابت کرنا ہو تو صبح کی سنتوں کے بارے میں حضرت ﷺ نے فرمایا: ركعتا الفجر خيرٌ من الدّنيا وما فيها، رواه مسلم (۳) ان کو بھی واجب کہنا چاہیے، حالانکہ کسی نے ان کے وجوب کا حکم نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ ایسی حدیثیں صرف فضائل کے واسطے ہیں نہ وجوب کے واسطے، ایسی حدیثوں سے وجوب ثابت کرنا کم فہمی پر دال ہے، اور ابوداؤد میں ہے: إنّ رجلاً من بني كِنانة يُدعى المخدجيّ سمع رجلاً بالشّام يُدعى أبا محمّد يقول: إنّ الوترّ واجبٌ، قال المخدجيّ: فَرُحْتُ إلى عُبادة بن الصّامت فأخبرتُهُ، فقال عبادة: كَذَبَ أبو محمّد، سمعتُ رسولَ الله صلّى الله عليه وسلّم يقول: خمسُ صلواتٍ كتبهنّ الله على العباد، مختصرًا (۴) مجیب صاحبؒ کی دوسری حدیث: الوتر واجب على

(۱) عن عليّ بن أبي طالبٍ رضي الله عنه إنّ الوتر ليس بحتم الحديث. (سنن ابن ماجة، ص:۸۱-۸۲، أبواب إقامة الصّلوات والسّنّة فيها، باب ماجاء في الوتر)

(۲) لباب التّأويل في معاني التّنزيل الشّهير بتفسير الخازن: ۱۴۰/۳، سورة الإسراء، رقم الآية: ۷۹.

(۳) عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: ركعتا الفجر خيرٌ من الدُّنيا و ما فيها. (مشكاة المصابيح، ص:۱۰۴، كتاب الصّلاة، باب السّنن و فضائلها، الفصل الأوّل)

(۴) عن ابن مُحَيرزٍ أنّ رجلًا من بني كنانة الحديث. (سنن أبي داؤد: ۲۰۱/۱، كتاب الصّلاة، باب فيمن لم يوتر)

کلّ مسلم[۱] کے یہ معنی ہیں کہ وتر واجب ہے، کیونکہ واجب بہ معنی ثابت ہے، دوسری حدیث اِس کی تائید کی باب الغسل المسنون میں موجود ہے۔ غسل یوم الجُمُعَةِ واجبٌ علیٰ کلّ مُحتلِمٍ[۲] اگر ہر جگہ واجب کے معنی واجب کے ہوں تو غسل کی حدیث میں بھی واجب ہی کے معنی کرنے چاہئیں، حالانکہ اس حدیث کے وجوب کے معنی کسی شارح نے نہیں کیے، بلکہ ہر ایک نے اس حدیث کے معنی ثابت کے کیے ہیں، کیونکہ غسل جمعہ کسی کے نزدیک واجب نہیں سب کے نزدیک سنت ہے حتی کہ عندالاحناف بھی مسنون ہے۔

اسی طرح حدیث الوتر واجب کے معنی ثابت کے ٹھہرے نہ کہ واجب کے، جب واجب کے معنی نہ ہوئے اس سے استدلال کرنا غلط ٹھہرا، اور وتر کا مسنون ہونا ثابت ہوا، چنانچہ سبل السلام میں ہے: والإیجاب قد یطلق علی المسنون تأکیدًا کما ذکر في حدیث غسل الجمعة[۳] طالبِ حق کو اتنا کافی ہے ورنہ دلائل بہت ہیں، اگر لکھے جائیں تو مستقل کتاب بن جاتی ہے، مفتی صاحب نے نمبر۳ کی حدیث جوایک وتر کے ممانعت میں پیش کی ہے وہ بالکل ضعیف ہے، اور نہ صحاح ستہ میں موجود ہے، صحاح ستہ کی حدیث جو صحیح اور سب کے نزدیک مسلم ہیں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی، کیونکہ جب صحیح حدیث موجود ہو تو اس سے استدلال کیا جاوے گا؛ چنانچہ نسائی شریف میں ہے: عن ابن عمر أنّ النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال: الوتر رکعة من آخر اللّیل[۴]

---

(۱) عن أبي أیوب الأنصاريّ رضي اللّٰه عنه رفعه قال: الوتر واجب الحدیث. (المجم الکبیر للطّبراني: ۴/۱۴۷، باب الخاء، رقم الحدیث: ۳۹۶۴، المطبوعة: مکتبة ابن تیميّة، القاهرة)

(۲) عن أبي سعید الخدريّ رضي اللّٰه عنه أنّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه و سلّم قال: غسلُ یومِ الجمعة الحدیث. (صحیح البخاري: ۱/۱۲۱، کتاب الجمعة، باب فضل الغسل یوم الجمعة إلخ)

(۳) والإیجاب قد أطلق علی المسنون تأکیدًا کما سلف في غسل الجمعة. (سبل السّلام شرح بلوغ المرام: ۳/۲۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة التّطوع، المطبوعة: دار ابن الجوزي، سعوديّة)

(۴) سنن النّسائي: ۱/۱۹۰، کتاب قیام اللّیل وتطوّع النّهار، باب کم الوتر؟.

اورابوداؤد میں ہے: عن أبي أيّوب الأنصاريّ قال: قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم: الوتر حقّ علىٰ كلّ مسلم ، فمن أحبّ أن يوتر بخمس فليفعل ، ومن أحبّ أن يوتر بثلاث فليفعل ومن أحبّ أن يوتر بواحدة فليفعل (۱) اس حدیث سے ان لوگوں کے مذہب کی تردید نکلی جو لوگ جزمًا تین رکعت وتر کا حکم دیتے ہیں کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہر طرح اجازت فرمائی تو تحدید کہاں سے نکالتے ہو، خوامخواہ شریعت مطہرہ عام کو محدود کرنا کیسی نادانی ہے، جب رسول اللہ ﷺ جن کے ہم تابع دار ہیں انہوں نے ایک وتر اور تین وتر اور پانچ وتر پڑھنے کی اجازت ورخصت فرمائی ہے تو بھلا دوسروں کی بات کس طرح تسلیم کی جائے گی، بلکہ اس رخصت کو محدود کرنا محض تعصب و مذہبی پابندی ہے، جس طرح رسول مقبول ﷺ نے رخصت فرمائی اس طرح کیوں نہ فتویٰ دیا جاوے، چاہے کوئی ایک پڑھے، چاہے تین، چاہے پانچ، اور ابن ماجہ میں ہے: سألَ ابنَ عمرَ رجلٌ فقال: كيف أُوترُ؟ قال: أُوتِرْ بواحدةٍ ، قال: إنّي أخشىٰ أن يقول النّاس: البُتيراء فقال: سنّةُ اللّٰه و رسولِهٖ يُريد هٰذهِ سنّةُ اللّٰهِ و رسولهٖ صلّى اللّٰه عليه وسلّم (۲) دیکھو اس حدیث میں صاف بیان ہے کہ اس شخص نے حضرت ابن عمر کو ایک وتر پڑھنے کا اعتراض کیا، مگر حضرت ابن عمر نے اس شخص کی ایک نہ مانی بلکہ یہی کہا کہ نہیں ایک پڑھنا حضرت کی سنت ہے تو بھلا ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ تین سے کم یا زیادہ جائز نہیں، اور فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے: وصحّ عن جماعةٍ من الصّحابة أنّهم أوترُوْا بواحدةٍ من غير تقدُّم نفلٍ قبلَها ، ففي كتاب محمّد بن نصرٍ وغيرِهٖ بإسنادٍ صحيحٍ عن السّائب بن يزيد أن عثمان قرأ القرآنَ ليلةً في ركعةٍ لم يُصلِّ غيرَها ، وسيأتي في المغازي حديث عبد اللّٰه بن ثعلبة أن سعدًا أوترَ بركعة ، وسيأتي في المناقب عن معاوية أنّه أوتر بركعةٍ وأنّ ابن عبّاس استصوبَهٗ (۳) ان سب اقوال واحادیث صحیحہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر طرح رخصت ہے،

(۱) سنن أبي داؤد: ۱/۲۰۱ ، كتاب الصّلاة ، باب كم الوتر؟ .

(۲) سنن ابن ماجة ، ص:۸۲، أبواب إقامة الصّلوات والسّنّة فيها، باب ماجاء في الوتر بركعة

(۳) فتح الباري شرح البخاري: ۲/۴۸۲، كتاب الوتر ، باب ماجاء في الوتر ، رقم الحديث: ۹۹۴ ، المطبوعة : دار المعرفة ، بيروت ، لبنان .

اور بہت دلائل ہیں، مگر بہ سبب عدم گنجائش کے سما نہیں سکتے؛ اتنے کو ہی کافی سمجھیں، اور رسول اللہ ﷺ کے فرمانبردار ہوجاویں کیونکہ آپ کی فرمانبرداری نجات ہے۔

مفتی صاحب نے التحیات درمیانی کے ثبوت کے واسطے جو حدیث پیش کی ہے، اس سے التحیات کا ثبوت ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ اس میں صرف یہی ہے کہ مثل نماز مغرب کے ہے، اس میں التحیات کا کوئی ذکر نہیں، مماثلت کے احتمال سے التحیات کا ثبوت نکالنے میں یہاں مماثلت سے مماثلت تامہ مراد نہیں؛ جیسے کوئی شخص کہے: ''زید مثل شیر کے ہے''۔ اب اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زید شیر ہی ہو، بلکہ صرف یہ مراد ہے کہ زید کی بہادری مثل شیر کے ہے، چنانچہ اس حدیث میں بھی یہی ذکر ہے کہ مثل نماز مغرب کے ہے یعنی عدد میں نماز مغرب کے مثل ہے، اگر مماثلت تامہ سمجھتے ہو تو پھر وتروں کو مغرب کی نماز کے مثل فرض عین سمجھنا چاہیے حالانکہ ان کو فرض عین کوئی قرار نہیں دیتا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہاں مماثلت تامہ مراد نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس میں ذکر ہے کہ نماز مغرب دن کی وتر ہیں اور یہ رات کی وتر ہیں، اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ مماثلت صرف وتر ہونے میں ہے، نہ مماثلت کلی، ہم خدا کے فضل سے صحاح ستہ وغیرہ میں سے صحیح حدیثیں پیش کرتے ہیں، جن میں صریح لفظ ہیں کہ درمیان میں التحیات نہ پڑھنا چاہیے: عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه مرفوعًا وموقوفًا لا تُوتروا بثلاثٍ تَشبّهُوا بصلاةِ المغرب وقد صحّحهُ الحاكم [1] اور دوسری حدیث: عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: كان رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يوتر بثلاث لا يقعد إلّا في آخرهنّ [2] و روى النّسائي من حديث أبَي ابن كعب نحوه ، ولفظه: يوتر سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الاَعْلٰى ، وقُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ، وقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد ، ولا يسلّم إلّا في آخرهنّ [3] ان حدیثوں کے صریح لفظ ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ درمیان میں التحیات کے

---

(۱) المستدرك للحاكم: ۱/۴۴۶ ، كتاب الوتر ، رقم الحديث: ۱۱۳۷، المطبوعة: دار الكتب العلميّة ، بيروت ، لبنان .

(۲) السّنن الكبرىٰ للبيهقي: ۳/۴۱، كتاب الصّلاة ، باب من أوتر بخمس أو ثلاث إلخ ، المطبوعة ، الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان .

(۳) عن أبيّ بن كعب قال: كان رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يقرأ في الوتر بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الاَعْلٰى ، وفي الرّكعة الثّانيّة بِقُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ، ==

نہیں بیٹھتے تھے، احتمال والی حدیث بھلا کس طرح مقابلہ کرسکتی ہے؟!

اصل وتر پڑھنے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو وہ جو مذکور ہوئی ہے: بغیر التحیات کے اخیر میں سلام پھیرنا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور ایک رکعت علیحدہ پڑھے؛ یہ صورت بہت بہتر ہے، اور اسی کو اکثر لوگوں نے پسند کیا ہے۔ مفتی صاحب نے جو قنوت کی بابت تحریر فرمایا ہے کہ قنوت بعد رکوع مکروہ ہے، اور پندرہ دن آنحضرت ﷺ نے ایک قوم پر لعنت کی، اس میں قبل اور بعد کا ذکر نہیں، خبر نہیں مولوی صاحب نے فتویٰ دینے کے وقت صم بکم ہو کر فتویٰ لکھا ہے کیونکہ صریح حدیث میں لفظ بعد مذکور ہے، اور مفتی صاحب نے قبل اور بعد دونوں کی نفی تحریر کردی، حدیث متفق علیہ تحریر ہے: عن أبي هريرة رضي الله عنه أنّ رسولَ الله صلّى الله عليه وسلّم كان إذا أراد أن يدعوَ على أحدٍ أو يدعوَ لأحدٍ قنت بعد الرّكوع الحديث[1] در ابن ماجہ: عن محمّدٍ قال: سالتُ أنسَ بن مالك رضي الله عنه عن القنوت ؟ فقال: قنت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم بعد الرّكوع [2] عون المعبود: وقد رَوى محمّدٌ بن نصرٍ عن أنسٍ أنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم كانَ يقنتُ بعد الرّكعة ، وأبو بكر و عُمر حتّى كان عثمان فَقنت قبل الرّكعة .... قال المنذريّ: وفي رواية: قال: هٰذا يقول : في الوتر في القنوت [3] ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قنوت بعد رکوع پڑھنا چاہیے، مکروہ لکھنا بالکل بلا دلیل اور ضد ہے، اگر کوئی قبل رکوع قنوت پڑھے تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ جائز نہیں کیونکہ طرفین کی حدیثیں موجود ہیں، ہر دو جانب کی حدیثوں پر عمل کرنے کے واسطے

== وفي الثّالثة بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد ، ولا يسلّم إلاّ في آخرهنّ. (سنن النّسائي: ۱/۱۹۱، كتاب قيام اللّيل وتطوّع النّهار، باب كيف الوتر بثلاث؟)

(۱) مشكاة المصابيح، ص: ۱۱۳، كتاب الصّلاة ، باب القنوت ، الفصل الأوّل .

(۲) سنن ابن ماجة، ص: ۸۳، أبواب إقامة الصّلوات والسّنّة فيها ، باب ماجاء في القنوت قبل الرّكوع و بعده .

(۳) عون المعبود: ۴/۳۰۲، كتاب الصّلاة ، باب القنوت في الوتر ، رقم الحديث: ۱۴۱۲، المطبوعة: المكتبة السّلفيّة ، سعوديّة .

کبھی قبل رکوع پڑھے اور کبھی بعد رکوع، کیونکہ ایک حدیث پر عمل کرنا اور دوسری پر نہ کرنا امر ناگوار ہے، مناسب یہی ہے کہ ہردو پر عمل کریں تاکہ دونوں میں تعارض نہ رہے۔

الجواب: (از مولوی مشیت اللہ دیوبندی [۱])

سب سے پہلے یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب میں غور و تنقیح کے بعد تین جزو نکلتے ہیں:

(۱) وتر سنت ہیں، ان کے واجب ہونے پر کوئی دلیل نہیں، اور جس نے عقبہ بن عامر کی حدیث سے استدلال کیا ہے بالکل غلط ہے کیونکہ اس میں وجوب کا کہیں ذکر نہیں ہے، نیز الوتر واجبٌ علیٰ کلّ مسلم [۲] سے بھی وجوب پر استدلال کرنا باطل ہے کیونکہ یہاں واجب بمعنی ثابت ہے؛ وجوب اصطلاحی نہیں، اور واجب اس معنی میں کثرت سے آتا ہے۔ کما فی باب الغسل المسنون غسل یوم الجمعة واجبٌ [۲] یہاں سب کے نزدیک واجب بمعنی ثابت ہے کیونکہ غسل یوم جمعہ کو کوئی واجب نہیں کہتا۔

(۲) تین رکعت کی تحدید وتر میں کرنا باطل ہے، وتر کا ایک رکعت ہونا بھی نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے ثابت ہے؛ چنانچہ نسائی میں ہے: عن ابن عمر أنّ النبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال: الوتر رکعة من آخر اللّیل [۲] اور ابوداؤد میں ہے: عن أبي أیّوب الأنصاري قال: قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم: الوتر حقّ علیٰ کلّ مسلم فمن أحبّ أن یوتر بخمس فلیفعل، ومن أحبّ أن یوتر بثلاث فلیفعل، ومن أحبّ أن یوتر بواحدة فلیفعل [۲] ان دونوں روایتوں سے ان لوگوں کے مذہب کی تردید نکلی جو جزمًا وتر تین رکعت بتلاتے ہیں، اس پر دلیل لانی چاہیے کہ تین رکعت کی تحدید کہاں سے کرتے ہو، نیز حضرت عائشہ کی روایت أنّه کان النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم یوتر بثلاث لا یقعد إلاّ في آخرهنّ [۲] سے وتر کو تین رکعت مان کر قعدۂ اُولیٰ کی نفی ہوتی ہے، پھر التحیات درمیانی کا ثبوت کس طرح ہوسکتا ہے؟!

---

(۱) حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب دیوبندی ۱۳۵۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس عربی تھے، یہ فتویٰ موصوف نے دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہونے سے پہلے ارقام فرمایا ہے۔ محمد امین

(۲) قد مرّ تخریجه آنفًا.

(۳) رسول اللہ ﷺ سے قنوت بعد الرکوع پڑھنا بھی ثابت ہے، بعد الرکوع اور قبل الرکوع دونوں طرح قنوت پڑھنا بلا کراہت جائز ہونا چاہیے، پھر بعد الرکوع قنوت پڑھنا مکروہ کس طرح ہوا، یہ تین امور ہیں جن کا مجیب صاحب نے التزام کیا ہے، اور اپنی کم فہمی کی داد خود دیتے ہوئے لکھا ہے کہ سب روایتوں کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ کا مذہب قوی نہیں ہوسکتا، کیونکہ جہاں صحیح حدیث ہو، اس کے برخلاف کسی مذہب پر چلنا سراسر غلطی اور محض تعصب ہے۔

آپ کو ان شاء اللہ معلوم ہوجائے گا کہ ابوحنیفہؒ کا مذہب روایات صحیحہ سے کتنا قریب تر ہے، ابوحنیفہ ہی کا کمالِ فراست اور تفقہ فی الدین ہے جس نے صحیح روایت تو کجا ضعیف روایت کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا امام موصوف روایات سے تعامل اور قرائن دیکھ بھال لینے کے بعد ایسا پاکیزہ اور عمدہ محمل نکالتے ہیں جس کے باعث تمام روایات پر اگر چہ متعارض ہی کیوں نہ ہوں عمل کرنا سہل ہوجاتا ہے، غیر متعصب اس کا اندازہ کرسکتا ہے، متعصب معاند کے کبھی یہ بات خیال میں نہیں آسکتی مگر:

گر نہ بیند بہ روز شپرہ چشم ❁ چشمہ آفتاب را چہ گناہ(۱)

ہمیں اس سے مقصود کسی پر طعن و تشنیع نہیں نہ ہمارا یہ شیوہ ہے، نہ ہم ایسے بے باک ہیں کہ تعصب کے پردے میں نمودار ہوکر جس امام کی چاہیں توہین کرڈالیں، البتہ ہم سے اس جواب فتویٰ کا جواب مانگا گیا ہے، اس لیے جو کچھ ہمارے نزدیک حق ہے اس کو نمبر وار تین جزوں پر تقسیم کرتے ہوئے جواب دیتے ہیں، واللہ الموفق للصواب۔

۱) دربارہ وتر اگر چہ ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ وتر سنت ہیں، لیکن صاحبِ نہایہ جیسے محققینِ مذہب نے اصح اور راجح روایت وجوب کو قرار دیا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ صرف امام موصوف نے وتر کو واجب قرار دیا، یا اور حضرات بھی وجوب کے قائل ہیں، جناب مجیب صاحب کی خوش فہمی ہے کہ وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ ابوحنیفہؒ اس میں منفرد ہیں، کاش کہ شیخ بدرالدین عینی کی اس عبارت سے واقف ہوتے۔ **وحكى ابن حزم أنّ مالكا قال: من تركه أُدّب وكانت جرحة في شهادته إلخ، وفي المصنّف عن مجاهد بسند صحيح هو واجب، ولم يكتب إلخ، وحكى ابن بطّال وجوبَه عن أهل القرآن عن ابن مسعود وحذيفة وابراهيم النّخعي**

(۱) ترجمہ: اگر چمگادڑ کو دِن (کے اُجالے) میں نظر نہ آئے تو اس میں سورج کا کیا قصور؟

وعن يوسف بن خالد السّمتي شيخ الشّافعيّ وجوبَه ، وحكاه ابن أبي شيبة أيضًا عن سعيد بن المسيّب وأبي عبيدة بن عبد الله بن مسعود والضّحّاك انتهٰى (۱) پس معلوم ہوا کہ ابوحنیفہ ہی وجوب وتر کے قائل نہیں ہوئے بلکہ سلف میں سے ایک جماعت ابوحنیفہ کی طرح وتر کو واجب کہتی ہے؛ حتی کہ امام مالکؒ کا بھی رُجحانِ خاطر یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس قسم کے زور دار الفاظ ترکِ واجب ہی کی نسبت کیے جاسکتے ہیں، اور حافظ علم الدین السخاوی تو معلوم ہوتا ہے کہ فرضیتِ وتر کے قائل ہوگئے ہیں۔ كما في حاشية بحر الرّائق: واختار الشّيخُ علمُ الدّين السّخاويُّ المُقريُّ أنّه فرض وعمل فيه جزءً ، وساق الأحاديثَ الدّالّةَ علٰى فرضيّتِهٖ ، ثمّ قال: فلا يَرتاب ذو فَهْمٍ بعد هٰذا أنها أُلحقت بالصّلوات الخمسِ في المُحافظةِ عليها (۲) اور عجب نہیں کہ امام بخاریؒ کا رجحان بھی وجوب کی طرف ہو۔ كما أشار إليه الحافظ في فتح الباري: ـــــ ولم يتعرّض البخاريّ لحكمهٖ ، لكن ـــــ إفرادَهُ بترجمةٍ عن أبواب التّهجّد والتّطوّع يقتضي أنّه غير ملحَق بها عنده ، و لو لا أنّه أورد الحديث الّذي فيه إيقاعه على الدّابّة إلاّ المكتوبة لكان في ذلك إشارة إلٰى أنه يقول بوجوبهٖ ، انتهٰى (۳)

حافظ کہنے کوتو کہہ گئے کہ بخاری کا صلاۃِ وتر اور صلاۃِ لیل کے لیے علیحدہ علیحدہ تراجم رکھنا اس کو مقتضی ہے کہ بخاری وتر کو صلاۃِ لیل کے ساتھ لاحق نہیں کرتے، لیکن یہ دیکھ کر کہ بخاری ابوابِ وتر میں وہ حدیث بھی لائے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ نے وتر دابہ پر سوار ہونے کی حالت میں پڑھے ہیں، فرمانے لگے: بے شک وشبہ یہ کہہ دیا جاتا کہ بخاری وجوبِ وتر کے قائل ہوگئے ہیں، اگر بخاری اس قسم کی حدیث نہ لاتے جس میں رسول اللہ ﷺ کا دابہ پر وتر پڑھنا ثابت ہے، میں کہتا ہوں بخاری یقینًا وجوبِ وتر کے قائل ہوگئے ہیں، اتنی بات تو حافظ بھی مانتے ہیں کہ بخاری کا صلاۃِ لیل اور وتر کے لیے علیحدہ علیحدہ ترجمہ لانا اس کو مقتضی ہے کہ بخاری دونوں کو ایک مرتبہ

---

(۱) عمدة القاري: ۷/۱۵-۱۶، كتاب الوتر ، أبواب الوتر ، باب ليجعل آخر صلاته وترًا، المطبوعة: دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان .

(۲) منحة الخالق على البحر الرّائق: ۲/۷۱، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل .

(۳) فتح الباري لابن حجر: ۲/۴۷۸، كتاب الوتر ، باب ماجاء في الوتر.

میں رکھنا نہیں چاہتے، لیکن یہ صلاۃِ وتر کے وجوب کے قائل ہو گئے ہیں، بخاری کی اس روایت لانے سے جس میں رسول اللہ ﷺ کا دابہ پر وتر پڑھنا ثابت ہے، اب یہ نسبت ان کی طرف نہیں کی جا سکتی، میں کہتا ہوں باوجود اس کے کہ بخاری اس قسم کی حدیث بھی لائیں ہیں جس سے نبی کریم ﷺ کا دابہ پر وتر پڑھنا ثابت ہوتا ہے، تاہم یہ بخاری کے اس مقصد کے منافی نہیں جس کو ترجموں کے علیحدہ علیحدہ لانے میں اشارۃً ذکر کر چکے ہیں، کیونکہ تم زیادہ سے زیادہ یہی کہو گے کہ جب بخاری وجوبِ وتر کے قائل ہوئے تو ان کو وہ حدیث نہ نکالنی چاہیے تھی جس میں یہ ہے کہ سوار ہونے کی حالت میں دابہ پر وتر پڑھے گئے ہیں، کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ وتر واجب ہوں اور دابہ پر سواری کی حالت میں اداء کیے گئے ہوں۔

اس کے بعد میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس کی دلیل لائیے کہ بخاری کا بھی یہی مسلک ہے کہ واجب خواہ حالتِ سفر ہی میں کیوں نہ ہو دابہ پر پڑھنا جائز نہیں، بخاری شانِ اجتہاد رکھتے ہیں، عجب نہیں کہ وجوبِ وتر کے قائل ہو کر دابہ پر اداء کرنے کو جائز رکھتے ہوں، اور بہتر بات یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ بخاری اس حدیث کو لا کر جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دابہ پر سوار ہو کر وتر پڑھے ہیں اشارہ کر رہے ہیں کہ دابہ پر وتر کا پڑھے جانا وجوب کے منافی نہیں کیونکہ یہ واقعہ حال لاعموم لہا کے طور پر ہے، اور جب معتبر روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت شریف تھی کہ وتر دابہ سے اتر کر زمین پر پڑھا کرتے تھے، كما في الطّحاوي (۱) کہ لامحالہ یہ وتر دابہ کے اوپر کسی عذرِ شدید کی حالت میں پڑھے گئے ہوں گے اور عذر کی حالت میں واجب تو کیا فرض کا ادا کرنا بھی دابہ پر متفق علیہ ہے، لہٰذا اس روایت میں وتر کا دابہ پر پڑھا جانا وجوبِ وتر کے منافی نہیں واللہ اعلم۔

قائلین بسنیۃ الوتر میں سے ایک جماعت وتر کو بہ حق نبی کریم ﷺ بطور خصوصیت واجب کہتے ہیں، اور پھر آپ کا دابہ پر ادا نہ کرنا انہوں نے مضر نہیں سمجھا، الغرض بخاری کی شان اور ان کی عادت پر نظر کرتے ہوئے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری بھی امام ابوحنیفہ کی طرح وجوبِ وتر کے

---

(۱) شرح معاني الآثار: ۲۸۴/۱-۲۸۵، كتاب الصّلاة، باب الوتر هل يصلي في السّفر على الرّاحلة أم لا ؟

قائل ہوگئے ہیں، امام ابوحنیفہ کی نسبت تو بعض معاندین اور متعصبین یہ بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ ان کو صحیح روایات کا ذخیرہ نہیں پہنچا، امام بخاری کی نسبت کیا کہو گے جو امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں کہ وہ بھی وجوب کے قائل ہوگئے ہیں، اب اس قدر فہرست شمار کرنے کے بعد ہمارے مجیب مجتہد کو یہ حق نہیں رہا کہ وہ سبل السلام کی عبارت **ذهب الجمهور إلى أنه ليس لواجب** [۱] ہمارے سامنے پیش کرکے یہ دعوی کریں کہ ابوحنیفہ اس مسئلہ میں منفرد ہیں، صاحب سبل السلام اگر واقعی ہمارے مجیب صاحب کے ہم خیال ہیں تو ان کی یہ عبارت بلا شبہ مقامِ تحقیق میں نظر انداز کرنے کے قابل ہوگی، اور اگر ایسا نہیں بلکہ صاحب سبل السلام کی نفیٔ واجب سے نفیٔ فرضیت مراد ہے، اور ہمارے مجیب صاحب کو ظاہر الفاظ سے دھوکا لگا ہے تب حنفیہ کے مقابلے میں یہ عبارت ہرگز پیش کیے جانے کے قابل نہیں، حنفیہ کب فرضیت کا دعوی کرتے ہیں؟!

وجوبِ وتر کے دلائل متعددہ ہیں، عمدۃ القاری میں شیخ بدرالدین عینی نے سب کو بالاستیعاب بیان کیا ہے [۲] آپ کے اطمینانِ خاطر کے لیے مختصر طور پر زیادہ نہیں دو چار یہاں بھی ذکر کیے دیتا ہوں: **عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما عن النبيّ صلّى الله عليه وسلّم قال: اجعلوا آخرَ صلاتِكم باللّيل وترًا، رواه مسلم وعنه أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم قال: بادرُوا الصّبحَ بالوتر، رواه مسلم** [۳] **وعن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم قال: أوتروا قبل أن تصبحوا، رواه مسلم والتّرمذي وابن ماجة** [۴] یہ تین روایتیں ہیں جن میں وتر کی تعلیم بہ صیغۂ امر مذکور ہے، اور اگرچہ بناء بر مذہب اہلِ تحقیق امر ہمیشہ وجوب کے لیے نہیں ہوتا، لیکن یہاں امر بالضرور وجوب کے لیے ماننا پڑے گا، اس پر من جملہ قرائن متعددہ کے سب سے بڑا اور بہتر قرینہ یہ ہے کہ وتر دراصل وہ نماز ہے جو سورۂ مزمل کے نازل ہونے کے وقت فرض کی گئی تھی، اور طبقات ابن سعد کی روایت: **لقد أمدّكم**

---

(۱) قد مرّ تخريجه آنفًا.

(۲) عمدة القاري: ۷/۱۶-۹، كتاب الوتر ، أبواب الوتر ، باب ليجعل آخر صلاته وترًا.

(۳) مشكاة المصابيح: ص:۱۱۱، كتاب الصّلاة ، باب الوتر، الفصل الأوّل .

(۴) فيض القدير: ۳/۶۹، حرف الألف، المطبوعة: دار المعرفة بيروت ، لبنان.

اللہ اللّیلة بصلاة الحدیث (۱) سے ـــــ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ـــــ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز پہلے سے شفعًا شفعًا فرض تھی، ایتار بعد کو فرض کیا گیا، ذکرہ الخطّابيّ في معالمہٖ (۲) غرضیکہ اس میں شک نہیں کہ یہ نماز ایک وقت میں یقینًا فرض تھی، اب دیکھنا یہ ہے کہ بعد کو اس نماز کا وجوب و لزوم منسوخ ہوا ہے یا تطویلِ قراءت؟ سو ﴿فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ (سورۂ مزمل، آیت: ۲۰) سے تطویلِ قراءت منسوخ ہوگئی ہے، اس کا وجوب اور لزوم منسوخ نہیں ہوا، بدستور باقی ہے، چنانچہ وجوب اور لزوم کے نسخ پر کوئی دلیل صریح موجود نہیں ہے، ہاں نسخِ فرضیت محتمل ہے، لہٰذا ان تمام وجوہ کی رعایت کرتے ہوئے حنفیہ فرضیت کا دعویٰ نہیں کرتے، وجوب اور لزوم کے مدعی ہیں حتی کہ ہماری اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وتر کا وجوب سورۂ مزمل کے وقتِ نزول سے اب تک چلا آرہا ہے منسوخ نہیں ہوا، اور کیونکہ کوئی نسخ کا دعوی کرسکتا ہے جب کہ نسخِ وجوب پر کوئی دلیل موجود نہیں، آپ کے پاس اگر کوئی دلیل ہو تو بسم اللہ؛ ''ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے'' پیش کیجئے، ہاں شرط یہ ہے کہ انصاف ملحوظِ خاطر رہے، اور اگر ان تمام روایات کے پیش کرنے سے آپ کی تسکین نہ ہوسکے، اور یہ معنوی نظر کہ امر وجوب کے لیے ہے، ہمارے مجیب مجتہد کی سمجھ میں نہ آئے تو اور سنئے:

ابوداؤد میں ہے: عن عبد اللّٰہ بن بریدة عن أبیه قال: سمعتُ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم یقول: الوتر حقّ فمن لم یوتر فلیس منّا، الوتر حقّ فمن لم یوتر فلیس منّا، الوتر حقّ فمن لم یوتر فلیس منّا (۳) قال العیني: وهٰذا حدیث صحیح ...... في إسنادہ أبو المنیب ...... وثّقهٗ ابن معین، وقال: ابن أبي حاتم: ...... هو صالح الحدیث (۴) وقال: یحول (۵) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول ﷺ نے وتر کو سنتوں کی طرح نہیں رکھا،

(۱) طبقات ابن سعد: ۱۷۶/۴، ترجمة: خارجة بن حُذافة، المطبوعة: مکتبة الخانجي بالقاهرة.

(۲) یہ حوالہ ہمیں نہیں ملا۔

(۳) سنن أبي داؤد: ۲۰۱/۱، کتاب الصّلاة، باب فیمن لم یوتر.

(۴) عمدة القاري: ۱۶/۷، کتاب الوتر، أبواب الوتر، باب لیجعل آخر صلاته وترًا.

(۵) الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم: ۳۲۲/۵، باب العین، المطبوعة: دار إحیاء التّراث العربي، بیروت.

بلکہ تارک کے حق میں وعید شدید فرما کر مادون الفرائض اور مافوق السنن اس کے لیے رتبہ مقرر فرمایا، ولیس هٰذا إلا الوجوب ، ابوحنیفہؒ اسی کو واجب کہتے ہیں، فرض اور واجب میں امام صاحب کے یہاں بین فرق ہے، کما في البحر: وذَكر في البدائع حكايةً هي أن يوسفَ بن خالد السّمتي كانَ من أعيانِ فقهاء البصرةِ ، فسأل: أبا حنيفة عنه ؟ فقال: إنّه واجب، فقال له: كفرتَ يا أبا حنيفة ! ظنًا منه أنّه يقول: إنّه فريضة ، فقال: أبو حنيفة أيهولني إكفارك إيّاي ، وأنا أعرف الفرق بين الفرض والواجب كفرق ما بين السّماء والأرض، ثمّ بين له الفرق بينهما ، فاعتذرَ إليه وجلس عنده للتّعلّم اهـ(۱) باقی عمرو بن عاص(۲) اور عقبہ بن عامر کی روایت: إن اللّٰه زادكم صلاة وهي خير لكم من حمر النّعم ، الحديث(۳) سے بھی وجوب پر استدلال کیا گیا ہے، اور طریقِ استدلال یہ ہے کہ ان روایتوں میں مشروعیت وتر کی نسبت خدا تعالیٰ کی جانب کی گئی ہے، نیز چونکہ مزید علیہ کی جنس سے زیادتی ہونی چاہیے، اور ظاہر ہے کہ فرائض کی جنس سے واجب ہے، اس لیے ان روایتوں سے وجوب کی طرف اشارہ سمجھا گیا ہے۔

چنانچہ تعیین اور تحدیدِ اوقات بھی اس روایت میں اس پر دلالت کرتی ہے کہ وتر واجب ہیں، یہاں پر پہنچ کر شاید کسی کو بار بار یہ خیال ستائے کہ اگر ان روایات سے وجوب ثابت ہوتا ہے تو چاہیے کہ سنتِ فجر کو بھی واجب کہہ دیا جائے؛ کیونکہ سنتِ فجر کے متعلق بھی انہیں الفاظ کے ساتھ اس قسم کی روایت مروی ہے، حالانکہ اس کے وجوب کا کوئی قائل نہیں بے شک شبہ کے درجے میں اگر کوئی بات جان دار ہے تو یہ ہے، لیکن بایں ہمہ ابوحنیفہؒ کی وسعتِ نظر دیکھئے کہ امام موصوف نے جب یہ دیکھا کہ سنتِ فجر اور وتر میں بالنسبۃ سائر سنن اور نوافل کے اگرچہ الفاظ زوردار استعمال کیے گئے ہیں،

---

(۱) البحر الرّائق: ۲/ ۶۷، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل .

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (عاص) کی جگہ "سعد" تھا، اس کی تصحیح بحر اور معجم اوسط سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۳) منحة الخالق على البحر الرّائق: ۱/ ۴۲۷، كتاب الصّلاة ، وأيضًا في المعجم الأوسط: عن عمرو بن العاص وعقبة بن عامر الجهني عن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قال: إن اللّٰه زادكم صلاة خير لكم من حمر النّعم، الحديث. (المعجم الأوسط: ۸/ ۶۵، باب الميم المطبوعة: دار الحرمين للطّباعة والنّشر والتّوزيع)

مگر باوجود اس کے تعامل میں وتر کا سنتِ فجر سے زیادہ اہتمام کیا گیا ہے، صحابہ میں سے کسی سے سفر و حضر میں احیانًا بھی ترکِ وتر ثابت نہیں، نیز رسول اللہ ﷺ سے باوجود مواظبت کے ترکِ وتر ثابت ہونا مشکل ہے، اور جس درجہ آپ نے تارکِ وتر کے بارے میں وعید شدید فرمائی ہے، تارکِ سنتِ فجر کے بارے میں نہیں فرمائی، اس بناء پر امام الائمہ نے دونوں میں یہ فرق کیا کہ وتر کو واجب اور سنتِ فجر کو سنت مؤکدہ قرار دیا۔

وجوبِ وتر کے دلائل اور بھی بہت ہیں مگر اس وقت اتنے ہی پر اکتفاء کرتے ہوئے مجیب صاحب کی خدمت میں باادب عرض کرتا ہوں کہ حضرت! بلاشبہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ **الوتر واجب علٰی کلّ مسلم** (۱) سے وجوب پر استدلال نہیں ہوسکتا کیونکہ بہ قول آپ کے یہاں واجب بمعنی ثابت ہے، وجوب اصطلاحی مراد نہیں، یہ اصطلاح امر مستحدث ہے، حدیث میں کاہے کو ہونے لگی، یہ سب کچھ سہی مگر حضرت یہ تو فرمائے کہ **لیس الوتر بحتم کھیئة المکتوبة ، ولکنّہٗ سنّۃٌ سنّھا رسول اللّٰہ صلّی اللہ علیه وسلّم ، رواہ التّرمذي** (۱) سے وجوب کی نفی اور سنیتِ وتر پر کیسے استدلال قائم ہوسکتا ہے؟! یہاں آپ نے کس طرح سے پہچانا کہ سنت سے خاص سنت اصطلاحی مراد ہے جو واجب سے مغایر اور اس سے نیچے کا مرتبہ ہے، یہاں یہ کیوں نہیں کہتے کہ سنت سے طریقہ مرضیہ مراد ہے جو واجب اور سنت سب کو شامل ہے، چنانچہ سیاق اور سباقِ روایت بھی اسی امر کی تائید کرتا ہے، اس میں اس وجوب کی نفی ہے جو فرض کی طرح ہو مطلق وجوب کی نفی نہیں، ہمیں دکھلایا جائے کہ اس کے کون سے لفظ سے وجوب کی نفی ہوتی ہے یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ حدیث میں فرضیتِ وتر کی نفی کی گئی ہے، لیکن یہ کہ سنت سے خاص سنتِ اصطلاحی مراد ہے جو کہ واجب کو شامل نہیں، اور حدیث سے وجوب کی نفی ہوتی ہے یہ کیونکر اور کس قاعدہ سے آپ نے سمجھا؟! معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مجیب مجتہد کو اپنی قرار داد قاعدہ (حدیث میں الفاظ اصطلاحی مراد لینا باطل ہے، اصطلاح امر مستحدث ہے) سے یہاں پہنچ کر ضرور غفلت ہوئی، اس لیے مصداق ہوئے ع :

حفظتَ شیئًا وغابَ عنك أشیاءُ

---

(۱) قد مرّ تخریجه آنفًا .

اوراگر ہمارے مجیب صاحب یہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں الفاظ اصطلاحی ہونا ضروری تو نہیں، مگر یہاں سیاق وسباق روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سنیت سے سنیت اصطلاحی مراد ہے، عام نہیں جو واجب کو بھی شامل ہے، جناب والا! اولاً تو یہ سیاق وسباق سے نکلتا نہیں بلکہ برعکس یہ معلوم ہوتا ہے کہ وجوب اصطلاحی کی نفی مقصود نہیں ہے، اوراگر ایسا ہی ہے جیسا آپ فرماتے ہیں تو میں بھی کہتا ہوں کہ الوتر واجب میں وجوب اصطلاحی مراد ہے، یہاں واجب سے مسنون مراد نہیں، میں مانتا ہوں کہ الإیجاب قد یطلق علی المسنون تاکیداً مگر کیا ضروری ہے کہ یہاں بھی واجب سے مسنون مراد ہو، اس کی آپ دلیل پیش کیجیے، ورنہ میں کہتا ہوں اگر آپ کا ویسا ہی سیاق وسباق ہے تو یہاں پر بھی سمجھئے کہ حدیث: من لم یوتر فلیس منّا، رواہ أحمد (۱) اس کو مقتضی ہے کہ الوتر واجب میں واجب سے مسنون مراد نہیں ہے، بلکہ وہی مراد ہے جس کے ابوحنیفہ قائل ہوئے ہیں، کیونکہ عرفاً وجوب بمعنی لزوم مستعمل ہوتا ہے، نیز یہ وعید شدید جو امام احمد (۲) کی روایت میں ہے ترکِ واجب ہی پر ہوسکتی ہے، غرضیکہ یہ حدیث لیس الوتر بحتم کھیئة المکتوبة الحدیث سنتِ وتر کے استدلال میں کسی طرح پیش کیے جانے کے لائق نہیں۔

رہی ابن ماجہ اور خازن کی روایت؛ سو ہمیں سخت تعجب ہے کہ آپ نے اپنے استدلال میں ایسی ضعیف روایتوں کو کیوں پیش کیا جس میں سے خازن کی روایت تو ساقط الاسناد ہے، اور ابن ماجہ کی روایت صحیح طور پر یوں ہے: إنّ الوتر لیس بحتم کصلاتکم المکتوبة (۳) اور یہ حنفیہ کے

---

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱۵/ ۴۴۷، مسند أبي هريرة رضي الله عنه ، رقم الحديث: ۹۷۱۷، المطبوعة: مؤسسة الرّسالة ، بيروت .

(۲) مطبوعہ فتاویٰ اور رجسٹر نقول فتاویٰ میں 'احمد' کی جگہ 'محمد' ہے، لیکن سابقہ روایت چوں کہ مسند احمد کی ہے اس لیے ہم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ محمد امین

(۳) یہ حدیث ترمذی میں اِنہیں الفاظ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، دیکھئے: جامع التّرمذيّ: ۱/۱۰۳، أبواب الوتر ، باب ما جاء أن الوتر ليس بحتم لیکن ابن ماجہ میں اُن الفاظ کے ساتھ ہے جو مجیب اوّل نے نقل کیے ہیں۔ دیکھئے: سنن ابن ماجه، ص: ۸۱-۸۲ ، أبواب إقامة الصّلوات والسّنّة فيها ، باب ماجاء في الوتر .

کسی طرح معارض نہیں ہوسکتی، کیونکہ حنفیہ ایسے وجوب کا انکار کرتے ہیں جو فرضیت کی طرح کا ہو۔

اور ابوداؤد کی وہ روایت جس میں یہ ہے کہ إنّ رجلاً من بني كِنانة يُدعى المخدجيّ سمع رجلاً بالشّام يُدعى أبا محمّد يقول: إنّ الوتر واجبٌ ، قال المخدجيّ: فَرُحْتُ إلى عُبادة بن الصّامت فأخبرتُهُ ، فقال عبادة: كَذَبَ أبو محمّد ، سمعتُ رسولَ اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يقول: خمسُ صلواتٍ كتبهنّ اللّٰه على العباد ، مختصرًا (۱)

اس میں عبادہ نے فرضیت کی نفی کی ہے واجب اصطلاحی کی نہیں کی، صحابہ کے عہد میں واجب کا اِطلاق فرض پر کیا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ یوسف بن خالد سمتی نے محض واجب کہنے پر ابوحنیفہؒ کو کافر کہہ دیا، جب ابوحنیفہ نے واجب کی حقیقت ان کے سامنے منکشف فرمائی، واجب اور فرض میں فرق دکھلایا، تب انھوں نے معذرت کی اور تعلیم کی غرض سے بیٹھ گئے، ٹھیک اسی طرح سے عبادہ بھی ابومحمد کے واجب کہنے سے یہ سمجھے کہ ابومحمد فرضیت وتر کا قائل ہوگیا ہے، چنانچہ یہ سن کر فرمانے لگے: ابومحمد نے جھوٹ بولا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کل پانچ نمازیں فرض ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے، چھٹی کوئی نماز فرض نہیں۔

یہ تھی اصل حقیقت، ہمارے مجیب صاحب اپنی خوش فہمی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ عبادہ وجوب اصطلاحی کی نفی فرما رہے ہیں، جز و ثانی کو نہیں دیکھا کہ اس سے واجب بمعنی فرض کی نفی مقصود ہے، مطلقاً واجب کی نفی مقصود نہیں، اس روایت اور موطا مالک کی اس روایت سے جس میں یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ کیا وتر واجب ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: أوتر النّبيّ والمسلمون (۲) صاف یہ نہ فرمایا کہ واجب ہیں یا واجب نہیں ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے قلوب میں یہ بات راسخ تھی کہ وتر اگرچہ فرض نہیں ہیں سنت بھی نہیں ہیں، کیونکہ سنت سے اس میں زیادہ تاکید آئی ہے، یہی وجہ ہے کہ ابن عمرؓ نے أوتر النّبيّ والمسلمون (۲) جواب میں فرمایا، یہ نہ فرمایا کہ مسنون ہیں،

---

(۱) قد مرّ تخريجه آنفًا .

(۲) عن مالك أنّه بلغه أن رجلًا سأل عبدَ اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما عن الوتر أ واجب هو؟ فقال عبد اللّٰه بن عمر: قد أوتر رسولُ اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم و أوتر المسلمون الحديث (موطا لإمام مالك :ص: ۴۴، باب الأمر بالوتر)

مسنون کہنے سے رک گئے، ابوحنیفہؒ اس منشا کو خوب سمجھے؛ وجوب کے قائل ہو گئے، نہ وتر کو سنت قرار دیا، نہ فرض۔ وذٰلك فضل اللّٰه يؤتيه من يّشآء واللّٰه ذو الفضل العظيم .

۲) اس جزو میں حنفیہ کے دو مسئلے ہیں :

(الف) وتر تین رکعت ہیں، ایک رکعت ہرگز ہرگز وتر نہیں ہوسکتی۔

(ب) اور یہ تین رکعت وتر دو قعدوں اور ایک سلام سے ہیں، دو سلام یا ایک قعدہ سے نہیں ہیں، یہ دو مسئلے ہیں جن کا مجیب مجتہد حنفیہ پر الزام رکھتے ہوئے انکار کرتے ہیں، حالانکہ اقرب الی الروایات بلا شبہ حنفیہ کا مذہب ہے، اس میں شک نہیں کہ بعض روایات ایسی بھی ہیں جن سے بادی النظر میں وتر کا ایک رکعت ہونا بھی ثابت ہے، چنانچہ ابن عمر کی روایت: أنّ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم قال: الوترُ ركعةٌ من آخر اللّيلِ ، رواه النّسائي [۱] اور ابوایوب انصاری کی روایت: الوتر حقّ علىٰ كلّ مسلم فمن أحب أن يوتر بخمس فليفعل، ومن أحب أن يوتر بثلاث فليفعل ، ومن أحب أن يوتر بواحدة فليفعل [۱] اور ابن ماجہ کی روایت: سألَ ابنَ عمرَ رجلٌ فقال: كيف أُوترُ ؟ قال: أُوتِرْ بواحدةٍ ، قال: إنّي أخشىٰ أن يقول النّاس: البُتيراء ، فقال: سنّةُ اللّٰه ورسولِهٖ يُريد هٰذهٖ سنّةُ اللّٰهِ و رسولهٖ صلّى اللّٰه عليه وسلّم [۱] یہ تین روایتیں ہیں، جن کو مجیب صاحب نے وتر کے کم از کم ایک رکعت ہونے کے استدلال میں پیش کیا ہے، اور دعوی کیا ہے کہ وتر ایک رکعت بھی ہوسکتی ہے، حالانکہ ان میں سے ابوایوب انصاری کی روایت تو موقوف ہے۔ كما قال الحافظُ في التّلخيص: صحّحَ أبو حاتمٍ والذُّهليُّ والدّارقطنيُّ في العلل، والبيهقيُّ وغيرُ واحدٍ وَقْفَهٗ ، وهو الصّواب [۲] غرضیکہ اس حدیث کا رفع معلول ہے، موقوف ہونا صواب ہے۔

رہی ابن ماجہ اور نسائی کی روایت؛ ان کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ ایک رکعت بلا تقدیمِ شفعہ کے وتر ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صلاۃِ لیل اور تہجد پڑھتا ہو اس کے حق میں وتر اخیر کی رکعت ہے

---

(۱) قد مرّ تخريجه آنفًا .

(۲) تحفة الأحوذي: ۲/۵۵۰، كتاب الصّلاة ، أبواب الوتر ، باب ماجاء في الوتر بثلاث، المطبوعة: دار الفكر .

کیونکہ اس ایک رکعت کے ملانے سے اس کا آخری شفعہ وتر بن گیا، یہ نہیں ہوا کہ صرف ایک رکعت وتر بن گئی، چنانچہ اس مقصد کی تائید ابن عمر کی دوسری روایت سے جو بخاری میں ہے: قال النبيّ صلّى الله عليه وسلّم: فإذا خشي أحدكم الصّبحَ صلّى ركعةً واحدةً توتر لهُ ما قد صلّى انتهىٰ مختصرًا (۱) ہوتی ہے۔ اور خود حضرت ابن عمرؓ کا بھی یہ مذہب نہ تھا کہ صرف ایک رکعت وتر ہے، بلکہ ان کے نزدیک تین رکعت وتر کو مفصولاً بہ دوقعدہ و بہ دوسلام پڑھنا جائز تھا، چنانچہ طحاوی نے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ وہ وتر تین رکعت پڑھا کرتے تھے (۲) ان روایتوں کا تو یہ حال تھا، باقی بہ کثرت روایات صحیحہ ایسی ہیں جن سے وتر کا تین ہی رکعت ہونا ثابت ہے، وفي الطّحاوي روايات كثيرة تدلّ علىٰ أن إجماع المسلمين علىٰ أنّ الوتر ثلاث (۳) اور تراویح عہدِ عمرؓ سے یہی ثابت ہوتا ہے، آپ کے اطمینانِ خاطر کے لیے ایسی روایتیں ذکر کرتا ہوں جن سے بالتصریح وتر کا تین رکعت ہونا معلوم ہوتا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے: عن أبي سلمةَ عن عبد الرحمٰن أنّه أخبرَهُ أنّهُ سأل عائشةَ رضي الله عنها كيف كانت صلاةُ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم في رمضان؟ فقالت: ماكان رسول اللّه صلّى الله عليه وسلّم يزيد في رمضان ولا في غيرِهٖ علىٰ إحدىٰ عَشْرةَ ركعةً يصلّي أربعًا فلا تسئلْ عن حسنهنّ وطولهنّ، ثمّ يُصلي أربَعًا فلا تسئلْ عن حسنهنّ وطولهنّ، ثم يصلّي ثلاثًا، قالت: عائشةُ فقلتُ: يا رسولَ الله! أ تنامُ قبل أن تُوتِرَ؟ فقال: يا عائشة! إنّ عينيَّ تنامان ولا ينام قلبِي (۴)

(۱) صحيح البخاري: ۱/۱۳۵، أبواب الوتر، باب ماجاء في الوتر.

(۲) ففي هذه الآثار أنّهُ كان يُوتر بثلاث، ولكنّهُ كان يَفصِل بين الواحدةِ والاثنتين، فقد اُتُّفِقَ عنه في الوتر أنّهُ ثلاثٌ. (شرح معاني الآثار: ۱/۱۹۷، كتاب الصّلاة، باب الوتر)

(۳) فهذا مَن ذكرنا من فقهاء المدينة وعلمائهم قد أجمعوا أنّ الوترَ ثلاثٌ.
(شرح معاني الآثار: ۱/۲۰۷، كتاب الصّلاة، باب الوتر)

(۴) صحيح البخاري: ۱/۱۵۴، كتاب التّهجّد، باب قيام النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم باللّيل في رمضان وغيرِهٖ.

اور صحیح مسلم میں ہے: عن عبد الله بن عبّاس رضي الله عنهما أنه رَقَدَ عندَ رسول الله صلّى اللّه عليه وسلّم فاستيقظَ فتسوكَ و توضّأَ ، وهو يقول: ﴿إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُوْلِي الْاَلْبَابِ﴾ فقرأ هؤلاء الآيات حتّى ختم السّورةَ ، ثمّ قام فصلّى ركعتين فأطال فيهما القيامَ والرّكوعَ والسّجودَ ، ثمّ انصرف فنام حتّى نَفَخَ ، ثمّ فعل ذٰلك ثلاثَ مرّاتٍ سِتَّ ركعاتٍ كلَّ ذلك يستاكُ ويتوضأُ ويقرأ هؤلآء الاٰيات ثمّ أوتر بثلاث(۱)

اور ابوداؤد کے سواء سنن کی تمام کتابوں میں ہے: عن سعيد بن جبير عن ابن عبّاس رضي اللّه عنهما أن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم كان يوتر بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الاَعْلٰى وقُلْ يٰاَيُّها الكٰفرُوْنَ، و قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدْ(۲) إسناده حسن .

اور ترمذی کے سواء سنن کی تمام کتابوں میں ہے: وعن أبي بن كعب قال: كان رسول الله صلّى اللّه عليه وسلّم يوتر بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الاَعْلٰى وقُلْ يٰاَيُّها الكٰفرُوْنَ وقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدْ (۳)إسناده صحيح(۴)

وعن عبد الرّحمٰن بن أبزىٰ أنّه صلّى مع النّبي صلّى الله عليه وسلّم الوترَ فقرأ في الأولىٰ: بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الاَعْلٰى، وفي الثّانية: قُلْ يٰاَيُّها الكٰفرُوْنَ ، وفي الثّالثة: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدْ، فَلمّا فرغ قال: سبحانَ الملكِ القدّوسِ ثلاثًا يمدّ صوتَه بالثّالثة

(۱) الصّحيح لمسلم: ۱/۲۶۱، كتاب صلاة المسافرين و قصرها ، باب صلاة النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم و دعائه باللّيل .

(۲) سنن ابن ماجة ، ص:۸۲ ، أبواب إقامة الصّلوات والسّنّة فيها، باب ماجاء في ما يقرأ في الوتر و فيإعلاء السّنن : ۶/۴۱، كتاب الصّلاة ، أبواب الوتر ، باب الإيتار بثلاث إلخ، المطبوعة : إدارة القرآن والعلوم الإسلاميّة ، كراتشي، باكستان .

(۳) سنن ابن ماجة، ص:۸۲ ، أبواب إقامة الصّلوات والسّنّة فيها ، باب ماجاء في ما يقرأ في الوتر .

(۴) إعلاء السّنن :۶/۴۲، كتاب الصّلاة ، أبواب الوتر ، باب الإيتار بثلاث إلخ .

رواه الطّحاويّ [۱] ورواه أحمد والنَسائيّ وإسناده حسن [۲] كما صرّح به الحافظ في التّلخيص .

ان روایات کے علاوہ اور بھی کثرت سے روایتیں ہیں جن کو بہ خوف تطویل ترک کرتا ہوں، اگر ضرورت سمجھی گئی تو آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کروں گا، اس کے بعد میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ان روایات صحیحہ کے برخلاف ابن ماجہ اور ابوایوب انصاری کی روایت کو جو دراصل ان کا فتویٰ معلوم ہوتا ہے مرفوع روایت نہیں، معمول بہا بنانا اور جزماً یہ کہنا کہ ایک رکعت ہی وتر ہے؛ کیا یہ تعجب نہیں ہے؟! روایات صحیحہ کو چھوڑ کر ایک موقوف روایت کے باعث جو درحقیقت ابوایوب انصاری کا فتویٰ ہے کوئی جری ناعاقبت اندیش ہی ایسا کہہ سکتا ہے کہ ایک رکعت ہی وتر ہے مجتہد کوئی کبھی ایسا نہیں کہہ سکتا۔

الحاصل وتر کے ایک رکعت نہ ہونے اور تین رکعت ہونے میں تو کچھ شبہ ہی نہیں، اگر گنجائش ہے تو اس میں ہے کہ یہ تین رکعت وتر دو قعدوں اور دو سلام سے ہیں؟ یا صرف ایک قعدہ اور ایک سلام سے؟ حنفیہ ان دونوں صورتوں کے سوا ایک تیسری صورت اختیار کرتے ہیں دو قعدوں اور ایک سلام سے وتر پڑھنے کا حکم دیتے ہیں، اور یہ نہیں کہ محض تعصب سے ایسا کیا جارہا ہے بلکہ ہمارے پاس اس پر دلائل موجود ہیں؛ صحیح مسلم صفحہ ۲۵۶ میں ہے: ولفظه مختصرًا: ويُصلّي تسعَ ركعاتٍ لايَجلسُ فيها إلاّ في الثّامنة فيذكرُ اللّهَ ويحمدُهُ ويدعوهُ ثم ينهضُ ولايسلّم،ثم يقومُ فيصلِّ التّاسعةَ ثمّ يقعدُ فيذكرُ اللّهَ ويحمدُهُ ويدعوهُ ثمّ يُسلّم تسليمًا يُسمعنا الحديث [۳]

---

(۱) شرح معاني الآثار: ۱/۲۰۵، كتاب الصّلاة، باب الوتر، وفي إعلاء السّنن: ۶/۴۲، كتاب الصّلاة، أبواب الوتر، باب الإيتار بثلاث إلخ .

(۲) وحديثُ عبدِ الرّحمن بن أبزیٰ : رواه أحمد والنَسائيّ وإسنادُهُ حسنٌ. (التّلخيص الحبير لابن حجر: ۲/۸۸۲، رقم الحديث: ۶۱۷، كتاب الصّلاة، باب صلاة التّطوّع، المطبوعة: دار أضواء السّلف، الرّياض)

(۳) الصّحيح لمسلم: ۱/۲۵۶، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة اللّيل وعدد ركعات النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم في اللّيل إلخ .

شیخ بدر الدین عینی فرماتے ہیں (۱) اگر چہ اس روایت سے یہ ایہام ہوتا ہے کہ نو رکعت دو قعدوں اور ایک سلام سے پڑھی گئی، شروع کی سات رکعت میں آپ نے کہیں قعدہ نہیں کیا، مگر درحقیقت یہ بات نہیں حضرت عائشہؓ نے صلاۃِ لیل کے قعدوں کا ذکر نہیں فرمایا، بلکہ وتر کے پہلے قعدہ کا ذکر فرماتے ہوئے تین رکعت وتر کا بہ دو قعدہ اور ایک سلام ثبوت دیتی ہیں، اتنا فرما کر شیخ بدرالدین عینی ساکت ہوگئے، اس کا ثبوت نہیں دیا کہ فی الواقع حضرت عائشہ کا یہی مطلب ہے کہ نبی علیہ السلام نے وتر کی دوسری رکعت میں جو مجموعہ رکعات کے اعتبار سے آٹھویں ہوتی ہے قعدہ کیا، اور سلام نہ دینے پائے تھے کہ کھڑے ہوکر تیسری رکعت ملا کر قعدہ اخیرہ کے بعد سلام دیا، اس کی دلیل نسائی میں ہے، یہی روایت متناً وسنداً نسائی لائے ہیں، ولفظه: سعيدٌ عن قتادة عن زُرارة بن أوفٰى عن سعْد بن هشام أنّ عائشة رضي الله عنها حدثتْهُ أنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم كان لا يُسلّم في ركعتي الوتر (۲) پس معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ کا مطمع نظر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے وقت دو رکعت پر قعدہ فرماتے تھے اور سلام تیسری رکعت پوری کرنے کے بعد دیتے تھے، یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور حنفیہ کی حجت ہے؛ لیکن حافظ مجد الدین ابوالبرکات ابن تیمیہ نے منتقیٰ میں اسی روایت کے نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے امام احمدؒ نے اس کی تضعیف کی ہے (۳) حالانکہ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ یہ روایت دو سندوں سے مروی ہے، امام موصوف جس سند کے ساتھ مسند احمد میں لائے ہیں بلاشبہ وہ سند ضعیف ہے، امام احمد نے حدیث کی تضعیف نہیں کی سند کی کی ہے (۳) کیونکہ تخریج زیلعی میں جہر بالتسمیہ کے موقع میں خود امام احمدؒ سے رکعات وتر میں جوازِ وصل مروی ہے (۴) پس لامحالہ امام احمد نے مسند احمد کے طریق کی تضعیف کی ہے،

---

(۱) عمدة القاري لبدر الدّين العيني: ۷/۱۱، كتاب الوتر، أبواب الوتر، رقم الحديث: ۹۹۴ المطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) سنن النّسائي: ۱/۱۹۱، كتاب قيام اللّيل و تطوّع النّهار، باب كيف الوتر بثلاث؟ .

(۳) المنتقٰى في أحكام الشّرعيّة من كلام خير البريّة : ص: ۲۳۶، كتاب الصّلاة، أبواب صلاة التّطوع، باب الوتر بركعة، و بثلاث إلخ المطبوعة: دار ابن الجوزي، السّعودية.

(۴) نصب الرّأية: ۱/۳۲۸، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، أحاديث الجهر بالبسملة، المطبوعة: مؤسّسة الرّيّان، بيروت، لبنان.

کیوں کہ اس میں یزید بن یعفر ہے۔ وهو ضعيف .

غرضیکہ نسائی کی روایت میں کوئی کلام نہیں وہ صحیح الاسناد ہے، مستدرک حاکم میں ایک روایت ہے جس کے لفظ یہ ہیں: عن عائشةؓ أنّ النبيّ صلّى الله عليه وسلّم يوتر بثلاث لا يقعد إلّا في آخرهنّ (۱) حافظ نے اور تقلیداً ہمارے مجیب صاحب نے اس روایت سے قعدۂ اولی کی نفی کی ہے (۲) حالانکہ حافظ جمال الدین زیلعی نے تخریج میں تصریح کی ہے کہ مستدرک حاکم میں یہ روایت بہ ایں الفاظ وارد ہے: يوتر بثلاث لا يسلّم إلّا في آخرهنّ (۳) زیلعی اپنی نقل میں ثقہ ہیں (۴) مستدرک کے نسخے میں یہ لفظ ضرور ہوں گے، اور مسند احمد کی روایت ضعیف ہی سہی مگر اس کے لفظ یہ نہیں يوتر بثلاث لا يفصل بينهنّ (۵) اور نسائی میں ہے: عن أبي بن كعب نحوه ولفظه: يوتر بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الاَعْلٰى و قُلْ يٰاَيُّها الكٰفِرُوْنَ، و قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ولا يسلّم إلّا في آخرهنّ (٦)

یہ روایتیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت إنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم يوتر بثلاث لا يقعد إلّا في آخرهنّ (٦) کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم وتر تین رکعت پڑھتے تھے، اور ایسا قعدہ جس میں سلام دیا جاوے اخیر میں کرتے تھے، اب تمہیں انصاف سے کہو کہ اس سے قعدۂ اولیٰ کی نفی کس طرح نکلی، اس روایت کے سوا ایک اور روایت ہے: كما في الطحاويّ، ص:۱۷۲،عن أبي هريرة رضي الله عنه عن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم

---

(۱) قد مرّ تخريجه آنفًا .

(۲) فتح الباري شرح البخاريّ: ۲/۴۸۱، كتاب الوتر ، باب ماجاء في الوتر ، رقم الحديث: ۹۹۴ ، المطبوعة : دار المعرفة ، بيروت ، لبنان .

(۳) المستدرك للحاكم :۱/۴۴۷، كتاب الوتر، المطبوعة: دار الكتب العلميّة ، بيروت.

(۴) نصب الرّاية :۲/۱۱۸، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الوتر ، أحاديث الإيتار بثلاث .

(۵) عن عائشة رضي الله عنها أنّ النّبيّ صلّى الله عليه و سلّم كان يُوتر بخمس ركعاتٍ لا يجلسُ إلّا في آخرهنّ . (مسند الإمام أحمد بن حنبل:۴۲/۲۶۴، مسند النّساء ، مسند الصّديقة عائشة بنت صديق رضي الله عنهما ، رقم الحديث: ۲۵۷۰۲۔

(٦) قد مرّ تخريجه آنفًا .

قال: لا تُوتِروا بثلاثٍ و أُوتِروا بخمسٍ أو بسبعٍ ولا تشبّهوا بصلاة المغرب (۱) حافظ اس روایت سے قعدہ اولیٰ کی نفی پر استدلال کرتے ہیں (۲) جس کا حاصل یہ ہے کہ تین رکعت وتر ایسی طرح پڑھنے سے جس میں صلاۃ مغرب سے مشابہت ہو جائے مثلاً دو قعدوں اور ایک سلام سے پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے، ایک قعدہ اور ایک سلام سے یہ مشابہت نہیں رہتی، اس لیے حدیث سے قعدہ اولیٰ کی نفی اور قعدہ ثانیہ کا ثبوت ہوتا ہے، ہمیں سخت تعجب ہے کہ قعدہ اولیٰ کی نفی پر ایسا ضعیف استدلال کیوں کیا گیا ہے، حدیث کے جملہ ثانیہ کو کیوں نہیں دیکھا جس سے بالتصریح معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مجرد تین رکعت مت پڑھو جس سے صلاۃِ مغرب سے مشابہت ہو جائے بلکہ پانچ یا سات یا نو رکعت پڑھا کرو، اور وتر کے ساتھ شفع اس سے پہلے ملا لیا کرو تا کہ صلاۃِ مغرب سے مشابہت نہ رہے۔ ترمذی میں ہے: عن ثابت البنانيّ قال: قال: أنس يا أبا محمّد ! خُذ عني فإني أخذتُ عن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم وأخذ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عن الله ، ولن تأخذ عن أحد أوثق منّي، قال: ثمّ صلّى بي العشاءَ ثمّ صلّى ستَّ ركعاتٍ يسلّم بين الرّكعتين ثمّ أوتر بثلاث يسلّم فى آخرهنّ، رواه التّرمذي سندَه و ترك متنَهُ (۳) وهذا المتن بعينهٖ بهٰذا اللّفظ، في كنز العمّال، صفحه: ۱۹۶/۴، في الأفعال لا في الأقوال وأحال على الرّوياني وابن عساكر وقال: رجالهُ ثقاتٌ (۴)

---

(۱) شرح معاني الآثار: ۲۰۵/۱، كتاب الصّلاة ، باب الوتر .

(۲) فتح الباري: ۴۸۱/۲، كتاب الوتر ، باب ماجاء في الوتر ، رقم الحديث: ۹۹۴ .

(۳) حدّثنا إبراهيمُ بنُ يعقوبَ حدّثنا زيدُ بن الحُباب حدّثنا ميمونُ أبو عبدِ الله حدّثنا ثابتٌ البُنانيُّ قال: قال لي أنسُ بنُ مالكٍ :يا ثابت! خُذ عنّي فإنّك لن تأخذ عن أحدٍ أوثقَ منّي ، إنّي أخذتُهُ عن رسولِ الله صلّى الله عليه وسلّم وأخذهٗ رسولُ الله صلّى الله عليه وسلّم عن جبريلَ و أخذهٗ جبريلُ عن الله عزّ و جلّ. (جامع التّرمذيّ: ۲۲۳/۲، أبواب المناقب ، مناقب أنس بن مالك رضي الله عنه)

(۴) كنز العمّال: ۶۶/۸-۶۷، كتاب الصّلاة من قسم الأفعال ، الباب الثّاني في أحكامها و أركانها ومفسداتها ومكمّلاتها ، باب الوتر ، رقم الحديث: ۲۱۹۰۲، المطبوعة: مؤسّسة الرّسالة ، بيروت .

یہ روایت بھی حنفیہ کی حجت ہے، اس سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ وتر تین رکعت ہیں، اور یہ تین رکعت دو قعدوں اور ایک سلام سے پڑھی جاتی تھیں، روایت مرفوعہ اور بھی بہت ہیں جن سے تین رکعت ہونا وتر کا بہ دو قعدہ اور ایک سلام معلوم ہوتا ہے، اس وقت اتنے ہی حصہ پر اکتفا کرتا ہوں اور آثار میں بہ کثرت ایسے ہیں جن سے وتر کا تین رکعت بہ دو سلام ثابت ہوتا ہے، اور ایسے بھی ہیں جن سے وتر کا تین رکعت ہونا بہ دو قعدہ و یک سلام معلوم ہوتا ہے، حنفیہ کے یہاں روایاتِ مذکورہ بالا کی بناء پر ثانی راجح ہے۔

اور ایک رکعت وتر ہونا سوائے سعد بن ابی وقاص و معاویہ بن ابی سفیان اور ذی النورین کے اور کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے[۱] اگر حافظ اس کو جماعت قرار دیتے ہیں تو حافظ کا فرمانا: وصحّ عن جماعةٍ من الصّحابة أنّهم أوترُوا بواحدةٍ من غيرِ تقدُّم نفلٍ قَبْلَها [۲] درست ہے، تین پر جماعت کا اطلاق کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ حنفیہ کو مضر نہیں؛ کیونکہ حنفیہ جس کے قائل ہیں اس کی تائید میں جم غفیر صحابہ سے آثار مروی ہیں، مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: حدّثنا حفص بن عمرو عن الحسن قال: أجمع المسلمون علىٰ أنّ الوتر ثلاثٌ لايسلّم إلاّ في آخرهنّ [۳] وفيه عمرو بن عبيد وهو معتزليّ [۴] عینی میں ہے: وممّن قال: يوتر بثلاث لايفصل بينهنّ عمرُ وعليٌّ وابن مسعودٍ وحذيفةُ وأُبَيّ بن كعب وابنُ عبّاس وأنسٌ وأبو أمامة وعمرُ بن عبد العزيز والفقهاءُ السّبعةُ وأهلُ الكوفة، وقال التّرمذيّ: ذهب جماعةٌ من الصّحابة وغيرهم إليه أهـ [۵] جب ترمذی کی تصریح سے صحابہ کا ایک عدد (مراد ایک بڑی جماعت ہے) حنفیہ کے موافق معلوم ہوتا ہے تو اب حافظ کی تصریح سے ہمارے مجیب صاحب کو خوش نہ ہونا چاہیے حافظ جس کو

---

(۱) شرح معاني الآثار: ۱/۲۰۳، و فيه أيضًا: ۲۰۶-۲۰۷، كتاب الصّلاة، باب الوتر.

(۲) فتح الباري: ۲/۴۸۲، كتاب الوتر، باب ماجاء في الوتر، رقم الحديث: ۹۹۴.

(۳) مصنّف أبي بكر بن أبي شيبة: ۴/۴۹۲-۴۹۳، كتاب الصّلاة، باب من كان يوتر بثلاث أو أكثر، رقم الحديث: ۶۹۰۴، المطبوعة: دار قرطبة للطّباعة والنّشر والتّوزيع، بيروت، لبنان.

(۴) إعلاء السّنن: ۶/۵۰، كتاب الصّلاة، أبواب الوتر، باب الإيتار بثلاث.

(۵) عمدة القاري: ۷/۶-۷، كتاب الوتر، أبواب الوتر.

جماعت کہہ رہے ہیں اس سے دس گنا حنفیہ کی طرف صحابہ کا عدد موافق ہے، اور طرفہ یہ ہے کہ اجلۂ صحابہ حنفیہ کے موافق ہیں، قیل: للحسن : أن ابنَ عمرَ کان یسلّم في الرّکعتین من الوتر فقال: عمرُ کان أفقهَ منه و کان ینهض في الثّانیة بالتّکبیر (۱) ان اشیاء کی نگہداشت کے بعد کوئی متعصب معاند ہی کہہ سکتا ہے کہ ابوحنیفہ کا مذہب روایات کے خلاف ہے، غیر متعصب فہیم کبھی ایسا نہیں کہہ سکتا، بلکہ جتنی تحقیق وتفتیش کی جائے ابوحنیفہ کا مذہب اقرب الی الروایات معلوم ہوتا ہے۔

۳) یہ جزو مجمل رکھا گیا ہے، تشریح طلب ہے، معلوم نہیں قنوت سے کیا مراد لیا ہے، اگر قنوت نازلہ ہے تو حنفیہ بھی کہتے ہیں کہ بعد الرکوع پڑھنا چاہیے، اور اگر قنوت وتر مراد ہے تب یہ کہنا صحیح نہیں کہ بعد الرّکوع نبیٔ کریم ﷺ سے وتر میں قنوت پڑھنا ثابت ہے، کیونکہ جن روایتوں میں قنوت بعد الرکوع پڑھنا ثابت ہوتا ہے ان کا صحیح محمل یہ ہے کہ وہ قنوت نازلہ کا حکم ہے، بحر الرائق: ۱/۴۰ میں ہے: قوله: (وقَنَتَ في ثالثته قبلَ الرّکوع أبدًا) لِمَا أخرجَهُ النّسائيُّ عن أُبَي ابن کعب أنّه علیه الصّلاة والسّلام کان یَقنتُ قبلَ الرّکوع ، وما في حدیثِ أنسٍ من أنّه علیه السّلام قَنَتَ بعدَ الرّکوع ، فالمرادُ منه أنّ ذٰلك کان شهرًا منه فقط بدلیل ما في الصّحیح عن عاصمٍ الأحولِ سالتُ أنسًا عن القنوت في الصّلاة ؟ قال: نعم، قلتُ: أ کان قبل الرّکوع أو بعده ؟ قال: قبلَهُ ، قلتُ: فإنّ فلانًا أخبرني عنك أنّك قلتَ بعده ؟ قال: کَذَبَ إنّما قَنَتَ رسولُ الله صلّی الله علیه وسلّم بعدَ الرّکوع شهرًا (۲)

پس معلوم ہوا کہ وتر میں قنوت قبل الرکوع پڑھنا چاہیے، باقی قنوت نازلہ اس میں قبل الرکوع اور بعد الرکوع دونوں طرح کے اقوال ہیں۔ ردالمحتار میں ہے: وهو صریحٌ في أنّ قنوتَ النّازلة عندنا مختصٌّ بصلاة الفجر دون غیرِها من الصّلوات الجهریة أو السّرّیة .... وهل القنوتُ هنا قبلَ الرّکوع أم بعدَهُ؟ لم أرَهُ ، و الّذي یظهرُ لي............ أنّهُ یقنتُ بعد الرّکوع لا قبلَهُ بدلیل أن ما استدلَّ به الشّافعيّ علٰی قنوت الفجرِ و فیه التّصریح بالقنوت بعد الرّکوع ، حملَهُ علماؤُنا علٰی القنوت للنّازلة، ثمّ رأیت الشّرنبلاليّ في مراقي الفلاح

(۱) مرقاة المفاتیح:۳/۳۱۰، کتاب الصّلاة، باب الوتر، الفصل الثّاني، رقم الحدیث:۱۲۷۲)

(۲) البحر الرّائق:۲/۷۰-۷۱، کتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل .

صرّح بأنّه بعدَهُ ، و استظهرَ الحمويُّ أنّه قبله و الأظهرُ ما قلناه ، والله أعلم (۱)
اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے باوجود اس کے کہ قنوت نازلہ میں دو قول ہیں: قبل الرکوع اور بعدالرکوع، دونوں طرح پڑھنے کا مشائخ حنفیہ حکم لگاتے ہیں، مگر راجح یہ ہے کہ قنوتِ نازلہ بعدالرکوع پڑھی جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۶۸-۱۸۹)

سوائے وتر کے اور کسی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا درست نہیں

سوال: (۱۵۷۸) سوائے نماز وتر اور فجر کے اور کسی نماز فرض میں بھی قنوت پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟ (۵۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: حنفیہ کے نزدیک سوائے وتر کے اور کسی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا درست نہیں ہے، صبح کی نماز میں جو آنحضرت ﷺ نے چندروز دعائے قنوت پڑھی ہے وہ حکم منسوخ ہوگیا (۲) البتہ اگر کوئی حادثہ پیش آوے تو صبح کی نماز میں قنوت پڑھنا درست ہے، سوائے صبح کے اور نمازوں میں مختلف فیہ ہے (۳) اور دعائے قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا بھی درست ہے۔ فقط (۴/۱۵۹)

---

(۱) ردّ المحتار مع ردّ المحتار: ۲/۳۹۰، کتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في القنوت للنّازلة .

(۲) ويأتي المأموم بقنوت الوتر إلخ لا الفجر لأنّه منسوخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۸۷، کتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب: الاقتداء بالشّافعيّ)ظفیرؒ

(۳) و لا يقنت لغيرہٖ إلّا لنازلةٍ فيقنتُ الإمامُ في الجهريّة ، وقيل: في الكلّ (الدّرّ المختار) قوله: (ولا يقنت لغيرہٖ) أي غير الوتر إلخ ، قوله: (فيقنت الإمام في الجهرية) إلخ...... لكن في الأشباه عن الغاية: قنت في صلاة الفجر إلخ ، قال الحافظ أبوجعفر الطّحطاويّ: إنّما لايقنت عندنا في صلاة الفجر من غير بليّة إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۸۹-۳۹۰ کتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في القنوت للنّازلة)ظفیرؒ

قنوتِ نازلہ کا بیان

قنوتِ نازلہ فجر کے علاوہ باقی نمازوں میں جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۵۷۹) عندالاحناف نماز فجر میں کس وقت میں ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت یا اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ یا اور کوئی دعا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی حنفی جس کو فقہ کا علم نہ ہو، یا ہو وہ امام شافعی یا امام احمد یا امام مالک رحمہم اللہ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے، وہ حنفی پختہ ہوسکتا ہے یا نہ؟ (۷۷/۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: حنفیوں کے نزدیک بہ وقت نزول حادثہ کے صرف صبح کی نماز میں بعد رکوع کے دوسری رکعت میں بلا ہاتھ اٹھائے دعائے قنوت پڑھنا جائز ہے، اور باقی نمازوں میں جائز نہیں ہے، اور بلا نزول حادثہ کے کسی نماز میں کسی وقت جائز نہیں۔ شامی میں ہے: **قال الحافظ أبو جعفر الطّحاويّ: إنّما لا يَقنتُ عندنا في صلاةِ الفجر من غير بليّةٍ ، فإن وقعت فتنةٌ أو بليّةٌ فلا بأس بهِ فعلَهُ رسولُ اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم**[1] اور اس کے بعد شامی میں ہے: **إنّ قنوتَ النّازلة عندنا مختصٌّ بصلاة الفجر دون غيرها من الصّلوات الجهريّة أو السّريّة**[1] اور پھر اسی میں ہے: **وأنّهُ يقنتُ بعدَ الرّكوع لا قبلهُ**[1] ائمہ اربعہ اپنے اپنے مذہب میں سب حق پر ہیں، اوران کا اختلاف از قبیلہ **اختلاف أمتي رحمة**[2] ہے، اس واسطے کسی مقلد کو جائز نہیں کہ وہ کسی

---

(۱) ردّ المحتار: ۳۹۰/۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في القنوت للنّازلة .

(۲) آنحضرت ﷺ سے حدیث کے یہ کلمات ثابت نہیں، بلکہ حدیث کے کلمات یہ ہیں: **اختلافُ أصحابي لكم رحمةٌ**. شامی میں ہے: **قال في المقاصد الحسنة: رواه البيهقيُّ بسندٍ منقطعٍ عن ابن عبّاسٍ رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما بلفظ : قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم :** ==

امام کو بہ نظر حقارت دیکھے، بلکہ مقلد کو چاہیے کہ وہ اپنے امام کے مذہب کو صواب محتمل خطاء سمجھے، اور دوسرے امام کے مذہب کو غلط محتمل صواب سمجھے۔ درمختار میں ہے: **وفيها لو إذا سُئِلنا عن مذهبِنا ومذهبِ مخالفنا، قلنا وجوبًا: مذهبُنا صوابٌ يحتملُ الخطأَ، ومذهبُ مخالفِنا خطأٌ يحتملَ الصّوابَ**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۸۹-۱۹۰)

قنوتِ نازلہ مغرب وعشاء میں درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۵۸۰) سنا ہے کہ دیوبند میں کوئی فتویٰ چھپا ہے جس میں عشاء کی اخیر رکعت میں دعا پڑھنا لکھا ہے؟ (۲۳۱۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: یہاں سے جو [فتویٰ][2] چھپا ہے اس میں صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنے کو لکھا ہے اور بعض نے عشاء ومغرب میں بھی جائز لکھا ہے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۹۲)

قنوتِ نازلہ جمعہ میں درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۵۸۱) قنوت نازلہ کا جمعہ میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۸۹۲/۱۳۳۹ھ)

== مَهْمَا أُوْتِيْتُمْ مِن كتابِ اللّٰه فالعملُ بهٖ، لا عذرَ لأحدٍ في تركهٖ، فإن لم يكن في كتاب اللّٰه فسنّةٌ منّي ماضيةٌ، فإن لم تكن سنّة منّي فما قال أصحابي، إنّ أصحابي بمنزلة النّجوم في السّماء فأيُّما أخذتم بهٖ اهتديتم، واختلاف أصحابي لكم رحمةٌ. وأوردهٗ ابن الحاجب في المختصر بلفظ: اختلاف أمّتي رحمةٌ للنّاس، وقال ملّا علي القاريّ: إنّ السّيوطيَّ قال: أخرجهٗ نصْرٌ المقدسيُّ في الحجّة، والبيهقيُّ في الرّسالة الأشعريّة بغير سند. (ردّالمحتار: ۱/۱۵۴-۱۵۵، مقدمة — مطلب: في حديث اختلاف أمتي رحمة)

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱/۱۲۹-۱۳۰، مقدمّة، مطلب في الكلام علىٰ إنشادِ الشّعر.

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں [فتویٰ] کی جگہ ''قنوت'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) قوله: (ولايقنت لغيرهٖ) أي غير الوتر إلخ، قوله: (فيقنت الإمام في الجهرية) إلخ...... لكن في الأشباه عن الغاية: قنت في صلاة الفجر إلخ، قال الحافظ أبوجعفر الطّحطاويّ: إنّما لايقنت عندنا في صلاة الفجر من غير بليّة إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۸۹-۳۹۰ كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في القنوت للنّازلة) ظفیرؔ

الجواب: بعض روایات کے موافق جن میں تمام جہری نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھنے کو جائز لکھا ہے جمعہ کی نماز میں بھی درست ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۹۵)

تمام نمازوں میں دعا کی طرح ہاتھ اٹھا کر قنوتِ نازلہ پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۵۸۲) ایک مولوی صاحب اہلِ حدیث نماز پنج گانہ فرائض کی رکعت اخیرہ میں بعد رکوع کے ہاتھ اٹھا کر امام دعا پڑھتا ہے، اور مقتدی بھی ہاتھ اٹھا کر بہ طریق دعا آمین کہتے ہیں، کیا یہ دعا اس طریق سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۴۲۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: ایسا بھی ثابت ہے[۲] لہٰذا اس میں کچھ حرج نہیں ہے، اور حنفیہ نے بھی اس کی اجازت دی ہے، اگرچہ زیادتر روایات صبح کی نماز میں ہیں[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۹۹)

قنوتِ نازلہ تمام جہری نمازوں میں ہے یا صرف فجر میں؟

سوال: (۱۵۸۳) حنفیہ کے صحیح مذہب اور ارجح اقوال کے اعتبار سے قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز میں پڑھنی چاہیے یا تمام جہری نمازوں میں پڑھنا ضروری ہے؟ اگر کوئی امام صرف فجر کی نماز میں قنوت پڑھے اور دوسری جہری نمازوں میں نہ پڑھے تو اس سے جبراً باقی نمازوں میں پڑھوایا جاوے گا یا نہ؟ قنوت نازلہ علاوہ فجر کے دیگر نمازوں میں منسوخ ہے یا نہیں؟ اور آنحضرت ﷺ نے قنوت نازلہ کس وقت تک پڑھا ہے جب تک وہ کام پورا ہوا یا پہلے ہی ترک کر دیا؟

(۱۸۹۴/۱۳۳۹ھ)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

(۲) فقال أنس رضي الله عنه : فما رأيت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم وجد علىٰ شيء قطّ وَجْدَه عليهم فلقد رأيت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم كلّما صلّى الغداة رفع يديه فدعا عليهم . (مسند أحمد: ۱۹/۳۹۴، مسند أنس بن مالك رضي الله عنه ، رقم الحديث: ۱۲۴۰۲، المطبوعة: مؤسّسة الرّسالة)

(۳) حوالہ سابقہ۔۱۲

الجواب: راجح عند الحنفیہ یہ ہے کہ قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز میں ہے نہ تمام جہری نمازوں میں، اگرچہ بعض کتب سے اس کی بھی اجازت معلوم ہوتی ہے، بہر حال اگر کوئی امام صرف فجر کی نماز میں دعائے قنوت نازلہ پڑھے اور دیگر جہری نمازوں میں نہ پڑھے تو اس پر جبر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ تمام جہری نمازوں میں پڑھے کیونکہ یہ عند الحنفیہ مختلف فیہ ہے، پس احوط اور معمول اکابرؒ کا صرف نماز فجر میں ہے، كما في الشّامي بعد نقل كلام الإمام الطّحاوي: وهو صريح في أنّ قنوتَ النّازلة عندنا مختصٌّ بصلاة الفجر دون غيرها من الصّلوات الجهريّة أو السّرّية إلخ (۱) اوراس کی کچھ تحدید منقول نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یا آپ کے بعد صحابہ کرامؓ نے جو قنوت بہ وقت نوازل پڑھا وہ کس وقت تک پڑھا، ظاہر یہ ہے کہ رفع نازلہ تک پڑھا ہوگا جو کہ وجہ اس کی مشروعیت کی ہے، چنانچہ فقہاء نے بھی اس میں کچھ تحدید نہ کی، اور یہ فرمایا: ولا يقنت لغيره إلاّ لنازلة إلخ (۱) درمختار، ظاہراً لفظ إلاّ لنازلةٍ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت تک وہ نازلہ موجود ہو دعائے مذکور مشروع ہے، اور حدیث انسؓ میں ہے: أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم قنت شهرًا ثمّ تركه، رواه أبو داؤد والنّسائي (۲) ایک ماہ کے بعد ترک فرمانا آپ کا یا اس وجہ سے ہو کہ مقصد پورا ہو گیا، اور دعا مقبول ہوگئی اور آثارِ بددعا ظاہر ہونے لگے، یا آپ کو حکم ہو گیا کہ اب ترک کر دیجئے، اب ضرورت نہیں رہی، بہر حال اب مشروعیت اس کی تا بقاء نازلہ عند الفقہاء مسلم ہے۔ فقط (۱۹۶/۴-۱۹۷)

قنوتِ نازلہ کا جواز اور اُس کا ثبوت

سوال: (۱۵۸۴) قنوت نازلہ جو تقریباً سال بھر سے پڑھی جارہی ہے، اس پر بعض مسلمان یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کا پڑھنا جائز نہیں ہے، اور حدیث انس سے اس کا پڑھنا موقوف ہو چکا ہے،

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۸۹-۳۹۰، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في القنوت للنّازلة.

(۲) مشكاة المصابيح: ص:۱۱۴، كتاب الصّلاة، باب القنوت، الفصل الثّاني.

عن أنس أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم قنت شهرًا ثمّ تركه ، رواه أبوداؤد (۱) ثمّ ترکه سے اس کا چھوڑنا فرض کہتے ہیں، یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں کسی پر لعنت ملامت کرنا یا بد دعا کرنا بھی جائز نہیں ہے، حدیث اور قول امام اعظمؒ سے اس کا ثبوت مانگتے ہیں کہ ثمّ ترکه کے بعد آنحضرت ﷺ نے پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا ہو۔(۱۹۰۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: ولا يقنت لغيره إلّا لنازلة فيقنت الإمام في الجهرية و قيل: في الكلّ إلخ ، اور ردالمحتار معروف بہ شامی میں ہے: قوله (فيقنت الإمام في الجهريّة) يُوافقهٗ ما في البحر والشّرنبلالية عن شرح النّقاية عن الغاية: وإن نزل بالمسلمين نازلةٌ قنت الإمامُ في صلاة الجهر، وهو قول الثّوري وأحمد اهـ. وكذا ما في شرح الشّيخ إسماعيل عن البناية: إذا وقعت نازلةٌ قنت الإمامُ في الصّلاة الجهريّة ، لكن في الأشباه عن الغاية: قنت في صلاة الفجر ، ويؤيّدهٗ ما في شرح المنية حيث قال بعد كلام: فتكون شرعيتُهٗ أي شرعية القنوت في النّوازل مستمرّةً ، و هو محمل قنوتِ من قنت من الصّحابة بعد وفاته عليه الصّلاة والسّلام ، وهو مذهبنا وعليه الجمهور، قال الحافظ أبو جعفر الطّحاوي : إنّما لا يقنت عندنا في صلاة الفجر من غير بليّة ، فإن وقعت فتنةٌ أو بليّة فلا بأس به فعله رسول الله صلّى الله عليه وسلّم إلخ ـــــ إلى أن قال ـــــ وهو صريحٌ في أنّ قنوت النّازلة عندنا مختصّ بصلاة الفجر دون غيرها من الصّلوات الجهريّة أو السّريّة إلخ (۲) ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ عندالحنفیہ بلکہ عندالجمہور قنوت نازلہ بعد وفات آنحضرت ﷺ بھی مشروع ہے، پس جو شخص اس کا انکار کرے وہ جملہ ائمہ اہل حق کا مخالف اور کتب دینیہ سے ناواقف ہے کیوں کہ ظاہر ہے کہ اگر قنوت نازلہ منسوخ ہو جاتا تو آپ کی وفات کے بعد صحابہؓ اس کو معمول بہ کیوں بناتے ۔ وكفى بهم قدوة اور حدیث انسؓ أنّ النّبيّ صلّى الله

(۱) مشكاة المصابيح: ص:۱۱۴، كتاب الصّلاة ، باب القنوت ، الفصل الثّاني .

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۸۹-۳۹۰، كتاب الصّلاة ، باب الوتر و النّوافل ، مطلب في القنوت للنّازلة .

علیہ وسلّم قنت شهرًا ثمّ ترکه سے منسوخ سمجھنا قنوت نازلہ کا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ثمّ ترکه کے یہ معنی ہیں کہ مہینہ بھر کے بعد آپ نے اس کو چھوڑ دیا، کیوں کہ مثلاً ضرورت باقی نہ رہی اور جو غرض تھی وہ حاصل ہوگئی وغیرہ، اور لعنت کفار پر آیات واحادیث سے برابر ثابت ہے۔ قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۸۹) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۵۹) اسی طرح بہ کثرت آیات واحادیث سے لعنت بر کفار ثابت ہے، انکار اس کا سوائے جاہل معاند کے اور کون کرسکتا ہے، الغرض حنفیہ کو اپنے ائمہ کے اقوال اور کتب فقہ کی تفصیل وتشریح کو دیکھ کر اس پر عمل کرنا چاہیے منکرین ائمہ یعنی فرقہ غیر مقلدین کی بات سننا نہ چاہیے۔ فقط (۴/ ۱۹۷-۱۹۹)

قنوتِ نازلہ جائز ہے یا نہیں؟ اور جائز ہے تو کیوں؟

سوال: (۱۵۸۵) اس زمانے میں جو دعائے نازلہ پڑھی جاتی ہے یہ دعا نماز فجر میں احناف کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ﴾ کا کیا جواب ہے؟ اور اس دعائے نازلہ میں اور قنوت میں جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے جب کسی قبیلہ یا قوم کو بددعا کرنا چاہتے تھے فرق ہے یا نہیں؟ (۱۰۵۱/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: بہ وقت نازلہ دعائے قنوت وغیرہ نماز فجر میں بہ اتفاق حنفیہ جائز ہے۔ درمختار میں ہے: ولا يقنت لغيره إلّا لنازلةٍ إلخ [۱] وفي الشّامي: وهو صريح في أنّ قنوت النّازلة عندنا مختصٌّ بصلاة الفجر إلخ [۱] وفيه: عن شرح المنية فتكون شرعيتُهُ أي شرعية القنوت في النّوازل مستمرةً، وهو محمل من قنت من الصّحابة بعد وفاته عليه الصّلاة والسّلام وهو مذهبنا وعليه الجمهور [۱] پس جب کہ معلوم ہوا کہ مذہب جمہور ائمہ یہی ہے، اور صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی بعد قنوت نازلہ پڑھا ہے تو اب کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اس کے

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۳۸۹-۳۹۰، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في القنوت للنّازلة.

جواب کی ضرورت نہیں ہے، اورآیت: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ﴾ (سورۂ آل عمران، آیت: ۱۲۸) کے شانِ نزول میں اختلاف کثیر ہے، قنوت نازلہ میں نزول اس کا متعین نہیں ہے۔ كما صرّح به في المعالم [۱] تاکہ جواب کی ضرورت ہو، اور امام طحاوی کا قول خود شامی میں یہ منقول ہے: قال الحافظ أبو جعفر الطّحاويّ: إنّما لا يقنت عندنا في صلاة الفجر من غير بليّةٍ فإن وقعت فتنةٌ أو بليّةٌ فلا بأس به فعلهٗ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم إلخ [۲] فقط (۴/۱۹۵-۱۹۶)

فجر میں جو قنوت پڑھا جاتا ہے اس کا حوالہ

سوال: (۱۵۸۶) قنوت در نماز فجر در موقعہ نوازل خواندہ می شود حوالہ مطلوب است؟

(۲۳۴۳/۱۳۳۸ھ)

الجواب: قنوت در نوازل در صلاۃِ فجر نزد حنفیہ ثابت و معمول بہ است۔ قال في الشّامي: وهو صريح في أنّ قنوت النّازلة عندنا مختصّ بصلاة الفجر إلخ [۳] فقط (۴/۱۹۰)

ترجمہ سوال: (۱۵۸۶) آفات شدیدہ کے موقع پر نماز فجر میں جو قنوت پڑھا جاتا ہے؛ اس کا حوالہ مطلوب ہے۔

الجواب: آفات شدیدہ کے وقت نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک ثابت ہے اور معمول بہ ہے۔ شامی میں مذکور ہے: اور یہ بات واضح ہے کہ قنوت نازلہ ہمارے نزدیک نماز فجر کے ساتھ خاص ہے۔

---

(۱) قوله تعالىٰ: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ﴾ الآية، اختلفوا في سببِ نزولِ هذهِ الآية إلخ (معالم التّنزيل للبغوي: ۲/۱۰۱-۱۰۳، تفسير سورة آل عمران، رقم الآية: ۱۲۸، المطبوعة: دار طيّبة للنّشر والتّوزيع، الرّياض)

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۸۹-۳۹۰، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في القنوت للنّازلة.

(۳) ردّ المحتار: ۲/۳۹۰، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في القنوت للنّازلة.

قنوتِ نازلہ میں ہاتھ چھوڑے رکھیں اور آمین آہستہ سے کہیں

سوال: (۱۵۸۷) درقنوت مذکورہ امام ومقتدی دست ارسال بکنند یا بندند؟ چنانچہ دروتر می بندند؟ وآمین بہ جہر گویند یا خفیہ؟ (۲۳۴۳/۱۳۳۸ھ)

الجواب: امام وجماعت بہ ظاہر دریں موقع ارسال کنند، چراکہ ایں قنوت بعد الرکوع است۔ کما صرّح بہٖ في الشّامي: والّذین یظھر لي أنّ المقتدي یُتابع إمامَہٗ إلّا إذا جھر فیؤمّن وأنّہ یقنت بعد الرّکوع لا قبلَہٗ إلخ [1] وظاہر است کہ قومہ محل ارسال است نہ محل قبض یدین، وقیاس بر وِتر نخواہد شد کہ درآں قنوت قبل الرکوع است کہ آں محل قراءت ومحل قبض یدین است، وآمین خواہ بہ جہر بگویند یا بہ اخفاء والثّاني أولٰی لأنّہ دعاء والإخفاء بالدّعاء أولٰی [2] فقط (۱۹۰/۴)

ترجمہ سوال: (۱۵۸۷) مذکورہ قنوت نازلہ میں امام ومقتدی ہاتھوں کو کھول دیں یا باندھ لیں؛ جیسے وتر میں باندھتے ہیں؟ اور آمین بلند آواز سے کہیں یا پست آواز سے؟

الجواب: امام اور مقتدی اس موقع پر ہاتھوں کو کھول دیں؛ کیونکہ یہ قنوت نازلہ رکوع کے بعد ہے؛ جیسا کہ شامی میں صراحت ہے: والّذین یظھر لي إلخ اور ظاہر ہے کہ قومہ ارسال (ہاتھ کھول دینے) کا محل ہے نہ کہ ہاتھوں کو باندھنے کا۔ اور آمین چاہے بلند آواز سے کہیں یا خفیہ، مگر ثانی اولیٰ ہے، اس لیے کہ یہ دعا ہے، اور دعا میں اخفاء اولیٰ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: (۱۵۸۸) دارالعلوم دیوبند سے جو دعائے قنوت مطبوعہ اس زمانہ میں پڑھنے کے

---

(۱) ردّ المحتار: ۳۹۰/۲، کتاب الصّلاۃ، باب الوتر والنّوافل، مطلب في القنوت للنّازلۃ.

(۲) قولہ تعالٰی: ﴿اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً﴾ الآیۃ، جاء من حدیث أبي موسی الأشعريّ أنّہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال لقوم یجھرون: أیّھا النّاس! اربعوا علٰی أنفسکم إنّکم لاتدعون أصمّ و لا غائبًا إنّکم تدعون سمیعًا بصیرًا، وھو معکم وھو أقرب إلٰی أحدکم من عُنق راحلتہٖ. والمعنٰی ارفقوا بأنفسکم واقصروا من الصّیاح في الدّعاء، ومن ھنا قال جمع بکراھۃ رفعِ الصّوتِ بہٖ. (روح المعاني للآلوسيّ: ۱۳۹/۸، تفسیر سورۃ الأعراف، رقم الآیۃ: ۵۵، المطبوعۃ: دار إحیاء التّراث العربيّ، بیروت)

واسطے شائع ہوئی ہے اس کی ترکیب میں دو امر قابلِ دریافت ہیں: اوّل یہ کہ دعا پڑھنے کے وقت ہاتھ لٹکائے رکھیں یا اٹھاویں، جیسا کہ دعا کے واسطے اٹھائے جاتے ہیں؟ دوسرے یہ کہ مقتدی آمین بالجہر کہیں یا بہ اخفاء؟ (۱۵۴۲/۱۳۳۸ھ)

الجواب: صبح کی نماز میں بعد رکوع کے جو کہ اس زمانے میں دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے، اس میں ہم لوگوں کا معمول یہ ہے کہ ہاتھ لٹکائے رکھتے ہیں کیونکہ اس موقع پر ہاتھ کا باندھنا نہیں آیا ہے، اور اٹھانا بھی حنفیہ کے قواعد سے چسپاں نہیں ہے، اس لیے یہی احوط اور بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ چھوڑے رکھیں اور مقتدی آمین بہ اِخفاء کہیں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۲/۴)

فجر میں قنوتِ نازلہ پڑھنا کس امام کا مذہب ہے؟

سوال: (۱۵۸۹) آج کل فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا کس امام کا مذہب ہے؟

(۱۳۳۹/۷/۱۵ھ)

الجواب: ایسے حوادث کے وقت دعائے قنوت صبح کی نماز میں حنفیہ نے بھی جائز لکھی ہے (۲)

(۱۹۵/۴)

---

(۱) حوالہ سابقہ ۱۲

(۲) ولا يقنت لغيره إلاّ لنازلةٍ فيقنتُ الإمامُ في الجهريّة ، وقيل: في الكلّ (الدّرّ المختار) وهو صريحٌ عندنا في أنّ قنوتَ النّازلة عندنا مختصٌّ بصلاة الفجر دون غيرها من الصّلوات الجهريّة أو السّريّة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۸۹-۳۹۰، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في القنوت للنّازلة)

لِما رواه الإمام أبو حنيفة عن ابن مسعود رضي الله عنه أنّ رسولَ الله صلّى الله عليه وسلّم لم يقنتْ في الفجر قطّ إلاّ شهرًا واحدًا لم يُرَ قبلَ ذلك ولا بعدَهُ ، وإنّما قنت في ذلك الشّهر يدعو علىٰ أُناسٍ من المشركين . وكذا في الصّحيحين : أنّهُ عليه الصّلاة والسّلام قنت شهرًا يدعُو علىٰ قومٍ من العَرَب ثمّ تركَهُ. (البحر الرّائق: ۲/۷۸، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل)ظفیر

قنوتِ نازلہ بعد رکوع پڑھنی چاہیے قبل رکوع نہیں

سوال: (۱۵۹۰) قنوتِ نازلہ قبل رکوع پڑھنی چاہیے یا بعد رکوع؟ اور کن کن نمازوں میں؟ اور ہاتھ باندھ کر یا کھول کر یا اٹھا کر؟ اور احناف کے یہاں قنوت وتر قبل رکوع پڑھی جاتی ہے؛ کیا قنوتِ نازلہ کا حکم اس سے علیحدہ ہے کس دلیل سے؟ اور احناف کے یہاں جو یہ قاعدہ ہے کہ ہر ذکر طویل مسنونہ اس میں ہاتھ باندھنا اس کا کیا ماخذ ہے؟ جو ہاتھ باندھنا تکبیر تحریمہ کے بعد ثابت ہے وہ رکوع سے جاتے وقت ختم ہو جاتا ہے، اب بعد رکوع کے کھڑا ہونا جدید ہے، اس میں ارسال اور اعتماد آنحضرت ﷺ یا آثارِ صحابہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور امام ابو یوسفؒ کا یہ فعل کہ وہ قنوت ہاتھ اٹھا کر پڑھتے تھے، اور صاحب فتح القدیر نے جو ایک روایت بہ سند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کی ہے: كان النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم إذا رفع رأسَه من الرّكوع من صلاة الصّبح في الرّكعة الثّانية يرفع يديه فيدعو بهذا الدّعاء: اللّهمّ اهدني فيمن هديت إلخ [1] کیا اس حدیث کی وجہ سے ابو یوسفؒ کے فعل کو قوّت ہے یا نہیں؟ اور احناف کا مفتی بہ قول کیا ہے؟ (۱۵۲۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: قنوتِ نازلہ بعد الرکوع ہے، اور حنفیہ نے صرف نماز صبح میں اس کو اختیار کیا ہے، اگرچہ بعض فقہاء نے جملہ صلوات جہریہ میں بھی جائز رکھا ہے [2] اور کتب فقہ و حدیث سے واضح ہے

---

(۱) فتح القدير: ۱/ ۴۴۷، كتاب الصّلاة، باب صلاة الوتر، المطبوعة: مكتبه زكريا ديوبند.

(۲) قال الحافظ أبو جعفر الطّحاوي: إنّما لا يقنت عندنا في صلاة الفجر من غير بليّة فإن وقعت فتنةٌ أو بليّةٌ فلا بأس به، فعلهُ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم، وأمّا القنوت في الصّلوات كلّها للنّوازل، فلم يقل به إلاّ الشّافعي إلخ، وهو صريحٌ في أنّ قنوت النّازلة عندنا مختصّ بصلاة الفجر دون غيرِها من الصّلوات الجهرية أو السّرّية، وفي شرح النّقاية معزيًا إلى الغاية: و إن نزل بالمسلمين نازلة قنت الإمام في صلاة الجهر. (ردّ المحتار: ۲/ ۳۹۰، كتاب الصّلاة، باب الوتر و النّوافل، مطلب في القنوت للنّازلة)

وهو قول الثّوريّ و أحمد، وقال جمهورُ أهلِ الحديث القنوتُ عندَ النّوازل مشروعٌ في الصّلوات كلّها اهـ (البحر الرّائق: ۲/ ۷۸، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل) ظفیر

کہ قنوت صبح جس کو حنفیہ نے نوازل میں غیر منسوخ مانا ہے وہ بعد الرکوع تھا(۱) اور اس وقت ارسال اولیٰ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ رفع کا جواب صاحب فتح القدیر نے یہ دیا ہے امام ابو یوسفؒ کے استدلال کا کہ ہر دعا میں رفع ہونا یہ کلی نہیں ہے بلکہ مخصوص ہے اس دعا کے ساتھ جو خارج عن الصّلاۃ ہو ﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۴۸) پس زیادہ بحث کی اس میں ضرورت نہیں ہے، ہر ایک قول کی کچھ وجہ نکل سکتی ہے اور نقلِ روایات کی فرصت نہیں ہے۔ فقط (۴/۱۹۰-۱۹۲)

طاعون کے وقت قنوتِ نازلہ پڑھنا درست ہے

سوال: (۱۵۹۱) مرض وبائی کے دنوں میں فرائض کی جماعت یا خاص مغرب اور فجر کی جماعت میں اخیر رکعت میں رکوع کے بعد امام چند دعائیں دفع وباء کے لیے پڑھتا ہے اور جملہ مقتدی بہ آواز بلند آمین کہتے ہیں ایسا عمل کرنا فرض جماعت میں شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۷۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: شامی میں ہے کہ کسی حادثہ کے وقت صبح کی نماز میں رکوع سے اٹھ کر امام کو دعائے قنوت پڑھنا درست ہے، سوائے صبح کے اور نمازوں میں حنفیہ کا مذہب نہیں ہے، یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے، اور یہ بھی شامی میں ہے: وَلَا شَكَّ أَنَّ الطَّاعُوْنَ مِنْ أَشَدِّ النَّوَازِلِ (۲) اس لیے طاعون کے وقت بھی دعائے قنوت صبح کی نماز میں رکوع کے بعد پڑھنا درست ہے (۲) فقط (۴/۱۹۳)

---

(۱) وهل القنوت هنا قبل الرّكوع أم بعده لم أره ، والّذي يظهر لي أنّ المقتدي يتابع إمامَه إلّا إذا جهر فيؤمّن ، وأنّه يقنت بعد الرّكوع لا قبلهٗ بدليل أنّ ما استدلّ به الشّافعيّ علٰى قنوت الفجر ، وفيه التّصريح بالقنوت بعد الرّكوع ، حملهٗ علماؤنا على القنوت النّازلة ، ثمّ رأيتُ الشّرنبلاليَّ في مراقي الفلاح صرّح بأنّه بعدهٗ ، واستظهر الحمويّ أنّه قبله والأظهر ما قلناه ، والله أعلم (ردّ المحتار: ۲/۳۹۰، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل) ظفیرؒ

(۲) ولا يقنت لغيره إلّا لنازلة فيقنت الإمام في الجهريّة ، وقيل في الكل (الدّرّ المختار) قال في الصّحاح : النّازلة: الشّديدة من شدائد الدّهر ، ولا شكّ أنّ الطّاعون من أشدّ النّوازل إلخ ، وهو صريح في أنّ قنوت النّازلة عندنا مختصٌّ بصلاة الفجر دون غيرها من الصّلوات الجهريّة أو السّرّيّة. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۱/۳۸۹-۳۹۰، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في القنوت النّازلة) ظفیر

قنوتِ نازلہ پانچوں نمازوں میں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۵۹۲) فی الحال نصاری واٹلی اور مسلمانوں میں جو جنگ ہو رہی ہے اس موقع پر قنوتِ نازلہ کا پانچوں نمازوں میں بعد رکوع رکعت اخیرہ عندالاحناف پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(۵۴۳-۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: کلام فقہاء عظام رحمہم اللہ اس بارے میں مختلف ہے۔ درمختار میں ہے: ولا يقنت لغيره إلّا لنازلة فيقنت الإمام في الجهريّة ، وقيل:في الكلّ شامی میں ہے: وأمّا القنوت في الصّلوات كلّها للنّوازل فلم يقل به إلّا الشّافعيّ. وفيه: قوله: (وقيل في الكلّ) قد علمتَ أنّ هٰذا لم يقل به إلّا الشّافعي رحمه الله ، وعزاه في البحر إلٰى جمهورِ أهلِ الحديث فكان ينبغي عزوه إليهم ، لئلا يوهم أنّه قول في المذهبِ، وفيه أيضًا: إذا وقعت نازلةٌ قنت الإمام في الصّلاة الجهريّة لكن في الأشباه عن الغاية قنت في صلاة الفجر ويؤيّده ما في شرح المنية إلخ [1] (شامي:۱/۶۲۸) پس معلوم ہوا کہ عندالحنفیہ صرف صلاۃ فجر میں نازلہ کے وقت قنوت پڑھے لا غیر [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ عزیز الرحمٰن (۴/۱۹۴)

جہاں جنگ ہو رہی ہے اس کے علاوہ دیگر مقامات میں بھی قنوتِ نازلہ پڑھ سکتے ہیں

سوال: (۱۵۹۳) کیا ارشاد ہے علماء دین کا اس مسئلے میں کہ موجودہ جنگ طرابلس کے متعلق

(۱) وقد صرّح بهٖ الشّامي حيث قال: وهو صريح في أنّ قنوت النّازلة عندنا مختصّ بصلاة الفجر دون غيرها من الصّلوات الجهريّة أو السّرّيَة إلخ قنوت نازلہ بعد رکوع پڑھے قبل رکوع نہ پڑھے قال في الشّامي: وأنّه يقنت بعد الرّكوع لا قبله بدليل أنّ ما استدلّ بهٖ الشّافعيّ على قنوت الفجر ، وفيه التّصريح بالقنوت بعد الرّكوع ، حملهٗ علماؤنا على القُنوت النّازلة إلخ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱/۳۸۹-۳۹۱، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في القنوت النّازلة) ظفیر

جو مسلمانوں اور نصاریٰ میں قائم ہے، اگر مسلمانوں کی نصرت اور نصاریٰ کی ہزیمت کے لیے ہندوستان یا برما میں دعائے قنوت پڑھی جاوے تو حنفی مذہب میں مکروہ ہے یا نہیں؟ اگر مقتدیوں کی ناواقفیت کی وجہ سے امام قنوت کو کسی قدر جہر سے ہاتھ اٹھا کر پڑھے اور حنفی مقتدی خفیہ آمین کہیں تو یہ حنفی مذہب میں مکروہ ہے یا نہیں؟ کیا نازلۂ جنگ وغیرہ میں جو دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے، اس کے لیے شرط ہے کہ خاص خلیفہ یا سلطان ہی پڑھے، یا جہاں جنگ قائم ہو وہیں پڑھی جاوے؟ اور دور دور مقامات میں دیگر ائمہ نہ پڑھیں، حاشیۂ شامی، بحرالرائق، کبیری و فتح القدیر ملاحظہ فرما کے اس کا جواب تحریر فرمایا جائے؟ (۴۱۲/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: قنوت نازلہ عندالحنفیہ جائز ہے مکروہ نہیں ہے، اور شامی میں ہے کہ امام اگر جہراً قنوت پڑھے تو مقتدی آمین کہیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی اتباع امام کا کرے، باقی امام اگر حنفی ہے، تو موافق اپنے قاعدے کے مخفی پڑھے [۱] لیکن اگر امام نے بہ سبب ناواقفیت کے جہر کیا اور مقتدیوں نے آمین کہی تو کراہت نہیں ہے، خلیفہ یا سلطان کا قنوت پڑھنا نازلہ کے وقت شرط نہیں ہے۔ هٰکذا کلّه في الدّرّ المختار والشّامي [۲] دستخط مع مہر، الجواب صحیح: کتبہ العبد اصغر حسین عفی عنہ (۱۹۳/۴-۱۹۴)

(۱) اصل مذہب یہی ہے کہ امام و مقتدی آہستہ آہستہ قنوت نازلہ پڑھیں، لیکن مقتدیوں کو دعا یاد نہ ہو تو امام ذرا جہراً پڑھے، اور مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہیں، شامی میں ہے: والّذي يظهر لي أنّ المقتدي يتابع إمامَه إلّا إذا جهر فيؤمّن، وأنّه يقنت بعد الرّكوع لا قبلهٗ. (ردّ المحتار: ۳۹۰/۲، کتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل) محمد امین پالن پوری

(۲) حوالہ؛ سابقہ جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

سنن مؤکدہ کا بیان

فجر کی جماعت کے وقت سنت کہاں پڑھے؟

سوال: (۱۵۹۴) ایک مسجد میں چھ صف کی جگہ ہے تو فجر کی سنت کہاں پڑھی جاوے؟ (بہ وقت جماعت) (۳۶۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: بہتر یہ ہے کہ سنتِ فجر کسی علیحدہ جگہ میں مسجد سے خارج پڑھیں، اگر ایسا موقع نہ ہو تو جماعت اگر اندر کے درجے میں ہورہی ہے تو باہر پڑھیں، اور اگر باہر ہورہی ہے تو اندر پڑھیں، بہ مجبوری ایسا بھی درست ہے کہ پیچھے کی صفوف میں سنت پڑھیں، بہرحال چھوڑنا سنت کا نہ چاہیے جب تک جماعت کا کوئی جزو مل سکے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۳/۴)

---

(۱) وإذا خاف فوتَ ركعتي الفجر لاشتغالهٖ بسنّتها تَرَكَها لكون الجماعة أكملَ ، و إلاّ بأن رجا إدراكَ ركعةٍ إلخ لا يتركها بل يصلّيها عندَ بابِ المسجد ، إن وجد مكانًا و إلاّ تركها ، لأنّ تركَ المكروه مقدّمٌ على فعل السّنّة (الدّرّ المختار)قوله: (و إلاّ تركها) قال في الفتح: وعلى هٰذا أي علٰى كراهةِ صلاتها في المسجد ينبغي أن لا يصلّي فيه إذا لم يكن عند بابهٖ مكانٌ ، لأنّ ترك المكروه مقدّمٌ على فعل السّنّة غيرَ أنّ الكراهة تتفاوت ، فإن كان الإمامُ في الصّيفيّ فصلاتهُ إيّاها في الشّتويّ أخفُّ من صلاتها في الصّيفيّ ، وعكسُه ، وأشدُّ ما يكون كراهةً أن يصلّيها مخالطًا للصّفّ كما يفعله كثيرٌ من الجهلة أهـ . والحاصل أنّ السّنّة في سنّة الفجر أن يأتي بها في بيتهٖ و إلاّ فإن كان عندَ باب المسجد مكانٌ صلاّها فيه وإلاّ صلاّها في الشّتويّ والصّيفيّ إن كان للمسجد موضعان ، وإلاّ فخلفَ الصّفوف عند ساريةٍ لكن فيما إذا كان للمسجد موضعان ، والإمام في أحدهما ، ==

سوال: (۱۵۹۵) امام صبح کی نماز بہ آواز بلند پڑھا رہا ہے کوئی شخص مسجد کے حجرے میں یا صحن کے حجرے میں سنن صبح ادا کرے مگر آواز قراءتِ امام اس کے کانوں میں بہ خوبی آرہی ہے، اور یہ شخص یہ جانتا ہے کہ میں سنن پڑھ کر جماعت میں شریک ہوجاؤں گا، سنن اس حالت میں پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ (۲۱۳/۳۰-۱۳۲۹ھ)

الجواب: حجرہ میں ایسی حالت میں سنتِ صبح پڑھنی چاہیے، کچھ حرج اس میں نہیں ہے کہ آواز قراءتِ امام اس کے کانوں میں پہنچے، البتہ یہ ناجائز ہے کہ اسی درجے میں سنت پڑھے جس میں امام فرض پڑھا رہا ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۲۵-۳۲۶)

سوال: (۱۵۹۶) صبح کی سنتوں کو امام کی قراءت سے اس قدر دور پڑھنا چاہیے کہ امام کی آواز نہ آئے، حالانکہ مساجد بہ کثرت چھوٹی ہیں، سنت پڑھنے والا کہاں تک نہ سننے کی احتیاط کرے، اس کے لیے کیا حکم ہے؟ (۲۲۴۰/۱۳۳۹ھ)

الجواب: آواز آنے نہ آنے کی قید نہیں ہے، صرف مکان علاحدہ ہونا چاہیے[1] فقط (۴/۲۰۰)

فجر کی ایک رکعت باجماعت مل سکتی ہو تو سنتیں ترک نہ کرنا چاہیے

سوال: (۱۵۹۷) فجر کی سنتوں میں جب کہ تکبیر ہوچکی اور امام نے قراءت شروع کردی، شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ اگر امام کے ساتھ ایک رکعت مل جانے کی امید ہو تو سنتیں ترک نہ کرے، یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور بعض مولوی یہ بھی کہتے ہیں کہ سنتیں پڑھنی جب کہ امام نے قراءت شروع کردی حرام ہیں، جس جگہ تک امام کی آواز جاتی ہے، اور یہ بھی مطلع فرمایا جاوے کہ جو شخص بلا عذر

== ذكر في المحيط أنّه قيل: لا يكره لعدم مخالفة القوم ، وقيل: يكره لأنهما كمكان واحدٍ ، قال فإذا اختلف المشائخ فيه فالأفضلُ أن لا يفعل ، قال في النّهر: وفيه إفادةُ أنّها تنزيهيّةٌ أهـ ، لٰكن في الحلبة قلتُ: و عدمُ الكراهة أوجهُ للآثار الّتي ذكرناها أهـ ، ثمّ هٰذا كلُّهُ إذا كان الإمام في الصّلاة أمّا قبل الشّروع فيأتي بها في أي موضعٍ شاء. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۴۵-۴۴۷، كتاب الصّلاة، باب إدراك الفريضة ، مطلب: هل الإساءة دون الكراهة أو أفحشُ؟) ظفير

(۱) حوالہ سابقہ۔

——— اور یہ بھی معلوم تھا کہ مجھ کو امام کے ساتھ ایک رکعت مل جاوے گی، اور پھر وہ ———
جماعت میں شریک ہو گیا تو یہ شخص گنہ گار رہے یا نہیں؟ (۹۴۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: جیسا شرح وقایہ میں لکھا ہے[1] ایسا ہی دیگر کتب فقہ میں بھی لکھا ہے، بلکہ درمختار اور شامی میں یہ تحقیق کیا ہے کہ اگر امام کے ساتھ التحیات بھی مل سکے تو سنتیں صبح کی پڑھ کر شریک جماعت ہو، مگر یہ ضروری ہے کہ جماعت کے برابر یا اس درجے میں جس میں جماعت ہو رہی ہے کھڑا ہو کر سنتیں نہ پڑھے کہ یہ مکروہ ہے، اور حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، اور فقہاء حنفیہ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ مسجد کے دروازہ کے پاس یا علیحدہ کوئی سہ دری وغیرہ یا حجرہ ہو اس میں سنتیں پڑھ کر شامل جماعت ہو، امام اور جماعت کے پاس سنتیں نہ پڑھے، امام کی قراءت کی آواز آنا مانع سنتوں کے پڑھنے کو نہیں ہے، آواز آنے نہ آنے پر فقہاء نے مدار سنتوں کے پڑھنے نہ پڑھنے کا نہیں رکھا[2] اور چونکہ صبح کی سنتوں کی تاکید زیادہ آئی ہے؛ اس لیے باوجود علیحدہ جگہ ہونے کے سنتوں کا چھوڑنا برا ہے، کیونکہ جب شریعت میں یہ ثابت ہے کہ جماعت ہوتے ہوئے سنتیں پڑھنا علیحدہ ممنوع نہیں ہے تو پھر بلا وجہ سنتوں کا ترک کرنا اچھا نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۲۴-۳۲۵)

سوال: (۱۵۹۸) شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ اگر فجر کے فرض کی ایک رکعت امام کے ساتھ مل جانے کی امید ہو تو سنتیں ترک نہ کرے، یہ صحیح ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ جب امام قراءت شروع کر دیتا ہے تو سنت فجر کا پڑھنا حرام ہے، جہاں تک امام کی آواز جاتی ہے یہ صحیح ہے یا نہ؟
(۸۵۷/۱۳۳۵ھ)

الجواب: یہ صحیح ہے کہ اگر فرض با جماعت فجر کی ایک رکعت بلکہ عند المحققین تشہد بھی مل سکے تو علیحدہ ہو کر سنتیں ادا کر کے، پھر شامل جماعت ہو جاوے، كذا في الدّرّ المختار والشّامي[2] اور جو لوگ ایسا کہتے ہیں کہ فجر کے فرضوں کی جماعت شروع ہونے کے بعد مطلقاً سنتیں صبح کی پڑھنی حرام ہیں وہ حنفی نہیں ہیں، اور ان کو مذہب حنفی کی خبر نہیں ہے، حنفیہ کا یہی مذہب ہے کہ سنتیں پڑھ کر شاملِ جماعت ہو، مگر حتی الوسع جماعت سے علیحدہ ہو کر پڑھے۔ والتّفصيل في كتب الفقه[2]
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۰۵-۲۰۶)

---

(۱) ومَن أدرك ركعةً منه صلاّها (شرح الوقاية: ۱/۱۷۹، كتاب الصّلاة، باب إدراك الفريضة) ظفیر
(۲) حوالہ؛ جلد ہذا کے سوال (۱۵۹۴) کے جواب کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲

جو فجر کی سنت نہ پڑھ سکا وہ طلوعِ آفتاب کے بعد پڑھے

سوال: (۱۵۹۹) اگر جماعت فجر کی ہورہی ہے تو سنت پڑھے یا جماعت میں شریک ہوجاوے؟ اور اگر شریک جماعت ہوگیا تو وقت ضرورت کے سنت؛ نماز کے بعد ادا کرے یا بعد طلوع آفتاب؟ (۲۲۴/۳۰-۱۳۲۹ھ)

الجواب: سنتِ فجر بعد شروع ہونے جماعت کے اگر کوئی جگہ علیحدہ مسجد کی ہوتو پڑھ لیوے، کیوں کہ ان کی تاکید بہت وارد ہے، بہ شرطیکہ جماعت میں شرکت کی توقع ہو، اور اگر سنت فجر نہ پڑھ سکا تو بعد طلوع آفتاب کے پڑھے، فرض کے بعد متصل نہ پڑھے، بلکہ بعد طلوع آفتاب کے پڑھے، اور اپنے وقت سے ٹل کر سنت مؤکدہ مؤکدہ نہیں رہتی، مگر بعد طلوع آفتاب کے پڑھ لینا بہتر ہے (۱) هٰكذا في كتب الفقه. كتبہ: رشید احمد عفی عنہ (۲) ۱۶/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (۳۲۶/۴)

فجر کی جماعت کے وقت سنتیں پہلی اور دوسری صف میں کیوں نہیں پڑھ سکتے؟

سوال: (۱۶۰۰) فجر کی نماز قائم ہونے کے بعد سنتِ فجر صفِ اوّل یا ثانی میں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر جائز نہ ہوتو علتِ عدمِ جواز تحریر فرمائیں۔ (۱۳۴۲/۱۷۱۸ھ)

---

(۱) وأمّا إذا فاتت وحدَها فلا تُقضى قبل طلوعِ الشّمس بالإجماع لكراهةِ النّفل بعدَ الصّبح وأمّا بعد طلوع الشّمس فكذلك عندهما ، وقال محمّد: أحبّ إلي أن يقضيها إلى الزّوال كما في الدّرر، قيل: هٰذا قريب من الاتّفاق ، لأنّ قوله أحبّ إليَّ دليل علٰى أنّه لو لم يفعل لا لَوْمَ عليه ، وقالا: لا يقضي ، وإن قضٰى فلا بأس به ـــ إلٰى أن قال ـــ في أنّه لو قضٰى كان نفلاً إلخ. (ردّ المحتار: ۲/ ۴۴۷، كتاب الصّلاة ، باب إدراك الفريضة، مطلب: هل الإساءة دون الكراهة أو أفحشُ؟) ظفیر

(۲) ''کتبہ: رشید احمد'' یہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نہیں ہیں، بلکہ کوئی ناقل فتاویٰ ہیں، رجسٹر نقول فتاویٰ سنہ ۲۹-۱۳۳۰ھ کے پہلے صفحہ پر یہ نوٹ درج ہے: ''رشید احمد صاحب جن کے دستخط اکثر فتاویٰ پر ہیں کوئی ناقل فتاویٰ ہے''۔

الجواب: علتِ عدم جواز صورۃً مخالفتِ جماعت وحدیث: إذا أُقيمت الصّلاةُ فلا صلاة إلاّ المكتوبةُ ہے[(۱)] اور درمختار میں ہے: بل يُصلّيها عندَ بابِ المسجدِ إن وجد مكانًا وإلاّ تركها لأنّ تركَ المكروه مقدّمٌ على فعل السّنّة إلخ[(۲)] اور شامی میں ہے: فإن كان عندَ باب المسجد مكانٌ صلاّها فيه وإلاّ صلاّها في الشّتويّ أو الصّيفيّ إن كان للمسجد موضعان[(۲)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۰۰-۲۰۱)

فجر کی جماعت کے وقت باہر سنتیں پڑھنے کی دلیل کیا ہے؟

سوال: (۱۶۰۱) مسجد کے اندر کے درجے میں جماعت فجر کی ہوتی ہو تو سنتیں باہر کے درجے میں کس دلیل سے درست ہوں گی؟ جب کہ قراءت کی آواز سنائی دیتی ہو تو ﴿فَاسْتَمِعُوْا﴾ پر کس طرح عمل ہوگا؟ (۳۸۹/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: آثارِ صحابہ سے ایسا ثابت ہے کہ فرض صبح کی قراءت کی آواز آتی تھی، اور وہ ایک طرف ہو کر صبح کی سنتیں پڑھتے تھے، اس لیے امام صاحب نے ایسا حکم دیا کہ علیحدہ ہو کر صبح کی سنتیں پڑھ لے، پھر شریک جماعت ہو جاوے تاکہ دونوں فضیلتیں حاصل ہو جاویں[(۳)] فقط (۴/۲۰۱)

---

(۱) عن أبي هريرة رضي اللّه عنه قال: قال رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلّم: إذا أقيمت الصّلاة الحديث. (مشكاة المصابيح، ص:۹۶، باب الجماعة وفضلها، الفصل الأوّل)

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۴۶، كتاب الصّلاة، باب إدراك الفريضة، مطلب: هل الإساءة دون الكراهة أو أفحشُ؟

(۳) وكان المصنّف قيّد بسنّة الفجر لأنّ غيرها من السّنن لاتؤدّى بعد الشّروع في الفريضة أصلاً على ما قيل لقوله عليه الصّلاة والسّلام: إذا أقيمت الصّلاة فلا صلاة إلاّ المكتوبة. وإنّما خالفناه في سنّة الفجر لشدّة تأكّدها على ما مرّ على أنّها لا تقضي، والحديث المذكور قد أوقفه ابن عيينة و حمّاد بن زيد و حمّاد بن سلمة على أبي هريرة رضي اللّه عنه، ولما روى الطّحاوي وغيره عن ابن مسعود رضي اللّه عنه أنّه دخل المسجدَ وقد أقيمت الصّلاة فصلّى ركعتي الفجر في المسجد إلى أسطوانةٍ، وذلك بمحضر حذيفة وأبي موسى وقد مرّ تمامه في أوقات الكراهة فكانت سنّةُ الفجر مستثناةً بأدلّةٍ أخرى عارضت حديثَ أبي هريرة و رجّحت عليه. (غنية المستملي، ص:۳۴۳-۳۴۴، فصل في النّوافل) ظفير

اقامت کے بعد فجر کی سنت کب تک پڑھ سکتے ہیں؟

سوال: (۱۶۰۲) اقامت کے بعد سنتیں فجر کی کب تک پڑھ سکتا ہے؟ اگر سنت نہ پڑھی اور شریک جماعت ہوگیا تو پھر کس وقت سنت پڑھنا چاہیے؟ اور بعد اقامت کے کس جگہ سنت پڑھے؟

(۳۲/۵۲۰-۱۳۳۳ھ)

الجواب: صبح کے فرضوں کی تکبیر ہونے کے بعد بھی سنتیں صبح کی پڑھنی چاہئیں، لیکن اس جگہ نہ پڑھے جس جگہ فرض ہورہے ہیں، بلکہ اگر جماعت اندر مسجد کے ہے تو باہر فرش پر بلکہ علیحدہ فرش سے اگر کوئی جگہ ہو تو وہاں سنتیں پڑھ کر شامل جماعتِ فرض میں ہوجاوے، اگر ایک رکعت فرض کے ملنے کی بھی امید ہے تب بھی سنتیں پڑھ لے، اور بعض نے فرمایا ہے کہ التحیات مل جاوے تب بھی پڑھے[1] بہر حال چونکہ تاکید صبح کی سنتوں کی زیادہ ہے، اس لیے ان کو نہ چھوڑے لیکن اسی جگہ نہ پڑھے جس جگہ جماعت فرض کی ہورہی ہے[2] اور اس بارے میں آثارِ صحابہ موجود ہیں، اور تحقیق اس کی شرح منیہ میں ہے، اور اگر سنتیں نہ پڑھے اور امام کے ساتھ شریک ہوگیا تو بعد فرض کے قبل طلوع شمس سنتیں نہ پڑھے، بعد آفتاب نکلنے کے اور بلند ہونے کے اگر پڑھے اختیار ہے،

---

(۱) وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنّتها تركها (إلیٰ قولہٖ) و إلاّ بأن رجا إدراك ركعةٍ في ظاهر المذهب ، وقيل: التّشهّد واعتمده المصنّف والشّرنبلاليّ تبعًا للبحر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۴۵-۴۴۶، كتاب الصّلاة ، باب إدراك الفريضة ، مطلب: هل الإساء ة دون الكراهة أو أفحشُ؟) ظفیر

(۲) لا يتركها بل يصلّيها عند باب المسجد إن وجد مكانًا و إلاّ تركها لأنّ ترك المكروه مقدّم على فعل السّنّة (الدّرّ المختار) قوله: (باب عند المسجد) أي خارجَ المسجد (إلى قوله) فإن لم يكن على باب المسجد موضع للصّلاة يصلّيها في المسجد خلفَ سَارية من سوارى المسجد ، و أشدّها كراهة أن يصلّيها مخالطًا للصّفّ مخالفًا للجماعة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۴۶، كتاب الصّلاة ، باب إدراك الفريضة ، مطلب: هل الإساء ة دون الكراهة أو أفحشُ؟) ظفیر

کیوں کہ اب وہ نفل ہیں، چاہے پڑھے چاہے نہ پڑھے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۱۹)

سوال: (۱۶۰۳) سنت فجر کس وقت تک پڑھنا چاہیے ان کی قضاء کا کیا حکم ہے؟ (۸۳۷/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اگر صبح کی جماعت ہو رہی ہے تو ایک رکعت کے ملنے کی امید ہے تو سنتیں صبح کی علیحدہ کھڑے ہو کر پڑھ لے، پھر جماعت میں شریک ہو جاوے [۱] اور اگر پہلے نہ پڑھے تو پھر بعد فرضوں کے قبل طلوع آفتاب نہ پڑھے اگر پڑھے تو بعد آفتاب نکلنے کے پڑھے [۱] فقط (۴/۲۰۳-۲۰۴)

فجر کی سنتیں فوت ہو جائیں تو کس وقت ادا کرے؟

سوال: (۱۶۰۴) فجر کی نماز کی سنت فرضوں میں شامل ہونے کی وجہ سے فوت ہو جاویں ان کو کس وقت ادا کرے؟ (۴۴۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: ولا يقضيها إلّا بطريق التبعيّة إلخ [۲] یعنی فجر کی سنتوں کی قضا نہیں ہے، مگر جب کہ فرض کے ساتھ (فوت) [۳] ہو، اس صورت میں زوال سے پہلے پہلے قضا کرے، اور اگر تنہا سنت فوت ہوں تو ان کی قضاء نہیں، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ تو کسی وقت بھی قضاء کے قائل نہیں، نہ قبل طلوع شمس اور نہ بعد طلوع شمس، اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ بعد طلوع شمس (کے) [۳] زوال سے پہلے پہلے پڑھنا بہتر ہے [۴] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۰۳)

---

(۱) وأمّا إذا فاتت وحدها فلا تُقضى قبل طلوع الشّمس – إلٰى قولهٖ – وقال محمّد: أحبّ إليّ أن يقضيها إلى الزّوال كما في الدّرر، قيل: هٰذا قريب من الاتّفاق لأنّ قوله أحبّ إليّ دليل على أنّه لو لم يفعل لا لَوْمَ عليه إلخ، وقال الخلاف في أنّه لو قضى كان نفلاً مبتدأً أو سنّةً. (ردّ المحتار: ۲/۴۴۷، كتاب الصّلاة، باب إدراك الفريضة، مطلب: هل الإساءة دون الكراهة أو أفحشُ؟) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۴۷، كتاب الصّلاة، باب إدراك الفريضة، مطلب: هل الإساءة دون الكراهة أو أفحشُ ؟.

(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۴) وإذا فاتته ركعتا الفجر لايقضيهما قبل طلوع الشّمس لأنّه يبقٰى نفلاً مطلقًا وهو مكروه بعد الصّبح، ولابعد ارتفاعها عند أبي حنيفة و أبي يوسف، ==

سوال: (۱۶۰۵) جس نے صبح کی سنت نہیں پڑھی اور فرضوں میں شریک ہوگیا اب وہ سنت کس وقت پڑھے؟ (۱۹۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اب وہ سنتیں بعد نماز فرض کے قضا نہ کی جاویں گی، اگر پڑھے تو بعد آفتاب نکلنے کے؛ یہ نفل ہوجاویں گی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۱۳-۲۱۴)

فرض پڑھنے کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی سنتیں پڑھنا مکروہ ہے

سوال: (۱۶۰۶) سنتِ فجر اگر جماعت ترک ہونے کی وجہ سے نہ پڑھ سکا تو قبل طلوع آفتاب بعد جماعت کے پڑھنا کیسا ہے؟ بعض لوگ بعد طلوع پڑھنے کو بہتر بتلاتے ہیں؟

(۱۴۱۸/۱۳۴۳ھ)

الجواب: فرض پڑھنے کے بعد سننِ فجر کا طلوع شمس سے پہلے پڑھنا مکروہ ہے، اگر قضا ہی کرنی ہے تو طلوعِ شمس کے بعد کرنی چاہیے ورنہ ضرورت تو اس کی بھی نہیں ہے کیونکہ مستقلاً

== وقال محمّد: أحبّ إليّ أن يقضيهما إلى وقت الزّوال. (الهداية: ۱/۱۵۲، كتاب الصّلاة باب إدراك الفريضة) ظفیر

(۱) وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنّتها تركها، لكون الجماعة أكمل و إلاّ بأن رجا إدراك ركعةٍ ......لايتركها، بل يصلّها عند باب المسجد إن وجد مكانًا و إلا تركها ...... ولا يقضيها إلاّ بطريق التّبعية لقضاء فرضها قبل الزّوال لا بعده (الدّرّ المختار) أمّا إذا فاتت وحدها فلا تقضي قبل طلوع الشّمس بالإجماع لكراهة النّفل بعد الصّبح وأمّا بعد طلوع الشّمس فكذلك عندهما، وقال محمّد أحبّ إليّ أن يقضيها إلى الزّوال إلخ ، وقالا: لا يقضي و إن قضا فلا بأس به إلخ، و قال: الخلاف في أنّه لو قضى كان نفلاً مبتدأً أو سنّةً كذا في العناية يعني نفلاً عندهما ، سنّةً عنده ، كما ذكره في الكافي إسماعيل. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۴۵-۴۴۷، كتاب الصّلاة ، باب إدراك الفريضة ، مطلب: هل الإساءة دون الكراهة أو أفحشُ؟) ظفیر

سنتوں کی قضا نہیں ہے، البتہ اگر فرض بھی قضا ہو گئے ہیں تو پھر ان کے ساتھ زوال سے پہلے پہلے سنتوں کی بھی قضا کرے۔ شامی نے قول درمختار: **ولا يقضيها إلاّ بطريق التّبعيّة** کے تحت میں لکھا ہے: **أي لا يقضي سنّة الفجر إلاّ إذا فاتت مع الفجر فيقضيها تبعًا لقضائه لو قبل الزّوال، وأمّا إذا فاتت وحدها فلا تقضى قبلَ طلوع الشّمس بالإجماع لكراهة النّفل بعد الصّبح، وأمّا بعد طلوع الشّمس فكذلك عندهما، وقال محمّدؒ: أحبّ إليّ أن يقضيها إلى الزّوال كما في الدّرر إلخ**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۱۵)

فجر کی سنت فرض سے پہلے نہ پڑھ سکے، تو کب ادا کرے؟

سوال: (۱۶۰۷) جو شخص فجر کی جماعت میں شامل ہو گیا اور سنتیں نہیں پڑھی، وہ بعد فرض کے سنت پڑھے یا سورج نکلنے کے بعد پڑھے؟ (۱۲۳۸/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: وہ شخص بعد فرض کے آفتاب نکلنے سے پہلے سنتیں نہ پڑھے کہ یہ مکروہ ہے، اگر چاہے آفتاب نکلنے کے بعد زوال سے پہلے پہلے پڑھ لیوے یہ بہتر ہے۔ **كما في الشّامي: وأمّا إذا فاتت وحدها فلا تقضي قبل طلوع الشّمس بالإجماع لكراهة النّفل بعد الصّبح، وأما بعد طلوع الشّمس فكذٰلك عندهما، وقال محمّدؒ: أحبّ إليّ أن يقضيها إلى الزّوال إلخ**[2] (شامي: ۱/ ۴۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۱۸)

سوال: (۱۶۰۸) ایک شخص نے سنت فجر کی نہیں پڑھی اور جماعت میں شریک ہو گیا تو بعد جماعت کے فوراً اسی وقت سنت پڑھے یا بعد طلوع آفتاب کے؟ (۳۴۷/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: بعد فرض کے اسی وقت سنت نہ پڑھے، بلکہ بعد آفتاب کے طلوع ہونے اور بلند ہونے کے اگر چاہے پڑھے۔ **قال في الشّامي: وأمّا إذا فاتت وحدها فلا تقضي قبل طلوع الشّمس بالإجماع لكراهة النّفل بعد الصّبح، وأما بعد طلوع الشّمس فكذلك عندهما،**

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/ ۴۴۷، كتاب الصّلاة، باب إدراك الفريضة، مطلب: هل الإساءة دون الكراهة أو أفحشُ؟.

(۲) ردّ المحتار: ۲/ ۴۴۷، كتاب الصّلاة، مطلب: هل الإساءة دون الكراهة أو أفحشُ؟.

وقال محمّد: أحبّ إليّ أن يقضيها إلى الزّوال إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۲۳)

فجر کی قضا شدہ سنتیں طلوع آفتاب سے پہلے پڑھنا کیوں جائز نہیں؟

سوال: (۱۶۰۹) صبح کی سنت قبل طلوع آفتاب بعد جماعت کے پڑھنا کیسا ہے؟ اگر ناجائز ہے تو ظہر کی سنت قبلیہ بھی نہ پڑھنی چاہیے؟ (۱۳۳۵/۸۴۰ھ)

الجواب: بعد فرض صبح کے قبل طلوع آفتاب سنتیں پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کی ممانعت حدیث شریف میں آگئی ہے، بخاری ومسلم میں بہ روایت حضرت ابوسعید خدریؓ مروی ہے: قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم: لا صلاة بعد الصّبح حتّى ترتفعَ الشّمسُ ولا صلاة بعد العصرِ حتّى تغيبَ الشّمس[2] اس حدیث سے بعد صبح اور بعد عصر نوافل وسنن کی ممانعت معلوم ہوئی اور ظہر کے بعد ممانعت نہیں آئی، لہٰذا ظہر کی سنتیں پہلے اگر رہ جائیں تو بعد فرضوں کے ان کو پڑھ لیوے، اور فقہاء حنفیہ لکھتے ہیں: ولا يقضيها إلّا بطريق التّبعيّة لقضاء فرضها قبل الزّوال لا بعده ...... بخلاف سنّة الظّهر (درمختار) اور شامی میں ہے: وأمّا إذا فاتت وحدها فلا تقضي قبل طلوع الشّمس بالإجماع لكراهة النّفل بعد الصّبح وأمّا بعد طلوع الشّمس فكذٰلك عندهما ، وقال محمّد: أحبّ إليّ أن يقضيها إلى الزّوال إلخ[3] فقط (۴/۲۰۴-۲۰۵)

سنت وفرض کے درمیان دنیاوی باتیں کرنے سے ثواب کم ہوجاتا ہے

سوال: (۱۶۱۰) هل الكلام الدّنيوي بين السنّة الّتي قبل الظّهر والّتي قبل الفجر وبين فرضيهما مفسد للسّنّة أم موجب لانحطاط ثواب السّنّة وأيضًا الأكل والشّرب .

(۱۳۳۴/۱۲۶-۳۳ھ)

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۴۴۷، كتاب الصّلاة ، مطلب: هل الإساء ة دون الكراهة أو أفحشُ ؟.

(۲) مشكاة المصابيح: ص:۹۴، كتاب الصّلاة ، باب أوقات النّهي ، الفصل الأوّل .

(۳) ردّ المحتار: ۲/۴۴۷، كتاب الصّلاة ، مطلب: هل الإساء ة دون الكراهة أو أفحشُ ؟.

الجواب: موجب لنقص الثّواب لا مفسد لها، قال في الدّرّ المختار: ولو تكلّم بين السّنّة والفرض لا يسقطها ولكن ينقص ثوابها، وقيل: تسقط[(۱)] فقط (۴/۲۱۳)

ترجمہ سوال: (۱۶۱۰) کیا ظہر اور فجر سے پہلے جو سنتیں ہیں اُن کے اور فرضوں کے درمیان دنیوی باتیں کرنا مفسدِ سنت ہے یا سنت کے ثواب میں کمی کا باعث ہے؟ نیز کھانے پینے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ثواب میں کمی کا باعث ہے، مفسدِ سنت نہیں۔ درمختار میں ہے: ولو تكلّم بين السّنّة إلخ.

سوال: (۱۶۱۱) زید سنتِ فجر اور سنتِ ظہر اور فرضوں کے درمیان کلام دُنیاوی کرتا ہے تو سنتوں کا اعادہ ہوگا یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۱۷۱۸ھ)

الجواب: اس میں ثواب کم ہوجاتا ہے سنتوں کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ وفيه اختلاف[(۱)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۰۱)

چار رکعت والی سنت مؤکدہ کی نیت کسی نے توڑ دی تو چار رکعت قضا کرنا ضروری ہے

سوال: (۱۶۱۲) سنتِ مؤکدہ مثلاً ظہر چار رکعت کی نیت توڑ دی تو اس کو دو رکعت واجب ہیں یا چار؟ (۱۳۴۵-۴۴/۳۴۲ھ)

الجواب: چار[(۲)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۰۲)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۰۱، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في تحيّة المسجد.

(۲) وسنَّ مؤكّدًا أربعٌ قبل الظّهر، وأربعٌ قبل الجمعة، وأربعٌ بعدها بتسليمةٍ فلو بتسليمتين لم تَنُبْ عن السّنّة، و لذا لو نذرها لا يخرج عنه بتسليمتين. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۹۲-۳۹۳، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في السّنن والنّوافل)

ولا يصلّي على النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم في القعدة الأولى في الأربع قبل الظّهر والجمعة إلخ (الدّرّ المختار) ==

جس نے ظہر سے پہلے چار رکعت سنت نہیں پڑھی وہ فرض کے بعد پہلے چار سنت پڑھے یا دو؟

سوال: (۱۶۱۳) اور جو شخص امام کے ساتھ فرض ظہر میں شریک ہو، اور سنت رہ گئی ہو تو سنت رباعی کی قضا بعد فرض کے معًا یا سنت ثنائی پڑھ کر؟ اگر اختلاف فقہاء ہے تو اولیٰ اور ارجح اور اقوی اس میں کیا ہے؟ قضا سنت رباعی بعد ادائے فرض ظہر معًا یا سنت ثنائی بعد ظہر کے پڑھ کر سنت رباعی قضا کرے؟ (۲۸۵/۱۳۳۵ھ)

الجواب: جو شخص امام کے ساتھ شامل ہوا فرض ظہر میں تو چار رکعت سنت پہلے پڑھے اور دو رکعت بعد کو، مگر فتح القدیر نے عکس کو ترجیح دی ہے، پس اختیار ہے جو کرے درست ہے، اور راجح دو رکعت کو مقدم کرنا ہے۔ ثمّ یأتي بها .... في وقته أي الظّهر قبل شفعهٖ عند محمّد، وبهٖ یفتیٰ، أقول: وعلیه المتون لکن رجّح في الفتح تقدیمَ الرّکعتین، کذا في الشّامي (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۲/۴)

جس نے ظہر کی چار سنت میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا اس کو بعد میں چار رکعت پڑھنی چاہیے

سوال: (۱۶۱۴) زید ظہر کی سنت پڑھ رہا تھا ابھی ایک رکعت پڑھی تھی کہ جماعت

= = أقول : قال في البحر: في باب صفة الصّلاة: إنّ ما ذُکر مسلّمٌ فیما قبلَ الظّهر ، لِما صرّحوا بهٖ من أنّه لا تَبطل شُفعةُ الشّفیع بالانتقال إلی الشّفْع الثّاني منها ، ولو أفسدها قضیٰ أربعًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۹۷/۲، کتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل، مطلب في لفظة ثمان)ظفیرؒ

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۴۸/۲-۴۴۹، کتاب الصّلاة ، باب إدراك الفریضة ، مطلب: هل الإساء ة دون الکراهة أو أفحشُ ؟ .

کھڑی ہوگئی، اس نے دو رکعت پوری پڑھ کر سلام پھیر دیا تو اس کو فرضوں کے بعد دو رکعت پڑھنی چاہیے یا چار؟ (۳۰۳/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس کو بعد فرض کے چار رکعت سنت ظہر کی پڑھنی چاہیے[1] فقط (۴/۲۰۲)

ظہر کی فوت شدہ سنتوں کی حیثیت

سوال: (۱۶۱۵) ظہر کے فرض پہلے پڑھ لیے تو اب چار سنت قبلیہ نفل ہوگئیں یا سنت مؤکدہ ہی رہیں؟ (۳۷۶/۱۳۳۹ھ)

الجواب: جب تک وقت باقی ہے ادا کرنا چار رکعات قبل ظہر کا سنت مؤکدہ ہے، اگر قبل از فرض ظہر چار رکعت سنت قبل ظہر والی ادا نہ کی تو بعد فرض کے ادا کرنی چاہیے[2] فقط (۴/۲۰۸)

ظہر کی فوت شدہ سنتیں کب پڑھے اور کیا نیت کرے؟

سوال: (۱۶۱۶) اگر کوئی شخص ظہر کی نماز کو ایسے وقت آیا کہ جماعت ہو رہی تھی، بغیر سنت پڑھے ہوئے جماعت میں شریک ہوا تو چار سنت کس وقت پڑھے؟ اور کیا نیت کرے قضاء یا ادا؟

(۴۲۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

---

(۱) وسنَّ مؤكّدًا أربعٌ قبل الظّهر، وأربعٌ قبل الجمعة ، وأربعٌ بعدها بتسليمةٍ فلو بتسليمتين لم تَنُبْ عن السّنّة ، و لذا لو نذرها لا يخرج عنه بتسليمتين. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۹۲-۳۹۳، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل، مطلب في السّنن والنّوافل)

(۲) بخلاف سنّة الظّهر وكذا الجمعة فإنّه إن خاف فوت ركعةٍ يتركها ،ويقتدي ثمّ يأتي بها على أنّها سنّة في وقته أي الظّهر (الدّرّ المختار) قوله: (على أنّها سنّة) أي اتّفاقًا، وما في الخانية وغيرها من أنّها نفل عندهٗ سنّةٌ عندهما فهو من تصرّف المصنّفين لأنّ المذكور في المسئلة الاختلافُ في تقديمها أو تأخيرها و الاتّفاق علىٰ قضائها وهو اتّفاق على وقوعها سنّةً كما حقّقه في الفتح وتبعه في البحر والنّهر وشرح المنية. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲/۴۴۸-۴۴۹، كتاب الصّلاة ، باب إدراك الفريضة ، مطلب : هل الإساء ة دون الكراهة أو أفحشُ؟) ظفیر

الجواب: بعد فرض کے چار سنت پڑھے دو سنت سے پہلے یا پیچھے اور نیت سنت ظہر کی کرے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۰۲/۴)

ظہر کے بعد ہمیشہ ایک سلام سے چار رکعت پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۶۱۷) ایک شخص فرضِ ظہر سے پہلے چار رکعت سنتِ ظہر پڑھتا ہے، اس کے بعد فرضِ ظہر ادا کرتا ہے، جماعت سے فرضِ ظہر ادا کرنے کے بعد دو رکعت سنت نہیں پڑھتا بلکہ بجائے دو کے چار رکعت سنت اکٹھی پڑھتا ہے، اور ہمیشہ ایسا ہی کرتا ہے کیا اس میں کچھ حرج ہے یا نہیں؟ (۲۳۲۸/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: قال ابن الهمام: صرّح جماعةٌ من المشائخ أنّه يستحبّ أربعٌ بعد الظّهر لحديث رووه وهو أنّه صلّى الله عليه وسلّم قال: من صلّى أربعًا قبل الظّهر وأربعًا بعدها حرّمه الله على النّار، رواه أبو داؤد والتّرمذيّ والنّسائيّ، ثمّ اختلف أهل هٰذا العصر في أنّها تعتبر غير ركعتي الرّاتبة أو بهما، وعلى التّقدير الثّاني هل تؤدّى معهما بتسليمةٍ واحدةٍ أو لا؟ فقال جماعة: لا، لأنّه إن نوى عند التّحريمة السّنّة لم يصدق في الشّفع الثّاني أو المستحبّ لم يصدق في السّنّة .... و وقع عندي أنّه إذا صلّى أربعًا بعد الظّهر بتسليمةٍ أوثنتين وقع عن السّنّة والمندوب سواء احتسب هو الرّاتبة منها أولا[۲] (فتح القدير، ص: ۱/ ۳۸۶، مصری)

پس معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص استحباب پر عمل کرے فرض ظہر کے بعد صرف چار رکعت پڑھ لیا کرے، دو رکعت سنت علاحدہ نہ پڑھے بناء بر تحقیق شیخ ابن ہمام کوئی حرج نہیں۔

ان چار رکعت میں دو رکعت سنت ہی محسوب ہو جائیں گی خواہ ان کی نیت کرے یا نہ کرے، البتہ مختار یہ ہے کہ چار رکعت کو بعد فرض ظہر دو سلام سے پڑھ لیا کرے تا کہ کسی کا خلاف ہی نہ رہے، اور اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے جس میں یہ ہے: عن عليّ رضي الله عنه قال: كان النّبيُّ

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

(۲) فتح القدير: ۱/ ۴۶۰، كتاب الصّلاة، باب النّوافل.

صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یصلّي قبلَ الظّھر أربعًا وبعدھا رکعتین ، رواہ التّرمذي [۱] اس روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی عادتِ مستمرہ یہ تھی کہ دو رکعت سنت بعد فرض ظہر کے پڑھا کرتے تھے، اس لیے کمالِ اتباعِ سرورِ کائنات ﷺ اس میں ہے کہ دو رکعت سنت فرض ظہر کے بعد علیحدہ پڑھنے کا اہتمام کرے، چار رکعت پر دوام کرنا دو رکعت سنت علیحدہ نہ پڑھنا، حضرت عائشہ کی حدیث پر عمل کرنے سے مانع ہے، آئندہ اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ فقط (۴/۲۱۰-۲۱۱)

سنت قبل الجمعہ نہ پڑھ سکے تو جمعہ کے بعد پڑھے

سوال: (۱۶۱۸) جو سنتیں جمعہ کے اوّل پڑھی جاتی ہیں وہ رہ جائیں تو قضا کرے یا نہیں؟

(۶۰۷/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: جو سنتیں جمعہ کے اوّل پڑھی جاتی ہیں اگر اوّل نہ پڑھیں تو بعد جمعہ کے پڑھے۔ کما في الدّرّ المختار: بخلاف سنّة الظّھر وکذا الجمعة إلخ ، ثمّ یأتي بھا علی أنّھا سنّة في وقتہٖ إلخ [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۰۳)

سوال: (۱۶۱۹) چار رکعت سنت قبل جمعہ اگر رہ جائیں تو بعد جمعہ ان کو پڑھے یا نہیں؟

(۴۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: بعد ادائے جمعہ سنت قبل جمعہ کو ادا کرنا چاہیے [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۱۳)

جمعہ کے دن استواء کے وقت نفل نماز پڑھنا درست نہیں

سوال: (۱۶۲۰) نماز نفل ٹھیک دوپہر میں خصوصًا جمعہ کے دن پڑھنا امام ابو یوسف علیہ الرحمہ

---

(۱) جامع التّرمذيّ: ۱/۹۶، أبواب الصّلاة ، باب ما جاء في الأربع قبل الظّھر .

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۴۷، کتاب الصّلاة ، باب إدراك الفریضة .

(۳) بخلاف سنّة الظّھر وکذا الجمعة فإنّه إن خاف فوت رکعة یترکھا ویقتدی ، ثمّ یأتي بھا علی أنّھا سنّةٌ في وقتہٖ أي الظّھر قبل شفعه عند محمّد وبہٖ یفتیٰ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۴۸-۴۴۹، کتاب الصّلاة ، باب إدراك الفریضة ، مطلب: ھل الإساءة دون الکراھة أو أفحشُ؟) ظفیر

کے قول سے ثابت ہوتا ہے۔ درمختار میں لکھا ہے: كره تحريمًا إلخ...... واستواءٍ إلّا يومَ الجمعة على قول الثّاني المصحَّحِ المعتمدِ ، كذا في الأشباه، ونقل الحلبيّ عن الحاوي أنّ عليه الفتوى [1] فتاویٰ قاضی خان میں ہے: وعن أبي يوسفَ أنّهُ ، قال: يجوز التّطوّع عند انتصاف يوم الجمعة [2] چونکہ علامہ شامی نے ردالمحتار میں بہت کچھ اختلاف کیا ہے، اس وجہ سے بعض منع فرماتے ہیں کیا حکم شرعًا ہے؟ (۱۶۴۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: منع کرنا ہی احوط ہے، جیسا کہ شامی میں مذکور ہے [3] فقط (۴/۲۳۱-۲۳۲)

ظہر، مغرب اور عشاء کے بعد نفل پڑھنا سنت سے ثابت ہے

سوال: (۱۶۲۱) نفل پڑھنا بعد ظہر و مغرب و عشاء سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟ (۸۳۷/۱۳۳۵ھ)

الجواب: سنت سے ثابت ہے [4] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۰۴)

عشاء کی دو سنتِ مؤکدہ کے بعد دو نفل پڑھنا حدیث سے ثابت ہے

سوال: (۱۶۲۲) بعد نماز عشاء یعنی بعد فرض و دو سنت کے جو دو نفل پڑھتے ہیں یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں یا نہیں؟ (۴۵۹/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) الدّر مع ردّ المحتار : ۲/۲۸-۲۹، كتاب الصّلاة ، مطلب: يشرط العلم بدخول الوقت.

(۲) الفتاوى الخانية مع الفتاوى الهنديّة :۱/۷۴، كتاب الصّلاة ، مسائل معرفة الأوقات .

(۳) لٰكنّ شرّاحَ الهداية انتصروا لقولِ الإمام و أجابوا عن الحديث المذكورِ بأحاديث النّهي عن الصّلاة وقتَ الاستواء فإنّها محرّمة. (ردّ المحتار: ۲/۲۹، كتاب الصّلاة ، مطلب: يشرط العلم بدخول الوقت) ظفیر

(۴) ويستحبّ أربعٌ قبلَ العصرِ ، وقبل العشاء و بعدها بتسليمة و إن شاء ركعتين ، وكذا بعد الظّهر لحديث التّرمذي: مَن حَافَظَ على أربعٍ قبل الظّهر و أربعٍ بعدها حرّمَهُ اللّٰهُ على النّار. وستٌّ بعد المغرب ليكتب من الأوّابين بتسليمةٍ أو ثنتين . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۹۳، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في السّنن والنّوافل)

الجواب: دو سنت مؤکدہ عشاء کے بعد دو یا چار نفل پڑھنا قبل الوتر مستحب ہیں، جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے: قالت: ما صلّی رسولُ اللّٰہ صلّی اللّٰہُ علیه وسلّم العشاءَ قطُّ ، فدخل عليَّ إلاّ صلّٰی أربعَ رکعاتٍ أوْ ستَّ رکعاتٍ ، رواہ أبو داؤد[1] فقط (۴/۲۳۰)

فرائض کے بعد جو نوافل وسنن ہیں ان کو کب تک پڑھ سکتا ہے؟

سوال: (۱۶۲۳) فرضوں کے بعد جو نفل ہیں فرضوں کے بعد فوراً پڑھے یا جب تک وقت باقی ہے پڑھ سکتا ہے؟ (۲۱۴۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: جب تک وقت اس نماز کا ہے ان نوافل کا وقت ہے۔ فقط (مگر متصلاً پڑھنا اولیٰ ہے[2] ظفیر) (۴/۲۰۷)

سنتوں کی نیت میں سنتِ رسول اللہ کہنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۶۲۴) سنن میں سنتِ رسول اللہ کہنا کیسا ہے؟ (۱۳۹۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: وکفٰی مطلقُ نیّةِ الصّلاةِ ، وإن لم یقل للّٰہ لنفلٍ وسنّةٍ راتبةٍ إلخ[3] (الدّرّ المختار) یعنی سنت ونفل میں مطلق نیت نماز کی بھی کافی ہے، اور (تعین)[4] کرنا کہ سنتِ فجر ہے یا ظہر احوط ہے، اگر سنت رسول اللہ ﷺ کہے تب بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم (۴/۲۰۶)

---

(۱) مشکاة المصابیح: ص:۱۰۴، کتاب الصّلاة ، باب السّنن وفضائلها ، الفصل الثّاني .

(۲) وأنّهٗ یکرہ تأخیرُ السّنّةِ إلاّ بقدرِ اللّٰهمّ أنت السّلام إلخ ، قال الحلوانيُّ: لا بأس بالفصل بالأوراد واختارہ الکمال. قال الحلبيّ: إن أرید بالکراهةِ التّنزیهیةُ ارتفع الخلافُ، قلتُ: وفي حفظي حَمَلَهٗ علی القلیلة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۱۸-۲۱۹، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، هل یفارقُه المَلَکَان؟) ظفیر

(۳) الدّرّ المختار مع الرّدّ: ۲/۸۵، کتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة ، مطلب في حضور القلب و الخشوع .

(۴) مطبوعہ فتاویٰ میں (تعین) کی جگہ ''یقین'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

اگر بھول سے سنت کی نیت میں فرض کا نام لے لے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۶۲۵) اگر کوئی شخص بہ وقت ظہر یا فجر بھول کر بجائے سنت مؤکدہ کی نیت کے فرضوں کی نیت باندھ لے تو سنتیں کیوں کر ادا کرے؟ نیت توڑ کر پھر سنتوں کی نیت باندھے یا دل ہی دل میں نیت کرے اور فرض بعد کو پڑھے یا کیا کرے؟ (۱۳۲۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: نیت توڑ کر پھر سے نیت سنتوں کی باندھے اور دوبارہ تکبیر بہ نیت سنت کہے (۱) فقط (۲۰۸/۴)

سننِ مؤکدہ کو ترک نہ کرنا چاہیے

سوال: (۱۶۲۶) سنت مؤکدہ کو بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر فرصت ہے تو پڑھ لی جاویں، اگر فرصت نہ ہو تو نہ پڑھے کچھ حرج نہیں ہے؛ یہ صحیح ہے یا نہ؟ (۱۲۳۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: سنن مؤکدہ کو ترک نہ کرنا چاہیے حتی الوسع پڑھنا چاہیے (۲) البتہ اگر وقت تنگ ہوگیا ہو کہ صرف فرض پڑھنے کی مقدار وقت باقی ہو تو اس وقت سنتوں کو چھوڑ دے۔ فقط (۲۰۶/۴)

---

(۱) رجل افتتح المكتوبةَ فظنّ أنها تطوّعٌ فصلّى على نيّة التّطوّع حتّى فرغ فالصّلاة هي المكتوبة و لو كان الأمر بالعكس ، فالجواب بالعكس إلخ ، و النّية بدون التّكبير ليس بمُخرِج. (الفتاوی الهندية: ۱/۶۶، كتاب الصّلاة ، الباب الثّالث في شروط الصّلاة ، الفصل الرّابع في النّية) ظفیر

(۲) ولهٰذا كانت السنّةُ المؤكّدةُ قريبةً من الواجب في لحوق الإثم كما في البحر، ويستوجبُ تاركُها التّضليلَ واللّومَ كما في التّحرير أي على سبيل الإصرار بلا عذرٍ. (ردّ المحتار: ۲/۳۹۲، كتاب الصّلاة ،باب الوتر والنّوافل، مطلب في السّنن والنّوافل) ظفیر

سنتیں مکان پر پڑھنے کی فضیلت، سنتِ قبلیہ اور بعدیہ دونوں کے لیے ہے

سوال: (۱۶۲۷) سنتیں مکان پر پڑھنے کی فضیلت ہے، یہ سنت قبلیہ اور بعدیہ دونوں کے لیے ہے یا کیا؟ (۲۱۴۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: یہ حکم ہر دو سنن کے لیے ہے، لیکن اگر بعد فرض کے مکان پر جانے میں راستے میں یا مکان میں جاکر کچھ حرج واقع ہونے کا احتمال ہے اور امورِ دُنیاوی میں مشغول ہوجانے کا اندیشہ ہے تو پھر مسجد میں ہی سنتیں پڑھ لیوے کیونکہ ایسا ہی ثابت ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۰۶/۴-۲۰۷)

سنتِ فجر گھر پر پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں؟

سوال: (۱۶۲۸) میں سنتِ فجر گھر پر پڑھ لیتا ہوں اور مطابق روایت درمختار وغیرہ اسی کو افضل سمجھتا تھا، مولوی اشرف علی کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ جمیع سنن مؤکدہ کا مسجد میں پڑھنا افضل ہے تاکہ اتہام یا تشبُّہ اہل بدعت سے نہ ہو، چونکہ اس دیار میں تارکینِ سنت نہیں ہیں تو کیا یہاں بھی تشبُّہ اہلِ بدعت سے ہوگا یا نہیں؟ (۱۱۲۹/۱۳۳۹ھ)

الجواب: احادیث میں سنن ونوافل کے مکان میں ادا کرنے کی جو کچھ فضیلت وارد ہوئی ہے وہ مشہور ومعروف ہے، اور فقہاء نے بھی سوائے تراویح کے دیگر سنن ونوافل کے مکان میں پڑھنے کو افضل فرمایا ہے (۱) اور حضرات اکابر حنفیہؒ مثل حضرت محدّث وفقیہ گنگوہیؒ کا عمل اسی پر دیکھا گیا، اور آپ کے اطراف میں جب کہ کوئی فرقہ اہل بدعت کا ایسا بھی نہیں ہے جو کہ تارکِ سنن ہو تو پھر اس [افضلیت] (۲) میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۰۸/۴-۲۰۹)

---

(۱) والأفضل في النّفل غيرِ التّراويحِ المنزلُ إلاّ لخوفِ شَغْلٍ عنها ، والأصحّ أفضليةُ ما كان أخشعَ وأخلصَ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۰۳-۴۰۴، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في الكلام على حديث النّهي عن النّذر) ظفیر

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں [افضلیت] کی جگہ ''فضیلت'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

فرضوں کے بعد والی سنتیں گھر پر پڑھنی چاہئیں یا مسجد میں؟

سوال: (۱۶۲۹) بعد فرضوں کے سنتیں اپنے اپنے گھروں میں جا کر پڑھنی چاہیے یا مسجد ہی میں؟ (۱۵۲۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: في الشّامي: لاتّفاق كلمةِ المشائخ على أنّ الأفضلَ في السّنن حتّى سنّةَ المغربِ المنزلُ أي فلا يكره الفصل بمسافة الطّريق [1] (شامی) اور دوسرے موقع میں مذکور ہے: والأفضل في النّفل غيرِ التّراويحِ المنزلُ إلّا لخوفِ شغلٍ عنها ، والأصحّ أفضليةُ ما كان أخشعَ وأخلصَ [2] اس اخیر عبارت سے واضح ہوا کہ جو اخشع واخلص ہو وہی افضل ہے، اگر مسجد میں پڑھنے میں خشوع زیادہ ہے اور اخلاص زیادہ ہے، اور گھر جا کر پڑھنے میں خوفِ تاخیر وغیرہ ہے تو پھر مسجد میں پڑھنا ہی افضل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۱/۴)

سنن ونوافل مسجد میں پڑھنا افضل ہے یا گھر میں؟

سوال: (۱۶۳۰) بعد فرض کے سنتیں اپنے اپنے گھروں میں جا کر پڑھنی چاہیے یا مسجد ہی میں؛ کیوں کہ مسجد سے کسی مصلّی کا مکان پچاس گز، کسی کا سو گز اور کسی کا نصف فرلانگ، اور ایک فرلانگ دور ہے، اور ظاہر ہے کہ برہما اور گجرات وغیرہ میں ہر قوم کی عورتیں بے پردہ پھرا کرتی ہیں (سوائے مسلمان عورتوں کے) مسجد سے فرض پڑھ کر گھر کو جاتے ہوئے کسی دوست مسلمان یا مشرک یا مشرکہ سے ملیں گے کچھ نہ کچھ دُنیا کی باتیں کریں گے، غرضیکہ مسجد سے گھر تک پہنچتے پہنچتے کئی ایک فساد ہیں، کیا اس صورت میں سنن کا گھروں میں جا کر پڑھنا افضل ہے یا مسجد ہی میں؟ (۱۷۸۵/۱۳۳۵ھ)

الجواب: قال في الدّرّ المختار: والأفضلُ في النّفل غيرِ التّراويح المنزلُ إلّا لخوفِ شَغلٍ عنها إلخ ، اور شامی میں ہے: وحيثُ كان هٰذا أفضلَ يُراعىٰ ما لم يلزم منه

---

(۱) الدّرّ مع ردّ المحتار: ۲/۲۱۹، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، هل يفارقُه المَلَكَان؟

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۰۳-۴۰۴، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في الكلام على حديث النّهي عن النّذر .

خوفُ شغلٍ عنها لو ذهب لبيتِهٖ ، أو كان في بيتِهٖ ما يَشغَل بالَه ويُقللُّ خشوعَهٗ فيصلّيها حينئذٍ في المسجد لأنّ اعتبارَ الخشوع أرجحُ إلخ (۱) ان عبارات سے معلوم ہوا کہ سنن و نوافل کے لیے گھر افضل ہے، لیکن اگر راستے میں یا گھر میں یہ خوف ہو کہ دل پریشان ہو جاوے گا اور خشوع حاصل نہ ہوگا، یا تکلم بہ کلام غیر ضروری کی وجہ سے نقصان ثواب میں ہوگا، تو ایسی صورت میں مسجد میں پڑھنا افضل ہے؛ اس لیے کہ زیادہ تر لحاظ خشوع وخضوع کا ہے، جس جگہ یہ حاصل ہو وہ افضل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۲۶-۲۲۷)

مغرب کے بعد چھ رکعات کی ترغیب

سوال: (۱۶۳۱) بعد مغرب جو چھ رکعت کی ترغیب دی ہے، اس کی دو رکعت ادا کرے تو ہوسکتی ہے یا نہیں؟ (۲۱۴۱/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: یہ چھ رکعت جن کی فضیلت بعد مغرب کے آئی ہے علاوہ مغرب کی دو سنت مؤکدہ کے ہیں، اور بعض نے فرمایا کہ دو سنت مؤکدہ بھی اس میں داخل ہیں، اور اگر مغرب کی دو سنت کے بعد صرف دو رکعت نفل پڑھ لیوے تو اس میں بھی ثواب ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۰۷)

آیت الکرسی وتسبیحات کا پڑھنا قبل سنن بھی جائز ہے

سوال: (۱۶۳۲) ایک شخص بعد نماز فرائض قبل سنت تسبیح وآیت الکرسی پڑھتا ہے، اور سنت مؤکدہ اس کے بعد ادا کرتا ہے، اور میں نے سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان نماز فرائض کے بعد

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۴۰۳-۴۰۴، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في الكلام على حديث النّهي عن النّذر .

(۲) ويستحبّ إلخ وستٌّ بعد المغرب ليكتب من الأوّابين بتسليمةٍ أو ثنتين أو ثلاثٍ والأوّلُ أدومُ وأشقُّ ، وهل تُحسبُ المؤكّدةُ من المستحبّ ويؤدّي الكلَّ بتسليمةٍ واحدةٍ ؟ اختار الكمالُ: نعم. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۳۹۳-۳۹۴، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في السّنن والنّوافل) ظفیرؔ

دعائے سلام پڑھتے تھے اور سنت مؤکدہ بہت جلد ادا کرتے تھے کیونکہ فرشتے فرض اور سنت دونوں کو بہ درگاہِ الٰہی لے جا کر پیش کرتے ہیں۔(۱۵۵۹/۱۳۳۹ھ)

الجواب: آیت الکرسی وتسبیحات کا پڑھنا قبل سنن بھی جائز ہے اور معمول بہ اکابر کا ہے، اور احادیث سے دونوں امر ثابت ہیں[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۰۹)

فرضوں کے بعد سنتوں میں کتنی تاخیر درست ہے؟

سوال: (۱۶۳۳) بعد فرضوں کے سنتوں کی تاخیر کس مقدار تک مستحب ہے؟ اور کس مقدار سے زائد مکروہ ہے، حنفیہ کا مفتی بہ قول مع دلائل بیان فرمائیں (۱۵۲۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے کہ ویکرہ تأخير السّنّة إلاّ بقدر: اللّٰهم أنت السّلام إلخ[۲] لیکن مطلب اس کا یہ ہے کہ یہ تقریبی امر ہے اگر کچھ اس سے زیادہ بھی دعا وغیرہ ہو تو کچھ حرج نہیں ہے، اور صحیح یہ ہے کہ فصل بالاَوراد میں کچھ مضائقہ نہیں، کما ہو معمول مشائخنا. قال الحلواني: لا بأس بالفصل بالأوراد و اختاره الكمال[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۱۱)

سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعا کرنا درست نہیں

سوال: (۱۶۳۴) بعد سنن ونوافل کے بھی دعا کرنا چاہیے یا نہیں؟ یا سلام پھیرتے ہی اٹھ کر

---

(۱) عن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم كان يقول: في دُبر كلِّ صلاةٍ مكتوبةٍ : لآ إلٰه إلاّ اللّٰه وحدهٗ لا شريك لهٗ الحديث ، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح ، ص:۸۸، كتاب الصّلاة ، باب الذّكر بعد الصّلاة ، الفصل الأول)

وعن عليّ رضي الله عنه قال: سمعتُ رسولَ الله صلّى الله عليه وسلّم علىٰ أعوادِ هٰذا المنبر يقول: من قرأ آيةَ الكرسيّ في دبر كلّ صلاة لم يمنعْهُ من دخول الجنّة إلاّ الموتُ الحديث ...... رواه البيهقيّ في شعب الإيمان، وقال: إسنادهٗ ضعيفٌ. (مشكاة المصابيح، ص:۸۹، كتاب الصّلاة ، باب الذّكر بعد الصّلاة ، الفصل الثّالث)

قال الحلوانيّ : لا بأس بالفصل بالأوراد ، و اختاره الكمال . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۱۸-۲۱۹، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، هل يفارقُه المَلَكان؟) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۱۸-۲۱۹، باب صفة الصّلاة ، هل يفارقُه المَلَكان؟.

چلا جانا چاہیے؟ اگر کوئی عالم شخص بعد سنن ونوافل کے دعا نہ کرے اور یوں ہی چلا جایا کرے تو قابلِ ملامت ہے یا نہیں؟ جو خود بھی دعا نہ کرے اور دوسرے دعا کرنے والوں کو بھی برا بھلا کہے اور دعا سے منع کرے تو وہ قابلِ ملامت ہے یا نہ؟ (۱۵۲۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: فرائض کے بعد دعا کر کے متفرق ہو جانا چاہیے؟ سنن ونوافل کے بعد اجتماعًا دعا کا پابند مقتدیوں کو نہ کرنا چاہیے، فرائض کے بعد کوئی شخص مثلاً گھر جا کر سنتیں پڑھنا چاہتا ہے تو اس کو کیوں پابند کیا جاوے، الغرض جو ایسا کرے وہ لائق ملامت کے نہیں ہے، اور یہ رسم کہ بعد سنن و نوافل کے بطور خود ہر ایک شخص جس وقت فارغ ہو دعا کر کے چلا جاوے یا فرائض کے بعد گھر جا کر سنتیں پڑھے اس میں کوئی تنگی نہ ہونی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۲/۴)

سنن ونوافل کی چاروں رکعت میں قراءت واجب ہے

سوال: (۱۶۳۵) سنن مؤکدہ ذی شفعین کے ہر شفعہ میں قراءت واجب ہے یا شفعہ اولیٰ میں؟ (۷۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: چاروں رکعت میں قراءت واجب ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۲/۴)

گھر میں نماز پڑھنے والوں کے لیے بھی جگہ بدل کر سنن ونوافل پڑھنا بہتر ہے

سوال: (۱۶۳۶) احادیث سے فرضوں کے بعد جگہ بدل کر سنت ونفل پڑھنا مسجد میں ثابت ہوتا ہے یا نہ؟ بعد فرضوں کے جگہ بدل کر سنت نفل پڑھنا جو مسنون ہے یہ صرف مسجد کے لیے ہے، یا گھر میں نماز پڑھنے والوں کے لیے بھی یہ مسنون ہے؟ (۴۰۶/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) وتفرضُ القراءةُ عملاً في ركعتي الفرض إلخ وكلّ النّفل للمنفرد لأنّ كلَّ شَفْعٍ صلاةٌ إلخ وكلّ الوتر احتياطًا. (الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۱۳/۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر و النّوافل ، مطلب في صلاة الحاجة) ظفير

الجواب: قال في الدّرّ المختار: وفي الجوهرة و يُكرهُ للإمام التّنفّل في مكانهٖ لا للمؤتمّ، وقيل: يستحبّ كسرُ الصّفوفِ ، وفي الخانية: يُستحبّ للإمام التّحوّلُ ليمينِ القبلةِ يعني يسار المصلّي إلخ. وفي ردّ المحتار: قوله: (لا للمؤتمّ) ومثله المنفرد لما في المنية وشرحها: أمّا المقتدي والمنفرد فإنّهما إن لبثا أو قاما إلى التّطوّع في مكانهما الّذي صلّيا فيه المكتوبة جاز، والأحسن أن يتطوّعا في مكان آخر إلخ ، قوله: (وقيل: يستحبّ كسر الصّفوف) ليزول الأشتباهُ عن الدّاخل المعائنِ للكلّ فى الصّلاةِ البعيدِ عن الإمام، وذكره في البدائع والذّخيرة عن محمّد ونصّ في المحيط علٰى أنّه السّنّة كما في الحلبة إلخ [۱] (شامي) ان عبارات سے واضح ہے کہ عند الحنفیہ بھی کسرِ صفوف اور آگے پیچھے ہٹ کر سنت ونفل پڑھنا مستحب ہے، اور شامی کی عبارت سے جو منفرد کے بارے میں ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکان میں نماز پڑھنے والے کے لیے بھی تطوع فی مکان آخر بہتر ہے۔ فقط (۴/ ۲۲۹-۲۳۰)

امام کا جماعت کی جگہ سے ہٹ کر سنت پڑھنے کی وجہ کیا ہے؟

سوال: (۱۶۳۷) امام کا مصلّٰی جماعت سے علیحدہ ہو کر سنت ونوافل ادا کرنے کی اصلی علت کیا ہے؟ اگر اسی مصلی پر سنت ونوافل ادا کرے تو کیسا ہے؟ (۷۷/۸-۱۳۴۰ھ)

الجواب: اب اصل علت ارتفاعِ اشتباہ ہے، اور یہ بہتر ہے کہ بہ صورت اشتباہ علیحدہ ہو کر سنن ونوافل پڑھے [۲] لیکن اگر اسی مصلّٰی پر پڑھے تو یہ بھی درست ہے۔ لأنّ بالسّلام يحصل الفصل

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۲۱۹-۲۲۰، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، قبيل فصل في القراءة .

(۲) و يُكرهُ للإمام التّنفّل في مكانهٖ لا للمؤتمّ ، و قيل : يستحبّ كسرُ الصّفوفِ ، و في الخانية: يُستحبّ للإمام التّحوّلُ ليمينِ القبلةِ يعني يسار المصلّي لتنفّلٍ أو وِردٍ ، وخيّره في المنية بين تحويلهٖ يمينًا وشمالاً وأمامًا وخلفًا وذَهابِهٖ لبيتهٖ إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (ويكره إلخ) بل يتحوّلُ إلخ ، و كذا يكره مَكْثُهُ قاعدًا في مكانهٖ مستقبلَ القبلة في صلاةٍ لا تطوّعَ بعدها .... والكراهة تنزيهيّةٌ كما دلّت عليه عبارة الخانية إلخ ، وقال: لأن المقصودَ من الانحراف وهو زوال الاشتباه أي اشتباه أنّهٗ في الصّلاة (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۲۱۹-۲۲۰، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، قبيل فصل في القراءة) ظفير

اور جو اصلی علت احادیث میں مذکور ہے کہ خلط فرائض بالنوافل واحتمال گمان زیادۃ فریضہ (۱) وہ اب باقی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۱۲-۲۱۳)

فجر و مغرب کی سنتوں میں ہمیشہ سورۂ کافرون اور اخلاص پڑھنا کیسا ہے

سوال: (۱۶۳۸) کیا جناب رسول مقبول ﷺ ہمیشہ نماز فجر و مغرب میں یعنی سنتوں میں رکعت اولیٰ میں ﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ﴾ اور رکعت ثانیہ میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھا کرتے تھے؟ اگر کوئی اس پر مداومت کرے تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ (۱۳۰۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: ہمیشہ ایسا نہیں ہوا کیونکہ حدیث شریف میں یہ آیا ہے کہ صبح کی سنتوں میں کبھی آپ نے سورۂ ﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھی ہے، اور کبھی ﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ اور ﴿قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا﴾ پڑھی ہے۔ کما ورد في الحصن الحصين (۲) اور اگر کوئی شخص یہی دونوں سورتیں صبح کی سنتوں میں مستحب سمجھ کر پڑھے تو کراہت نہیں ہے، لیکن بہتر یہ ہے

---

(۱) عن الأزرق بن قيس قال: صلّى بنا إمامٌ لنا يُكنىٰ أبا رِمْثَةَ فقال: صلّيتُ هٰذه الصّلاةَ أومثل هٰذه الصّلاة مع النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم قال: وكان أبو بكرٍ و عمرَ يقُومان في الصّفّ المقدّمِ عن يمينه وكان رجلٌ قد شهِدَ التّكبيرة الأولىٰ من الصّلاة فصلّى نبيُّ اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ثمّ سلّم عن يمينهٖ وعن يسارهٖ حتّى رأينا بياضَ خدّيهِ ثمّ انْفتلَ كانفتالِ أبي رِمْثَةَ يعني نفسه فقام الرّجل الّذي أدركَ معه التّكبيرةَ الأولىٰ من الصّلاة يشفع فوَثَبَ إليه عُمَرُ فأخذَ بمَنْكِبيه فهزّه ثمّ قال: اجلِسْ فإنّه لم يَهلِكْ أهل الكتابِ إلاّ أنّهم لم يكن بينَ صلواتهم فصلٌ فرفعَ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم بَصَرَه فقال: أصاب اللّٰه بك يَا ابْنَ الْخَطّابِ!
(أبو داؤد: ۱/۱۴۴، باب في الرّجل يتطوّع في مكانه الّذي صلّى فيه المكتوبة)

(۲) و إذا صلّى ركعتي الفجر يقرأ في الأولىٰ: ﴿قُلْ يٰٓأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ وفي الثّانية: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾، م، حب. أو في الأولىٰ ﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ الآية﴾ وفي الثّانية: ﴿قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا الآية﴾. (الحصن الحصين: ص: ۵۸، منزل يوم الجمعة، دعاء الوتر، المطبوعة: أفضل المطابع، و أيضًا في مشكاة المصابيح، ص: ۸۰، كتاب الصّلاة، باب القراءة في الصّلاة، عن أبي هريرة و عن ابن عبّاس رضي الله عنهما، رواه مسلم)

کہ کبھی اور کوئی سورت یا قُوْلُوْآ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ الآیۃ وغیرہ پڑھ لیا کرے[1] فقط (۲۱۴/۴)

فرائض کے بعد نوافل بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہوکر؟

سوال: (۱۶۳۹) جن نماز پنج گانہ کے بعد جو نفلیں پڑھی جاتی ہیں آیا ان کو بالالتزام بیٹھ کر پڑھنا چاہیے یا کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے؟ (۱۳۴۳/۱۶۱۳ھ)

الجواب: نوافل کو بیٹھ کر پڑھنا اگر کسی عذر کی وجہ سے پایا جاوے تو جائز ہے، اور متنفل قائم کے ساتھ فضیلت میں بھی برابر ہوگا۔ کما في جامع الرّموز نقلاً عن النّهاية: فإنّ أجرَ صلاةِ القاعدِ بعذرٍ يُساوي صلاةَ القائم بالإجماع إلخ[2] اگرچہ بعض کا قول یہ بھی ہے کہ صورت مذکورہ میں صرف ازالہ ماثم میں صاحبِ عذر اور سالم برابر ہیں، لیکن اوّل اشہر ہے اور اگر بلا عذر نوافل کو (بہ استثناء شفع بعد الوتر) کے قاعداً پڑھتا ہے تو اس صورت میں مع الجواز ثواب میں ضرور تنصیف ہوگی۔ قال في الهداية: ويصلّي النّافلة قاعدًا مع القدرة على القيام لقولهٖ عليه السّلام : صلاة القاعد على النّصف من صلاة القائم[3] یہ جواز اس صورت میں ہوگا کہ بیٹھ کر پڑھنے میں کوئی ایسا التزام نہ ہو جس سے دیکھنے والوں کو بیٹھ کر پڑھنے کی سنیت یا وجوب کا گمان ہوجاوے جیسے کہ بعض مقامات میں ظہر اور مغرب کے بعد لوگوں میں دو رکعتوں کا بیٹھ کر پڑھنا رائج

---

(۱) و كره عندنا وعند مالك تعيين سورة أي غير الفاتحة لصلاة من الصّلوات إلخ ، و قيد الطّحاويّ والإسبيجابيّ الكراهةَ فيما اعتقد أنّ الصّلاةَ لا تجوز بغيرها ، و أمّا إذا لم يعتقد ذلك و لازمها بسهولتها عليه أو تبرّكًا بقراءة النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم إيّاها كقراءة سورة: سَبِّحِ اسْمَ و قُلْ يٰاَيُّهَا الكٰفِرُوْنَ والإخلاص في الوتر ، و قراءة الكافرون و الإخلاص في سنّة الفجر و المغرب إلخ ، فلا يكره بل يكون حسنًا فتركه مطلقًا غير مستحسن إلخ . (شرح النّقاية: ۸۳/۱، كتاب الصّلاة ، سنّة القراءة فى الصّلاة ، المطبوعة : المكتبة الإعزازية ديوبند)

(۲) جامع الرّموز المعروف بالقهستاني: ۹۵/۱، كتاب الصّلاة ، فصل في صلاة الوتر والنّوافل ، المطبوعة: نول كشور ، لكهنؤ، الهند .

(۳) الهداية: ۱۴۹/۱-۱۵۰، كتاب الصّلاة ، باب النّوافل .

ہوگیا ہے، اور وہاں کے عوام اس قعود کو شرعاً لازم سمجھتے ہیں، ایسے مقامات میں یہ قعود بے شک مکروہ ہے۔ کما في الخیریة: ۲/۳۳۳: کلّ مباح یؤدّي إلی زعم الجهّال سنیة أمر أو وجوبه فهو مکروه اهـ نقلاً عن القنیة، پس زید کا اصرار اس قاعدہ میں داخل ہوگا، اور اس عادت کے مٹانے کی کوشش ضروری ہے، نفل بعد الوتر اس سے مستثنیٰ ہے، اس لیے کہ وہ بہ حدیث قاعداً ثابت ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۱۵-۲۱۶)

وتر کے بعد بیٹھ کر نوافل پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہوکر؟

سوال: (۱۶۴۰) وتر کے بعد بیٹھ کر نوافل پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہوکر؟ اور ان نوافل کو بیٹھ کر پڑھنے میں ثواب اتنا ہی ہوتا ہے جتنا کھڑے ہوکر پڑھنے میں ہوتا ہے؟ (۱۴۰۶/۳۲-۱۳۳۳ھ) (۲)

الجواب: بیٹھ کر نوافل پڑھنے کا ثواب آدھا ہوتا ہے یہ عموماً اور مطلقاً ہے، اور آنحضرت ﷺ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں آپ کو پورا ہی ثواب ملتا تھا، پس وتر کے بعد نوافل بیٹھ کر پڑھنے میں بھی موافق قاعدۂ مذکورہ کے آدھا ثواب ہوگا، البتہ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ وتر کے بعد بیٹھ کر دو نوافل پڑھنا مستحب ہے، جیسا کہ قاضی ثناء اللہ صاحب نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے (۳) کیونکہ آنحضرت ﷺ سے ایسا ہی ثابت ہے، حضرت مولانا گنگوہیؒ نوافل بعد الوتر میں بھی اگر بیٹھ کر پڑھے نصف ثواب فرماتے ہیں (۴) اور یہی راجح معلوم ہوتا ہے (۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۱۸)

---

(۱) عن أمّ سلمة رضي اللّٰه عنها أنّ النّبيّ صلیّ اللّٰه علیه وسلّم کان یُصلي بعد الوتر رکعتین خفیفتین و هو جالسٌ (سنن ابن ماجه، ص:۸۳، أبواب إقامة الصّلاة و السّنّة فیها، باب ماجاء في الرّکعتین بعد الوتر جالسًا)

(۲) اس سوال کی عبارت رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

(۳) وبعد وتر دو رکعت نشستہ خواندن مستحب است۔ در رکعت اولیٰ ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ﴾ و در رکعت ثانیہ ﴿قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ﴾ خواند۔ (مالا بدمنہ: ص:۶۶، کتاب الصلاۃ، فصل در نوافل، مطبع مجتبائی، دہلی)

(۴) اگر کھڑے ہوکر پڑھے گا تو پورا ثواب ہوگا، اور اگر بیٹھ کر پڑھے گا تو آدھا ثواب ملے گا، رسول اللہ ﷺ نے بعض مرتبہ بیٹھ کر پڑھے ہیں، مگر آپ کو بیٹھ کر پڑھنے میں بھی ثواب پورا ہوتا تھا۔ فقط (فتاویٰ رشیدیہ: ص: ۳۶۵، سنتوں اور نفلوں کا بیان، عنوان: وتر کے بعد کے نوافل کس طرح پڑھے؟)

(۵) ویتنفّل مع قدرته علی القیام قاعدًا لا مضطجعًا إلّا بعذرٍ ابتداءً = =

سوال: (۱۶۴۱) وتروں کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھے یا کھڑے ہو کر، اور آپ ﷺ سے کس طرح ثابت ہیں؟ (۱۳۳۵/۱۶۱۳ھ)

الجواب: دونوں طرح سے درست ہے، مگر کھڑے ہو کر پڑھنے میں دو چند ثواب ہے، بہ نسبت بیٹھ کر پڑھنے کے، اور آنحضرت ﷺ نے ان کو بیٹھ کر پڑھا ہے؛ لیکن آپ کو بیٹھ کر پڑھنے میں بھی پورا ثواب تھا اور دوسروں کو نصف ثواب ملتا ہے، احادیث شریفہ سے یہ ثابت ہے۔ (۲۳۱/۴)

سوال: (۱۶۴۲) نوافل بیٹھ کر پڑھنے سے ثواب ملتا ہے یا نہ؟ بعد وتر کے نفل کا کیا حکم ہے؟ (۱۳۸۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نوافل اگر بیٹھ کر پڑھے گا بہ روئے احادیث نصف ثواب ہو جائے گا۔ فقط (۲۱۷/۴)

وتر کے بعد نفل ہیں یا نہیں؟

سوال: (۱۶۴۳) نماز عشاء میں جو چہار نفل قبل و بعد وتر ہیں ان میں ترجیح کس کو ہے؟ (۱۱۵۴/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نماز عشاء میں بعد فرض عشاء کے دو سنت مؤکدہ ہیں، اس کے بعد چار رکعت یا دو رکعت نفل و مستحب ہیں، اس کے بعد وتر پڑھے پھر وتر کے بعد نفل نہیں، یعنی جیسا کہ رواج ہے کہ بعد وتر کے دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے ہیں، اس کا حکم نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۸/۴-۲۱۹)

= = وكذا بناءً بعد الشّروع بلا كراهةٍ في الأصحّ كعكسهٖ، بحر، و فيه أجرُ غيرِ النّبيّ – صلّى الله عليه وسلّم – على النّصف إلّا بعذرٍ (الدّرّ المختار) أمّا النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم فمِن خصائصهٖ أنّ نافلتَهٗ قاعدًا مع القدرة على القيام كنافلتِهٖ قائمًا ففي صحيح مسلم عن عبد الله بن عمرو، قلتُ: حُدِّثتَ يا رسول الله! إنّك قلتَ صلاةَ الرّجل قاعدًا علىٰ نصف الصّلاة، وأنت تصلّي قاعدًا قال: أجل ولكنّي لستُ كأحد منكم بحر —— إلى قولهٖ —— ويؤيده حديث البخاري: مَن صلّى قائمًا فهو أفضل، ومَن صلّى قاعدًا فله نصفُ أجرِ القائم إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۲۱-۴۲۲، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: المسائل السّتّة عشريّة)

وضاحت: اس جواب میں فرمایا گیا ہے کہ ''وتر کے بعد نفل نہیں''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیٹھ کر پڑھنا جیسا کہ رواج ہے سنت یا مستحب نہیں، جواز کی نفی مقصود نہیں ہے، جیسا کہ سابقہ جوابات سے جواز ثابت ہے، نیز درج ذیل جواب میں جواز کی صراحت موجود ہے۔

سوال: (۱۶۴۴) بعض لوگ کہتے ہیں کہ وتر کے بعد کوئی سجدہ نہیں اور نفل جو وتر کے بعد پڑھی جاتی ہے پڑھنا جائز نہیں ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟ (۱۳۴۲/۲۶۲۰ھ)

الجواب: وتر کے بعد نوافل کا پڑھنا جائز ہے، چنانچہ بعض صحابہ جو عشاء کے بعد وتر پڑھ لیتے تھے وہ آخر رات میں تہجد پڑھتے تھے، تو معلوم ہوا کہ وتر کے بعد نوافل ممنوع نہیں ہیں، نیز آنحضرت ﷺ نے بعد وتر کے دو رکعت نفل پڑھی ہیں، البتہ وتر کے بعد یا کسی نماز کے بعد بلا وجہ تنہا سجدہ کرنا ممنوع ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے: لکنّها تکره بعد الصّلاة إلخ [1] فقط واللہ اعلم (۲۲۰/۴)

تحیۃ المسجد داخل ہوتے وقت پڑھے یا بیٹھنے کے بعد؟

سوال: (۱۶۴۵) یہاں علی العموم لوگوں کا اعتقاد ہے کہ جب نماز کے لیے مسجد میں جائے تو وضو کر کے پہلے قدرے بیٹھ جائے، پھر اٹھ کر نیت نماز کی کرے، اور اس کو مثل فرض واجب کے سمجھتے ہیں؛ یہ احادیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۶۱۳ھ)

الجواب: سنت یہی ہے کہ مسجد میں جاتے ہی بدون بیٹھ جانے کے تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا کرے، اور اگر پہلے بیٹھ گیا تو یہ ترک اولیٰ ہوگا، حدیث صحیحین کو فقہاء نے ترک اولیٰ پر ہی حمل کیا ہے، لیکن بیٹھ کر ادا کرنے کو ضروری سمجھنا دو طرح خلاف مشروع ہے: ایک یہ کہ حدیثِ صحیحین کے خلاف ہے۔ إذا دخل أحدکم المسجدَ فلا یجلس حتّی یصلّي رکعتین [2] دوم قاعدہٗ

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۲۲/۲، کتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة ، مطلب في سجدة الشّکر .

(۲) عن أبي قتادة بن رِبْعِيّ الأنصاريّ رضي اللّٰه عنه قال :قال النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلم : إذا دخل أحدکم المسجدَ الحدیث. (صحیح البخاريّ :۱۵۶/۱، کتاب التّهجد ، باب ماجاء في التّطّوع مثنیٰ مثنیٰ، والصّحیح لمسلم : ۲۴۸/۱، کتاب صلاة المسافرین وقصرها ، باب استحبابِ تحیّةِ المسجدِ برکعتین وکراهةِ الجلوسِ قبلَ صلاتهما)

مذکورہ کی رو سے بھی یہ طرز اور یہ طریقہ مکروہ ہوگا۔ کما في الخيرية:۲/۳۳۳، كلّ مباح يؤدّي إلى زعم الجهّال سنّية أمرٍ أو وجوبه فهو مكروه اهـ ، نقلاً عن القنية۔ فقط (۴/۲۱۵-۲۱۷)

سوال: (۱۶۴۶) زید جس وقت مسجد میں آتا ہے تو جلسہ کر کے کھڑا ہو کر تحیۃ الوضوو نوافل وغیرہ پڑھتا ہے، خالد کہتا ہے کہ اکثر رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لایا کرتے تھے، اور اکثر صحابہ کہ جس وقت مسجد میں داخل ہوتے تھے تو دو رکعت نماز تحیۃ الوضو پڑھ کر جلسہ کرتے تھے، اس صورت میں کس کے قول کو ترجیح ہے؟ (۱۷۴۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اولیٰ و مستحب یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے کے وقت اگر وضو ہے اور وقت میں گنجائش ہے تو پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے پھر بیٹھے [۱] اور یہ جو مروج ہو گیا ہے کہ مسجد میں داخل ہو کر پہلے بیٹھ کر پھر تحیۃ المسجد وغیرہ پڑھتے ہیں اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ فقط (۴/۲۳۵-۲۳۶)

---

(۱) ويُسنُّ تحيّةُ ربِّ المسجدِ، وهي ركعتان، وأداء الفرض أوغيرُهُ، وكذا دخولُهُ بنيّةِ فرضٍ أو اقتداءٍ ينوبُ عنها بلا نيّة، وتكفيه لكلّ يومٍ مرّةً ولا تسقط بالجلوس عندنا (الدّرّ المختار) والحاصلُ أنّ المطلوبَ من داخلِ المسجد أن يصلّي فيه ليكون ذلك تحيّةً لربّه تعالىٰ إلخ ، وإلاّ لزم فعلُها بعد الجلوس، وهو خلاف الأولىٰ إلخ، وأمّا حديث الصّحيحين إذا دخل أحدكم المسجد فلا يجلس حتّى يصلّي ركعتين فهو بيان للأولىٰ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۹۹-۴۰۰، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في تحيّة المسجد) ظفير

سنن غیر مؤکدہ کا بیان

نفل با جماعت جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۶۴۷) نفل با جماعت جائز ہے یا نہیں؟ میں نے ایک کتاب میں یہ عبارت پڑھی ہے: از مخدوم جہانیان در جامع العلوم است کہ ایشاں بعد از نماز عید چہار رکعت نماز با امامت نمودند، سلطان فیروز شاہ وعلماء دراں بودند، علمایان گفتند نماز نفل با جماعت نزد امام ابوحنیفہ مکروہ است، می آورد کہ ایشاں روئے مبارک بر بادشاہ آوردند وفرمودند کہ در کتاب کافی است: يجوز للمؤمنين أن يعمل في العبادات على مذهب غيره وفي المعاملات لا يجوز والتّطوّع بالجماعة يجوز عند الشّافعي، علمایان بہ قول ایشاں اعتراف نمودند. بیّنوا توجروا؟ (۱۳۲۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: نفل با جماعت نہ پڑھنی چاہیے کہ صحیح یہی ہے کہ جماعت نفل بہ تداعی مکروہ ہے، اور تفسیر تداعی کی یہ ہے کہ چار مقتدی جماعت میں ہوں یہ بہ اتفاق مکروہ ہے، اور تین مقتدی ہوں تو اس میں خلاف ہے اور ایک یا دو مقتدی ہوں تو کراہت نہیں ہے۔ کذا في الشّامي [1] الحاصل چھوڑنا اس جماعت نفل کا جو بعد عید [2] ہوتی تھی ضروری ہے، اور اب جب کہ چھوٹ گئی ہے تو ہرگز پھر

---

(۱) ولا يُصلّي الوترَ ولا التّطوّعَ بجماعةٍ خارجَ رمضان أي يُكره ذلك لو على سبيل التّداعي بأن يقتديَ أربعةٌ بواحدٍ (الدّرّ المختار) قوله: (أربعةٌ بواحدٍ) أمّا اقتداءُ واحدٍ بواحدٍ أو اثنين بواحدٍ فلا يكره و ثلاثةٍ بواحد فيه خلافٌ إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۳۶-۴۳۷، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في كراهة الاقتداء في النّفل على سبيل التّداعي و في صلاة الرّغائب) ظفیر

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (عید) کی جگہ ''بتداعی'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

جاری کرنی نہ چاہیے، ورنہ بدعت کے جاری کرنے کا گناہ ہوگا۔ کما جاء في الحديث [۱] اور جو عبارت جامع العلوم کی مخدوم جہانیان کے حوالہ سے نقل کی ہے وہ حجت نہیں ہے، اس سے استدلال نہ کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۲۸)

تراویح کے بعد نفل نماز با جماعت پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۶۴۸) آیا تین آدمی نماز نفل بعد تراویح کے جماعت سے ادا کر کے ثواب حاصل کر سکتے ہیں؟ یا نماز نفل بعد تراویح با جماعت مطلقاً درست نہیں، خواہ تعداد میں ادا کرنے والے تین ہوں یا زائد؟ (۱۴۲۸/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: نفل کی جماعت سوائے تراویح کے سنت اور مستحب نہیں ہے، بلکہ بعض صورتوں میں مکروہ، اور بعض میں مباح ہے، اس لیے فضیلت جماعت کی اور ثواب جماعت کا اس میں حاصل نہیں ہے۔ دو تین مقتدی ہوں تو جماعت کی اجازت ہے مگر جماعت نہ کرنا ہی اولیٰ ہے۔ لہٰذا مطلقاً نفل کی جماعت نہ کرنی چاہیے۔ درمختار میں ہے: ولا يُصلّي الوترَ ولا التّطوّعَ بجماعةٍ خارجَ رمضان أي يُكره ذلك لو على سبيل التّداعي بأن يقتديَ أربعةٌ بواحدٍ كما في الدّرر [۲] (اور شامی میں ہے:) ويُؤيّده أيضًا مافي البدائع: من قولهٖ: إنّ الجماعةَ في التّطوّعِ ليست بسنّةٍ إلّا في قيام رمضان إلخ [۳] اس عبارت بدائع سے معلوم ہوا کہ سوائے تراویح کے اور کوئی نفل جماعت سے نہ پڑھی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۲۹)

---

(۱) عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال : كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يقول في خطبتهٖ : يحمد الله ويثني عليه بما هو أهله ثمّ يقول : من يهده الله فلا مضلّ له و من يضلله فلا هادي له ...... وشرّ الأمور محدثاتها وكلّ محدثة بدعة وكلّ بدعة ضلالة الحديث. (سنن النّسائي:۱/ ۱۷۹، كتاب صلاة العيدين ، كيف الخطبة؟)

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۴۳۶-۴۳۷، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في كراهة الاقتداء في النّفل علىٰ سبيل التّداعي و في صلاة الرّغائب.

(۳) ردّ المحتار: ۲/ ۴۳۶، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل .

شبِ قدر اور شبِ براءت ومعراج میں نوافل با جماعت درست نہیں

سوال: (۱۶۴۹) شبِ قدر، شبِ معراج، شبِ براءت وغیرہ جیسی راتوں میں مسجدوں میں جمع ہوکر نوافل اور وظائف پڑھنا کیسا ہے؟ (۲۰۵۵/۱۳۴۳ھ)

الجواب: احیاء ان لیالی کا مستحب ہے، یہ راتیں عند اللہ بہت متبرک ہیں، ان میں جتنی عبادت کی جائے بہت زیادہ باعث اجر ہے، لیکن نوافل با جماعت نہ پڑھنی چاہئیں کیونکہ یہ بدعت و مکروہ ہے[۱] بلکہ اپنے اپنے طور سے تلاوت قرآن مجید ونوافل وغیرہ پڑھنی چاہئیں، کسی خاص اجتماع کی ضرورت نہیں۔ فقط (واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عتیق الرحمٰن عثمانی)[۲] (۲۲۴/۴)

گناہ گار کا اپنے اوپر نوافل کو لازم کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۶۵۰) کوئی شخص گناہ کرے اور پھر اپنے ذمہ یہ واجب کرلے کہ نماز کے بعد جو نفل پڑھی جاتی ہیں میں ان کو ضرور پڑھا کروں گا تاکہ نفس گناہ کا ارادہ نہ کرے تو نفل کا پڑھنا اس کے ذمہ واجب ہے یا نہ؟ (۲۰۴/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: واجب نہیں، واجب یہ ہے کہ توبہ واستغفار کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۵/۴)

نوافل اس نیت سے پڑھنا کہ اس سے فرائض کا جبرِ نقصان ہوتا ہے صحیح ہے

سوال: (۱۶۵۱) ایک شخص نوافل اس نیت سے پڑھتا ہے، اس سے فرائض کا جبر نقصان ہوجائے

---

(۱) واعلم أنّ النّفل بالجماعة على سبيل التّداعي مكروه على ما تقدّم إلخ ، فعلم أن كُلًّا من صلاة الرّغائب ليلةَ أوّلِ جمعة من رجب ، وصلاة البراء ة ليلة النّصف مِن شعبان ، وصلاة القدر ليلة السّابع والعشرين من رمضان بالجماعة بدعةٌ مكروهةٌ إلخ . (غنية المستملي، ص:۴۳۲، فصل في النّوافل) ظفير

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ——— اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثانی حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثانی کے صاحبزادے ہیں۔ ۱۲ محمد امین پالن پوری

یہ نیت صحیح ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۵/۳۶ھ)

الجواب: یہ مضمون حدیث شریف میں ہے کہ نوافل سے فرائض کا جبرِ نقصان ہوتا ہے [۱] لہٰذا یہ نیت اس کی صحیح ہے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۵/۴)

سکینہ سے کیا مراد ہے؟

سوال: (۱۶۵۲) حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص تہجد کی نماز میں سورۂ کہف پڑھ رہا تھا اس کا گھوڑا متصل بندھا ہوا تھا کہ آسمان سے روشنی نیچے کو اترنے لگی الحدیث [۳] حضور سے جب ذکر کیا تو فرمایا کہ وہ سکینہ تھی سکینہ کی شرح عند المحققین کیا ہے؟ اور کثرت نوافل سے نزول اس کا ہونا فی زمانہ ممکن ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۱۰۳۸ھ)

الجواب: قال في اللّمعات في شرح الحديث المذكور: قوله: السّكينة هي الطّمانينة وهي تجيء بمعنى الرّحمة وبمعنى التأنّي والوقار، وقيل: هي ما يحصل به السّكون، وصفاءُ القلب، وذهابُ الظّلمة النّفسانيّة، ونزولُ الرّحمانيّة، والحضور والذّوق [۴] فقط

---

(۱) عن تميمٍ الدّاريّ رضي الله عنه عن النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم قال: أوّلُ ما يُحاسَبُ بهِ العبدُ يومَ القيامةِ صلاتهُ فإن أكْمَلَهَا كُتبت لهُ نافلة، فإن لم يكن أكْمَلَهَا؛ قال: الله سبحانهُ للملائكة: انظروا هل تجدون لعبدي من تطوّعٍ، فأكْمِلُوْا بها ما ضَيَّعَ من فريضتهِ، ثمّ تؤخذُ الأعمالُ علىٰ حَسَبِ ذٰلك. (سنن ابن ماجة، ص:۱۰۳، أبواب إقامة الصّلوات والسّنّة فيها، باب ماجاء في أوّل ما يُحاسبُ به العبد: الصّلاةُ)

(۲) ويأتي بالسّنّة مطلقًا إلخ لكونها مكمّلات، وأمّا في حقّهِ عليه الصّلاة والسّلام فلزيادة الدّرجات. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۵۰-۴۵۱، كتاب الصّلاة، باب إدراك الفريضة مطلب: هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش؟) ظفیر

(۳) عن البراء رضي اللّٰه عنه قال: كان رجلٌ يقرأ: سورةَ الكهف و إلى جانبهِ حِصانٌ مربوطٌ بِشَطَنَيْنِ فَتَغَشَّتْهُ سَحابةٌ فجعلتْ تَدْنُوْ و تَدْنُوْ، وجعل فرسُهُ يَنْفِرُ، فلمّا أصبح أتى النّبيَّ صلّى الله عليه وسلّم فذكر ذلك لهُ، فقال: تلك السَّكينةُ تنزّلت بالقرآن، متّفق عليه.
(مشكاة المصابيح: ص:۱۸۴، كتاب فضائل القرآن، الفصل الأوّل)

(۴) حاشية مشكاة المصابيح، ص:۱۸۴، كتاب فضائل القرآن، رقم الحاشية: ٦.

(پس سکینہ کی مراد طمانیت، رحمت اور وہ چیز ہے جس سے سکون وصفائی قلب حاصل ہو اور ظلمتِ نفسانیہ دور ہو اور جو باعثِ نزولِ رحمت ہو، حضورِ قلب سے نمازیں ادا کی جائیں تو اس زمانہ میں بھی یہ چیز حاصل ہوسکتی ہے جسے سکینہ کہتے ہیں۔ظفیر)(۴/ ۲۲۵)

رات میں ایک نیت سے آٹھ سے زیادہ نفل پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اورعیدگاہ کے فرش پر سب نمازیں بلا کراہت جائز ہیں

سوال: (۱۶۵۳) آٹھ رکعت نفل کی نیت باندھنا یا اس سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی؟ عیدگاہ کے فرش پر کیوں اور نماز مکروہ ہے؟ مسجد کی فضیلت اندر باہر کی ایک ہے یا کم وزیادہ؟

(۲۲۱۵/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: کتب فقہ میں نوافل کے بارے میں یہ ہے کہ دن کی نفلوں میں چار سے زیادہ اور رات کی نفلوں میں آٹھ سے زیادہ ایک نیت سے پڑھنا مکروہ ہے، پس معلوم ہوا کہ رات کو آٹھ رکعت ایک نیت سے پڑھنا بلا کراہت درست ہے، البتہ اس سے زیادہ مکروہ ہے، اور اس مکروہ سے مراد مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ شامی میں کہا کہ بعض مشائخ اس کو مکروہ نہیں کہتے، پس معلوم ہوا کہ مختلف فیہ ہے اور یہ علامت کراہت تنزیہی کی ہے (۱) اورعیدگاہ کے فرش پر سب نمازیں بلا کراہت جائز ہیں (۲)

---

(۱)وتُكره الزّيادةُ علىٰ أربعٍ في نفلِ النّهارِ ، وعلىٰ ثمانٍ ليلاً بتسليمةٍ لأنّه لم يَرِدْ ، والأفضلُ فيهما الرُّباعُ بتسليمةٍ (الدّرّ المختار) نعم وقع الاختلاف بين المشائخ المتأخّرين في الزّيادةعلى الثّمانية ليلاً، فقال بعضهم: لا يكره ، وإليه ذهب شمس الأئمّة السّرخسيّ إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۳۹۶، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في لفظة ثمان)

(۲) أمّا المتّخذ لصلاةِ جنازةٍ أوعيدٍ فهومسجدٌ في حقّ جواز الاقتداء ، و إن انفصل الصّفوفُ رِفقًا بالنّاس. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۳۷۲، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب في أحكام المسجد)اس سے معلوم ہوا کہ یوں نماز پڑھنے کی بہ درجۂ اولیٰ اجازت ہے۔ظفیر

اور مسجد کی فضیلت اندر باہر سے برابر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۲۶)

عصر کی چار سنتوں میں پہلے قعدہ میں تشہد کے بعد درود شریف اور تیسری رکعت کے شروع میں ثنا وغیرہ پڑھنا چاہیے

سوال: (۱۶۵۴) عصر کی چار مستحب ہمیشہ چار رکعت سنت مؤکدہ کی طرح پڑھا کرتے تھے، ایک صاحب بزرگ فرماتے ہیں کہ خاص کر عصر کے چار مستحب اور نفلوں میں بیچ کے تشہد کے بعد درود شریف اور دعا ضرور پڑھ کر اٹھ کر دو رکعت باقی پڑھے؟ (۶۰۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: درمختار میں ہے کہ سوائے چار سنت قبل ظہر و قبل جمعہ و بعد جمعہ باقی سنن ونوافل میں درمیان کے تشہد کے بعد درود شریف پڑھے اور شفعہ ثانیہ میں ثناء واعوذ بھی پڑھے، اسی کو شامی نے راجح و (قوی)(۱) کہا ہے، اور دوسرا قول درمختار میں یہ لکھا ہے کہ درمیان کے قعدہ میں درود شریف وغیرہ نہ پڑھے، مگر اس کو شامی نے ضعیف کہا ہے، مگر صاحبِ قُنیہ نے اس کی تصحیح فرمائی ہے، پس اس بناء پر بے شک عصر کے قبل چار سنتوں میں درمیان کے تشہد کے بعد درود شریف اور شفعہ ثانیہ میں ثنا وغیرہ پڑھنا چاہیے، باقی اگر کوئی نہ پڑھے تو کچھ حرج نہیں ہے کہ یہ بھی ایک قول ہے۔ وقیل: لایأتي في الكلّ وصحّحه في القنية (۲) (الدرّ المختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۳۸-۲۳۹)

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (قوی) کی جگہ ''اقویٰ'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) ولا يُصلّي على النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم في القعدةِ الأولىٰ في الأربع قبل الظّهر والجمعةِ وبعدها ، و لو صلّى ناسيًا فعليه السّهوُ ، وقيل: لا .... ولا يَستفتحُ إذا قام إلى الثّالثة منها لأنّها لتأكّدها أشبهت الفريضةَ ، وفي البواقي من ذوات الأربع يصلّي على النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم ، و يستفتح و يتعوّذ و لو نذرًا لأنّ كلّ شفع صلاةٌ ، وقيل: لا يأتي في الكلّ و صحّحه في القُنية (الدّرّ المختار)............ قوله: (وقيل لا إلخ)قال في البحر: ولا يخفى ما فيه ، والظّاهر الأوّلُ، زاد في المِنح ومن ثمّ عوّلنا عليه وحَكَيْنَا ما في القُنية بقيل. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۹۷، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل، مطلب في لفظة ثمان) ظفیر

عصر وعشاء کی چار سنتوں اور رباعی نوافل کے قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود شریف اور تیسری رکعت میں ثنا اور تعوذ پڑھنا چاہیے

سوال: (۱۶۵۵)...... (الف) عصر وعشاء کے قبل کی چار سنتوں میں بیچ کے قعدہ میں صرف التحیات پڑھ کر کھڑا ہونا چاہیے یا درود شریف بھی پڑھے؟

(ب) اگر چار رکعت نفل کی نیت کی جاوے تو ایسی حالت میں اس کے بیچ کے قعدہ میں صرف التحیات پڑھ کر باقی رکعات پوری کرے یا دُرود دُعا بھی پڑھے؟ (۸۱۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: (الف - ب) درمختار میں ہے کہ سوائے سنت ظہر وجمعہ کے باقی سنن ونوافل ذات اربع رکعات میں قعدہ اولیٰ میں درود شریف اور تیسری رکعت میں ثنا وتعوذ پڑھے۔ وفي البواقي من ذوات الأربع يصلّي على النبيّ صلّى الله عليه وسلّم، ويستفتح و يتعوّذ إلخ[1] (۲۳۱/۴)

رات میں ایک سلام سے آٹھ رکعت پڑھنے کا طریقہ

سوال: (۱۶۵۶) میں نے ایک کتاب رکن دین میں دیکھا ہے کہ شب کو آٹھ رکعت نفل ایک سلام سے پڑھ سکتے ہیں، لیکن قعدہ کی نسبت کچھ نہیں لکھا آیا دو رکعت کے بعد قعدہ کرنا اور اس میں درود ودعا پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ (۲۳۰۴/۱۳۴۳ھ)

الجواب: قعدہ ہر دو رکعت کے بعد کرنا چاہیے اور درود شریف اور دعا قعدہ اخیرہ میں پڑھنی چاہیے۔ (۲۲۴/۴)

وضاحت: یہ فتویٰ ضعیف قول پر ہے، راجح یہ ہے کہ ہر قعدہ میں التحیات کے بعد درود شریف اور ہر طاق رکعت کے شروع میں ثنا وتعوذ پڑھنا چاہیے، جیسا کہ سابقہ جواب میں مذکور ہے۔ امین

نوافل میں ادعیہ ماثورہ جہر سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۶۵۷) نوافل میں ادعیہ ماثورہ جہر سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ (۲۰۸۲/۱۳۴۵ھ)

---

(۱) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۹۷، کتاب الصّلاة، مطلب في لفظة ثمان.

الجواب: اس میں جہر کا حکم نہیں ہے، اگر اتفاقی کسی دعا وغیرہ میں کچھ جہر ہو جاوے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ (اضافہ از رجسٹر نقول فتاویٰ)

نمازِ اوّابین کونسی نماز ہے؟

سوال: (۱۶۵۸) مشارق الانوار میں صلاۃ اوّابین کی نسبت لکھا ہے کہ ''اوّاب'' لغت میں اس وقت کو کہتے ہیں کہ جس وقت اونٹ کے بچے کے پیر گرمی سے جلنے لگیں اور وہ وقت گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کا ہوتا ہے تو درحقیقت صلاۃ اوّابین کا وقت بعد مغرب ہے یا یہ وقت ہے یا دونوں وقت ہیں، برتقدیر ثانی اولویت کس کو ہے؟ (۶۳۹/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: اوّابین کے معنی رجوع الی اللہ کرنے والوں کے ہیں، پس اس اعتبار سے جملہ نمازوں کو صلوۃ اوابین کہہ سکتے ہیں، لیکن احادیث سے دو وقت کی نوافل پر اطلاق صلاۃ اوّابین کا آیا ہے، ایک صلاۃ ضحیٰ پر جیسا کہ سوال میں درج ہے اور دوسرے نوافل بعد المغرب پر جیسا کہ کبیری شرح منیہ میں منقول ہے: وإن تطوّع بعد المغرب بستِّ ركعاتٍ فهو أفضلُ لحديث ابن عمرؓ أنّه عليه السّلام قال: مَن صلّى بعد المغرب ستَّ ركعاتٍ كُتب من الأوّابين و تلا: ﴿إِنَّهُ كَانَ لِلأَوَّابِينَ غَفُوْرًا﴾ [1] پس اس حدیث ثانی کی وجہ سے صلاۃ اوابین کا اطلاق اکثر نوافل بعد المغرب پر کیا جاتا ہے۔ قال في الدّرّ المختار: وستٌّ بعد المغرب ليُكتب من الأوّابين إلخ [2] اور اس کا انکار نہیں ہے کہ صلاۃ ضحیٰ بھی صلاۃ اوّابین ہے، بلکہ اس کو بھی صلاۃ اوّابین کہہ سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۳۶-۲۳۷)

نماز اوّابین کتنی رکعت پڑھنی چاہیے؟

سوال: (۱۶۵۹) صلاۃ اوّابین بیس رکعت پڑھنی چاہیے یا چھ رکعت؟ صحیح کیا بات ہے؟ (۱۲۸۲/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) غنية المستملي شرح منية المصلّي: ص: ۳۳۳، فصل في النّوافل.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۳۹۳، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في السّنن والنّوافل.

الجواب: صلاۃ الاوّابین میں دونوں امر صحیح ہیں، چھ رکعت بھی آئی ہیں اور بیس بھی جو کچھ کرے بہتر ہے، مگر اکثر علماء کا مذہب چھ رکعت پر ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۷/۴)

نمازِ اوّابین اور تہجد کی کتنی رکعتیں ہیں؟ اور تراویح کی جماعت مسجد میں افضل ہے

سوال: (۱۶۶۰) صلاۃ الاوابین کی کم از کم کئی رکعت ہیں؟ اور تہجد کی کئی؟ اور تراویح کی جماعت مسجد میں افضل ہے یا مکان پر؟ اور کسی مسجد میں تراویح کی دوسری جماعت افضل ہے یا مکان پر؟ (۱۵۳۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: صلاۃ الاوابین کی چھ رکعت ہیں علاوہ دوسنت مؤکدہ مغرب کے[2] اور تہجد کی نماز آٹھ رکعت ہیں زیادہ بارہ تک ہیں، اور کم دو رکعت تک[3] نماز تراویح کی جماعت مسجد میں

---

(۱) وإن تطوّع بعد المغرب بستِّ ركعاتٍ فهو أفضلُ لحديث ابن عمرؓ أنه عليه السّلام قال: مَن صلّى بعد المغرب ستَّ ركعاتٍ كُتب من الأوّابين و تلا: ﴿ إِنَّهُ كَانَ لِلأَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴾ (غنية المستملي شرح منية المصلّي: ص:۳۳۳، فصل في النّوافل)

و بعد نماز مغرب دو رکعت سنت است، و بعد ازاں شش رکعت دیگر مستحب است آن را صلاۃ الاوّابین گویند، و بہ روایتے بعد نماز مغرب بست رکعت آمدہ۔ (مالا بد منہ فارسی: ص:۶۶، کتاب الصلاۃ، فصل در نوافل، مطبع مجتبائی، دہلی)

عن عائشة رضي الله عنها قالت : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : مَن صلّى بعد المغرب عشرين ركعةً بنى الله لهٗ بيتًا في الجنّة ، رواه التّرمذي (مشكاة المصابيح، ص:۱۰۴ كتاب الصّلاة ، باب السّنن وفضائلها ، الفصل الثّاني) ظفیر

(۲) وستٌّ بعد المغرب ليُكتب من الأوّابين بتسليمةٍ أو ثنتينِ أو ثلاثٍ و الأوّلُ أدومُ وأشقُّ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۹۳/۲-۳۹۴، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في السّنن والنّوافل) ظفیر

(۳) و صلاة اللّيل وأقلّها على في الجوهرة ثمان (الدّرّ المختار) قيد بقوله على ما في الجوهرة لأنّه في الحاوي القدسيّ قال: يصلّي ما سَهُلَ عليه و لو ركعتين ، ==

افضل ہے[1] دوسری جماعت تراویح کی مسجد میں نہ ہونی چاہیے، ایسا کرنا ہوتو مکان پر ہونی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۲۷-۲۲۸)

اشراق، چاشت اوراوّابین سب میں صرف نفل نماز کی نیت کرلینا کافی ہے

سوال: (۱۶۶۱) نمازِ اشراق ونمازِ چاشت ونمازِ اوّابین ان سب نمازوں کی نیت وترکیب سے بھی مطلع فرمایئے گا؟ (۲۱۵/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: اوّابین و اشراق و چاشت سب میں صرف نفل نماز کی نیت کرلینا کافی ہے، کسی خاص نماز اور وقت کا نام لینا کچھ ضروری نہیں[2] اور عوام اور ناواقفوں کو لمبی لمبی نیت بتلا کر پریشان کرنا جہالت ہے، اور جونسی سورت چاہے پڑھے۔ فقط، کتبہ الفقیر: اصغر حسین عفی عنہ (۴/ ۳۰۸-۳۰۹)

نفلوں میں تسبیحات وغیرہ انگلیوں پر شمار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۶۶۲) نمازِ نفل میں انگلیوں پر شمار کرنا جائز ہے یا نہ؟ (۱۴۴۲/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: اگر ایسے شمار یاد نہ رہے تو انگلیوں پر اشارہ سے شمار کرنا درست ہے[3] فقط (۴/ ۲۲۹)

== والسّنّة فيها ثمانِ ركعاتٍ بأربع تسليماتٍ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۴۰۶-۴۰۸، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في صلاة اللّيل) ظفیر

(۱) والجماعة فيها سنّة على الكفاية إلخ فالمسجد فيه أفضلُ قاله الحلبي. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۳۱-۴۳۲، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاة التّراويح)

و ظاهر كلامهم هُنا أنّ المسنونَ كفايةُ إقامتِها بالجماعة في المسجد حتّى لو أقاموها جماعةً في بيوتهم و لم تقم في المسجد أثِم الكلُّ. (ردّ المحتار: ۲/ ۴۳۱، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاة التّراويح) ظفیر

(۲) وفي الكبيري: المصلّي إذا كان متنفّلاً سواء كان ذلك النّفل سنّةً مؤكّدةً أو غيرها يكفيه مطلق نيّة الصّلاة، ولا يشترط تعيين ذلك النّفل إلخ. (غنية المستملي شرح منية المصلّي: ص: ۲۱۶-۲۱۷، الشّرط السادس: النيّة) جمیل الرحمٰن

(۳) وكُره تنزيهًا عَدُّ الآيِ والسّور والتّسبيح باليد في الصّلاة مطلقًا ولو نفلاً (الدّرّ المختار) قوله: (ولو نفلاً) بيانٌ للإطلاق، وهٰذا باتّفاق أصحابنا في ظاهر الرّواية، ==

نمازِ عشق کی کچھ اصل نہیں

سوال: (۱۶۶۳) کوئی دو رکعت نمازِ عشق اس طرح پڑھے کہ قیام میں بیس دفعہ اللہ کا ذکر قلب پر جیسا کہ خارج میں کرتے ہیں کرے، اس کے بعد رکوع میں دس دفعہ، اور قومہ میں دس دفعہ، اور سجدہ میں دس دفعہ، پھر جلسہ میں دس دفعہ، بعد نماز کے درود: **اللّٰهمّ صلّ وسلّم وبارك علىٰ من اسمه سيّدنا محمّد عدد ما في علم الله صلاةً دائمةً بدوام ملك الله** کثرت سے پڑھے، اس کے بعد دعا مانگے: **اللّٰهمّ اجعلني محبوس محبّتك ومسجون عشقك ومفتون شوقك ومجنون لقائك وأعطني داء محبّتك يآ أهل المشتاقين وارزقني داء محبّتك يآ أرحم الرّاحمين !**

ذکر قلب پر نماز میں جیسا کہ بیرون نماز کیا جاتا ہے، جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح کی نماز پڑھنا طریقت اور شریعت میں جائز ہے یا کوئی اور حکم ہے؟ ذرا تحقیق ہو جاوے تو بہت عمدہ ہے۔ نیز نماز میں تصوُّر شیخ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس جگہ بعض علماء ایسے تصور کرنے والوں کو کافر کہنے لگے ہیں جو کوئی ایسا کرتا ہے کافر ہے یا نہیں؟ (۳۰۸/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: نمازِ عشق جو آپ نے لکھی ہے بہ قاعدۂ شریعت اس کی کچھ اصل نہیں معلوم ہوتی، اور طریقت میں بھی وہی عبادت معتبر ہے جو شریعت میں ثابت ہو اور شرعًا جائز ہو، سو بہ طریقۂ مذکور شریعت میں ایسی نماز نہیں ہے، لیکن اس میں کوئی امر کفر و معصیت کا بھی نہیں ہے، البتہ خلاف طریق سنت ہے، اور چوں کہ سوائے ذکر قلبی کے اور کوئی امر زائد اس میں اَورادِ صلاۃ سے نہیں ہے، اس لیے کفر وغیرہ کی کوئی وجہ نہیں ہے، البتہ تصوُّر شیخ اگر نماز میں عمدًا اس طرح کرے کہ صورتِ شیخ بالقصد پیش نظر کرے تو یہ ناجائز ہے، اگر چہ کفر نہیں مگر ایسا کرنا نہیں چاہیے، کیوں کہ مشائخ رحمہم اللہ جو تصوُّر شیخ کی اجازت دیتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ اپنے شیخ سے ایسی محبت ہو جاوے کہ بلا ارادہ

== وعن الصّاحبين في غير ظاهر الرّواية عنهما أنّه لا بأس به، و قيل الخلافُ في الفرائض ولا كراهةَ في النّوافل اتّفاقًا، وقيل: في النّوافل ولا خلاف في الكراهة في الفرائض، نهر. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۶۳/۲، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها قبل مطلب: الكلام على إتّخاذ المِسبحة) ظفير

خیالِ شیخ دل میں رہے، اور تعلق قلبی حاصل ہو، نہ یہ کہ بالقصد صورتِ شیخ کو پیش نظر کرے، بلکہ مثال تصوُّرِ شیخ کی جو جائز ہے ایسے ہونی چاہیے جیسے محبّ عاشق کو اپنے محبوب کا تصوُّر بلا ارادہ رہتا ہے، اس میں کوئی اختیار نہیں ہوتا، اور یہی ہے وہ ایک خاص معنی فناء فی الشیخ۔

پس ضروری ہے کہ نماز میں تصوُّر مذکور سے پرہیز کرے، باقی بے اختیار حالت پر کوئی حکم نہیں ہوسکتا وہ مجبور اور معذور ہے، نمازِ عشق میں جو اوّل آپ نے لکھی ہے اگر تصوُّرِ شیخ (بالاختیار) اور غیر اللہ کی طرف اس میں توجہ نہ ہو، صرف ذکر قلبی بہ طریق مذکور علاوہ قراءت و تسبیح وغیرہ ضرویات فرائض وسنن وآداب نماز کے ہیں، اس میں صرف اتنا ہی تأمل ہے کہ مثلاً قیام میں بعد پڑھنے فاتحہ وسورت کے ذکر قلبی کے لیے کھڑا رہنا اور رکوع کی طرف جانے میں تاخیر کرنا خلافِ قواعدِ فقہیہ شرعیہ کے ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ بعد قراءت فاتحہ وسورہ فوراً رکوع کرے اور رکوع میں تسبیح بہ فور فراغ پڑھ کر فوراً قومہ کرے، اسی طرح تمام نماز میں حکم ہے، پس یہ تاخیر جو ہر جگہ ذکر قلبی کے واسطے ہوگی نمازِ شرع کے خلاف ہے، لہٰذا بندہ کے خیال میں احوط یہ ہے کہ ایسا نہ کرے، اور نماز موافق قواعد شرعیہ کے پڑھے، نماز سے خارج بہت وقت ایسا ہے کہ اس میں حسب دل خواہ جس قدر چاہے ذکر کرے، اور کسی بزرگ نے اگر کسی مرید سے علاجاً یہ فعل کرایا تو ضروری نہیں کہ اس کو ہمیشہ کیا کرے۔ فقط والسّلام مع الإکرام واللہ تعالیٰ أعلم. (۲۳۲/۴-۲۳۳)

نفل نماز پڑھنے والا قرآن کریم کی تلاوت سننے کے لیے نماز نہ توڑے

سوال: (۱۶۶۴) ایک شخص مسجد میں نفل پڑھ رہا ہے، دوسرا شخص بلند آواز سے دعا مانگنے لگا، اور آیات قرآن شریف پڑھنے لگا تو نفل پڑھنے والا نماز توڑ کر آیتیں سنے یا نفل پڑھتا رہے، اور جس نے نفل کی پرواہ نہ کی اس کے لیے کیا حکم ہے؟ (۲۶۷۱/۱۳۴۰ھ)

الجواب: نفل نماز پڑھنے والا نماز نہ توڑے، اور جس نے بلند آواز سے دعا مانگنی شروع کی اس نے بیجا کیا، اس کو آہستہ دعا مانگنی چاہیے، اور قرآن شریف آہستہ پڑھنا چاہیے،

نفل نماز پڑھنے والے کو قرآن شریف کے سننے کی وجہ سے نماز توڑنا نہ چاہیے، اوراس میں وہ گناہ گار نہ ہوگا، گناہ گار وہ ہوگا جو ایسے موقع پر بلند آواز سے پڑھتا ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۴/۴)

نوافل میں قرآن کی تلاوت کرنا خارج میں تلاوت کرنے سے افضل ہے

سوال: (۱۶۶۵) نوافل بہ قراءت طویل پڑھنا بہتر ہے یا تلاوت قرآن مجید بہتر ہے؟ (۲۲۳/۱۳۳۹ھ)

الجواب: نوافل بہ قراءت طویلہ افضل ہیں (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۴/۴)

ناپاک کپڑوں میں نفل نماز شروع کر کے توڑ دی تو اعادہ واجب نہ ہوگا

سوال: (۱۶۶۶) اگر کسی نے نفل نماز شروع کی جب ایک رکعت پڑھ لی تو معلوم ہوا کہ کپڑا

(۱) إلاّ أنّه يجب على القاري احترامه بأن لا يقرأ في الأسواق و مواضع الاشتغال ، فإذا قرأ فيها ...... كان هو المضيع لحرمتهٖ فيكون الإثم عليه دون أهل الاشتغال دفعًا للحرج في إلزامهم تركَ أسبابهم المحتاج إليها ، و كذا لو قرأ عند من يشتغل بالتّدريس أو بتكرار الفقه لأنّه إذا أُبيح تركُ الإستماع لضرورة المعاش الدّنيويّ فلأن يباح لضرورة الأمر الدّينيّ أولٰى فيكون الإثم على القارئ هٰذا إذا سبق الدّرس على القراءة . (غنية المستملي: ص:۴۲۸، فصل في بيان أحكام زلّة القاري) ظفیر

(۲) و كثرةُ الرّكوع والسّجود أحبُّ من طول القيام كما في المجتبٰى و رجّحه في البحر، لكن نظرَ فيه في النّهر من ثلاثة أوجهٍ ، ونَقل عن المعراج أنّ هٰذا قول محمّدٍ ، وأن مذهب الإمام أفضليةُ القيام و صحّحه في البدائع ، قلتُ: وهٰكذا رأيتُه بنسختي المجتبٰى معزيًّا لمحمّدٍ فقط فتنبّه (الدّرّ المختار) وأقوٰى دليلٍ أيضًا على أفضليّةِ طول القيام أنّه صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان يقومُ اللّيلَ إلاّ قليلاً و كان لا يزيد على إحدٰى عشرةَ ركعة إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۹۷-۳۹۸، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب: قولهم كلُّ شَفْعٍ من النّفل صلاةٌ ليس مطّردًا) ظفیر

ناپاک ہے، نماز شروع کرنے کے بعد توڑ دی، کیا اس نماز کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۱۱ھ)

الجواب: مسئلہ یہ ہے کہ نفل شروع کرنے سے واجب ہو جاتی ہے، پس جب کہ کسی نے نفل نماز شروع کرنے کے بعد کسی وجہ سے نماز توڑ دی تو اس پر اعادہ اس نماز کا واجب ہے۔ هٰكذا في كتب الفقه[۱] لیکن درمختار میں ہے کہ اگر شروع ہی صحیح نہ ہو تو اعادہ واجب نہیں ہوتا، عبارتہ: ولزم نفلٌ شَرَعَ فيه إلخ شروعًا صحيحًا إلخ[۱] پس چونکہ اس صورت میں شروع ہی صحیح نہیں ہوا، اس لیے کہ مصلّی کے کپڑے اوّل ہی سے ناپاک تھے، لہٰذا اعادہ اس نماز کا واجب نہ ہوگا۔ فقط (۲۳۵/۴)

عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھنا مستحب ہے، سنت مؤکدہ نہیں

سوال: (۱۶۶۷) عشاء سے پہلے چار سنت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۸/۲۰۳۴ھ)

الجواب: عشاء سے پہلے چار (رکعت)[۲] پڑھنا مستحب اور افضل ہے سنت مؤکدہ نہیں ہے[۳] کیونکہ سنن مؤکدہ دن رات میں بارہ (۱۲) ہیں: چار رکعت قبل ظہر، اور دو رکعت بعد ظہر، اور دو رکعت بعد مغرب، اور دو رکعت بعد عشاء، اور دو رکعت قبل فرض صبح، یہ کل بارہ (۱۲) رکعت سنت مؤکدہ ہیں[۴] اور قبل عصر چار رکعت یا دو رکعت، اور قبل عشاء چار رکعت یا دو رکعت یہ مستحب ہیں۔ لقوله عليه الصّلاة والسّلام: بينَ كلِّ أذانين صلاةٌ الحديث[۵] فقط واللہ اعلم (۲۳۵/۴)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۱۳/۲-۴۱۴، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في صلاة الحاجة.

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (رکعت) کی جگہ ''سنت'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۳) ويستحبّ أربع قبل العصر وقبل العشاء وبعدها بتسليمة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۹۳/۲، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في السّنن والنّوافل) ظفیر

(۴) وسنّ مؤكّدًا أربع قبل الظّهر، وأربع قبل الجمعة، وأربع بعدها بتسليمة إلخ، وركعتان قبل الصّبح وبعد الظّهر والمغرب والعشاء (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۹۲/۲-۳۹۳، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في السّنن والنّوافل) ظفیر

(۵) عن عبد اللّٰه بن مغفّل رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه وسلم: بين كلّ أذانين صلاة الحديث (مشكاة المصابيح: ص:۶۵، باب فضل الأذان إلخ، الفصل الأوّل)

عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھنا حدیث سے ثابت ہے

سوال: (۱۶۶۸) زید کا دعوی ہے کہ نمازِ عشاء کے پہلے چار رکعت سنت کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے نہیں ملتا آیا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ (۱۹۴۶/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: ویستحبّ أربعٌ قبل العصر وقبل العشاء وبعدها بتسلیمةٍ وإن شاء رکعتین إلخ [1] اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبل العصر وقبل العشاء دو یا چار رکعت پڑھنے میں اختیار ہے اور یہ سنن مؤکدہ نہیں ہیں، مستحب ہیں چاہے پڑھے چاہے نہ پڑھے، مگر پڑھنے میں ثواب ہے، اور حدیث میں بینَ کلِّ أذانین صلاةٌ الحدیث [2] سے استحباب نوافل قبل العشاء بھی ثابت ہیں (البتہ مغرب کے پہلے کوئی نفل عند الاحناف نہیں ہے، اور اس کی تائید بریدہ الاسلمی کی حدیث سے ہوتی ہے۔ ظفیر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۳۷)

جس کے ذمہ دو تین سال کی قضا نمازیں ہوں اس کا سنن ونوافل پڑھنا درست ہے

سوال: (۱۶۶۹) جس کے ذمہ دو تین سال کی فرض نمازیں قضاء ہوں، اس کے لیے سنن ونوافل جائز ہیں یا نہ؟ اگر سنن ونوافل پڑھے تو ثواب ملے گا یا نہیں؟ (۴۶۵/ ۱۳۴۳ھ)

الجواب: سنن ونوافل پڑھنا اس کو درست ہے اور ثواب ملے گا، کیونکہ کوئی عمل صالح کسی عمل کرنے والے کا ضائع نہیں ہوتا [3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۳۹)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۳۹۳، کتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل، مطلب في السّنن والنّوافل.

(۲) حدیث شریف کی تخریج سابقہ جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (سورۂ توبہ، آیت: ۱۲۰)

ظہر ومغرب اور عشاء کے بعد کے نوافل پابندی سے پڑھنا اچھا ہے یا کبھی کبھی ترک کرنا مناسب ہے؟

سوال: (۱۶۷۰) ظہر، مغرب اور عشاء میں دو رکعت سنت کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے ہیں، یہ نوافل ہمیشہ پڑھنا اور کبھی ترک نہ کرنا اچھا ہے یا کبھی کبھی ترک کرنا مناسب ہے؟ (۱۱۴۰/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: نوافل میں اختیار ہے خواہ کبھی ترک کردے یا ہمیشہ نفل سمجھ کر پڑھتا رہے کہ اس میں یہ اندیشہ نہیں ہے کہ ان کو کوئی فرض سمجھ لے گا، اور پھر بھی بہتر ہے کہ گاہ گاہ ترک کردیا کرے (۱) فقط (۲۴۰/۴)

سنتِ مؤکدہ اور فرض کے درمیان نوافل پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال: (۱۶۷۱) سنت مؤکدہ اور فرض کے درمیان نوافل پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جماعت میں دیر ہو تو نوافل میں مشغول ہونا کیسا ہے؟ (۱۳۶۶/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: سنن مؤکدہ پڑھنے کے بعد اگر جماعت میں دیر ہے تو نوافل پڑھنے میں کچھ حرج نہیں ہے؛ سوائے سنت فجر کے کہ اس کے بعد نوافل تا طلوع و ارتفاعِ آفتاب درست نہیں ہیں، درمختار میں ہے: **وکذا الحکم من کراهةِ نفلٍ إلخ ، بعد طلوع فجر سوی سنّته إلخ** (۲) پس دیگر اوقات میں مثلاً ظہر کی نماز میں سنن مؤکدہ کے پڑھنے کے بعد اگر بوجہ تاخیر جماعت

---

(۱) ویستحبّ أربعٌ قبل العصر ، وقبل العشاء ، وبعدها بتسلیمةٍ ، وإن شاء رکعتین ، وکذا بعد الظّهر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۹۳، الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في السّنن والنّوافل)

وبه یظهرُ أنّ کونَ ترکِ المستحبّ راجعًا إلی خلاف الأولٰی لا یلزم منه أن یکون مکروهًا. (ردّ المحتار: ۲/۳۶۷، کتاب الصّلاة، باب ما یفسد الصّلاة وما یکره فیها ، مطلب في بیان السّنّة والمستحبّ والمندوب والمکروه و خلافِ الأولٰی) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع الرّدّ : ۲/۳۴، کتاب الصّلاة ، مطلب: یشرط العلم بدخول الوقت .

کوئی شخص نوافل میں مشغول ہوجاوے تو کچھ حرج نہیں ہے، کیوں کہ وہ وقت نوافل کی کراہت کا نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۸/۴)

سنن ونوافل میں قراءت جہری بہتر ہے یا سرّی؟

سوال: (۱۶۷۲) نوافل وسنن خاموشی سے پڑھنا بہتر ہے یا گنگنا کر؛ تاکہ خیالات سے نجات ملے؟ (۲۶۹/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: دن کی نفلوں میں اور سنتوں میں آہستہ پڑھنا چاہیے جہر نہ کرے اور نہ گنگناوے، البتہ رات کی نفلوں میں اختیار ہے خواہ جہر کرے یا آہستہ پڑھے۔ درمختار میں ہے: **كمتنفّل بالنّهار فإنّه يُسِرُّ و يُخيَّرُ المنفردُ في الجهر .... إن أدّى .... كمتنفّل باللّيل منفردًا إلخ**[1] **(الدّرّ المختار)** فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۹/۴-۲۴۰)

فرضوں کے بعد دعا میں دَارَكَ السَّلَامِ
نہ کہنا چاہیے بلکہ دَارَ السَّلَامِ کہنا چاہیے

سوال: (۱۶۷۳) امام فرضوں کے بعد دعا اس طرح پڑھتا ہے: **اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ الخ وَأَدْخِلْنَا دَارَكَ السَّلَامِ إلخ** لفظ دارك کہنا اور پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (۴۲۶/۱۳۳۹ھ)

الجواب: دارك کا لفظ ثابت نہیں ہے اس کو نہ کہنا چاہیے، صرف **وَأَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ** کہنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۰/۴)

سلام کے بعد امام کے ساتھ دعا میں شریک ہونا ضروری نہیں

سوال: (۱۶۷۴) مقتدی کو امام کی دعا کا ساتھ دینا چاہیے یا کہ وقت کا لحاظ رکھا جائے؟ (۱۱۸۰/۱۳۴۲ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۲۲/۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، أوائل فصل في القراءة.

الجواب: اگر مقتدی کو کچھ ضرورت ہے اور کوئی ضروری کام ہے تو سلام کے بعد فوراً چلے جانے میں کچھ گناہ نہیں ہے، اور اس پر کچھ طعن نہ کرنا چاہیے، اور اگر دعا کے ختم تک انتظار کرے اور امام کے ساتھ دعا میں شریک ہو تو یہ اچھا ہے اور اس میں زیادہ ثواب ہے[۱] فقط (۱۰۳/۴)

ختم جماعت کے بعد کس طرح دعا مانگی جائے؟

سوال: (۱۶۷۵) بعد ادائے جماعت امام اور مقتدی مل کر دعا مانگیں یا علیحدہ علیحدہ؟ اور بہ صورت اکٹھے دعا مانگنے کے صرف ایک دفعہ دعا مانگ کر مُنہ پر ہاتھ پھیرے یا تین بار؟ (۱۳۳۹/۳۷۵ھ)

الجواب: امام جس وقت نماز سے فارغ ہو تو مع مقتدیوں کے سب اکٹھے دعا مانگیں[۲]

---

(۱) ویستحبّ أن یستغفر إلخ ویدعو ویختم بسُبحان ربّك. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۱۹، کتاب الصّلاۃ ، باب صفة الصّلاۃ ، قبیل مطلب فیما لو زاد علی العدد الوارد في التّسبیح عَقِبَ الصّلاۃ) ظفیرؒ

(۲) یعنی امام ومقتدی سب اپنی اپنی دعا سراً ایک ساتھ مانگیں، اس میں کوئی حرج نہیں، بہ شرطیکہ مقتدی امام کے ساتھ دعا شروع اور ختم کرنے کا التزام نہ کریں، البتہ امام کا ہمیشہ جہراً دعا مانگنا اور مقتدیوں کا آمین کہنا درست نہیں، اسی طرح فرض نمازوں کے بعد بلا عذر دعا کو ترک کرنا بھی مناسب نہیں، کیوں کہ سلام کے بعد دعا مانگنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت : کان رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم إذا سلّم لم یقعد إلّا مقدار ما یقول: اللّٰهمّ أنت السّلام ومنك السّلام تبارکت یا ذا الجلال والإکرام رواه مسلم .

وعن ثوبان رضي اللّٰه عنه قال: کان رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم إذا انصرف من صلاتہٖ استغفر ثلاثًا وقال: اللّٰهمّ أنت السّلام ومنك السّلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام رواه مسلم .

وعن المغیرة بن شعبة أنّ النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم کان یقول في دبر کلّ صلاۃ مکتوبة : لآ إلٰه إلّا اللّٰه وحدهٗ لا شریك لهٗ لهُ الملك ولهُ الحمد وهو علٰی کلّ شيء قدیر ، اللّٰهمّ لا مانع لما أعطیت ولا معطي لما منعتَ ولا ینفع ذا الجدّ منك الجدّ ، متّفق علیه .
(مشکاۃ المصابیح ، ص:۸۸، باب الذّکر بعد الصّلاۃ) محمد امین

پھر سنتیں نفلیں پڑھ کر اپنے کاروبار میں چلے جاویں، دوبارہ اور سہ بارہ دُعا بہ کیفیت مذکورہ مانگنا ثابت نہیں ہے، اور نمازیوں کو مقید رکھنا دوسری اور تیسری دُعا تک جائز نہیں ہے۔ فقط (۱۳۰/۴)

بعد نماز بلند آواز سے کلمہ پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۶۷۶) عن عبد اللّٰه بن الزّبير رضي اللّٰه عنه قال: كان رسولُ اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم إذا سلّم من صلاته يقولُ بصوتهِ الأعلىٰ: لآ إلٰهَ إلاّ اللّٰهُ وحدهٗ لا شريكَ له، لهُ الملك ولهُ الحمد، وهو علىٰ كلّ شيءٍ قديرٌ، لا حولَ ولا قوّةَ إلاّ باللّٰه، لآ إلٰهَ إلاّ اللّٰه ولا نعبد إلاّ إيّاه، لهُ النّعمة ولهُ الفضلُ وله الثّناءُ الحسنُ لآإلٰه إلاّ اللّٰه، مخلصين لهُ الدّين ولو كره الكافرون، رواه مسلم[1] (مشکاۃ شریف، باب الذّکر بعد الصّلاۃ) ایک شخص بعد نماز کے بہ موجب حدیث مندرجہ بالا صرف[2] تین بار کلمہ شریف بلند آواز سے پڑھتا ہے، اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۷/۲۳۳۸ھ)

الجواب: علماء بہ آواز بلند کلمہ طیبہ کو بعد نماز کے بہ کیفیت خاص پڑھنے سے منع کرتے ہیں؛ کیوں کہ یہ شعار اہل بدعت کا ہوگیا ہے، اور اصل ایسے اَذکار میں چونکہ آہستہ پڑھنا ہے، جیسا کہ وارد ہے: إنّكم لا تدعون أصمَ ولا غائبًا[3] اور آنحضرت ﷺ کا آواز سے پڑھنا بہ غرض تعلیم تھا؛ اس لیے اوروں کے لیے جہر مفرط کرنے سے ایسے موقع پر روکا جاتا ہے، اور بہتر یہ ہے کہ یہ تمام کلمہ آخر تک پڑھا جاوے، اور زیادہ بلند آواز نہ کی جاوے جس میں دیگر مصلین اور ذاکرین کو اذیت ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۷/۴)

---

(۱) مشكاة المصابيح، ص:۸۸، كتاب الصّلاة، باب الذّكر بعد الصّلاة، الفصل الأوّل.

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (صرف) کی جگہ ''حروف'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۳) عن أبي موسىٰ رضي اللّٰه عنه قال: كنّا مع النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم في سفر، فكنّا إذا علونا كبّرنا، فقال النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم: أيّها النّاس! اربَعوا على أنفسكم، فإنّكم لاتدعون أصمّ ولا غائبًا، ولكن تدعون سميعًا بصيرًا، الحديث. (صحيح البخاري: ۹۴۴/۲، كتاب الدّعوات، باب الدّعاء إذا علا عقبة. وفيه أيضًا: ۶۰۵/۲، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر)

بعد نماز بائیں طرف پھر کر دعا کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۶۷۷) زید عصر کی نماز میں امام تھا، بعد سلام کے دکھن (جنوب) کی طرف متوجہ ہوکر مناجات کی، یہ جائز ہے یا کیا؟ (۱۲۷۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں جیسے فجر وعصر ان میں امام کو اختیار ہے خواہ داہنی طرف مُنہ کر کے بیٹھے یا بائیں طرف، اور حدیث شریف سے دونوں امر ثابت ہیں، اور فقہاء حنفیہ نے بھی دونوں میں اختیار دیا ہے، پس طعن کرنا دکھن (جنوب) کی طرف مُنہ کرنے والے پر جہالت ہے مسائل دینیہ سے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۱۳۹-۱۴۰)

نوافل کے بعد اجتماعی دعا کرنا خلافِ سنت ہے

سوال: (۱۶۷۸) ادھر یہ قاعدہ ہے کہ امام فرض مغرب پڑھ کر اور سنت یا مزید دو رکعت اور نفل پڑھ کر تین بار دعا کرتا ہے، اب زید کو نفل اوّابین پڑھنی ہیں کیا وہ سنت کے متصل نفل پڑھنے میں مشغول ہو یا امام کے ساتھ دُعا کرے اگر نفل پڑھنی بہتر ہیں تو کس جگہ پڑھے، جب کہ امام دعا کر رہا ہے؟ (۱۳۴۰/۱۳۳۸ھ)

الجواب: وہ شخص جو نوافل اوّابین پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہے، وہ انتظار دعائے مرسوم

---

(۱) وخيّرهُ في المُنية بين تحويلهِ يمينًا وشمالاً و أمامًا وخلفًا وذهابهِ لبيتهِ واستقبالهِ النّاسَ بوجههِ ولو دونَ عَشَرَةٍ ما لم يكن بحذائهِ مصلٍّ ولو بعيدًا على المذهب (الدّرّ المختار) لٰكنّ التّخييرَ الّذي في المُنية هو أنّه إن كان في صلاةٍ لا تطوّعَ بعدها فإن شاء انحرفَ عن يمينهِ أو يسارهِ أو ذهب إلٰى حوائجهِ أو استقبل النّاسَ بوجههِ إلخ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۲۰-۲۲۱، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب فيما لو زاد على العدد الوارد في التّسبيح عقِبَ الصّلاة) ظفیرؒ

امام کا نہ کرے، کیونکہ یہ طریقہ دعا کا خود خلافِ سنت ہے[1] اور نوافل جہاں موقع دیکھے پڑھ لے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۳۷-۲۳۸)

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يُطيلُ القراءة في الرّكعتين بعد المغرب حتّى يتفرّق أهل المسجد (أبو داؤد: ۱/ ۱۸۴، كتاب الصّلاة، باب ركعتي المغرب)** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے بعد دو رکعت میں اتنی لمبی قراءت کرتے تھے کہ اہلِ مسجد منتشر ہو جاتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سنن ونوافل کے بعد دعا کے لیے بیٹھے رہنا، اور سنن ونوافل سے فارغ ہونے کے بعد اجتماعی دعاء کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت نہیں ہے اور جو کام سنت سے ثابت نہ ہو اس کا التزام اور اس کو ضروری سمجھنا بدعت ہے؛ اس لیے سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعاء سے اجتناب کرنا چاہیے۔ محمد امین پالن پوری

نمازِ تراویح کے احکام

تراویح سنتِ مؤکدہ ہے

سوال: (۱۶۷۹) صلاۃ تراویح سنت مؤکدہ ہے، یا واجب، یا نفل؟ (۱۷۷۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قال في الدّرّ المختار: التّراويح سنّة مؤكّدة لمواظبة الخلفاء الرّاشدين إلخ ، وفي الشّامي: وكيف لا و قد ثبت عنه صلّى الله عليه وسلّم: عليكم بسنّتي و سنّة الخلفاء الرّاشدين المهديّين عضّوا عليها بالنّواجذ ، كما رواه أبو داؤد، بحر [1] (پس معلوم ہوا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ ظفیر) (۲۹۶/۴)

سوال: (۱۶۸۰) تراویح سنت ہے یا نفل؟ (۲۰۴۳/۱۳۴۱ھ)

الجواب: تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ کما في الدّرّ المختار: التّراويح سنّة مؤكّدة لمواظبة الخلفاء الرّاشدين إلخ [1] اور نفل عام ہے سنت اور مستحب سب کو نفل کہتے ہیں۔ فقط

(اضافہ از رجسٹر نقول فتاویٰ)

تہجد اور تراویح پڑھنا آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے

سوال: (۱۶۸۱) تہجد اور تراویح کا پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو کئی رکعت ثابت ہے؟ (۱۲۸۹/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۴۲۹-۴۳۰، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاةُ التّراويح .

الجواب: تہجد کی نسبت آیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ رمضان شریف اور غیر رمضان شریف میں گیارہ رکعت تہجد مع الوتر سے زیادہ نہ پڑھتے تھے(۱) یعنی اکثر یہ عادتِ مبارکہ تھی، اور تراویح آپ نے تین رات پڑھی ہیں، پھر صحابہ نے آپ کے بعد اس پر مواظبت فرمائی، لہٰذا تراویح باجماعت سنت ہوگئی(۲) والتفصیل في المطوّلات. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۳/۴)

آنحضرت ﷺ نے رمضان میں جو نماز پڑھی وہ تراویح تھی

سوال: (۱۶۸۲) آنحضرت ﷺ نے رمضان المبارک کی تین شبوں میں جو گیارہ رکعتیں نمازِ نفل باجماعت کبریٰ پڑھی تھی یہ نماز تہجد تھی یا غیر تہجد، اگر غیر تہجد تھی تو نماز تہجد کو جس کی ادائیگی پر

---

(۱) عن أبي سلمةَ عن عبد الرحمٰن أنّه أخبرَهُ أنّهُ سأل عائشةَ رضي اللّٰه عنها كيف كانت صلاةُ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم في رمضان ؟ فقالت: ماكان رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يزيد في رمضان و لا في غيرِهٖ علىٰ إحدىٰ عَشْرةَ ركعةً يصلّي أربعًا فلا تسئلْ عن حسنهنّ و طولهنّ ، ثمّ يُصلي أربَعًا فلا تسئلْ عن حسنهنّ و طولهنّ ، ثم يصلّي ثلاثًا ، قالت: عائشةُ فقلتُ: يا رسولَ اللّٰه! أ تنامُ قبل أن تُوتِرَ؟ فقال: يا عائشة ! إنّ عينيَّ تنامان و لا ينام قلبِي. (صحيح البخاري :۱/۱۵۴، كتاب التّهجّد ، باب قيام النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم باللّيل في رمضان وغيرهٖ)

(۲) عن أبي ذرٍّ رضي اللّٰه عنه قال: صُمنا مع رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم فلم يَقُمْ بِنَا شيئًا من الشّهر حتّى بقي سبعٌ ، فقام بنا حتّى ذهب ثُلُثُ اللّيل ، فلمَا كانت السّادسةُ لم يقم بنا ، فلمّا كانت الخامسة قام بنا ، حتّى ذهب شَطْرُ اللّيل ، فقلتُ: يا رسول اللّٰه ! لو نفَّلتَنَا قيامَ هٰذهِ اللّيلةِ فقال: إنّ الرّجلَ إذا صلّى مع الإمام حتّى ينصرف حُسِبَ لهُ قيامُ ليلةٍ ، فلمّا كانت الرّابعة لم يَقُمْ بِنَا حتّى بقي ثُلُثُ اللّيل ، فلمّا كانت الثّالثةُ جَمَعَ أهلَهُ و نسائَه و النّاسَ فقام بنا حتّى خشينا أن يفوتنا الفلاحُ ، قلتُ : وما الفلاحُ ؟ قال: السَّحورُ، ثمّ لم يقم بنا بقيّةَ الشّهر ، رواه أبوداؤد والتّرمذي والنّسائي وابن ماجه. (مشكاة شريف، ص:۱۱۴، كتاب الصّلاة ، بابُ قيام شهر رمضان ، الفصل الثّاني)

التّراويح سنّة مؤكّدة لمواظبة الخلفاء الرّاشدين للرّجال والنّساء إجماعًا. (الدّرّ المختار مع الرّدّ :۲/۴۲۹-۴۳۰، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاةُ التّراويح) ظفير

بہ وجہ امتثال حکم الٰہی ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ﴾ (سورۂ اسراء، آیت: ۷۹) اور ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ﴾ (سورۂ مزمّل، آیت: ۱-۲) کے آپ کو مداومت حاصل تھی، بعد نماز مذکور کے آپ نے اس کو ادا فرمایا یا نہیں؟ مفصل و مدلل تحریر فرمائیں۔ (۱۳۴۳/۳۳۹ھ)

الجواب: محققین نے فرمایا ہے کہ وہ نماز تراویح تھی، اور چونکہ نوافل میں تداخل ہو جاتا ہے اور ایک نماز دوسرے کے قائم مقام ہو جاتی ہے، اس لیے اگر کسی شب میں تمام رات تراویح پڑھے تو تہجد بھی اس میں ادا ہو جاتا ہے۔ کما في السّنن وتحيّة المسجد والوضوء اور تحقیق اس کی حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ محدث و فقیہ گنگوہی نے رسالہ الرّأي النّجيح في عدد التّراويح میں مفصلاً فرمائی ہے، اور تمام شبہات کا جواب مدلل اس میں لکھا ہے، اس کو دیکھ لیجیے، ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی شبہ از راہِ انصاف باقی نہ رہے گا، ان کی تحقیق کا حاصل یہی ہے کہ تین دن جو جماعت کے ساتھ آپ نے نوافل پڑھے وہ نماز تراویح تھی، نماز تہجد نہ تھی، اور جملہ شبہات واردہ کا اس میں جواب احادیث وآثار سے دیا ہے[1] (بندہ کو اس کی نقل کی فرصت نہیں ہے اور وہ کتاب مطبوع ہے مطبع قاسمی دیوبند یا مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور وغیرہ سے طلب کر لیجیے)[2] فقط (۴/۲۸۵)

تراویح سنتِ رسول اور سنت خلفاء راشدین ہے؟

سوال: (۱۶۸۳) نمازِ تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے؟ (۱۳۴۳/۲۶۳۲ھ)

الجواب: نماز تراویح سنت رسول اللہ ﷺ اور سنت خلفاء راشدینؓ ہے[3] فقط (۴/۲۸۰)

---

(۱) نیز مسئلہ تراویح کے لیے پڑھیے "رکعات تراویح" مذیّل شائع کردہ مدرسہ مفتاح العلوم مئو، ضلع اعظم گڑھ۔ ظفیر

(۲) قوسین کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

(۳) التّراويح سنّة مؤكّدة لمواظبة الخلفاء الرّاشدين (الدّرّ المختار) أي أكثرهم لأنّ المواظبة عليها وقعت في أثناء خلافةِ عمرَ رضي الله عنه، و وافقهُ علٰى ذلك عامّةُ الصّحابة و مَن بعدهم إلٰى يومنا هٰذا بلا نكير، وكيف لا وقد ثبت عنه صلّى الله عليه وسلّم عليكم بسنّتي و سنّة الخلفاء الرّاشدين المهديّين عضّوا عليها بالنّواجذ كما رواه أبوداؤد، بحر. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۲۹-۴۳۰، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراويح) ظفیر

آنحضرت ﷺ نے تراویح کی کتنی رکعت پڑھی تھیں؟

سوال: (۱۶۸۴) آنحضرت ﷺ نے اخیر میں تراویح کئے رکعت پڑھی ہیں؟

(۲۰۸۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: بیس تراویح پر اجماع ہے، اور احادیث سے ثابت ہے، پس بیس رکعت تراویح پڑھنی چاہیے[1] فقط (آنحضرت ﷺ نے بھی بیس رکعت تراویح پڑھی۔ مصنف ابن ابی شیبہ، طبرانی اور بیہقی میں یہ حدیث موجود ہے: أنَّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم کان یصلّي في رمضان عشرینَ رکعةً والوتر. راوی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں[2]۔ ظفیر) (۲۷۲/۴)

رکعاتِ تراویح کے بارے میں ابن ہمام کا قول قابلِ تسلیم نہیں

سوال: (۱۶۸۵) حوالہ اخبار البرید مؤرخہ ۲۵/جون ۱۹۱۸ء مطابق ۱۵/رمضان المبارک از کانپور (تراویح کا بیان) بعد نماز عشاء یعنی فرض وسنت کے بعد بیس رکعتیں تروایح پڑھنا مسنون ہے جو لوگ آٹھ یا گیارہ مع وتر بتاتے ہیں غلط ہے، اگر آٹھ رکعت تراویح غلط ہے تو اس کے کیا معنی ہیں جو شیخ ابن الہمام حنفی فتح القدیر میں لکھتے ہیں: فتحصَّلُ من هذا کلِّهِ أنَّ قیامَ رمضان سنّةٌ إحدیٰ عشرة رکعةً بالوتر في جماعةٍ، فعلَهُ صلّی اللّٰہ علیه وسلَّم ثمّ ترکه لعذرٍ............

---

(۱) و هي عشرونَ رکعةً حکمتُهُ مساواةُ المکمِّل للمکمَّل بعشرِ تسلیماتٍ. وفي ردّ المحتار: هو قول الجمهور و علیه عمل النّاس شرقًا وغربًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۳۲/۲، کتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراویح) ظفیر

(۲) مصنّف ابن أبي شیبة: ۲۲۵/۵، کتاب الصّلاة، باب کم یصلّي في رمضان من رکعة؟، رقم الحدیث: ۷۷۷۴، المطبوعة: دار قرطبة للطّباعة والنّشر والتّوزیع، بیروت، وفي المعجم الکبیر للطّبراني: ۳۹۳/۱۱، باب العین، مناقب عبد اللّٰہ بن عبّاس وأخباره، رقم الحدیث: ۱۲۱۰۲، المطبوعة: مکتبة ابن تیمیة، القاهرة، وفي السّنن الکبری للبیهقي: ۶۹۸/۲، حدیث: ۴۶۱۵، کتاب الصّلاة، أبواب صلاة التّطوع وقیام شهر رمضان، باب ما روي في عدد رکعات القیام في شهر رمضان، المطبوعة: دار الکتب العلمیة، بیروت.

وکونها عشرینَ سنّةُ الخلفاء الرّاشدین (۱) افسوس کہ اگر آپ جواز کا فتویٰ نہ دیتے تو غلط بھی نہ کہتے کیونکہ کسی بات کو بغیر تحقیق غلط کہہ دینا انسانیت سے بعید ہے، اب فدوی آں جناب سے ملتمس ہے کہ اگر واقعی آٹھ رکعت ثابت نہ ہوں تو مع دلیل تحریر فرماویں اور ماسوا اس کے بیس رکعت کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے ہم کو بتائیں تاکہ اس ثواب سے ہم بھی محروم نہ رہیں، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے تو اس کا ثبوت صحیح روایت سے پیش کریں۔

(۱۷۲۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: جمہور حنفیہ تمام بیس رکعات تراویح کو سنت مؤکدہ فرماتے ہیں، اور یہی محقق و راجح ہے، لہٰذا اس بارے میں علامہ ابن ہمامؒ کا قول بہ مقابلہ جمہور حنفیہ کے قابل تسلیم نہیں ہے (۲) اور البرید کے حوالے سے جو آپ نے یہ نقل کیا ہے کہ ''جو لوگ آٹھ یا گیارہ مع وتر الخ'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ محض آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں، اور لوگوں کو اسی کا حکم کرتے ہیں، اور اس سے زیادہ کو بدعت جانتے ہیں، اور اس سے منع کرتے ہیں یہ غلط ہے؛ تو اس میں امام ابن ہمامؒ کی تغلیط نہیں ہے، بلکہ غیر مقلدوں کی تغلیط مقصود ہے جو بیس رکعت کو بدعت عمری بتلاتے ہیں۔ والعیاذ باللّٰہ . قال علیه الصّلاة والسّلام : فعلیکم بسنّتي وسنّة الخلفاء

---

(۱) فتح القدیر: ۱/ ۴۸۵-۴۸۶، کتاب الصّلاة، باب النّوافل، فصل في قیام رمضان .

(۲) وهي عشرون رکعة إلخ بعشر تسلیمات (الدّرّ المختار) وهو قول الجمهور وعلیه عمل النّاس شرقًا وغربًا وعن مالك ستّ وثلاثون، و ذکر في الفتح أنّ مقتضی الدّلیل کونُ المسنون منها ثمانیةً، و الباقي مستحَبًّا و تمامه في البحر، و ذکرتُ جوابَه فیما علقته علیه (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۳۲/۲، کتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراویح)

وذکر في الاختیار أنّ أبا یوسفؒ سأل أبا حنیفة عنها وما فَعَلَهُ عُمَرُ؟ فقال: التّراویح سنّةٌ مؤکّدةٌ ولم یتخرّجه عمر من تلقاء نفسه، ولم یکن فیه مبتدعًا، ولم یأمر به إلّا عن أصل لدیه، وعهدٍ من رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم . (البحر الرّائق: ۱۱۶/۲-۱۱۷، کتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل) ظفیر

==

الرّاشدین المھدیّین الحدیث (۱) فکیف تکون سنّة الخلفاء بدعة. فقط (۴/ ۲۴۰-۲۴۲)

سوال: (۱۶۸۶) حضرت آپ نے اس فتویٰ میں تحریر فرمایا کہ علامہ ابن ہمامؒ کا یہ قول بہ مقابلہ جمہور حنفیہ کے قابل تسلیم نہیں (بہت خوب) ہم پوچھتے ہیں کہ علامہ ابن ہمامؒ کے اس قول کی تردید جمہور حنفیہ کس دلیل سے کرتے ہیں۔ علیکم بسنّتي وسنّة الخلفاء الرّاشدین والی حدیث پر ہمارا بھی صاد ہے، مگر سوال یہ ہے کہ کسی صحیح حدیث یا روایت سے ثابت بھی ہے یا یوں ہی زبانی خرچ ہے، رسول اللہ ﷺ سے ہم آٹھ رکعت کا ثبوت ایسا دیں گے کہ آپ کو انکار کی گنجائش نہ ہوگی، بہ شرطیکہ بہ نظر انصاف ملاحظہ فرمائیں، لیجئے سر دست ایک حدیث عاجز نقل کرتا ہے، پہلی حدیث صحیح بخاری میں ہے: قیام النّبيّ صلّى اللّٰه علیه وسلّم باللّیل في رمضان وغیرہ:

== ماحصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت صحابہ کے اجماع سے تراویح رائج کیں، سوچنا یہ ہے کہ بغیر کسی اصل کے ایسا حکم آپ کیسے کر سکتے تھے، پھر مصنف ابن ابی شیبہ (۵/ ۲۲۵، حدیث: ۷۷۷۴) طبرانی (۱۱/ ۳۹۳، حدیث: ۱۲۱۰۲) اور بیہقی (۲/ ۶۹۸، حدیث: ۴۶۱۵) میں یہ حدیث موجود ہے، جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں: أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه علیه وسلّم كان یصلّي في رمضان عشرینَ ركعةً و الوتر . ایک راوی کی وجہ سے جو یقیناً عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد کے ہیں، اسے ضعیف قرار دے کر بیس رکعت کا انکار کسی طرح درست نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو رمضان و غیر رمضان دونوں سے متعلق ہے، اس سے استدلال کسی طرح درست نہیں، اس لیے کہ تراویح صرف دو تین رات پڑھی گئی، پھر اس بیس رکعت والی حدیث کے ساتھ اجماع صحابہ ہے، اور یہ مسلّم ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی بدعت صرف سو سال سے غیر مقلدوں نے جاری کی ہے، اس سے پہلے تراویح آٹھ رکعت کہیں جماعت کے ساتھ پڑھنا ثابت نہیں، پھر حدیث عائشہ میں چار چار رکعت ایک سلام سے مذکور ہے، اور غیر مقلدین دو دو رکعت ایک سلام سے پڑھتے ہیں، اس کے لیے آپ حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ کا رسالہ ''رکعات تراویح'' مذیّل پڑھیں، جو مدرسہ مفتاح العلوم مئو ضلع اعظم گڈھ سے شائع ہوا ہے، رکعات تراویح پر اس سے بہتر کتاب اب تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ ظفیر

(۱) مشکاة المصابیح، ص: ۳۰، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسّنّة، الفصل الثّاني، عن العرباض بن ساریة رضي اللّٰه عنه)

عن أبي سلمةَ عن عبد الرّحمٰن أنه أخبرَهُ أنّهُ سأل عائشةَ رضي الله عنها كيف كانت صلاةُ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم في رمضان؟ فقالت: ماكان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يزيد في رمضان ولا في غيرِهٖ علىٰ إحدٰى عَشْرةَ ركعةً يصلّي أربعًا فلا تسئلْ عن حسنهنّ وطولهنّ، ثمّ يُصلي أربعًا فلا تسئلْ عن حسنهنّ وطولهنّ، ثمّ يصلّي ثلاثًا، قالت: عائشةُ فقلتُ: يا رسولَ الله! أ تنامُ قبل أن تُوتِرَ؟ فقال: يا عائشة! إنّ عينيَّ تنامان ولا ينام قلبِي[1] (بخاري كتاب التّهجّد، پاره پانچ) ہاں یہ تو فرمائیں کہ غیر مقلدوں کی تغلیط کیوں کر ہوئی، ابھی آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ بہ مقابلہ جمہور حنفیہ کے علامہ ابن ہمامؒ کا قول قابلِ تسلیم نہیں، اور پھر لکھتے ہیں کہ اس سے تغلیط غیر مقلدین کی ہوئی نہ کہ ابن ہمامؒ کی، مولانا! ارشادِ خداوندی پر بھی تو عمل کیا کریں، یعنی جب بولا کرو انصاف سے۔ (۱۹۵۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: قال في شرح المنية: تنبيه: علم من هٰذه المسئلة أنّ التّراويح عندنا عشرون ركعةً بعشر تسليماتٍ وهو مذهب الجمهور، وعند مالكؒ ستّ وثلاثون ركعةً احتجاجًا بعمل أهل المدينة، وللجمهور ما رواه البيهقيّ بإسنادٍ صحيحٍ عن السّائب بن يزيد قال: كانوا يقومون على عهدِ عمر بعشرين ركعةً وعلىٰ عهد عثمان وعليّ مثله إلخ[2] اس سے خلفاء راشدین کا طریقہ معلوم ہوگیا، اور جمہور حنفیہ کا مذہب بھی معلوم ہوگیا، اور حدیث بخاری کا جواب یہ ہے کہ وہ تہجد کی نماز کا بیان ہے، تراویح کا نہیں ہے، جیسا کہ لفظ ولا في غيرهٖ اس پر دال ہے، کیوں کہ غیر رمضان میں تراویح نہیں، لہٰذا اس سے ایسی نماز مراد لی جاوے گی جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں ہو، سو وہ نماز تہجد ہے۔ وفي الدّرّ المختار: التّراويح سنّة مؤكّدة لمواظبة الخلفاء الرّاشدين إلخ، وهي عشرون ركعةً. قال في ردّ المحتار: قوله: (وهي عشرون ركعةً) هو قول الجمهور وعليه ما عمل النّاس

---

(۱) صحيح البخاري: ۱/۱۵۴، كتاب التّهجّد، باب قيام النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم باللّيل في رمضان وغيرهٖ.

(۲) غنية المستملي، ص: ۳۵۱-۳۵۲، فصل في النّوافل.

شرقًا وغربًا إلخ[1] وقبیله: وكيف لا وقد ثبت عنه صلّى اللّٰه عليه وسلّم : عليكم بسنّتي وسنّة الخلفاء الرّاشدين المهديّين عضّوا عليها بالنّواجذ ،كما رواه أبو داؤد[2] فقط

(۲۴۵-۲۴۴/۴)

تراویح آٹھ رکعت ہیں یا بیس رکعت؟

سوال:(۱۶۸۷) تراویح کی آٹھ رکعت پڑھنی چاہئیں، یا بیس رکعت؟ مشرح و مدلل تحریر فرمایئے،اور فاتحہ خلف الامام وآمین بالجہر میں کیا حکم ہے؟ صاف صاف تحریر فرماویں؟

(۱۳۳۳-۳۲/۴۴۰ھ)

الجواب: فتح القدیر میں ہے:نعم ثبتت العشرون مِن زمنِ عمرَ رضي اللّٰه عنه في الموطّا عن يزيد بن رومان قال: كان النّاس يقومون في زمنِ عمر بن الخطّاب رضي اللّٰه عنه بثلاث و عشرين ركعة ، وروى البيهقيّ في المعرفة عن السّائب بن يزيدَ قال: كنّا نقومُ في زمنِ عمر بن الخطّاب رضي اللّٰه عنه بعشرين ركعةً والوترِ ، قال النّوويُّ في الخلاصة: إسناده صحيحٌ ، وفي الموطّا روايةٌ بإحدٰى عشرةَ ، وجمع بينهما بأنّه وقع أوّلاً ، ثمّ استقرّ الأمرُ على العشرين ، فإنّه المتوارث ، فتحصل من هذا كلّه أنّ قيام رمضان سنّةٌ إحدى عشرة ركعةً بالوتر في جماعة ، فعلَهُ صلّى اللّٰه عليه وسلّم ثمّ تركه لعذرٍ إلخ . فيكون سنّةً وكونُها عشرين سنّةُ الخلفاء الرّاشدين ، وقوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم : ”عليكم بسنّتي و سنّة الخلفاء الرّاشدين“ نَدْبٌ إلٰى سنّتهم —— إلٰى أن قال—— فتكون العشرون مستحَبًّا إلخ[3]

(۱) الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۴۲۹/۲-۴۳۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاةُ التّراويح .

(۲) ردّ المحتار: ۴۳۰/۲، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاةُ التّراويح .

(۳) فتح القدير: ۴۸۵/۱-۴۸۶ ، كتاب الصّلاة ، باب النّوافل ، فصل في قيام رمضان .

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ سنت خلفاء راشدین بیس رکعت تراویح ہے، اور آنحضرت ﷺ نے سنت خلفاء راشدین کے اتباع کا حکم فرمایا ہے، پس کہنا غیر مقلدین کا کہ بیس رکعت بدعت عمری ہے جہالت ہے (حدیث سے)[1] اور شامی میں ہے: **قوله: (وهي عشرون ركعةً) هو قول الجمهور وعليه عمل النّاس شرقًا وغربًا**[2] الغرض اس میں کچھ تامل نہیں ہے (کہ زمانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعت کا ہونا صحیح طریق سے ثابت ہے)[3] **كما مرّ عن فتح القدير**[4] پس حنفیہ کے لیے یہ دلیل کافی ہے، پس اگر بالفرض یہ ثابت ہو کہ زمانہ رسول اللہ میں بیس رکعت تراویح کا ہونا صحیح حدیث سے ثابت نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے تو بالاتفاق صحیح طریق سے ثابت ہے، اور سنت خلفاء راشدین خود واجب الاتباع ہے، پھر بیس رکعت کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا ہے؟!

الرّأي النّجيح والحقّ الصّريح نیز ایضاح الادلہ؛ مولوی سید اصغر حسین صاحب دیوبندی سے بہ ذریعہ ویلو (ڈاک) طلب فرمالیں، پہلے دونوں رسالوں میں تراویح کی پوری تحقیق ہے، اور حق الامر ظاہر فرمادیا ہے۔ اور ایضاح الادلہ مصنفہ حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ میں مسائل اختلاف رفع الیدین وفاتحہ خلف الامام وآمین بالجہر وغیرہ خوب تشریح کے ساتھ مذکور ہیں۔ احادیث صحیحہ سے مسائل امام صاحب ثابت کیے ہیں، غیر مقلدین ان کے جوابات سے عاجز ہیں، کتب مذکورہ ضرور منگا کر مطالعہ فرمائیں، بندہ کو فرصت اوّل ان دلائل کے نقل کرنے کی نہیں، اور کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے، بدون مطالعۂ کتب مذکورہ غیر مقلدین کی دھوکہ دہی سے بیچارے مقلدین نجات نہ پاویں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۸۹-۲۹۰)

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

سوال: (۱۶۸۸) حدیث ابن خزیمہ اور ابن حبان نے جس کو اپنی صحیحین میں بروایة عبداللّٰہ

---

(۱) قوسین کے الفاظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیے گئے ہیں۔۱۲

(۲) ردّ المحتار: ۲/۴۳۲، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراويح.

(۳) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۴) فتح القدير: ۱/۴۸۵-۴۸۶، كتاب الصّلاة، باب النّوافل، فصل في قيام رمضان.

بن جابر رضي الله عنه قال : صلّى بنا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم في شهر رمضان ثمان ركعاتٍ و أوتر الحديث (۱) نقل کیا ہے، اور گروہ غیر مقدین اس کو اپنی حجت گردانتے ہیں تو اس حدیث کی اسناد پورے طور پر مع جرح وقدح تحریر فرمادیں۔ (۳۲/۱۲۱۱-۱۳۳۳ھ)

الجواب: صحیح ابن خزیمہ وابن حبان یہاں موجود نہیں، جن میں ان کی سند کو دیکھا جائے، باقی اس روایت کی توجیہ علمائے محققین نے ذکر کی ہے، وہ نقل کیے دیتا ہوں، فتح القدیر میں ہے: وقدمنا في باب النّوافل عن أبي سلمة بن عبد الرّحمٰن سألتُ عائشةَ رضي الله عنها كيف كانت صلاة رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم في رمضان ؟ فقالت: ما كان يزيد في رمضان ولا غيره على إحدى عشرة ركعةً الحديث — إلى أن قال — نعم ثبتت العشرون من زمن عمر رضي الله عنه في الموطّا عن يزيد بن رومان قال: كان النّاس يقومون في زمن عمر بن الخطّاب بثلاث وعشرين ركعةً ، و روى البيهقيّ في المعرفة عن السّائب بن يزيد قال: كنّا نقوم في زمن عمر بن الخطّاب بعشرين ركعةً والوترِ، قال النّوويُّ في الخلاصة إسناده صحيحٌ إلخ (۲) پس معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح سنت خلفاء راشدین ہے، اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عليكم بسنّتي وسنّة الخلفاء الرّاشدين (۳) لہٰذا ضروری ہے کہ سنت خلفاء راشدین کو معمول بہا کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۲/۴-۲۹۳)

حدیثِ تراویح کے متعلق سوال

سوال: (۱۶۸۹) عن السّائب بن يزيد أنّ عمر بن الخطّاب رضي اللّٰه تعالىٰ عنه

(۱) صحيح ابن خزيمة: ۱۳۸/۲، كتاب الصّلاة ، أبواب ذكر الوتر وما فيه من السّنن، باب ذكر دليل بأن الوتر ليس بفرض ، رقم الحديث: ۱۰۷۰ ، المطبوعة: المكتب الإسلامي ، بيروت ، وفي صحيح ابن حبّان : ۶۹/۶، كتاب الصّلاة ، باب الوتر ، رقم الحديث: ۲۴۰۹ ، المطبوعة: مؤسّسة الرّسالة ، بيروت .

(۲) فتح القدير: ۴۸۵/۱، كتاب الصّلاة ، باب النّوافل ، فصل في قيام رمضان .

(۳) مشكاة المصابيح، ص:۳۰، كتاب الإيمان ، باب الاعتصام بالكتاب والسّنّة ، الفصل الثّاني ، عن العرباض بن سارية رضي اللّٰه عنه)

جمع النّاسَ في رمضان علٰى أبي بن كعب وعلٰى تميم الدّاريّ علٰى إحدٰى وعشرين ركعةً .... قال : ابن عبد البرّ: هو محمول على أنّ الواحدة للوتر [1]ـــــ یہ حدیث آپ نے بہ حوالہ عینی جلد دوم صفحہ/ ۳۵۷ تحریر فرمائی ہے، مہربانی فرما کر یہ بھی تحریر فرماویں کہ کونسی عینی میں ہے، عینی شرح ہدایہ میں یا عینی شرح بخاری اور کس چھاپہ کے صفحہ/ ۳۵۷ پر ہے؟ اور کس مسئلہ کے بیان میں ہے؟ (۱۷۳۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: عن السّائب بن يزيد أنّ عمر بن الخطّاب رضي الله عنه جمع النّاسَ في رمضان علٰى أبي بن كعب وعلٰى تميم الدّاريّ علٰى إحدٰى وعشرين ركعةً إلخ قال: ابن عبد البرّ: هو محمول على أنّ الواحدة للوتر [1] (عینی شرح بخاری جلد خامس [2] کتاب صلاۃ التراویح مطبوعہ: بیروت، سطر: ۹، صفحہ: ۳۵۷)، مولوی عبدالحی صاحب تحفۃ الاخیار، صفحہ: ۱۹۱ مطبوعہ یوسفی میں یوں نقل فرماتے ہیں: قال ابن عبد البرّ في شرح الموطّا: روى غير مالك في هٰذا الحديث أحد و عشرون وهو الصّحيح [3] فقط (محمد ابراہیم مدرس مدرسہ ہذا) (۴/ ۲۹۵-۲۹۶)

وضاحت: سائل نے سائب بن یزید کی روایت کے بارے میں مفتی صاحب قدس سرہٗ سے پوچھا ہے کہ یہ حدیث آپ نے بہ حوالہ عینی تحریر فرمائی ہے الخ۔

سائل کا اشارہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے جس فتویٰ کی طرف ہے وہ ترتیب میں شامل ہونے سے رہ گیا ہے، چوں کہ وہ فتویٰ مفصل و مدلل ہے، اس لیے رجسٹر ۳۳-۱۳۳۴ھ، صفحہ: ۵۰۲، سلسلہ نمبر: ۱۶۳۴، سے وہ سوال و جواب ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

سوال: (۱۶۹۰) حدیث صحیح سے رسول اللہ ﷺ کا کئے رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہے؟

---

(۱) عمدة القاري: ۱۱/ ۱۷۹، كتاب التّراويح، باب فضل مَن قام رمضان، رقم الحديث: ۲۰۱۰، المطبوعه: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان۔

(۲) اس جواب میں ترکہ تھا اور ''عینی شرح ہدایہ''، خطا ہے، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔

(۳) تحفة الأخيار في إحياء سنّة الأبرار، ص: ۱۸۱، خاتمة، المطبوعة: مطبع مصطفائي، لكناؤ، وفي الاستذكار لابن عبد البرّ: ۵/ ۱۵۴-۱۵۶، كتاب الصّلاة في رمضان، باب ما جاء في قيام رمضان، رقم الحديث: ۶۲۷۲، المطبوعة: دار قتيبة للطّباعة والنّشر، دمشق.

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اُبی بن کعب اور تمیم داری کو کتنے رکعت تراویح پڑھنے یا پڑھانے کا حکم دیا، یعنی انتظام کیا، صحیح حدیث کا حوالہ دیں۔ بینوا توجروا۔ (۱۶۳۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: حدیث مرفوع صحیح لذاتہٖ سے فقط دو امر ثابت ہیں:

اوّل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو تراویح کی ترغیب فرمایا کرتے تھے، مگر اس حدیث میں کچھ عدد مذکور نہیں، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: سمعتُ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يقول لِرَمَضَانَ مَن قامهٗ إيمانًا واحتسابًا غُفِرَله ماتقدّم مِن ذَنْبِهٖ(۱)

یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم فضیلتِ رمضان کی بابت فرماتے تھے کہ جو شخص فضیلت رمضان کا اذعان اور طلبِ آخرت کرتے ہوئے قیامِ رمضان کرے گا، اس کے سارے گذشتہ گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی — قیام رمضان سے مراد صلاۃ تراویح ہے، جیسا کہ علامہ عینیؒ نے کرمانی سے نقل کیا ہے (۲)

دوم یہ ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ ذاتِ خود تین دن صلاۃ تراویح کی جماعت کا اہتمام فرمایا، حتی کہ لوگوں کو اور گھر والوں کو اور عورتوں کو سب کو جمع فرمایا، لیکن تین دن سے زائد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اہتمام نہ رکھا، بلکہ جماعت کی مداومت ترک فرمادی، جس کی وجہ خاص ہے۔ عن أبي ذرٍّ رضي الله عنه قال: صُمنا مع رسول الله صلّى الله عليه وسلّم فلم يَقُمْ بِنَا شيئًا من الشّهر حتّٰى بقي سبعٌ، فقام بنا حتّٰى ذهب ثُلُثُ اللّيل، فلمَا كانت السّادسةُ لم يقم بنا، فلمّا كانت الخامسة قام بنا، حتّٰى ذهب شَطْرُ اللّيل، فقلتُ: يا رسول الله! لو نفَّلتَنَا قيامَ هٰذهِ اللّيلةِ فقال: إنّ الرّجلَ إذا صلّٰى مع الإمام حتّى ينصرف حُسِبَ لهٗ قيامُ ليلةٍ، فلمّا كانت الرّابعة لم يَقُمْ بِنَا حتّٰى بقي ثُلُثُ اللّيل، فلمّا كانت الثّالثةُ جَمَعَ أهلَهٗ ونسائَه والنّاسَ فقام بنا حتّى خشينا أن يفوتنا الفلاحُ، قلتُ: وما الفلاحُ؟ قال: السَّحورُ، ثمّ لم يقم بنا بقيّةَ الشّهر، رواه أبوداؤد والتّرمذي والنّسائي وابن ماجة (۳)

---

(۱) بخاري شريف: ۱/۲۶۹، كتاب الصّوم، بابُ فضل مَن قام رمضان.

(۲) قال الكرمانيّ: اتّفقوا علٰى أنّ المرادَ بقيامه صلاةُ التّراويح. (عمدة القاري: ۱۱/۱۲۶، كتاب التّراويح، باب فضل مَن قام رمضان)

(۳) مشكاة شريف: ص:۱۱۴، كتاب الصّلاة، بابُ قيام شهر رمضان، الفصل الثّاني.

اس حدیث سے صلاۃ تراویح کی سنیت بہ خوبی ثابت ہوتی ہے، اور جماعت کا ثبوت بھی بہ وجہ احسن ہوتا ہے، اگر چہ آپ ﷺ نے عذر خاص کی وجہ سے جماعت پر مواظبت ترک فرمادی جو اور احادیث میں صریحاً مذکور ہے، مگر اس میں بھی مثل ما سبق رکعات کے عدد کچھ مذکور نہیں ہیں، ہاں اس کے لیے اور حدیث حسن لغیرہ اور آثار صحابہ بہ کثرت موجود ہیں۔

روی ابن أبي شيبة من حديث ابن عبّاسؓ أنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم كان يصلّي في رمضان عشرين ركعةً الحديث (۱) اس حدیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ صلاۃ تراویح آپ ﷺ نے بیس رکعتیں پڑھی ہیں، ہاں اس میں شک نہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن یہ کچھ مضر نہیں، کیوں کہ اس کے مؤید آثارِ صحابہ کرام بہ کثرت موجود ہیں، اور یہ حدیث بالفرض چھوڑ بھی دی جائے تو افعال واقوال صحابۂ کرام آپ کے قول وفعل کے مفسر بن سکتے ہیں، اور وہ بہ کثرت موجود ہیں (۲)

آثار صحابہ کرام: عن السّائب بن يزيد أنّهم كانوا يقومون في رمضان بعشرين ركعةً في زمان عمر بن الخطّاب رضي الله تعالىٰ عنه ـــــ یہ اثر صریحاً اجماع صحابہ پر دال ہے۔ عن أبي الحسناء عن عليّ رضي الله تعالىٰ عنه أنّه أمر رجلاً يصلّي بهم رمضان عشرين ركعةً

(۱) مصنف ابن أبي شيبة : ۵/۲۲۵، كتاب الصّلاة ، باب كم يصلّي في رمضان من ركعة؟، رقم الحديث: ۷۷۷۴، المطبوعة: دار قرطبة للطّباعة والنّشر والتّوزيع ، بيروت)

(۲) مفتی علام قدّس سرّہ نے جن آثار کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہیں:

{۱} عن شتير بن شكل أنّه كان يصلّي في رمضانَ عشرين ركعةً والوِتْرَ. {۲} عن أبي الحسناء أنّ عليًّا أمَرَ رجلاً يصلّي بهم في رمضان عشرين ركعةً. {۳} عن يحى بن سعيد أنّ عمر بن الخطّاب أمرَ رجلاً يصلّي بهم عشرين ركعةً. {۴} عن عبد العزيز بن رفيع قال: كان أبي بن كعب يصلّي بالنّاس في رمضان بالمدينة عشرين ركعةً ويوتر بثلاث. {۵} عن الحارث أنّه كان يؤمّ النّاس في رمضان باللّيل بعشرين ركعةً و يوتر بثلاث و يقنت قبل الرّكوع. {۶} عن أبي البختريّ أنّه كان يصلّي خمس ترويحاتٍ في رمضان ويؤتر بثلاث. {۷} عن عطاء قال: أدركتُ النّاسَ وهم يصلّون ثلاثة وعشرين ركعةً بالوتر. {۸} عن سعيد بن عبيد أنّ عليّ بن ربيعة كان يصلّي بهم في رمضان خمس ترويحاتٍ و يوتر بثلاثٍ. (مصنف ابن أبي شيبة: ۵/۲۲۲-۲۲۴، كتاب الصّلاة ، باب كم يصلّي في رمضان من ركعة؟) محمد امین پالن پوری

.... وعن زيد بن وهب قال : كان عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه يصلّي لنا في شهر رمضان فينصرف وعليه ليل ، قال الأعمش : كان يصلّي عشرين ركعةً ويوتر بثلاث[۱] (من العيني: ۲/ ۳۵۷)

الحاصل ان تمام آثار سے بہ خوبی ثابت ہوگیا کہ تراویح مسنون ہے، اور بیس رکعت ہے، اور سب سے بڑھ کر اور قوی دلیل تو یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت کا حکم دیا تو تمام صحابہ حاضرین وغائبین نے سکوت کیا، کسی سے انکار ثابت نہیں، یہ اجماع پر دال ہے، اور علیکم بسنّتي وسنّة الخلفاء الرّاشدين [۲] اور أصحابي كالنّجوم فبأيّهم اقتديتم اهتديتم[۳] پر نظر رکھتے ہوئے کوئی مسلمان بہ شرط انصاف تراویح کی بیس رکعت کی سنیت کا انکار نہیں کرسکتا، پس حق یہ ہے کہ بیس رکعت تراویح کی مسنون ہیں، جیسا کہ ترمذی نے اکثر اہل علم سے حکایت کیا ہے[۴] وقال ابن حجر:..................... أجمع الصّحابة علىٰ أنّ التّراويح

(۱) عمدة القاري: ۱۱/ ۱۷۹-۱۸۰، كتاب التّراويح ، باب فضل مَن قام رمضان ، رقم الحديث: ۲۰۱۰)

(۲) مشكاة المصابيح، ص:۳۰، كتاب الإيمان ، باب الاعتصام بالكتاب والسّنّة ، الفصل الثّاني ، عن العرباض بن سارية رضي الله عنه)

(۳) عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه قال : سمعتُ رسول الله صلّى الله عليه وسلم يقول : سألتُ ربّي عن اختلاف أصحابي من بعدي ، فأوحىٰ إليّ : يا محمد ! إنّ أصحابكَ عندي بمنزلة النّجوم في السّماء ، بعضها أقوىٰ من بعضٍ ولكلٍّ نورٌ ، فمَن أخذ بشيءٍ ممّا هم عليه من اختلافهم فهو عندي علىٰ هُدًى ، قال : وقال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : أصحابي كالنّجوم الحديث . (مشكاة المصابيح، ص:۵۵۴، كتاب المناقب والفضائل ، باب مناقب الصّحابة ، الفصل الثّالث)

(۴) وأكثرُ أهلِ العلم علىٰ ما رُوي عن عليّ وعمرَ وغيرهما من أصحاب النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم عشرين ركعةً ، وهو قولُ سفيان الثّوريّ وابن المبارك وقال الشّافعيّ : وهكذا أدركتُ ببلدنا بمكّة يُصلّون عشرين ركعة. (جامع التّرمذيّ: ۱/ ۱۶۶، أبواب الصّوم، باب ما جاء في قيام شهر رمضان)

عشرون ركعةً[۱] وقال ابن عبد البرّ: وهو قول جمهور العلماء[۲]

اور وہ آثار جن میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو تراویح پڑھانے کا حکم دیا ہے، وہ یہ ہیں: عن السّائب بن يزيد أنّ عمربن الخطّاب رضي الله تعالىٰ عنه جمع النّاسَ في رمضان علىٰ أبي بن كعب وعلىٰ تميم الدّاريّ علىٰ إحدىٰ وعشرين ركعةً إلخ قال ابن عبد البرّ: هو محمول على أنّ الواحدة للوتر[۳] (عيني: ۳۵۷/۲) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم الداری دونوں کو امام بنایا کہ لوگوں کو اکیس رکعت رمضان میں پڑھائیں، جس میں بیس تراویح ہیں، اور ایک وتر جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا ہے۔

سائب بن یزید کی اس روایت سے تراویح کی بیس رکعتیں ثابت ہوگئیں، اور یہ مبحث سے خارج ہے کہ وتر کی گئے رکعتیں ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں گیارہ وتیرہ وغیرہ کی بھی روایتیں ہیں، جن کو شراح حدیث ابتدائے زمانۂ عمر رضی اللہ عنہ پر محمول کرتے ہیں، جب تک کہ اہتمام و انضباط تراویح کے متعلق نہیں ہوا تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (اضافہ از رجسٹر نقول فتاویٰ)

(ضمیمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۶-۹) محمد امین پالن پوری

تراویح بیس رکعت پڑھنی چاہیے

سوال: (۱۶۹۱) رمضان میں تراویح کئی رکعت پڑھنی چاہیے؟ (۲۴۳/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: بیس تراویح پڑھنی چاہیے[۴] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۶/۴)

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۳/ ۳۴۵-۳۴۶، كتاب الصّلاة، باب قيام شهر رمضان، الفصل الثّالث، رقم الحديث: ۱۳۰۳۔

(۲) الاستذكار لابن عبد البر: ۵/ ۱۵۷، كتاب الصّلاة في رمضان، باب ما جاء في قيام رمضان، رقم الحديث: ۶۲۸۸، المطبوعة: دار قتيبة للطّباعة والنّشر، دمشق.

(۳) عمدة القاري: ۱۱/ ۱۷۹، كتاب التّراويح، باب فضل مَن قام رمضان.

(۴) وهي عشرون ركعةً. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۳۲، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراويح) ظفير

بیس رکعت تراویح والی حدیث اولیٰ بالعمل ہے

سوال: (۱۶۹۲) رکعات تراویح میں ہر دو احادیث کا مقابلۃً کیا حال ہے؟ آٹھ رکعت والی حدیث جو کتاب قیام اللیل امام محمد بن نصر مروزی میں ہے، اور بیس رکعت مصنف ابن ابی شیبہ میں عام مشہور ہے۔ (۱۳۳۹/۱۳۴۲ھ)

الجواب: بیس رکعت تراویح والی حدیث امت مرحومہ نے معمول بہ ٹھہرائی ہے، لہٰذا وہی اولیٰ بالعمل ہے، اور سنت بیس تراویح ہیں (۱) فقط (ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک بیس رکعت سے کم تراویح نہیں ہے، بیس یا اس سے زیادہ رکعتیں ہیں، آٹھ رکعتوں پر عمل صرف ہندوستان کے غیر مقلدوں کا ہے، اور وہ بھی صرف سو سال سے، ورنہ ساری امت میں بیس یا زیادہ رکعتوں پر عمل جاری رہا اور اب بھی ہے۔ ظفیر) (۲۶۹/۴)

گیارہ رکعت والی حدیث کی توجیہ

سوال: (۱۶۹۳) فریق اوّل کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت تھی، جیسا کہ حدیث حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے، تراویح وغیرہ سب اس میں داخل ہیں فریق ثانی کہتا ہے کہ تراویح علیحدہ نماز ہے، وتر اور تہجد نہیں، اس لیے تراویح بیس رکعت پڑھنا چاہیے، اس میں حق بات کیا ہے؟ (۹۰۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) التّراويح سنّة مؤكّدة لمواظبة الخلفاء الرّاشدين إلخ ، و هي عشرون ركعةً .... بعشر تسليمات إلخ (الدّرّ المختار): قوله: (وهي عشرون ركعةً) هو قول الجمهور وعليه ما عمل النّاس شرقًا وغربًا إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۲۹-۴۳۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاةُ التّراويح)

اس مسئلہ کے لیے دیکھا جاوے رسالہ ''رکعات تراویح'' مصنّفہ شیخ الحدیث حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، شائع کردہ مفتاح العلوم مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ۔ ظفیر

الجواب: گیارہ رکعت جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث میں آئی ہے وہ تہجد اور وتر کی نماز ہے، جیسا غیر رمضان کا لفظ اس کا قرینہ صاف موجود ہے؛ کیوں کہ غیر رمضان میں تراویح نہیں ہوتی، تراویح بیس رکعت ہیں، اور اجماعِ صحابہ اس پر ہے۔ قال في ردّ المحتار: قوله: (وهي عشرون ركعةً) هو قول الجمهور وعليه عمل النّاس شرقًا وَغربًا[1] مؤطا امام مالکؒ میں یہ حدیث موجود ہے: حدّثنا مالك عن يزيد بن رومان أنّه قال: كان النّاس يقومون في زمان عمر بن الخطّاب رضي الله عنه في رمضان بثلاث وعشرين ركعةً وفي هامشه: قوله: (بثلاث وعشرين ركعةً) قال البيهقيّ: والثّلاث هو الوتر، ولا ينافيه الرّواية السّابقة، فإنّه وقع أوّلاً ثمّ استقرّ الأمر على العشرين، فروى البيهقيّ بإسناد صحيح أنّهم يقومون في عهد عمر بعشرين ركعةً وفي عهد عثمان وعليّ مثله[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۹۱-۲۹۲)

جو شخص بیس رکعات تراویح کو سنت مانتا ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتا وہ تارکِ سنت ہے

سوال: (۱۶۹۴) اگر کوئی شخص بیس رکعات تراویح کے سنت ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے کبھی گیارہ، تیرہ، اکتالیس رکعتیں پڑھ ڈالے، تو کیا گنہ گار ہوگا؟ نیز کیا اعداد مذکورہ احادیث میں آئی ہیں؟ (۱۹۸۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: تراویح بیس رکعت سنت مؤکدہ ہیں[3] اس کا خلاف کرنے والا حنفیہ کے نزدیک

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۳۲، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراويح.

(۲) موطا للإمام مالك، ص:۴۰، كتاب الصّلاة، باب ما جاء في قيام رمضان، رقم الحاشية: ۱۲

(۳) وهي عشرون ركعةً .... بعشر تسليماتٍ (الدّرّ المختار) وهو قول الجمهور وعليه عمل النّاس شرقًا وغربًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۳۲، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراويح) ظفیر

تارک سنت ہے۔ فقط (اور سنت کے خلاف کرنا برا ہے (۱) اور اعداد مذکورہ حدیث میں آئے ہیں، مگر حنفیہ کے نزدیک تمام احادیث پر پوری بصیرت کے ساتھ غور کرنے کے بعد یہی بیس راجح ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تحریک سے اسی پر صحابہ کا اجماع ہوا، واللہ اعلم۔ ظفیر) (۴/۲۹۶-۲۹۷)

جماعت تراویح قائم کرنے کی وجہ سے کسی مسجد کو مسجد ضرار کہنا غلط ہے

سوال: (۱۶۹۵) جب کہ جامع مسجد شہر میں ہمیشہ سے جماعت تراویح ہوتی چلی آئی ہو تو ایک دوسری مسجد میں جو جامع مسجد کے قریب ہے جماعت تراویح قائم کرنا کیسا ہے؟ کیا اس دوسری مسجد کو ضرار کا حکم ہوگا یا نہیں؟ (۱۷۶۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اس دوسری مسجد میں جو کہ جامع مسجد سے قریب ہے جماعت تراویح قائم کرنا طریق سنت کے موافق ہے، جماعت تراویح ہر ایک مسجد میں ہونا عمدہ ہے و موجب ثواب ہے، پس مسجد ضرار کا حکم دینا اس دوسری مسجد کو فتویٰ دینے والے کی جہالت اور عدمِ واقفیت ہے حکمِ شریعت سے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۴۲-۲۴۳)

سوال: (۱۶۹۶) جواب استفتاء پہنچا اس میں بڑی طوالت ہوگئی ہے اور مقدمہ عدالت میں دائر ہے، اور لوگوں نے دوسری طرف سے ایک شہادت اس قسم کی دی ہے کہ میں نے اس سے کہا ہے کہ وہ جامع مسجد کی جماعت میں تراویح کے لیے شریک نہ ہو، بلکہ یہ محلّہ کی مسجد ہے، اس میں جماعت تراویح ہوتی ہے اس میں قرآن پاک سنے، اگرچہ میں نے یہ الفاظ نہیں کہے، لیکن جب کہ

---

(۱) ترك السّنّةِ لا يُوجِبُ فسادًا ولا سهوًا بل إساءةً لو عامدًا (الدّرّ المختار) وتاركها يَستوجب إساءةً أي التّضليلَ واللّومَ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۴۹-۱۵۰، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب سنن الصّلاة) ظفير

(۲) وهل المرادُ أنّها سنّة كفاية لأهل كلّ مسجد من البلدة، أو مسجدٍ واحدٍ منها أو من المحلّة؟ ظاهر كلام الشّارح: الأوّلُ، واستظهر، ط الثّاني ويظهر لي الثّالث إلخ. (ردّ المحتار: ۲/۴۳۱، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراويح) ظفيرؒ

حلفی شہادت ہوگئی ہے تو اس کو تسلیم کرتے ہوئے بھی مجھے ایک سوال کے کرنے کی ضرورت ہے کہ کسی شخص سے بہ استحقاق اہل محلہ ایسا کہنے سے مسجد کے لیے ضرار کا حکم ہونا چاہیے۔

(۱۸۶۱/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **ومسجد حيّه أفضل من الجامع إلخ**[۱] اس کا حاصل یہ ہے کہ مسجدِ محلّہ اہلِ محلّہ کے حق میں جامع مسجد سے افضل ہے، اور شامی نے لکھا ہے: **لأنّ له حقًّا عليه فيؤدّيه**[۱] یعنی محلّہ والے پر مسجدِ محلّہ کا حق ہے اس کو ادا کرنا چاہیے، پس اگر ایک محلّہ والے نے دوسرے محلّہ والوے کو ایسا بھی کہا ہو کہ جامع مسجد کی جماعت تراویح میں شریک نہ ہو محلّہ کی مسجد میں جماعت تراویح ہوتی ہے، اس میں شریک ہو اور قرآن شریف کو سنو تو یہ بات بے موقع نہیں ہے، بلکہ ایسا کہنا اچھا ہے اور ایسا ہی کہنے کا اور کرنے کا شریعت میں حکم ہے کہ محلّہ کی مسجد کو آباد کرنا چاہیے، اور جماعت پنج گانہ اور جماعت تراویح وہاں قائم کرنا چاہیے، اور دوسرے اہل محلّہ کو بھی اس کی ترغیب دینی چاہیے، پس مسجد ضرار کا حکم دینا مسجد مذکور کو بوجہ مذکور بالکل غلط ہے، اور ایسا فتویٰ دینے والے کی جہالت اور عدم علم پر دال ہے، ایسا کلمہ مسجد کی نسبت کوئی جاہل بھی نہیں کہہ سکتا، اللہ تعالیٰ ہدایت فرماوے اور مسلمانوں کو توفیقِ خیر و اتفاق و اصلاح عطا فرماوے۔ آمین **إن أريد إلاّ الإصلاح وما توفيقي إلاّ بالله.** فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۴۳-۲۴۴)

تراویح میں قرآن سنانے پر خوشی سے کچھ لینا دینا کیسا ہے؟

سوال: (۱۶۹۷) ایک مولوی صاحب بہت دین دار پرہیزگار حافظ قرآن ہیں، وہ ہر سال رمضان میں ایک قصبہ کی مسجد میں جا کر نماز تراویح میں قرآن شریف سنایا کرتے ہیں، پس بعد ختم کے مقتدی وغیرہ حسبِ مقدور بلا جبر و اکراہ و بلا گفتگو حسبۃً للہ حافظ صاحب کو کچھ دیتے ہیں؛ یعنی نقد روپیہ، اور حافظ صاحب بھی خوشی سے قبول کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ میرا مقصود اس سے مال اور کسبِ دُنیا نہیں، میرا مقصود تو ثواب اور ادائے سنت مؤکدہ ہے، اور یادداشت قرآن مجید ہے،

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۷۵، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في أفضل المساجد.

روپیہ پیسہ ہونا نہ ہونا میرے نزدیک مساوی ہے، اور تفسیر عزیزی کی عبارت مندرجہ سوال سے جواز اجرت علی العبادت معلوم ہوتا ہے [۱] اس صورت میں شرعًا کیا حکم ہے؟ (۸۷۰/۱۳۳۸ھ)

الجواب: فقہاء نے یہ قاعدہ لکھ دیا ہے: **المعروف کالمشروط کذا في الشّامي وغیرہ** [۲] پس اگر ان حافظ صاحب کو معلوم ہے کہ ان کو قرآن شریف سنانے پر کچھ روپیہ پیسہ ملے گا، اور یہ لینا دینا معروف ہے، تو ان حافظ صاحب کو کچھ لینا قرآن شریف ختم کرکے درست نہیں ہے، اور اس میں تالی وسامع دونوں ثواب سے محروم ہیں [۳] اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر اس حالت پر محمول ہے کہ اس عبادت پر کچھ لینا دینا معروف نہ ہو؛ تاکہ کلام فقہاء اور ارشاد شاہ صاحب میں تعارض نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۳/۴-۲۶۴)

لینے دینے کی نیت سے تراویح میں قرآن سننا سنانا ناجائز ہے

سوال: (۱۶۹۸) قیام رمضان میں ختم قرآن شریف کے عوض حافظ قاری کو لینے دینے کی نیت سے قرآن شریف سننا سنانا اور بعد میں لینا دینا کیسا ہے؟ نیت دونوں کی لینے دینے کی ہوتی ہے، بغیر اس کے کوئی سنتا سناتا نہیں، اگر کسی مسجد میں قرآن شریف نہ سنا جائے، اور محض تراویح پڑھنے پر اکتفاء کیا جاوے تو وہ لوگ فضلیتِ قیامِ رمضان سے محروم ہوں گے یا نہیں؟ (۱۱۵۸/۱۳۳۷ھ)

---

(۱) اجرت بر عبادت گرفتن درآں صورت جائز است کہ نیت خالص محض برائے خدا باشد، وبودن ونہ بودن اجرت برابر گردد، آں عبادت را کارکردنی خود داند، خواہ کسے برآں اجرت بہ دہد یا نہ دہد۔ (تفسیر فتح العزیز، معروف بہ تفسیر عزیزی: ۲۷۶/۱، تفسیر سورۂ بقرہ، عنوان: بیان پیدائش حضرت موسیٰ علیہ السلام ودیگر وارداتِ عجیبہ)

(۲) ردّ المحتار: ۲۰۱/۴، کتاب النّکاح، باب المھر، مطلب: مسئلة دراھم النّقش والحمام ولفافة الکتاب ونحوھا.

(۳) وأنّ القراءةَ لشيءٍ من الدّنیا لا تجوز وأنّ الآخذَ والمعطيَ آثمان، لأنّ ذلك یُشبه الاستئجارَ علی القراءة، ونفس الاستئجار علیھا لا یجوز، فکذا ما أشبھهُ إلخ ولا ضرورة في جواز الاستئجار علی التّلاوة. (ردّ المحتار: ۴۶۶/۲، کتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت مطلب بطلان في الوصیة بالختمات والتّھالیل) ظفیر

الجواب: اُجرت پر قرآن شریف پڑھنا درست نہیں ہے، اور اس میں ثواب نہیں ہے، اور یہ حکم: **المعروف کالمشروط** (۱) جن کی نیت لینے دینے کی ہے وہ بھی اجرت کے حکم میں ہے، اور ناجائز ہے (۱) اس حالت میں صرف تراویح پڑھنا اور اجرت کا قرآن شریف نہ سننا بہتر ہے، اور صرف تراویح ادا کر لینے سے قیام رمضان کی فضیلت حاصل نہ ہوگی۔ فقط (۴/۲۴۶)

حافظ کو آمد ورفت کا کرایہ دینا اور کھانا کھلانا جائز ہے

سوال: (۱۶۹۹) ایک حافظ کو شعبان کے آخر میں بلایا گیا، اور سب لوگوں نے چندہ کر کے آمد رفت کا کرایہ واقعی دیا، اور تمام مہینہ رمضان شریف ان کو عمدہ کھلایا پلایا، تو یہ صورت قرآن شریف سننے کی بلاعوض محسوب ہوگی یا یہ صورت بھی ناجائز ہے؟ اور ان کو کچھ زائد اس کے عوض میں نہیں دیا جاتا، اگر یہ صورت نہ کی جاوے تو وہ حافظ سناتے نہیں؟ (۴۵۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: آمد ورفت کا کرایہ دے کر حافظ کو باہر سے بلانا اور اس کا قرآن شریف بلا معاوضہ سننا جائز اور موجب ثواب ہے، اور جب کہ وہ باہر سے آیا ہوا اور بلایا ہوا مہمان ہے تو اس کو عمدہ کھانا کھلانا جائز ہے اور ثواب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۹۴-۲۹۵)

تراویح میں قرآن سنانے پر حافظ کو چندہ کر کے کچھ رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۷۰۰) مردماں زید را برائے خواندن قرآن مجید در نماز تراویح دعوت نمودند و بعد ختم کردن زید سامعین چندہ کردہ قدر معین **فیما بینهم** از سکہ انگریزی بدو دادند، و نیز ایں دادند در عرف مروج است، الا آں کہ ہنگام دادند گفتند کہ ایں قابل شما نیست، و نیت طرفین للہ بود، آیا زید را ایں روپیہ گرفتن درست است یا نہ؟ و سامعین را دادن روا باشد یا نہ؟ (۲۹۳/۳۰-۱۳۲۹ھ)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔

الجواب: اصل ایں است کہ بر تلاوت قرآن شریف وختم قرآن حمید اجرت ومعاوضہ گرفتن حرام است، وثواب تالی وسامعین را باطل می کند کما في الشّامي كتاب الإجارة : قال تاج الشّريعة في شرح الهداية :إنّ القرآنَ بالأجرة لا يستحقّ الثّوابَ لا للميّت ولا للقاري ـــــ إلى أن قال ـــــ والآخذ والمعطي آثمان إلخ ، فإذا لم يكن للقاري ثوابٌ لعدم النّيّة الصّحيحة فأين يصل الثّواب إلى المستأجر إلخ [1] پس اگر در صورت مسئولہ حسب عرف و رواج کہ بہ منزلۂ شرط صریح است، اگر زید قاری را خیال وارادہ اخذ مال از سامعین بود، وارادہ سامعین ہم بدادن مقدار از مال بود، دریں صورت موافق تصریح فقہاء ثواب قاری وسامعین باطل شد، وسنت ختم قرآن شریف ادا نہ شد، واگر در نیت قاری وسامعین گرفتن ودادن روپیہ نہ بود، بعد از ختم محض للّٰه ولوجه اللّٰه وابتغاء مرضاة اللّٰه روپیہ بہ قاری دادن واو قبول کرد جائز خواہد شد، فالعبرة لنيّة القاري والسّامعين، قال عليه الصّلاة والسّلام: إنّما الأعمال بِالنّيات و إنّما لكلّ امرء ما نوىٰ الحديث [2] (رواه البخاري وغيره) (۴/۲۹۸-۲۹۹)

ترجمہ سوال: (۱۷۰۰) لوگوں نے زید کو نمازِ تراویح میں قرآن مجید پڑھنے کے لیے بلایا، اور زید نے جب قرآن کریم ختم کیا تو سامعین نے باہم جو مقدار طے کی تھی انگریزی سکہ سے چندہ کر کے اس کو دی، اور یہ دینا عرف میں بھی رائج ہے، مگر سامعین نے اچانک دے کر کہا کہ یہ آپ کے شایانِ شان نہیں ہے، اور نیت دونوں جانب خالص اللہ کے لیے تھی، تو کیا زید کے لیے یہ روپیہ لینا درست ہے یا نہیں؟ اور سامعین کو یہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اصل یہ ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت اور ختم قرآن پر اجرت اور معاوضہ لینا حرام ہے، اور پڑھنے والے اور سننے والے کے ثواب کو اکارت کرتا ہے، جیسا کہ فتاویٰ شامی کے کتاب الاجارہ میں مذکور ہے: قال تاج الشّريعة في شرح الهداية :إنّ القرآنَ بالأجرة لا يستحقّ الثّوابَ إلخ .

---

(۱) ردّ المحتار: ۶۶/۹، كتاب الإجارة ، باب الإجارة الفاسدة ، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التّلاوة إلخ .

(۲) صحيح البخاري: ۲/۱، باب كيف كان بدؤ الوحي إلىٰ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم إلخ .

پس صورتِ مسئولہ میں عرف ورواج کے مطابق جوصریح شرط کے قائم مقام ہے، اگر زید قاری کا سامعین سے مال لینے کا ارادہ اور خیال تھا اور سامعین کا بھی مال کی ایک متعینہ مقدار دینے کا ارادہ تھا، تو اس صورت میں فقہاء کی تصریح کے مطابق پڑھنے والے اور سننے والوں کا ثواب باطل ہوگیا، اور ختم قرآن شریف کی سنت ادا نہ ہوئی، اور اگر پڑھنے اور سننے والوں کی نیت روپیہ لینے دینے کی نہیں تھی، اور لوگوں نے ختم کے بعد محض اللہ کی خاطر اور اللہ کی رضا جوئی کے لیے قاری کو روپے دیئے اور قاری نے قبول کرلیا، تو جائز ہوجائے گا؛ کیوں کہ اعتبار پڑھنے اور سننے والوں کی نیت کا ہے، اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے (بخاری شریف وغیرہ)

امام اور سامع کا برابر کھڑا ہونا اور سامع کو اجرت پر مقرر کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۷۰۱) تراویح میں اگر امام اور سامع برابر میں کھڑے ہوں، امام کو عذر سماعت ہو یا نہ ہو، کیسا ہے؟ اور سامع کو اجرت پر مقرر کرنا کیسا ہے؟ (۱۱۷۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اگر کچھ ضرورت ہو مثلاً یہ کہ امام کی سمجھ میں سامع کا بتلانا دور سے نہ آوے تو برابر کھڑا ہونا درست ہے، اور بلاضرورت اچھا نہیں ہے، اور سامع کو اجرت پر مقرر کرنا بھی اچھا نہیں ہے بلکہ ناجائز ہے، کیونکہ قرآن شریف کے پڑھنے اور سننے پر اجرت لینا حرام ہے۔ فقط (۴/۲۹۵)

چودہ برس کے لڑکے کے پیچھے تراویح درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۷۰۲) چودہ برس کے لڑکے کے پیچھے تراویح پڑھنا کیسا ہے؟ (۱۰۷۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: چودہ برس عمر کے لڑکے کے پیچھے فرائض اور تراویح کچھ درست نہیں ہے، صحیح یہی ہے کہ جب تک لڑکا پورے پندرہ برس کا نہ ہوجاوے، اس کے پیچھے تراویح نہ پڑھیں، ہدایہ[1] و

---

(۱) ولا يجوز للرّجال أن يقتدوا بامرأةٍ أو صبيّ إلخ ، وفي التّراويح و السّنن المطلقة جوّزه مشائخ بلخ و لم يجوّزه مشائخنا إلخ ، والمختار أنّه لا يجوز في الصّلوات كلّها لأنّ نفل الصّبيّ دون نفل البالغ إلخ . (الهداية: ۱/۱۲۳-۱۲۴، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة) ظفير

شامی وغیرہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ فقط (البتہ اگر چودہ برس کی عمر میں بلوغیت کے آثار پیدا ہو چکے ہوں اور وہ کہے کہ میں بالغ ہو چکا تو اُس کے پیچھے درست ہوگی۔ ظفیر) (۴/۲۹۵)

کس عمر کا لڑکا تراویح پڑھا سکتا ہے؟

سوال: (۱۷۰۳) کتنی عمر کا لڑکا قرآن شریف تراویح میں سنا سکتا ہے؟ ایک لڑکے کی عمر تقریبًا سولہ سال ختم ہونے آئی، وہ کلام اللہ شریف تراویح میں سنا سکتا ہے یا نہیں؟ اس لڑکے کے مونچھ ڈاڑھی وغیرہ کچھ نہیں، اور اگر ایسا لڑکا جو پندرہ یا سولہ برس کا ہو وہ بھی اگلی صف میں بڑے آدمیوں کے ساتھ کھڑا ہو کر دوسرے کا سن سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر تیرہ چودہ سال کا ہو وہ بھی اگلی صف میں کھڑا ہو کر سن سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۶۵۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اگر کوئی دوسری علامت بلوغ کی مثل احتلام وغیرہ کے لڑکے میں موجود نہ ہو تو شرعًا پندرہ برس کی عمر پوری ہونے پر بلوغ کا حکم دیا جاتا ہے[1] پس جس لڑکے کو سولھواں سال شروع ہو گیا ہے، اس کے پیچھے تراویح اور فرض نماز سب درست ہے، اگر چہ بے ریش ہو اور ایسی عمر کا لڑکا اگلی صف میں بھی کھڑا ہو سکتا ہے، اور تیرہ یا چودہ برس کا لڑکا امام نہیں ہو سکتا[2] لیکن تراویح میں بتلانے (لقمہ دینے) کی وجہ سے اس کو اگلی صف میں کھڑا کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۴۷)

---

(۱) بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال إلخ فإن لم یوجد فیهما شيء فحتّی یتمّ لكلّ منهما خمس عشرة سنة، به یفتٰی لقصر أعمار أهل زماننا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۹/۱۸۵ کتاب الحجر، فصل: بلوغ الغلام بالاحتلام، مطلب: تصرفات المهجور بالدّین کالمریض)

(۲) ولا یصحّ اقتداء رجل بامرأة وخنثٰی وصبيّ مطلقًا ولو في جنازةٍ ونفلٍ علی الأصحّ (الدّرّ المختار) قوله: (ونفل علی الأصحّ) قال في الهدایة: وفي التّراویح و السّنن المطلقة جوّزه مشائخ بلخ ولم یجوّزه مشائخنا ، ومنهم من حقّق الخلافَ في النّفل المطلق بین أبي یوسف و محمّد ، والمختار أنّه لا یجوز في الصّلوات كلّها أهـ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۷۶-۲۷۷، کتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، قبیل مطلب: الواجب كفایة هل یسقط بفعل الصّبيّ وحده؟) ظفیر

نابالغ کی امامت تراویح میں درست نہیں

سوال: (۱۷۰۴) عمر نے بہ عمر سیزدہ (۱۳) سالہ قرآن حفظ کر کے بہ صحت الفاظی مسجد میں بہ جماعت مقتدیان تراویح پڑھائی، اور فرض و وتر اس کے استاذ نے پڑھائے، زید کہتا ہے کہ بہ سبب نابالغی عمر تراویح مقتدیان ناقص ہیں، آیا اس صورت میں تراویح صحیح ہوئی یا بہ قول زید ناقص رہی؟ (۱۲۲۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: صحیح یہ ہے کہ نابالغ سیزدہ (۱۳) سالہ لڑکے کے پیچھے نہ فرائض و واجب صحیح ہیں اور نہ نوافل و تراویح، پس قول زید صحیح ہے کہ مقتدیوں کی تراویح نہیں ہوئی[1] فقط (۲۵۲/۴-۲۵۳)

سوال: (۱۷۰۵) تراویح میں اگر نابالغ امام ہو، تو بالغین و نابالغین کو اس کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۱۳/۱۳۳۵ھ)

الجواب: نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنے میں اختلاف ہے مگر اصح یہ ہے کہ جائز نہیں، في المنية : وذكر في بعض كتب الفتاوىٰ أنّه لا يجوز أن يؤمّ البالغين في التّراويح أيضًا وهو المختار[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۲/۴)

سوال: (۱۷۰۶) نابالغ حافظ کے پیچھے تراویح ہو جاتی ہے یا نہ؟ اگر کوئی بہ اصرار پڑھے تو اس کو کچھ گناہ ہوگا یا نہیں؟ (۳۹۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: صحیح مذہب کے موافق نابالغ کے پیچھے نماز تراویح وغیرہ صحیح نہیں ہے، اور نماز نہیں ہوتی، جو ایسا کرے گا اس کی نماز تراویح وغیرہ نہ ہوگی۔ هٰكذا في الدّرّ المختار والشّامي وغيرهما[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۴/۴)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) غنية المستملي: ص:۳۵۴، فصل في النّوافل .

(۳) ولا يصحّ اقتداء رجل بامرأة وخنثٰى وصبيّ مطلقًا ولو في جنازةٍ ونفلٍ على الأصحّ (الدّرّ المختار) قوله: (ونفل على الأصحّ) قال في الهداية: وفي التّراويح والسّنن المطلقة جوّزه مشائخ بلخ ولم يجوّزه مشائخنا ، ==

جس لڑکے کی عمر پندرہ سال سے ایک ماہ کم ہے اس کی امامت تراویح میں درست نہیں

سوال: (۱۷۰۷) جس لڑکے کی عمر یکم رمضان ۱۳۳۸ھ کو ۱۴ سال ۱۱ ماہ کی ہوگی، اس کی امامت تراویح جائز ہے یا نہیں؟ نیز وتر میں امامت جائز ہے یا نہیں؟ (۱۵۸۴/۱۳۳۸ھ)

الجواب: مسئلہ یہ ہے کہ اگر لڑکے میں اور کوئی علامت بلوغ کی مثل احتلام وانزال کی نہ پائی جاوے تو پورے پندرہ برس کی عمر ہونے پر شرعاً وہ بالغ سمجھا جاتا ہے، پس جس لڑکے کی عمر یکم رمضان شریف کو ۱۴ سال ۱۱ ماہ کی ہو، اس کی امامت تراویح اور وتر میں درست نہیں ہے، کیونکہ صحیح مذہب حنفیہ کا یہی ہے کہ نابالغ کی امامت فرائض ونوافل وواجب میں درست نہیں ہے[1] **كذا في الدّرّ المختار والشّامي.** فقط (البتہ اگر کوئی علامت بلوغ کی پائی جاتی ہو تو درست ہوگی۔ظفیر) (۲۶۶/۴)

جس کی عمر پندرہ سال سے زیادہ ہے، مگر کوئی علامتِ بلوغ ظاہر نہیں ہوئی اس کی امامت درست ہے؟

سوال: (۱۷۰۸) زید کی عمر قمری مہینوں کے حساب سے ۱۵ سال ۴ ماہ کی ہے، اور کوئی علامت بلوغ کی بہ ظاہر نہیں ہے، تو زید کے پیچھے نماز تراویح وغیرہ درست ہے یا نہیں؟ (۱۸۲۲/۱۳۴۵ھ)

الجواب: شریعت میں جب کہ کوئی علامت بلوغ کی ظاہر نہ ہو تو قمری حساب سے پورے پندرہ برس کی عمر ہونے پر حکم بالغ ہونے کا کردیا جاتا ہے[2] (درمختار) لہٰذا زید کے پیچھے نماز فرائض

= = ومنهم من حقّق الخلافَ في النّفل المطلق بين أبي يوسف ومحمّد، والمختار أنّه لا يجوز في الصّلوات كلّها أهـ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۷۶-۲۷۷، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، قبيل مطلب: الواجب كفاية هل يسقط بفعل الصّبيّ وحده؟) ظفیر

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) بلوغ الغلام بالاحتلام و الإحبال و الإنزال إلخ فإن لم يوجد فيهما شيء فحتّى يتمّ لكلّ منهما خمس عشرة سنة، = =

ونماز تراویح پڑھنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۳/۴)

بالغ بے ریش حافظ کے پیچھے نماز صحیح ہے

سوال: (۱۷۰۹) ایک حافظ کے ڈاڑھی مونچھ نہیں ہے، اور عمر اُن کی ۳۰ سال کی ہے، ان کے پیچھے نماز تراویح وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟ (۵۷۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں کچھ کراہت نہیں ہے، نماز بلا کراہت ان کے پیچھے صحیح ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۸/۴-۲۶۹)

ترویحہ میں ایک بے اصل عمل کی تردید

سوال: (۱۷۱۰) بعد ادائے چار رکعت نماز تراویح کے جلسہ کر کے اٹھتے وقت بعض دیار میں تسبیح آہستہ پڑھ کر درود بر خواجہ عالم کے بعد بہ آوازِ بلند صلاۃ بر محمد ﷺ کا نعرہ مارتے ہیں، اس کی اصل کسی کتاب میں شرعًا پائی جاتی ہے یا نہیں؟ (۲۰۶۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اس کی اصل بہ ہیئت کذائیہ شریعت میں کچھ نہیں ہے، فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ ہر ترویحہ تراویح میں، یعنی چار رکعت کے بعد اختیار ہے کہ تسبیح پڑھے یا قرآن شریف پڑھے یا رکعات

= = بہٖ یفتٰی لقصر أعمار أهل زماننا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۸۵/۹، کتاب الحجر، فصل : بلوغ الغلام بالاحتلام ، مطلب : تصرفات المهجور بالدّين كالمريض)

والسِّنّ الّذي يُحكم ببلوغ الغلام والجارية إذا انتهيَا إليه خمسَ عشرةَ سنةً عند أبي يوسف ومحمّد رحمهما اللّٰه تعالىٰ وهو روايةٌ عن أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ ، وعليه الفتوى. (الفتاوى الهندية: ۶۱/۵، كتاب الحجر، الباب الثّاني في الحجر للفساد ، الفصل الثّاني في معرفة حدّ البلوغ)

(۱) سئل العلّامةُ إلخ عن شخصٍ بَلغ من السِّنّ عشرينَ سنةً وتجاوز حدّ الإنبات ولم ينبت عِذارُهُ؟ فهل يخرج بذلك من حدّ الأمرديّة إلخ ، فأجاب بالجواز من غير كراهة ، وناهيكَ بهٖ قدوةً. (ردّ المحتار: ۲۵۸/۲، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، مطلب في إمامة الأمرد) ظفیر

نفل پڑھے یا کچھ نہ کرے [۱] اور شامی میں ہے کہ قہستانی میں ہے کہ بعد ہر ترویحہ کے سبحان ذي الملك والملكوت إلخ تین بار پڑھے [۲] احقر کہتا ہے کہ کلمہ: سبحان الله ، والحمد لله ، ولآ إلٰه إلاّ اللّٰـه والله أكبر کی بہت فضیلت احادیث صحیحہ میں وارد ہے [۳] اس لیے تکرار اس کا افضل ہے، اور یہی معمول ومختار تھا حضرت محدّث وفقیہ گنگوہیؒ کا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۴۵-۲۴۶)

تراویح کی چار رکعت کے بعد ''درود برخواجہ عالم'' کہنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۷۱۱) تراویح کی چار رکعت کے بعد جو لوگ ''درود برخواجہ عالم'' کہتے ہیں یہ صحیح ہے یا نہیں؟ [۴] (۳۲/۲۹۴-۱۳۳۳ھ)

الجواب: تراویح کی چار رکعت کے بعد جو لوگ کہتے ہیں: ''درود برخواجہ عالم'' اس طرح کہنے میں کچھ حرج بھی نہیں ہے، مگر یہ درود شریف نہیں ہے، اور درود شریف پڑھنے میں زیادہ ثواب ہوتا ہے، بہتر یہ ہے کہ اس کی جگہ صلّى الله علىٰ محمّد ، صلّى الله عليه وسلّم

---

(۱) يجلس نَدبًا بين كلّ أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة و الوترِ و يُخيّرون بين تسبيح وقراءةٍ وسكوتٍ وصلاةٍ فرادىٰ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۴۳۳/۲، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاةُ التّراويح)

(۲) قال القهستانيّ: فيقال ثلاث مرّاتٍ: سبحان ذي الملك والملكوت إلخ. (ردّ المحتار: ۴۳۳/۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاةُ التّراويح)

(۳) عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : أفضل الكلام أربعٌ: سبحان الله، والحمد لله ، ولآ إله إلاّ الله ، والله أكبر. وفي رواية: أحبّ الكلام أربعٌ : سبحان الله ، والحمد لله ، ولآ إله إلاّ الله ، والله أكبر. لايضرّكَ بأيهنّ بدأتَ رواه مسلم . (مشكاة المصابيح: ص:۲۰۰، كتاب أسماء الله تعالىٰ ، باب ثواب التّسبيح والتّحميد والتّهليل والتّكبير ، الفصل الأوّل)

(۴) اس سوال کی عبارت رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

کہہ دیا کریں یا اور کوئی درود شریف پڑھا کریں، یا سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولآ إلٰہ إلاّ اللّٰہ واللّٰہ أکبر پڑھا کریں[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۸۶)

ترویحہ میں مناجات درست ہے

سوال: (۱۷۱۲) مولانا کرامت علی جون پوری نے صلاۃ تراویح میں بعد ہر ترویحہ کے ایک مناجات لکھی ہے، وہ معتبر دلیل سے ثابت ہے یا نہیں؟ اس کو چھوڑ کر دوسری مناجات بھی پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۹۲۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ہر ترویحہ میں تسبیح وتہلیل ودُرود شریف واستغفار وغیرہ درست ہے، کوئی خاص مناجات ضروری نہیں ہے۔ سبحان ذي الملك والملكوت إلخ کو شامی وغیرہ نے نقل کیا ہے، اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے اور کلمہ سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ إلخ کا تکرار کرنا زیادہ اچھا ہے[2] فقط (۴/۲۴۸)

تراویح کی چار رکعت کے بعد کیا کرے؟

سوال: (۱۷۱۳) تراویح میں بعد چار رکعت کے جو جلسہ کرتے ہیں اس جلسہ میں تسبیح پڑھنی چاہیے

---

(۱) یجلس نَدبًا بین کلّ أربعة بقدرها وکذا بین الخامسة والوترِ ویُخیّرون بین تسبیح وقراءةٍ وسکوتٍ وصلاةٍ فرادیٰ (الدّرّ المختار) قوله: (بین تسبیح) قال القهستانيّ: فیقال ثلاث مرّاتٍ: سبحان ذي الملك والملكوت إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۳۳، کتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراویح) ظفیر

(۲) یجلس نَدبًا بین کلّ أربعة بقدرها وکذا بین الخامسة و الوترِ و یُخیّرون بین تسبیح وقراءةٍ وسکوتٍ وصلاةٍ فرادیٰ (الدّرّ المختار) قال القهستانيّ: فیقال ثلاث مرّاتٍ: سبحان ذي الملك والملكوت، سبحان ذي العزّة والعظمة والقدرة والکبریاء والجبروت، سبحان الملك الحيّ الّذي لا یموت سبّوحٌ قدّوسٌ ربُّ الملائکة والرّوح، لآ إلٰه إلاّ اللّٰه نستغفر اللّٰه نسألك الجنّة ونعوذ بك من النّار. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۳۳، کتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراویح) ظفیر

یا ساکت بیٹھے رہیں، اور ہر جلسہ میں بعد تسبیحات کے دعا مانگنا بھی ضروری ہے یا نہیں؟ بعض جگہ اس کا رواج ہے کہ ہر جلسہ میں تسبیح کے بعد دعا ضرور مانگتے ہیں، اور تارک پر ملامت کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ (۲۵۹۷/۱۳۴۱ھ)

الجواب: تسبیحات جو ماثور ہیں پڑھیں خاموش نہ رہیں، اور ہر ترویحہ میں دعا مانگنا ضروری نہیں ہے[۱] اور جب کہ اس کو ضروری سمجھا جاوے اور تارک پر ملامت ہو تو پھر ترک کرنا لازم ہے۔ كما صرّح به الفقهاء[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۶/۴)

ترویحہ میں دعا مانگنا جائز ہے

سوال: (۱۷۱۴) ہر چوتھی تراویح کے بعد دعا مانگنی جائز ہے کہ مسنون؟ (۲۲۱۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: تراویح کی ہر چہار رکعت کے بعد دعا مانگنا تسبیح وتہلیل و درود شریف پڑھنا جائز اور مستحب ہے، جو کچھ کرے بہتر ہے، کسی خاص امر کی ضرورت اور تخصیص نہیں ہے[۳] لیکن تسبیح جیسے سبحان ذي الملك والملكوت إلخ یا سبحان الله و الحمد لله ولآ إله إلاّ الله والله أكبر پڑھتے رہنا زیادہ اچھا ہے، اور معمول اکابر ہے[۴] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۱/۴)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) قال الطّيبي: من أصرّ على أمر مندوبٍ و جعله عزمًا و لم يعمل بالرّخصة فقد أصاب منه الشّيطان من الإضلال. (مرقاة المفاتيح: ۲۶/۳، كتاب الصّلاة، باب الدّعاء في التّشهّد الفصل الأوّل، رقم الحديث: ۹۴۶) ظفیر

(۳) ويستحبّ الجلوس بين التّرويحتين قدر ترويحة إلخ ثمّ هم مخيّرون في حالة الجلوس إن شاء وا سبّحوا وإن شاء وا قعدوا ساكتين. (الفتاوى الهندية: ۱۱۵/۱، كتاب الصّلاة، الباب التّاسع في النّوافل، فصل في التّراويح) ظفیر

(۴) يجلس نَدبًا بين كلّ أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة و الوترِ و يُخيّرون بين تسبيح و قراءةٍ وسكوتٍ وصلاةٍ فرادیٰ (الدّرّ المختار) قوله: (بين تسبيح) قال القهستانيّ: فيقال ثلاث مرّاتٍ: سبحان ذي الملك و الملكوت إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۳۳/۲، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراويح) ظفیر

ترویحہ میں مناجات ونوافل پڑھنا جائز ہے

سوال: (۱۷۱۵) درتراویح بعد ترویحہ مناجات ونوافل جائز است یا نہ؟ (۵۴۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: درتراویح بعد ہر ترویحہ دعا ومناجات وذکر وتسبیح وتہلیل ودرود شریف ونوافل ہمہ جائز است[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۰/۴-۲۹۱)

ترجمہ سوال: (۱۷۱۵) تراویح میں ترویحہ کے بعد مناجات ونوافل جائز ہے یانہیں؟

الجواب: تراویح میں ہر ترویحہ کے بعد دعا ومناجات وذکر وتسبیح وتہلیل ودرود شریف ونوافل سب جائز ہے۔

ہر ترویحہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا درست ہے یانہیں؟ اور منع کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۷۱۶)......(الف) تراویح کے ہر ترویحہ میں بعد تسبیح وتہلیل کے امام اور مقتدیوں کا ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا یا صرف مقتدی کا ہاتھ اٹھا کر ہر ترویحہ میں دعا مانگنا جائز ہے یانہیں؟ یا بعد ختم تراویح دعا مانگنا چاہیے؟

(ب) جو حافظ برابر عادۃً ہر ترویحہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہو اس کو ممانعت [بالجبر][2] کرنا جائز ہے یانہیں؟

(ج) اگر کوئی حافظ ہر ترویحہ میں دعا بہ ایں خیال نہ مانگتا ہو کہ اس کا ثبوت نہیں ہے، اس سے مقتدیوں کا فرمائش کرنا کہ دعا ضرور مانگیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، حافظ کا خلافِ امر مقتدیان کرنا موجب عدم جماعت تراویح وباعث رنجش عوام ہے، تو ایسی صورت میں حافظ موصوف کو کیا کرنا چاہیے؟ (۳۶۰/۱۳۴۳ھ)

---

(۱) حوالہ؛ سابقہ جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں [بالجبر] کی جگہ ''بالجہر'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

الجواب: (الف) تراویح کے ہر ایک ترویحہ میں تسبیح وتہلیل وغیرہ ادعیہ ماثورہ کا پڑھنا منقول ہے[1] اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا صرف بعد ختم جملہ تراویح یعنی بیس رکعت معمول ہے، پس ایسا ہی کرنا چاہیے۔ کما ورد وما راٰہ المؤمنون حسنًا فهو عند الله حسنٌ[2]

(ب) ظاہر یہ ہے کہ اس کو تشدّد سے منع نہ کیا جاوے۔

(ج) حافظ موصوف کو اس صورت میں مقتدیوں کا کہنا ماننا ضروری نہیں ہے، اور نہ مقتدیوں کو اپنے امام کو ایسا حکم کرنا چاہیے، کیونکہ امام متبوع ہوتا ہے نہ تابع۔ کما ورد في الحديث: إنّما جعل الإمام ليؤتمّ به الحديث[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۹/۴)

---

(۱) يجلس نَدبًا بين كلّ أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة و الوترِ ويُخيّرون بين تسبيح وقراءةٍ وسكوتٍ وصلاةٍ فرادٰى (الدّرّ المختار) قوله: (بين تسبيح) قال القهستانيّ: فيقال ثلاث مرّاتٍ: سبحان ذي الملك والملكوت إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۳۳/۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاةُ التّراويح) ظفیر

(۲) عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: إنّ الله نظر في قلوب العباد ، فوجد قلب محمّدٍ صلّى الله عليه وسلّم خير قلوب العباد، فاصطفاه لنفسه ، فابْتَعثه برسالته ، ثمّ نظر في قلوب العباد بعد قلب محمّد ، فوجد قلوب أصحابه خير قلوب العباد ، فجعلهم وزراءَ نبيه، يقاتلون على دينه ، فما رأى المسلمون حسنًا ، فهو عند الله حسن ، وما رأوا سيّئًا ، فهو عند الله سيّء. (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۸۴/۶، رقم الحديث: ۳۶۰۰، المطبوعة: مؤسّسة الرّسالة، بيروت)

قال العجلوني في كشف الخفاء : أخرجه البزّار والطّيالسيّ والطّبراني وأبونعيم والبيهقيّ في الاعتقاد عن ابن مسعود رضي الله عنه ...... وقال الحافظ ابن عبد الهادي: رُوي مرفوعًا عن أنس رضي الله عنه بإسناد ساقط ، والأصحّ وقفه على ابن مسعود رضي الله عنه انتهٰى. (كشف الخفاء ومزيل الإلباس: ۲۴۵/۲، رقم الحديث: ۲۲۱۴، المطبوعة: مؤسّسة الرّسالة، بيروت)

(۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم :إنّما جعل الإمام الحديث. (مشكاة المصابيح، ص:۸۱، كتاب الصّلاة ، باب القراءة في الصّلاة، الفصل الثّاني)

ترویحہ کی تسبیح پست آواز سے پڑھنا بہتر ہے

سوال: (۱۷۱۷) تراویح کی ہر چہار رکعت میں جو تسبیح پڑھی جاتی ہے، سبحان ذي الملك والملكوت إلخ ، امام اور مقتدی جہراً پڑھیں یا سراً؟ یا امام ومقتدیوں کے حکم میں کچھ فرق ہے؟
(۲۴۶۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: تسبیح مذکور بہ اخفاء پڑھنا بہتر ہے، جہر کرنا خصوصًا جہر مفرط کرنا نہ چاہیے، امام بھی بہ اخفاء پڑھے اور مقتدی بھی بہ اخفاء پڑھیں۔ کما في الحديث: أيّها النّاس! أربَعوا على أنفسكم ، فإنّكم لاتدعون أصمّ ولا غائبًا الحديث [(۱)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۶۳)

ترویحہ میں بہ آواز بلند تسبیح وتہلیل اور درود شریف پڑھنا اچھا نہیں

سوال: (۱۷۱۸) نماز تراویح میں ہر چہار رکعت کے بعد بیٹھ کر چند منٹ صلوات پکارا جاتا ہے عندالحنفیہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۵۹۳/۱۳۳۸ھ)

الجواب: نماز تراویح میں ہر چہار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھنا اور تسبیح وتہلیل ودرود شریف وغیرہ پڑھنا مستحب ہے [(۱)] ہر ایک شخص تسبیح وتہلیل وغیرہ پڑھتا رہے، مل کر اور آواز ملا کر پڑھنا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ اچھا نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۶۶-۲۶۷)

ہر ترویحہ میں وعظ ونصیحت کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۷۱۹) کیا تراویح کے ترویحہ میں بجائے تسبیح کے لقمان کی نصیحتیں، تذکرہ دربیان ادب استاد، وذکرِ دوزخ وبہشت وغیرہ وغیرہ کا بیان کرنا درست ہے؟ (۲۳۱۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: یہ بھی درست ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ وقت تسبیح وغیرہ میں گذارے [(۱)] فقط (۴/۲۷۲)

سوال: (۱۷۲۰) عام طور پر مساجد میں نماز تراویح میں ہر چہار رکعت کے بعد تسبیح پڑھی

(۱) اس حدیث شریف کی تخریج جلد ہذا کے سوال: (۱۶۷۶) کے حاشیہ:۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

جاتی ہے، مگر ایک مسجد میں اس کے برخلاف اس قلیل عرصے میں وعظ کہا جاتا ہے، آیا دونوں امر جائز ہیں؟ (۱۳۲۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: ہر چہار رکعت تراویح کے بعد مشروع و مستحب یہ ہے کہ تسبیح وتہلیل درود شریف وغیرہ پڑھیں، اگر ضروری وعظ بھی کبھی ہو جاوے جس کی ضرورت ہو تو کچھ مضائقہ نہیں؛ مگر التزام اس کا کہ ہر ترویحہ میں ضرور وعظ کہا جاوے اچھا نہیں ہے۔ كما قال في الدّرّ المختار: ويخيّرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادیٰ إلخ [1] (الدّرّ المختار) فقط (۴/۲۵۴)

نماز تراویح اور وتر کے بعد دعا مانگنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۷۲۱) بعد نماز تراویح دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اور رمضان شریف میں وتر پڑھ کر دعا مانگنا ثابت ہے یا نہیں؟ (۱۲۶۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: بعد ختم تراویح دعا مانگنا درست ہے، اور مستحب ہے اور معمول سلف وخلف ہے، پھر وتر کے بعد دعا ضروری نہیں ہے، ایک بار کافی ہے، یعنی ختم تراویح کے بعد کافی ہے۔ فقط (۴/۲۵۳)

تراویح میں قرآن سننے سے قرآن کا ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۷۲۲) زید کہتا ہے کہ نماز تراویح کے اندر دو چیزیں ہیں اوّل قراءت جو فرض ہے، دوم سنت مؤکدہ، جب تراویح کے اندر قرآن شریف پڑھا گیا تو دونوں چیزوں میں سے صرف ایک چیز کا ثواب حاصل ہوا، یعنی اگر سنت مؤکدہ کا ثواب حاصل کیا تو قراءت کے ثواب سے محروم رہا، بعد نماز تراویح اسی وقت کسی سے قرآن پڑھوا کر سن لیا جائے؛ تاکہ دونوں کا ثواب حاصل ہو جائے، زید اسی قسم کے مسائل پر عمل کرنے کی تاکید کرتا ہے آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ (۲۰۷۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: یہ قول اس کا غلط ہے، تراویح میں قرآن شریف پڑھنے سے قرآن شریف کا بھی ثواب تالی (تلاوت کرنے والے) وسامعین کو ہوتا ہے، اور جو شخص ایسے مسائل بیان کرتا ہے اور ان پر مصر ہے، وہ لائق امام بنانے کے نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۴۸-۲۴۹)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۳۳، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراويح.

تراویح میں گھر کے اندر محرم وغیر محرم عورتوں کی اقتداء درست ہے

سوال: (۱۷۲۳) شخصے فرض نماز عشاء بہ جماعت در مسجد در ماہ رمضان ادا نمودہ، تراویح و وتر درخانہ خود می خواند، و در تراویح ختم قرآن می خواند، بعض زنان محرمات وے و بعض زنان غیر محرمات در آں خانہ آمدہ زیر اقتدائے آں حافظ تراویح و وتر ادا می نمایند؛ ایں اقتداء جائز ست یا نہ؟ (۲۷۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: بوجود زنان محرم کراہت مرتفع می شود۔ کما یظهر من عبارة الدّرّ المختار (۱) وفي ردّ المحتار: وأفاد أنّ المراد بالمحرم ما كان من الرّحم إلخ (۲) فقط (۲۵۰/۴-۲۵۱)

ترجمہ سوال: (۱۷۲۳) رمضان میں ایک شخص نماز عشاء با جماعت مسجد میں ادا کر کے تراویح اور وتر اپنے گھر میں پڑھتا ہے، اور تراویح میں ختم قرآن کرتا ہے، چند محرم خواتین اور چند غیر محرم خواتین اس گھر میں آ کر اس حافظ کی اقتداء میں تراویح اور وتر ادا کرتی ہیں؛ یہ اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: محرم خواتین کے موجود ہونے کی وجہ سے کراہت مرتفع ہوگئی، جیسا کہ درمختار کی عبارت سے ظاہر ہے۔

عورتیں مرد کی اقتداء پردہ یا دیوار کے پیچھے کر سکتی ہیں

سوال: (۱۷۲۴) اگر کوئی امام نماز فرض یا تراویح پڑھاتا ہو، اور مستورات کسی پردے یا دیوار کے پیچھے فاصلے سے مقتدی بن کر نماز پڑھیں تو عورتوں کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور امام کی نماز میں کچھ خلل تو نہیں پڑتا؟ (۱۵۹۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) كما تُكرهُ إمامةُ الرّجل لهنّ في بيتٍ ليس معهنّ رجلٌ غيرُه ولا محرمٌ منه كأختهٖ أو زوجتهٖ أو أَمتهٖ، أمّا إذا كان معهنّ واحدٌ ممّن ذُكِرَ أو أمّهنّ في المسجد لا يكره. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۳/۲-۲۶۴، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب: إذا صلّى الشّافعيّ قبل الحنفيّ هل الأفضل الصّلاة مع الشّافعيّ أم لا؟) ظفیر

(۲) ردّ المحتار: ۲۶۴/۲، باب الإمامة، مطلب: إذا صلّى الشّافعيّ قبل الحنفيّ إلخ.

الجواب: ان مستورات کی نماز درست ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۶۱-۲۶۲)

تراویح میں عورتوں کی جماعت مکروہ ہے

سوال: (۱۷۲۵)......(الف) چند عورتیں حافظ قرآن مجید یہ چاہتی ہیں کہ تراویح میں قرآن مجید اپنی جماعت سے ختم کریں ان کا یہ فعل کیسا ہے؟

(ب) عیدین کی نماز بھی چند عورتیں جماعت سے پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟ کیا عورت عورتوں کی امام بن سکتی ہے یا نہیں؟ (۱۲۲۱/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف -ب) عورتوں کی جماعت اس طرح کہ عورت ہی امام ہو مکروہ ہے، خواہ تراویح کی جماعت ہو یا غیر تراویح کی، سب میں عورت کا امام ہونا عورتوں کے لیے مکروہ ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۶۵-۲۶۶)

عورتیں وتر کی جماعت نہ کریں

سوال: (۱۷۲۶) وتر کی جماعت عورتیں کریں یا نہیں؟ (۴۲۳/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: وتر کی جماعت عورتیں نہ کریں[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۹۹-۳۰۰)

تراویح کی ہر دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۷۲۷) تراویح کی نماز اس طرح پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً اوّل رکعت میں

---

(۱) والحائل لا يمنع الاقتداء إن لم يشتبه حال إمامه بسماع أو رؤية ولو من باب مشبك يمنع الوصول (الدّرّ المختار) قوله: (بسماع) أي من الإمام أو المكبّر، قوله: (أو رؤية) ينبغي أن تكون الرّؤية كالسّماع ، لا فرق فيها بين أن يرى انتقالات الإمام أو أحد المقتدين . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۲۸۷، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة) ظفیر

(۲) ويُكره تحريمًا جماعةُ النّساء ولو في التّراويح (الدّرّ المختار) أفاد أنّ الكراهةَ في كلّ ما تشرع فيه جماعة الرّجال فرضًا أو نفلاً. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۶۲، باب الإمامة ، مطلب: إذا صلّى الشّافعيّ قبل الحنفيّ هل الأفضل الصّلاة إلخ) ظفیر

سورۂ تکاثر، دوسری میں سورۂ اخلاص، یا پہلی میں سورۃ العصر دوسری میں سورۂ اخلاص؟ (۳۳۴/۱۳۳۵ھ)

الجواب: تراویح کی نماز اس طرح بھی ہو جاتی ہے، مگر اس کو لازم نہ سمجھا جاوے اور پابندی اس کی نہ کی جاوے، بالترتیب اگر ہر ایک رکعت میں ایک سورت پڑھ دی جاوے یہ اچھا ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۱/۴)

تراویح کی ہر رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۷۲۸) بعض لوگ تراویح میں یہ مقرر کر لیتے ہیں کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ معہ سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں، یہ کراہت سے خالی ہے یا نہ؟ (۱۵۲۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: شامی نے لکھا ہے: واختار بعضهم سورةَ الإخلاص في كلّ ركعةٍ إلخ [۲] اس سے معلوم ہوا کہ اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۶/۴)

تراویح میں تین بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھنا مکروہ نہیں

سوال: (۱۷۲۹) در تراویح سہ بار ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ خواندن جائز است یا مکروہ؟

(۵۴۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: در تراویح سہ بار ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ خواندن مکروہ نیست[۳] البتہ لازم پنداشتن آں مکروہ خواہد شد، پس التزام آں نباید کرد۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۰/۴-۲۹۱)

---

(۱) ثمّ بعضهم اختار ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ في كلّ ركعةٍ، وبعضهم اختار قراءةَ سورةِ الفيل إلى آخر القرآن، وهٰذا أحسن القولين، لأنّه لا يَشْتَبِهُ عليه عددُ الرّكعات ولا يَشتغلُ قلبهُ بحفظها، كذا في التّجنيس. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۸، كتاب الصّلاة، الباب التّاسع في النّوافل، فصل في التّراويح) ظفیر

(۲) ردّ المحتار: ۲/۴۳۵، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراويح.

(۳) ولا يكره تكرار السّورة في ركعةٍ أو في ركعتين في التّطوّع لأنّ بابَ النّفل واسعٌ —— إلى قوله —— فدلّ على جواز التّكرار في التّطوّع. (غنية المستملي، ص:۳۰۸، فصل في صفة الصّلاة)

==

ترجمہ سوال: (۱۷۲۹) تراویح میں تین مرتبہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ پڑھنا جائز ہے یا مکروہ؟

الجواب: تراویح میں تین بار ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ پڑھنا مکروہ نہیں ہے، البتہ اس کو لازم سمجھنا مکروہ ہوگا، پس اس کا التزام نہ کرنا چاہیے۔

تراویح کی نماز گھر میں با جماعت ادا کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۷۳۰) تراویح کی نماز گھر میں با جماعت ادا کرنا اور مسجد میں نہ جانا کیسا ہے؟
(۵۳۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس صورت میں یہ حکم ہے کہ مسجد میں ادا کریں، وظاهر كلامهم هُنا أنّ المسنونَ كفايةُ إقامتِها بالجماعة في المسجد حتّى لو أقاموها جماعةً في بيوتهم ولم تقم في المسجد أثِم الكلُّ، كذا في الشّامي [1] (لیکن اگر کوئی جماعت سے اس طرح پڑھے کہ مسجد کی جماعت بند نہ ہو تو یہ درست ہے، مگر یہ لوگ مسجد کی فضیلت سے محروم رہیں گے ردّالمحتار: ۴۳۱/۲ میں ہے: وإن صلّى أحدٌ في البيت بالجماعة لم ينالوا فضلَ جماعةِ المسجد. ظفیر) (۲۵۱/۴)

تراویح کی فوت شدہ رکعتیں کب پڑھے؟

سوال: (۱۷۳۱) ایک آدمی مسجد میں اس وقت داخل ہوا کہ نماز عشاء کے فرض ہو چکے تھے، اور تراویح میں سے دو یا چار رکعت ہونے کے بعد شامل ہوا تو اب بقیہ تراویح کس طرح پوری کرے، آیا جب امام ہر چہار رکعت پر بیٹھے اس وقت موقع پا کر یا جب امام بیسوں رکعت پوری کر چکے، دریں حالت وتر با جماعت پڑھے یا بقیہ تراویح پوری کرنے کے بعد؟ (۹۰۱/۱۳۳۵ھ)

= = وقراءة ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ ثلاثَ مرّاتٍ عند ختم القرآن لم يَستحسنها بعضُ المشائخ وقال الفقيه أبو اللّيث: هٰذا شيءٌ استحسنه أهل القرآن وأئمّة الأمصار فلا بأس به إلّا أن يكون الختم في المكتوبة فلا يزيد على مرّة. (غنية المستملي، ص: ۴۲۸، فصل في بيان أحكام زلّة القاري) ظفیر

(۱) ردّ المحتار: ۴۳۱/۲، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاة التّراويح.

الجواب: اگر درمیان میں موقع ملے امام کے ترویحہ میں بیٹھنے کے وقت اس وقت پڑھ لے، ورنہ امام کے ساتھ وتر باجماعت پڑھ کر پیچھے پوری کر لے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۱/۴-۲۵۲)

جس کی بعض تراویح رہ گئی ہے وہ پہلے وتر امام کے ساتھ پڑھے پھر باقی تراویح پڑھے

سوال: (۱۷۳۲) زید کہتا ہے کہ جس شخص کی بعض تراویح باقی ہوں، وہ امام کے ساتھ وتر پڑھ سکتا ہے، بعد وتر پڑھنے کے پھر تراویح باقی ماندہ کو پوری کرے، عمر کہتا ہے کہ پہلے تراویح باقی ماندہ کو پوری کرے، پھر وتر پڑھے، جب تک تراویح پوری نہ ہوں وتروں میں امام کے ساتھ شریک نہ ہو، درمختار وغیرہ میں وقت تراویح بعد العشاء بیان کیا ہے، خواہ قبل وتر ہو خواہ بعد وتر، شارح ہدایہ نے اسی قول کی تصدیق کی ہے، شامی میں بھی اسی قول کی تصدیق ہے، تحقیق مسئلہ کیا ہے؟

(۸۷۰/۱۳۳۶ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: فلو فاتَهُ بعضُها وقام الإمام إلى الوتر أوتر معه ثمّ صلّى مافاتَهُ[2] یعنی اگر بعض تراویح اس کی رہ گئی اور امام وتر کے لیے کھڑا ہوا، تو وتر امام کے ساتھ پڑھ لیوے، بعد وتر کے باقی تراویح پوری کر لے، اور نیز درمختار میں ہے: و وقتُها بعدَ صلاةِ العشاء إلى الفجر قبل الوتر وبعدَهُ في الأصحّ[3] اس کا حاصل یہ ہے کہ وقت تراویح کا نماز عشاء کے بعد ہے، فجر تک وتر سے پہلے اور پیچھے اصح مذہب میں، پس جب کہ اصح ہونا اس کا معلوم ہوا تو اب جائے تردد کچھ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۰/۴)

---

(۱) وإذا فاتتْهُ ترويحةٌ أو ترويحتانِ فلو اشتغل بها يَفوتُهُ الوترُ بالجماعة يَشتغلُ بالوتر ثمّ يُصلّي ما فاتَهُ من التّراويح ، وبهِ كان يُفتي الشّيخُ الإمامُ الاستاذُ ظهيرُ الدّين .... كذا في الخلاصة . (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۷، كتاب الصّلاة ، الباب التّاسع في النّوافل ، فصل في التّراويح) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۳۱، كتاب الصّلاة ، مبحث: صلاة التّراويح .

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۳۰، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاة التّراويح .

سوال: (۱۷۳۳) شخصے کہ از بعض تراویح فوت شدہ بود، و در بعض آں اقتداء بہ امام کرد، چوں امام برائے خواندن وتر برخاست شخص مذکور را بناء بر مذہب حنفی چہ حکم است؟ آیا اوّلاً وتر بدیں امام برخواند و بعد ازاں تراویح فائتہ را، یا نخستین تراویح متروکہ بخواند، و بعد ازاں وتر را تنہا ادا نماید، ازیں دو صورت اولیٰ و افضل کدام است؟ (۱۳۳۹/۱۷۴۸ھ)

الجواب: جوابِ اصل سوال ایں است کہ بہ صورت مذکورہ شخص مذکور اوّلاً وتر بہ جماعت گذارد و بعد ازاں تراویح باقی ماندہ ادا نماید۔ لكي تحصل له فضيلة جماعة الوتر في رمضان كما رجّحه الكمال وعليه عملنا وعمل مشائخنا . وقال في ردّ المحتار في شرح قول الدّرّ المختار: (وهل الأفضل في الوتر الجماعةُ أم المنزلُ؟ تصحيحان) رجّح الكمالُ الجماعةَ بأنّهٗ صلّى الله عليه وسلّم كان أوترَ بهم ثمّ بيّن العذرَ في تأخّرهٖ مثلَ ما صَنَعَ في التّراويح ، فالوترُ كالتّراويح فكما أنّ الجماعة فيها سنّة فكذٰلك الوترُ، بحر . وفي شرح المنية: والصّحيح أنّ الجماعة فيها أفضل إلخ [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۰/۴)

ترجمہ سوال: (۱۷۳۳) ایک شخص کی کچھ تراویح فوت ہوگئی اور کچھ تراویح امام کی اقتداء میں ادا کی؛ جس وقت امام وتر پڑھانے کے لیے کھڑا ہوتو شخص مذکور کے متعلق حنفی مذہب کی بناء پر کیا حکم ہے؟ آیا پہلے وتر اس امام کے ساتھ پڑھے اور اس کے بعد فوت شدہ تراویح پڑھے یا پہلے فوت شدہ تراویح پڑھے اور اس کے بعد اپنے وتر تنہا ادا کرے، ان دو صورتوں میں اولیٰ اور افضل صورت کیا ہے؟

الجواب: اس سوال کا اصل جواب یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں شخص مذکور پہلے وتر با جماعت ادا کرے، اس کے بعد فوت شدہ تراویح ادا کرے، تاکہ رمضان میں وتر با جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے، جیسا کہ علامہ کمال نے اس کو راجح قرار دیا ہے، اور اسی پر ہمارا اور ہمارے مشائخ کا عمل ہے، جیسا کہ شامی میں ہے: رجّح الكمالُ الجماعةَ إلخ .

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۳۸/۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، قبيل باب إدراك الفريضة .

جو لوگ تراویح کی جماعت شروع ہونے کے بعد مسجد میں آئے وہ کس طرح نماز پڑھیں؟

سوال: (۱۷۳۴) دوسہ مرد بعد ادائے نماز فرض کہ امام بہ جماعت تراویح مشغول است، دراں مسجد حاضر شدند، آں اشخاص نماز فرض بہ جماعت ادا نمایند یا علیحدہ علیحدہ خواندہ شامل جماعت شوند، و بازش نماز وتر را با جماعت خوانند یا تنہا؟ (۱۰۷۶/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: تکرار جماعت در مسجد محلّہ مکروہ است، پس آں کسان کہ بعد جماعت فرائض آمدند، نماز فرض علیحدہ خواندہ شامل جماعت تراویح شوند(۱) ووتر بہ جماعت ادا نمایند(۲) الغرض شریک شدن اوشاں را بہ جماعت وتر جائز است۔ کما صرّح بہٖ في الطّحطاوي(۳) فقط (۴/۲۸۲-۲۸۳)

ترجمہ سوال: (۱۷۳۴) دو تین مرد فرض نماز کے ادا ہو جانے کے بعد جب امام تراویح کی جماعت میں مشغول ہے مسجد میں آئے، وہ لوگ فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں یا علیحدہ علیحدہ پڑھ کر جماعت (تراویح) میں شریک ہو جائیں، اور پھر نمازِ وتر کو جماعت کے ساتھ پڑھیں یا تنہا؟

---

(۱) رُوي عن أنس رضي اللّٰہ عنه أنّ أصحابَ رسولِ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم کانوا إذا فاتتهم الجماعةُ في المسجد صلّوا في المسجد فرادیٰ . (ردّ المحتار: ۲/۵۹، کتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في کراهة تکرار الجماعة في المسجد) ظفیر

(۲) وکان رجلٌ قد صلّی الفرضَ وحدَهٗ فلهٗ أن یصلّیها مع ذلك الإمام لأنّ جماعتَهم مشروعةٌ فلهُ الدّخولُ فیها معهم لعدم المحذور . (ردّ المحتار: ۲/۴۳۶، کتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، قبیل مطلب في کراهة الاقتداء فی النّفل علی سبیل التّداعي و في صلاة الرّغائب) ظفیر

(۳) قوله (فلیراجع إلخ) قضیة التّعلیل في المسئلة السّابقة بقولهم لأنّها تبعٌ أن یصلّي الوتر بجماعة في هٰذه الصّورة لأنّهٗ لیس بتبع للتّراویح ولا للعشاء عند الإمام رحمه اللّٰہ تعالٰی انتهٰی حلبي . (حاشیة الطّحطاوي علی الدّرّ المختار: ۱/۲۹۷، کتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، قبیل باب إدراك الفریضة) ظفیر

الجواب: محلہ کی مسجد میں تکرارِ جماعت مکروہ ہے، پس وہ لوگ جو فرائض کی جماعت کے بعد آئے ہیں نماز فرض تنہا پڑھ کر تراویح کی جماعت میں شامل ہو جائیں، اور وتر جماعت کے ساتھ ادا کریں، الغرض ان لوگوں کا وتر کی جماعت میں شریک ہونا جائز ہے، جیسا کہ طحطاوی میں اس کی صراحت ہے۔

تراویح وتر سے پہلے بہتر ہے اور بعد میں جائز ہے

سوال: (۱۷۳۵) تراویح وتر سے پہلے پڑھنی چاہیے یا بعد وتر کے؟ ایک شخص پہلے وتر پڑھ کر پھر تراویح پڑھاتا ہے۔ (۱۵۱۰/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: طریق مشروع دربارۂ تراویح یہ ہے کہ عشاء کے بعد وتر سے پہلے تراویح پڑھ کر پھر وتر پڑھے، لیکن اگر تراویح بعد وتر کے پڑھے تو بھی صحیح ہے، درمختار میں ہے: **ووقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتر وبعده في الأصحّ إلخ**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۸۳-۲۸۴)

تراویح کے متعلق چند سوالات

سوال: (۱۷۳۶) رمضان شریف میں کلام مجید بلا سامع کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ پانی پت ضلع کرنال میں رواج ہے کہ دو حافظ کلام مجید پڑھتے ہیں، دس رکعت میں ایک حافظ اور دس رکعت میں ایک حافظ اس طرح جائز ہے یا نہیں؟ اگر تراویح میں حافظ غلطی سے تیسری رکعت کے واسطے کھڑا ہو گیا اور تیسری رکعت میں یاد آنے کے بعد چوتھی رکعت بھی ادا کی تو یہ چار رکعتیں مانی جاویں گی یا دو؟ اگر دو مانی جاویں گی جیسا کہ اشتہار میں ہے تو آخری دو رکعت میں جو کلام مجید پڑھا ہے اس کو لوٹانے کی ضرورت ہے یا نہ؟ اگر حافظ نے کلام مجید شروع کیا اور کسی وجہ سے درمیان میں ایک دو روز نہ پڑھا مثلاً دس پارہ تک پڑھا بعد اس کے دوسرے حافظ نے پندرہ پارہ تک پڑھ دیا تو اب حافظ سابق جو شروع کرے تو گیارہویں پارہ سے یا سولہویں پارہ سے شروع کرے؟ (۱۳۴۹/ ۱۳۳۵ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۳۰، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاة التّراويح.

الجواب: اگر قرآن شریف خوب یاد ہو بلا سامع کے بھی پڑھنا درست ہے، اگر کہیں بھولا یا شبہ ہوا بعد سلام کے دیکھ لیوے اور اگر غلطی ہوئی تو لوٹا لیوے، مگر بہتر یہ ہے کہ سامع ہوتا کہ اطمینان رہے، اور پانی پت میں جیسا رواج ہے یہاں بھی بعض مساجد میں ایسا ہوتا ہے یہ بھی جائز ہے(۱) اور بہ صورت چار رکعت پڑھنے کے جو قرآن شریف آخر کی دو رکعت میں ہوا، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے(۲) اور جب کہ پہلے حافظ نے دس پارہ پڑھے پھر دوسرے نے پندرہ تک پڑھے تو پہلا

---

(۱) والأفضلُ أن يصلّي التّراويحَ بإمامٍ واحدٍ فإن صلّوها بإمامين ، فالمستحبُّ أن يكون انصرافُ كلّ واحدٍ على كمال التّرويحة ، فإن انصرف على تسليمةٍ لا يستحبّ ذلك في الصّحيح . (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۶، كتاب الصّلاة ، الباب التّاسع في النّوافل ، فصل في التّراويح) ظفير

(۲) مسئلہ کی مکمل وضاحت امداد الفتاویٰ کے حاشیہ میں اس طرح ہے: اگر تراویح میں دوسری رکعت پر قعدہ بھول کر کھڑا ہو جائے تو جب تک تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو بیٹھ جائے، اور باقاعدہ سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرے، اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ کر لیا ہو تو چوتھی رکعت ملا کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرے، لیکن یہ چار رکعت صرف دو رکعت شمار ہوں گی، اور پہلے شفعہ میں جو قرآن پڑھا گیا ہے، اس کا اعادہ کرنا ہوگا کیوں کہ پہلا شفعہ قعدہ اخیرہ ترک کرنے کی وجہ سے فاسد ہو گیا ہے، لہٰذا تراویح میں محسوب نہ ہوگا، اور اس میں پڑھے گئے قرآن کا اعادہ ضروری ہوگا، البتہ تحریمہ استحسانا باقی ہے، اس لیے دوسرا شفعہ صحیح ہو جائے گا، اور اس میں پڑھا ہوا قرآن بھی معتبر ہوگا۔

اور اگر دوسری رکعت پر قعدہ بھول کر کھڑا ہوا تھا اور تیسری رکعت پڑھ کر قعدہ کر کے سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دیا تو تینوں رکعتیں بیکار گئیں، پہلا شفعہ بہ وجہ فاسد ہو جانے کے، اور دوسرا شفعہ بہ وجہ ناتمام رہ جانے کے اور تینوں رکعتوں میں پڑھے ہوئے قرآن کا اعادہ ضروری ہوگا۔

اور اگر دوسری رکعت پر بہ قدر تشہد قعدہ کر کے کھڑا ہوا ہے اور چار رکعت پڑھ کر سلام پھیرا ہے تو چاروں رکعتیں صحیح ہوں گی، اور سب تراویح میں محسوب ہوں گی، اور سجدۂ سہو کی حاجت نہیں ہوگی۔

في شرح المنية: إن صلّى أربع ركعاتٍ بتسليمةٍ واحدةٍ والحال أنّه لم يقعد على ركعتين منها قدر التّشهّد تجزئُ الأربع عن تسليمةٍ واحدةٍ أي عن ركعتين عند أبي حنيفة وأبي يوسف وهو المختار، اختاره الفقيه أبو جعفر وأبو بكر محمّد بن الفضل ، = =

حافظ جب آوے اختیار ہے خواہ سولھویں سے پڑھے یا گیارہویں سے، لیکن اپنا قرآن پورا کرنے کے لیے بہتر ہے کہ گیارہویں سے شروع کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۵۴-۲۵۵)

ایک حافظ کا دس دس رکعت دو مسجدوں میں پڑھانا درست ہے

سوال: (۱۷۳۷) ایک مسجد میں خطیب امام مقرر ہے، تراویح اس قاعدہ سے پڑھاتے ہیں کہ عشاء کے فرض دوسرا شخص پڑھاتا ہے، اور تراویح کی دس رکعت میں سوا پارہ حافظ صاحب پڑھتے ہیں،

= = قال قاضي خان : وهو الصّحيح لأنّ القعدة على رأس الثّانية فرض في التّطوّع فإذا تركها كان ينبغي أن تفسد صلاته أصلاً كما هو قول محمّد وزفر، وهو القياس وإنّما جاز علىٰ قول أبي حنيفة وأبي يوسف استحسانًا فأخذنا بالقياس في فساد الشّفع الأوّل وبالاستحسان في حقّ بقاء التّحريمة وإذا بقيت صحّ شروعه في الشّفع الثّاني : وقد أتمّه بالقعدة فجاز عن تسليمةٍ واحدةٍ ، وقال الفقيه أبو اللّيث: تنوب عن تسليمتين، والصّحيح الأوّل ولوقعد على رأس الرّكعتين جازت عن تسليمتين بالاتّفاق اهـ. (غنية المستملي، ص:۳۵۴، فصل في النّوافل)

وفي الدّرّ المختار: وهي عشرون ركعةً .... بعشر تسليماتٍ فلو فعلها بتسليمةٍ فإن قعد لكلّ شفع صحّت بكراهةٍ وإلّا نابت عن شفع واحدٍ به يفتىٰ اهـ. وفي ردّ المحتار: (قوله:به يُفتىٰ) لم أر مَن صرّح بهٰذا اللّفظ هنا ، وإنّما صرّح بهٖ في النّهر عن الزّاهدي في ما لو صلّى أربعًا بتسليمةٍ واحدةٍ وقعدةٍ واحدةٍ اهـ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۳۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاةُ التّراويح)

وإذا غَلِطَ في القراءة في التّراويحِ فترك سورةً أو آيةً و قرأ ما بعدَها فالمستحبّ لهٗ أن يقرأ المتروكةَ ثمّ المقروءةَ ليكون على التّرتيب ، كذا في فتاوى قاضي خان ، إلخ . (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۸، كتاب الصّلاة ، الباب التّاسع في النّوافل ، فصل في التّراويح)

وفي العالمكيرية: وإذا فسد الشَّفْعُ وقد قرأ فيه لا يعتدُّ بما قرأ فيه، ويُعيد القراءةَ ليحصل له الختمُ في الصّلاة الجائزة ، وقال بعضهم: يعتدّ بها كذا في الجوهرة النّيّرة. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۸، كتاب الصّلاة، الباب التّاسع في النّوافل، فصل في التّراويح) سعید احمد عفا اللہ عنہ

(امداد الفتاوی: ۱/۴۹۷-۵۰۰، كتاب الصّلاة ، باب النّوافل ، فصل في التّراويح) محمد امین پالن پوری

باقی تراویح کو سورۂ تراویح؛ جماعت والوں میں سے ایک شخص پڑھاتے ہیں، اس کے بعد وہ حافظ صاحب دوسری مسجد میں جا کر وہی سوا پارہ دس رکعت تراویح میں پڑھاتے ہیں یہ صورت جائز ہے یا نہ؟ (۱۵۷۲/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: قال في العالمكيرية: إمام يصلّي التّراويح في مسجدَين في كلّ مسجدٍ على الكمال لا يجوز، كذا في محيط السّرخسيّ [۱] اس روایت سے معلوم ہوا کہ دس دس تراویح دو مسجدوں میں پڑھانا درست ہے، مگر کچھ لینا بہ معاوضہ قرآن شریف ختم کرنے کے درست نہیں ہے۔ کما ورد: اقرؤا القرآن ولا تأكلوا به [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۱/۴)

ایک حافظ کا بیس بیس رکعت دو مسجدوں میں پڑھانا مکروہ ہے

سوال: (۱۷۳۸) بعض حافظ ایسا کرتے ہیں کہ مسجد میں تراویح پڑھا کر آتے ہیں پھر اسی وقت دوسری مسجد میں بھی پڑھا دیتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ (۱۷۷۸/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس کو مکروہ لکھا ہے، اگر چہ تراویح ہو جاتی ہیں۔ فقط واللہ اعلم (۲۵۹/۴)

وضاحت: ایک امام کا دو مسجدوں میں پوری پوری تراویح پڑھانا مکروہ ہے، مگر تراویح ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض مشائخ کے نزدیک ہو جاتی ہے اور بعض کے نزدیک دوسری مسجد والوں کی نماز درست نہیں ہوتی، یہی راجح اور مفتی بہ قول ہے، مگر حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے پہلے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

ولو أمّ في التّراويح مرّتين في مسجدٍ واحدٍ كره ــــ إلٰى قولهٖ ــــ وإن (صلّى) في مسجدين اختلف (المشائخ) فيه حُكي عن أبي بكرٍ الإسكاف أنّه لا يجوز، يعني لايجوز تراويح أهل المسجد الثّاني، واختاره أبو اللّيث، وقال أبو نصر: يجوز لأهل

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۶، كتاب الصّلاة، الباب التّاسع في النّوافل، فصل في التّراويح.

(۲) عن عبد الرّحمن بن شِبْلٍ الأنصاريّ رضي الله عنه قال: سمعتُ رسولَ الله صلّى الله عليه وسلّم يقول: اقرءُوا القرآنَ، ولا تَغْلُوْا فيه، ولا تَجْفُوْا عنه، ولا تأكُلوا بهٖ، ولا تَسْتَكْثِرُوْا بهٖ. (شرح معاني الآثار: ۲/۱۲، كتاب النّكاح، بابُ التّزويج علٰى سورة من القرآن)

المسجدين جميعًا إلخ . (غنية المستملي ، ص: ۳۵۳، فصل في النّوافل)

إمام يصلّي التّراويحَ في كلّ مسجدٍ على الكمال لا يجوز ، كذا في محيط السّرخسي والفتوىٰ علىٰ ذلك ، كذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۶، كتاب الصّلاة ، الباب التّاسع في النّوافل ، فصل في التّراويح) محمد امین پالن پوری

ایک مسجد میں تراویح کی دوسری جماعت کرنا درست نہیں

سوال: (۱۷۳۹) ایک مسجد میں تراویح و وتر کی جماعت ہوگئی تو دوسری جماعت کریں یا نہیں؟ (۴۲۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: دوبارہ اس مسجد میں نہ کریں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۹۹-۳۰۰)

ایک امام دو جگہ تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۷۴۰) امام اگر دو جگہ تراویح پڑھاوے، تو ہو جاتی ہے یا نہیں؟

(۳۷۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) دلیل اس کی یہ ہے کہ ایک ہی مسجد میں تراویح کی متعدد جماعتوں کی وہی نوعیت لوٹ آتی ہے، جس سے بچانے کے لیے خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے متفرق طور پر پڑھنے والوں کو ایک امام کی اقتداء پر جمع فرمایا تھا۔ عن عبد الرّحمٰن بن عبد القادر قال : خرجتُ مع عمر بن الخطّاب رضي الله عنه ليلةً في رمضان إلى المسجد فإذا النّاس أوزاع متفرّقون يصلّي الرّجلُ لنفسهٖ و يصلّي الرّجلُ فيصلّي بصلاتهٖ الرّهط ، فقال عمر : إنّي أرىٰ لو جمعتُ هؤلاء على قارئ واحدٍ لكان أمثلَ ، ثمّ عزم فجمعهم على أُبي بن كعب رضي الله عنه (غنية المستملي، ص: ۳۴۷، فصل في النّوافل) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی مسجد میں متعدد جماعتوں کا سلسلہ حسبِ ارشاد فاروقی طریق امثل کے خلاف ہے۔ وقال عليه الصّلاة والسّلام : فعليكم بسنّتي وسنّة الخلفاء الرّاشدين المهديّين ، تمسّكوا بها وعضّوا عليها بالنّواجذ. (مشكاة المصابيح، ص: ۲۹-۳۰، كتاب الإيمان ، باب الاعتصام بالكتاب و السّنّة ، الفصل الثّاني، عن العرباض بن سارية رضي الله عنه) جمیل الرحمٰن

الجواب: دو جگہ تراویح ہو جاتی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۸/۴)

وضاحت: ایک امام کا دس دس یا کم وبیش رکعتیں دو مسجدوں میں پڑھانا درست ہے، مگر پوری پوری تراویح دو مسجدوں میں پڑھانا مکروہ ہے، لیکن نماز ہو جاتی ہے یا نہیں اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، تفصیل سابقہ وضاحت میں ملاحظہ فرمائیں۔ محمد امین پالن پوری

ایک مسجد میں قرآن ختم کر کے دوسری مسجد میں دوسرا ختم کرنا درست ہے

سوال: (۱۷۴۱) بعض حافظ پانچ سات روز میں ایک مسجد میں قرآن شریف تراویح میں پورا ختم کر کے دوسری مسجد میں دوسرا ختم تراویح میں سناتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں؟ اور دوسری مسجد والوں کی تراویح ہو جاتی ہے یا نہیں؟ حافظ لوگ اور بعض عالم اس کو جائز بتلاتے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ حافظ کو ایک ختم سنت ہے، دوسرا ختم نفل ہے، اور مقتدیوں کے واسطے ختم سنت ہے تو سنت والوں کی نماز نفل والے کے پیچھے کیسے ہوگی اس کی تحقیق فرماویں؟ (۳۶۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ایک مسجد میں پانچ سات روز میں قرآن شریف ختم کر کے دوسری مسجد میں دوسرا ختم حافظوں کو کرنا درست ہے، اور دوسری مسجد والوں کی تراویح صحیح ہیں، کیونکہ تراویح کی نماز تمام رمضان شریف میں سنت مؤکدہ ہے، پس دوسری مسجد میں جو حافظ نے تراویح پڑھائی وہ بھی سنت مؤکدہ ہوئی، اور مقتدیوں کی تراویح بھی سنت مؤکدہ ہوئی، لہٰذا دونوں کی نماز متحد ہوئی، علاوہ بریں نفل پڑھنے والے کے پیچھے سنت بھی ہو جاتی ہیں، اور یہ شبہ کہ ختم قرآن شریف ایک بار سنت مؤکدہ ہے، دوسرا اور تیسرا ختم نفل ہے ساقط ہے، کیونکہ اصل نماز امام کی سنت مؤکدہ ہے، ختم کے سنت نہ ہونے سے وہ نماز سنت ہونے سے خارج نہیں ہوئی، اور مقتدیوں کی نماز میں کچھ نقصان نہیں آیا؛ لیکن افضل اور بہتر اس زمانہ میں یہ ہے کہ امام حافظ ایک ختم سے زیادہ تراویح میں نہ پڑھے، تاکہ مقتدیوں کو گراں نہ ہو۔ کما في الدّرّ المختار: لكن في الاختيار: الأفضلُ في زمانـنـا قـدرُ مـا لا يَثْـقُلُ عليهم. وفي الشّامي: ومنهم من استحبّ الختم في ليلة السّابع

والعشرين رجاءً أن ينالوا ليلةَ القدر إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۹۳)

تراویح میں ختم قرآن سنت ہے

سوال: (۱۷۴۲) حافظ کو تراویح میں قرآن سنانا واجب ہے یا مستحب؟ درصورت وجوب اگر کوئی شخص پڑھتے وقت ریاء ونمود سے بچنے کی اپنے میں قوت نہ رکھتا ہو تو اس کو سنانا جائز ہے یا نہ؟ در صورت غیر جواز نہ سنانے سے قرآن شریف کا کوئی حق یا مؤاخذہ اس کے ذمہ باقی رہے گا یا نہیں؟ اگر رہے گا تو چھٹکارہ کی صورت کیا ہے؟ (۱۷۹۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: تراویح میں قرآن شریف پورا سننا اور سنانا سنت و مستجب ہے، اور خوف ریاء وعجب کی وجہ سے چھوڑا نہ جاوے، اور حتی الوسع کوشش حصول اخلاص کی کی جاوے، اور لوجہ اللہ بلا معاوضہ سنایا جاوے، یہ بڑے اجر اور ثواب کا کام ہے اور اس میں فضیلت ہے[2] باقی اگر کسی عذر سے تراویح میں کسی حافظ نے قرآن شریف نہ پڑھا اور ویسے تلاوت کرتا رہتا ہے تو مؤاخذہ سے بری ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۸۶) فقط (۴/۲۴۷-۲۴۸)

تراویح میں پورا قرآن پڑھنا افضل ہے یا سورۂ فیل سے پڑھنا اولیٰ ہے؟

سوال: (۱۷۴۳) تراویح میں پورا قرآن شریف پڑھنا افضل ہے یا سورۂ فیل سے تراویح پڑھنا اولیٰ ہے؟ (۳۰۴/۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۳۳-۴۳۴، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراويح.

(۲) والختمُ مرّةً سنّةٌ، و مرّتين فضيلةٌ، و ثلاثًا أفضلُ، و لا يُترك الختمُ لِكَسَلِ القوم (الدّرّ المختار) أي قراءة الختم في صلاة التّراويح سنّةٌ. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲/۴۳۳-۴۳۴، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراويح) ظفير

الجواب: درمختار میں ہے: والختمُ مرّةً سنّةٌ إلخ ، ولا يُترك الختمُ لِكَسَلِ القوم (۱) (الدّرّ المختار) اس کا حاصل یہ ہے کہ ختم قرآن تراویح میں ایک بار سنت ہے، اور سستیٔ قوم کی وجہ سے اس کو ترک نہ کریں، اسی پر عمل ہے اور یہی معمول بہ ہے، باقی تفصیل شروح میں ہے۔ فقط (۴/۲۸۷)

تراویح میں تین چار بار قرآن ختم کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۷۴۴) تراویح میں حافظ قرآن جو تین چار ختم پڑھتے ہیں یہ کیسا ہے؟ سنت مؤکدہ صرف ایک ختم ہے، باقی کا کیا حکم ہوگا؟ نیز اگر ایک حافظ چند مساجد میں ختم پڑھے تو کیا حکم ہوگا؟ اور دوسری مسجد والوں کو ثواب ختم کا ہوگا یا نہیں؟ (۱۹۲۵/۱۳۴۱ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: والختم مرّةً سنّةٌ ومرّتين فضيلةٌ وثلاثًا أفضلُ إلخ (۱) (ایک مرتبہ قرآن کا ختم کرنا سنت ہے اور دو مرتبہ باعث فضیلت ہے اور تین مرتبہ افضل ہے) اور دوسری مسجد میں بھی دوسرا ختم درست ہے، اور دوسری مسجد والوں کو سنت ختم کا ثواب حاصل ہوگا۔ فقط (۴/۲۷۴)

تراویح میں لمبی قراءت کرنے کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۷۴۵) ایک شخص جماعت تراویح میں یہ اعتراض کرتا ہے کہ لوگ دن بھر کے تھکے ماندے ہوتے ہیں، اس لیے امام کو اتنی لمبی رکعتیں نہ کرنی چاہیے، تو امام کو کیا کرنا چاہیے؟ (۲۰۵۷/۱۳۴۱ھ)

الجواب: امام کو قراءت ہلکی ہی کرنی چاہیے، البتہ ایک دفعہ ختم قرآن شریف تراویح میں ہوجانا سنت ہے، ایک ایک پارہ روز ہوجایا کرے اس سے کم نہ ہو (۲) فقط واللہ اعلم (۴/۲۷۵)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۳۳-۴۳۴، کتاب الصّلاة، مبحث: صلاةُ التّراويح .

(۲) والختمُ مرّةً سنّةٌ ، ومرّتين فضيلةٌ ، و ثلاثًا أفضلُ ، ولا يُترك الختمُ لِكَسَلِ القوم لكن في الاختيار: الأفضل في زماننا قدر ما لا يثقل عليهم و اقرّه المصنّف وغيره. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۳۳-۴۳۴، کتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاةُ التّراويح)

قرآن شریف ختم کر کے الوداعی غزل پڑھنا درست نہیں

سوال: (۱۷۴۶) ستائیس رمضان شریف کو قرآن شریف ختم کر کے غزل الوداع مسجد میں پڑھی جاتی ہے، جائز ہے یا نہیں؟ (۳۷۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: یہ درست نہیں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۸/۴)

شبینہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۷۴۷) ایک شب میں چند حفاظ کا قرآن شریف شبینہ ختم کرنا درست ہے یا نہ؟ (۱۴۵۴/۱۳۳۵ھ)

الجواب: قرآن شریف کو ایسے جلدی پڑھنا کہ حروف سمجھ میں نہ آویں اور مخارج سے ادا نہ ہوں ناجائز ہے، پس اگر شبینہ میں ایسی جلدی ہوگی تو وہ بھی ناجائز ہے۔ کما في الدّرّ المختار: ویجتنبُ المنکراتِ هَذْرَمَةَ القراء ة إلخ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۶/۴)

سوال: (۱۷۴۸) اگر شبینہ یعنی ختم قرآن مجید نفلوں میں جماعت کے ساتھ کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۸۵۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر شبینہ یعنی ختم قرآن جماعت نفل کے ساتھ ہے تو یہ مکروہ ہے، یعنی ناجائز ہے، کیوں کہ نفل کی جماعت تداعی کے ساتھ مکروہ ہے، اور مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے، جو قریب

---

(۱) عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم: من أحدث في أمرنا هذا ما لیس منه فهو ردّ، متّفق علیه. (مشکاة المصابیح، ص:۲۷، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسّنّة، الفصل الأوّل، وصحیح البخاري: ۳۷۱/۱، کتاب الصّلح، باب: إذا اصطلحوا علی صلحٍ جور فهو مردود، والصّحیح لمسلم: ۷۷/۲، کتاب الأقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة و ردّ محدثات الأمور)

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۳۵/۲، کتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراویح.

حرام کے ہے، پس ناجائز کہنا اس کو صحیح ہو گیا، اور تفسیر تداعی کی یہ ہے کہ چار مقتدی ہوں اور تین میں اختلاف ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۴/۴)

سوال: (۱۷۴۹) شبینہ کا کیا حکم ہے؟ (۳۲/۳۶۱-۱۳۳۳ھ)

الجواب: شبینہ اگر قرآن شریف کو صحیح اچھی طرح پڑھنے کے ساتھ ہو، تو عمدہ ہے؛ لیکن جیسا کہ اس زمانے میں ہوتا ہے اکثر سبب معاصی کا ہوتا ہے ترک کرنا چاہیے۔ فقط (۲۸۸/۴)

سوال: (۱۷۵۰) ختم نمودن قرآن شریف بہ یک شب کہ در عرف بہ ختم شبینہ شہرت دارد چیست؟ (۲۹/۲۹۳-۱۳۳۰ھ)

الجواب: در درمختار وردالمحتار گفتہ: ويجتنب المنكراتِ هَذْرَمَةَ القراءة (الدّرّ المختار) قوله: (هَذْرَمَة) بفتح الهاء وسكون الذّال المعجمة وفتح الرّاء: سرعةُ الكلام والقراءة، قاموس[2] (شامي: ۶۳/۱) ازیں عبارت معلوم شد کہ اگر در شبینہ سرعت قراءت بہ حد ہذرمہ باشد؛ مکروہ است کہ ہذرمہ قراءت را از منکرات شمردہ اند۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۸/۴-۲۹۹)

ترجمہ سوال: (۱۷۵۰) قرآن شریف ایک رات میں ختم کرنا، جو عرف میں شبینہ کے نام سے مشہور ہے، کیسا ہے؟

الجواب: درمختار اور ردالمحتار میں کہا گیا ہے: ويجتنب المنكرات هذرمة إلخ . اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر شبینہ میں قراءت کی رفتار بہ حد ہذرمہ ہو تو مکروہ ہے؛ کیوں کہ (فقہاء نے) سرعتِ قراءت کو منکرات میں سے شمار فرمایا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

تراویح میں قرآن جلدی پڑھنا مناسب نہیں

سوال: (۱۷۵۱) بعض حافظ تراویح میں ایسا جلدی قرآن شریف پڑھتے ہیں کہ سوائے

---

(۱) ولا يصلّي الوترَ ولا التّطوّعَ بجماعةٍ خارجَ رمضان أي يُكره ذلك لو على سبيلِ التّداعي بأن يقتدي أربعةٌ بواحدٍ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۳۶/۲-۴۳۷، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في كراهة الاقتداء في النّفل على سبيل التّداعي و في صلاة الرّغائب .

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۳۵/۲، كتاب الصّلاة ، مبحث: صلاةُ التّراويح .

یعلمون اور تعلمون کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا، اور بعض مقتدی بھی ایسا پڑھنے کو بہ وجہ جلدی ختم ہوجانے تراویح کے پسند کرتے ہیں، ان دونوں کا کیا حکم ہے؟ (۱۷۷۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: ویجتنب المنکراتِ هَذْرَمَةَ القراء ة و ترکَ تعوّذٍ و تسمیةٍ وطُمأنینةٍ إلخ [۱] یعنی ختم قرآن میں منکرات سے احتراز کرے۔ یعنی جلدی پڑھنے سے اور اعوذ وبسم اللہ اور اطمینان کے چھوڑنے سے، اس سے معلوم ہوا کہ ایسا جلدی پڑھنا امر منکر ہے، جو بجائے ثواب کے سبب معصیت ہوجاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۷/۴)

حافظ کو تنگ کرنے کے لیے تراویح کے وقت شوروغل جائز نہیں

سوال: (۱۷۵۲) بعض حافظوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو لڑکا نیا محراب سنانے والا ہوتا ہے، اس کے سنانے کے وقت جاکر اس کو گھبرانے اور بھلانے کے لیے زور سے پاؤں پیٹتے اور کھنکھارتے اور کھانستے ہیں، ایسے حافظوں کے لیے کیا حکم ہے؟ (۱۷۷۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: ایسا کرنا جائز نہیں ہے، حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اغلوطات سے منع فرمایا ہے، یعنی جو امور کسی مسلمان کو غلطی میں ڈالیں ان سے احتراز لازم ہے [۲] فقط (۲۵۶/۴)

تراویح میں غلط لقمہ دے کر پریشان کرنا درست نہیں

سوال: (۱۷۵۳) بعض پرانے حافظ نئے حافظ کو تراویح میں لقمہ غلط دے کر پریشان کیا کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ (۱۷۷۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: یہ بھی ان ہی اغلوطات میں سے ہے، جن کی ممانعت حدیث شریف میں آئی ہے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۸/۴)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۳۵/۲ ، کتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاةُ التّراویح .

(۲) عن معاویة رضي اللّٰه تعالٰی عنه قال: إنّ النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم نهٰی عن الأغلوطات رواه أبو داؤد. (مشکاة المصابیح، ص:۳۵، کتاب العلم ، الفصل الثّاني) ظفیر

بھول جانے کی وجہ سے خاموش ہوکر سوچنے یا اِدھر اُدھر سے پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۷۵۴)...... (الف) بعض حافظ پڑھتے پڑھتے بھول جاتے ہیں تو کبھی حالت قیام میں چپ کھڑے ہوکر سوچنے لگتے ہیں، اور کبھی قعدہ میں قبل تشہد یا بعد تشہد سوچنے لگتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ (۱۷۷۸/۱۳۳۵ھ)

(ب) بعض حافظ پڑھتے پڑھتے بھول کر خاموش تو نہیں ہوتے مگر کبھی اس سورت میں اور کبھی اس سورت میں ادھر اُدھر پڑھتے رہتے ہیں، اگر یاد آ گیا تو پھر سیدھے پڑھنے لگتے ہیں اور نہ یاد آیا تو کچھ دیر تک پریشان رہ کر رکوع کر کے نماز ختم کردیتے ہیں، مگر یاد آنے اور نہ آنے دونوں صورت میں وہ سجدہ سہو کرتے ہیں آیا سجدہ سہو کرنا چاہیے یا نہیں؟ (۱۷۷۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: (الف – ب) ان دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو کرلینا چاہیے۔ والحاصلُ أنّه اختلف في التّفكّرِ الموجبِ للسّهو ، فقيل: ما لزم منه تأخيرُ الواجب أو الرّكنِ عن محلّهٖ بأن قطع الاشتغالَ بالرّكن أو الواجب قدرَ أداء ركنٍ و هو الأصحّ ، و قيل: مجرّد التّفكّر الشّاغلِ للقلب و إن لم يقطع المُوالاة إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۵۷-۲۵۸)

نیت باندھ کر لقمہ دینے پھر نیت توڑ دینے کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۷۵۵) بعض حافظ دوسرے حافظ کا پڑھنا نماز سے خارج بیٹھے سنا کرتے ہیں، جب وہ بھول جاتا ہے، تو یہ جلدی سے صف میں یا قریب صف کے نیت باندھ کر اس کو بتادیتے ہیں، اور پھر فوراً نیت توڑ کر بیٹھ جاتے ہیں، بعض حافظ ناخداترس اسی صورت میں کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ بغیر وضو کے یا پانی پر قدرت ہوتے ہوئے تیمّم کر کے نیت باندھ کر بتادیتے ہیں، ان دونوں صورتوں میں لقمہ دینے والے اور لقمہ لینے والے کا کیا حکم ہے؟ (۱۷۷۸/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۴۹۱، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو، تحت قولهٖ: (واعلم أنّه إذا شغله إلخ)

الجواب: اگر نیت باندھ کر بتلاویں گے قاری کی نماز میں کچھ خلل نہ آوے گا[1] مگر اس کو نیت توڑنے کا گناہ ہوگا، اور قضاء لازم ہوگی، اور جو بے وضو بتلایا یا باوجود پانی کے تیمّم کرکے بتلایا اور قاری نے لے لیا، تو اس کی نماز فاسد ہوئی اور مقتدیوں کی بھی نماز فاسد ہوئی۔ فقط (۴/ ۲۵۸)

صرف لقمہ دینے کی نیت سے تراویح میں شرکت کرنے کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۷۵۶) جو شخص نمازِ تراویح میں اس نیت سے شریک ہو کہ امام غلطی کررہا ہے، اس کو بتلا کر علیحدہ ہو جاؤں گا، تو اس نیت سے وہ مقتدی ہوگیا یا نہیں؟ اگر امام کو لقمہ دے کر علیحدہ ہوگیا تو امام کی نماز ہوئی یا نہیں؟ (۳۶۱/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مقتدی ہوگیا اور نماز پوری کرنی اس کے ذمہ لازم ہوگئی، امام تو لقمہ لے لے گا، اسے کیا خبر کہ یہ بتلا کر علیحدہ ہو جاوے گا نماز امام کی ہوگئی، اس نیت سے شریک ہونا برا ہے، وہ نماز اس کے ذمہ پوری کرنی لازم ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۸۸)

تراویح کے وقت خاموش بیٹھے رہنے اور گپ شپ کرنے کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۷۵۷) بعض مقتدی ایسا کرتے ہیں کہ جب حافظ تراویح میں دو تین یا اور زیادہ پارے پڑھتا ہے، تو یہ صف سے دور نماز سے باہر خاموش بیٹھے یا لیٹے رہتے ہیں، یا چپکے چپکے گپ شپ کیا کرتے ہیں، مگر خاموشی کی حالت میں بھی قرآن شریف سننا ان کا مقصود ہرگز نہیں ہوتا، پس ان کو

---

(۱) وإن فتح علی إمامه لم تفسد. (الفتاوی الهندية: ۱/ ۹۹، کتاب الصّلاة، الباب السّابع فيما يفسد الصّلاة و ما يكره فيها، الفصل الأوّل فيما يفسدها، النّوع الأوّل في الأقوال)

(۲) ومن شرع في نافلةٍ ثمّ أفسدها قضاها (إلٰی قوله) ولنا أنّ المؤدّٰی وقع قربةً فيلزم الإتمامُ ضرورةَ صيانته عن البطلان إلخ. (الهداية: ۱/ ۱۴۸، کتاب الصّلاة، باب النّوافل) ظفیر

سننے کا ثواب ملے گا یا کیا؟ اور اس فعل کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ (۱۷۷۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: ظاہر ہے کہ بات چیت کرنا ایسے وقت میں گناہ ہے، اور مبطلِ ثواب ہے[۱] اور چپ لیٹے بیٹھے رہنا اگر چہ بہ نیت سننے کے نہ ہو مگر کان میں آواز آتی ہے تو سننے کا ثواب مل جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۵۸-۲۵۹)

ختم قرآن پر الٓمٓ سے مُفْلِحُوْنَ تک پڑھنا مستحب ہے

سوال: (۱۷۵۸) مولانا عبدالحی نے تراویح میں ﴿هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ تک ختم کرنے کو جائز لکھا ہے، یعنی جب قرآن شریف ختم کرے تو اخیر رکعت میں الف لام میم سے ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھے، اور فتاویٰ عالم گیری میں بھی ترتیب ختم کی ﴿هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ تک لکھی ہے، صحیح اس بارے میں کیا ہے؟ اور ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف منتقل ہونے کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگوں نے ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھنے کو مکروہ کہا ہے۔ (۱۳۳۶/۳۵-۷۸۰ھ)

الجواب: جو کچھ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اس بارے میں لکھا ہے وہی صحیح ہے، فقہاء حنفیہ نے بھی ختم قرآن میں صرف اسی کو مستحب لکھا ہے، کہ سورۂ بقرہ کی شروع کی آیات پر ختم کرے کہ یہ حدیث سے ثابت ہے۔ اس کے سوائے متفرق جگہ کی آیتوں کو پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے۔ كما سيجيء عن شرح المنية: لأنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم قال: خيرُ النّاس الحالُّ المرتحلُ أي الخاتم المُفتتِحِ انتهٰى[۲] (شرح منية كبيري) [اور یہ بھی اس میں ہے: وكذا لو انتقل في الرّكعةِ الواحدةِ من آيةٍ إلٰى آيةٍ يُكره إلخ (شرح منية الكبير)][۳] فقط (۴/ ۲۵۹-۲۶۰)

---

(۱) يجب الاستماع للقراءة مطلقًا (الدّرّ المختار) أي في الصّلاة وخارجها. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۳۷، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة، فروع في القراءة خارج الصّلاة) ظفیر

(۲) غنية المستملي: ص:۴۲۶، فصل في بيان أحكام زلّة القاري. وهٰكذا في الشّامي: ۲/ ۲۳۸-۲۳۹، كتاب الصّلاة، فصل في القراءة، قبيل باب الإمامة.

(۳) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

ختم قرآن کے وقت مُفْلِحُوْنَ کے بعد مختلف آیتیں پڑھنا درست نہیں

سوال: (۱۷۵۹) اکثر حافظ بہ روز ختم قرآن شریف درصلاۃ تراویح بعد ﴿هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ کے مختلف آیات مثل ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ ﴿اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ وغیرہ وغیرہ پڑھتے ہیں، اس کا شرعاً ثبوت ہے یا نہیں؟ (۲۳۲۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: فقہاءؒ نے صرف اس قدر لکھا ہے: إلّا إذا ختمَ فيقرأُ من البقرة إلخ (الدّرّ المختار) وفي الشّامي: قال في شرح المنية: وفي الولوالجية: من يختم القرآن في الصّلاة إذا فرغ من المعوّذتين في الرّكعة الأولٰى يركع ثمّ يقرأ في الثّانية بالفاتحة وشيءٍ من سورة البقرة لأن النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم قال: خير النّاس الحالُّ المرتحل أي الخاتمُ المفتتحُ إلخ[1] پس ماسوا اس کے ثابت نہیں ہے، لہٰذا اصرار اس پر بدعت ومکروہ ہے۔ فقط (۲۷۳/۴)

سوال: (۱۷۶۰) رمضان شریف میں ختم قرآن میں حافظ صاحب انیس رکعتوں میں قرآن پاک ختم کرتے ہیں، اور بیسویں رکعت میں ﴿الٓمّٓ﴾ سے ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھ کر اسی رکعت میں یہ آیات پڑھتے ہیں: ﴿اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (سورۂ اعراف، آیت: ۵۶) ﴿دَعْوَاهُمْ فِيْهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلَامٌ الآية﴾ (سورۂ یونس، آیت: ۱۰) ﴿عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ (سورۂ اَنعام، آیت: ۱۰۰) تک پڑھ کر رکوع کرتے ہیں یہ جائز ہے یا بدعت؟ (۱۱۳۰/۱۳۳۸ھ)

الجواب: یہ تو بعض روایات میں آیا ہے کہ ختم قرآن کے بعد الٓمّٓ سے شروع کرکے چند آیات مثل ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھ دیا جاوے، اور فقہاء نے بھی اس کی اجازت دی ہے، اور یہ مستحب ہے[1] اس کے سوا دیگر آیات کا اس وقت پڑھنا منقول نہیں ہے، لہٰذا ترک کردینا مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۵/۴)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۲۳۸-۲۳۹، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفايةٍ، قبيل باب الإمامة.

تراویح میں قرآن سننے سے انکار کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۷۶۱) یکم رمضان کو حافظ محراب سنانے کے لیے تیار ہوا، ایک مقتدی نے انکار کیا کہ ہم قرآن شریف نہیں سنتے، امام و دیگر مقتدیان نے اسے جواب دیا کہ تم نہیں سنتے ہم سنیں گے، اس پر شخص اوّل نے کہا کہ چھوٹی سورتوں سے پڑھاؤ، شخص معترض توانا وتندرست ہے، اس صورت میں شرعاً کیا ارشاد ہے؟ (۱۵۵۷/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: فقہاء نے ایسا لکھا ہے کہ افضل اس زمانے میں اس قدر پڑھنا ہے تراویح میں کہ مقتدیوں پر بھاری نہ ہو، پس شخص مذکور کے قول کو بھی اسی پر حمل کیا جاوے گا کہ مناسب مقتدیوں کے حال کے سورتوں سے تراویح کا پڑھنا ہے نہ یہ کہ قرآن شریف کے سننے سے انکار ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ تراویح میں پورا قرآن ختم نہ کراؤ، بلکہ سورتوں سے تراویح پڑھو، تو اس میں کچھ قباحت نہیں ہے، درمختار ہے: وفي فضائل رمضانَ للزّاهدي: أفتٰی أبو الفضل الکرمانيّ و الوَبريّ أنّه إذا قرأ في التّراویح الفاتحةَ و آیةً أو آیتین لا یُکره ، و من لم یکن عالمًا بأهل زمانه فهو جاهل إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۶۰-۲۶۱)

تراویح میں دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا اور چار رکعت پوری کر کے سجدۂ سہو کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۷۶۲) اگر امام صلاۃ تراویح میں تیسری رکعت کے واسطے کھڑا ہوگیا اور چاروں پوری کر لی اور دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا تھا، ایسی صورت میں سجدۂ سہو کرنے سے دو رکعت ہوں گی یا چار؟ (۱۶۲۳/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: درمختار و شامی بیان تراویح میں اس کی تصریح ہے کہ ایسی صورت میں دو رکعت تراویح ہوتی ہے۔ فلو فعلها بتسلیمةٍ فإن قعد لکلّ شفع صحّت بکراهة وإلاّ نابت

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۳۴-۴۳۵، کتاب الصّلاة ، باب الوتر و النّوافل ، مبحث: صلاةُ التّراویح .

عن شفع واحدٍ بہٖ یُفتیٰ. قوله: (به یفتیٰ) لم أر من صرّح بهٰذا اللّفظ هنا ، وإنّما صرّح بہٖ في النّهر عن الزّاهدي فیما لو صلّٰی أربعًا بتسلیمةٍ واحدةٍ و قعدةٍ واحدةٍ إلخ [1] (شامی صفحہ ۴۷۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۲/۴)

تراویح میں دو دو رکعت کی نیت کرنی چاہیے

سوال: (۱۷۶۳) تراویح میں دو دو (رکعت) کی نیت کرنا چاہیے یا چار چار کی؟

(۱۳۳۸/۱۷۹۲ھ)

الجواب: تراویح میں دو دو رکعت پر سلام پھیرنا بہتر ہے۔ کما في الدّرّ المختار: (و هي عشرون رکعةً ...... بعشر تسلیماتٍ إلخ [2]) [3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۷/۴)

نمازِ تراویح ایک سلام سے چار رکعت پڑھی جائے تو قعدۂ اولیٰ میں درود اور تیسری رکعت کے شروع میں ثنا وغیرہ پڑھنا چاہیے

سوال: (۱۷۶۴) تراویح میں اگر چار رکعت کی نیت کی جاوے، تو قعدۂ اولیٰ میں بعد تشہد کے درود شریف اور رکعت ثالث میں قبل فاتحہ ثناء پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۳۱۴ھ)

الجواب: چاہیے۔ کما في الدّرّ المختار: وفي البواقي من ذوات الأربع یصلّي علی النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم ویستفتح ویتعوّذ إلخ [4] تراویح اگرچہ سنت مؤکدہ ہے۔ لیکن

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۳۲/۲، کتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مبحث : صلاةُ التّراویح .

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۳۲/۲ ، کتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاةُ التّراویح .

(۳) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۴) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۹۷/۲، کتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل، مطلب في لفظة ثمان .

چار رکعت ایک سلام سے پڑھنا یہ سنت موکدہ نہیں ہے، بہ خلاف ظہر کی چار رکعت سنت کے کہ ان کا ایک سلام سے پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، اور تراویح میں افضل دو دو رکعت پر سلام پھیرنا ہے، درمختار میں ہے: **التّراويح سنّة مؤكّدة لمواظبة الخلفاء الرّاشدين إلخ ، وهي عشرون ركعةً ...... بعشر تسليماتٍ إلخ**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۶۸)

پوری تراویح ایک سلام سے جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۷۶۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جو مرقوم ذیل ہے: زید کہتا ہے کہ بیس تراویح ایک تکبیر اور تسلیم واحد سے جائز ہیں، اور بکر کہتا ہے کہ خلافِ سنت ہے اور مکروہ ہے، اور دلیلیں دونوں کے پاس موجود ہیں۔ (۲۸۱/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: أقول وبالله التّوفيق: مسئلۂ تراویح میں قولِ بکر حق ہے[2] جیسا کہ درمختار میں ہے: **فلو فعلها بتسليمةٍ فإن قعد لكلّ شَفْعٍ صحّت بكراهةٍ. وفي الشّامي: صحّت عن الكلِّ و تُكره إن تعمَّد ، وهذا هو الصّحيحُ إلخ**[3] (شامي: ۱/۶۶۰) فقط (۴/۲۹۷)

سوال: (۱۷۶۶) رمضان میں تروایح کی نماز ایک سلام سے جائز ہے یا نہیں؟

(۱۳۴۳/۲۷۷۶ھ)

الجواب: تروایح اگر ایک سلام سے اس طریقہ پر پڑھی جائیں کہ ہر شفع کے بعد قعود بھی نہیں کیا، تو پھر یہ تمام رکعتیں ایک شفع کے قائم مقام ہوں گی، اور اگر ہر شفع پر قعود کیا ہے تو اگرچہ اس طرح تراویح ادا ہوجاتی ہیں، لیکن یہ فعل کراہت سے خالی نہیں، سنت یہی ہے کہ بیس رکعات دس تسلیمات

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۲۹-۴۳۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر و النّوافل ، مبحث: صلاةُ التّراويح .

(۲) سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ زید بیس رکعات بہ یک سلام کو جائز بلا کراہت کہتا ہے، لیکن یہ کہنا درست نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ جائز مع کراہت ہے۔ جمیل الرحمٰن

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۳۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر و النّوافل ، مبحث: صلاةُ التّراويح .

کے ساتھ ادا کی جائیں، درمختار میں ہے: وهي عشرون ركعةً.........بعشر تسليماتٍ فلو فعلها بتسليمةٍ ، فإن قعد لكلِّ شفعٍ صحّتْ بكراهةٍ وإلاّ نابت عن شفعٍ واحدٍ به يُفتىٰ إلخ (۱) (الدّرّ المختار مع الشّامي جلد أوّل، ص:۴۷۴) وفي البحر: ولا يخفىٰ ما فيه لمخالفةِ المتوارث مع تصريحهم بكراهةِ الزّيادة على ثمانٍ في مطلق التّطوّع ليلاً فلأن يكره هنا أولىٰ إلخ (۲) (بحر الرّائق: جلد أوّل، ص:۷۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۸۰-۲۸۱)

ایک سلام سے بیس رکعت تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی ہے

سوال: (۱۷۶۷) بست رکعت تراویح بہ یک سلام گذاردن جائز است یا نہ؟

(۴۶۲/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: بست رکعت تراویح بہ یک سلام مکروہ تحریمی است۔ (فلو فعلها بتسليمةٍ فإن قعد لكلّ شَفْعٍ صحّت بكراهة وإلاّ نابت عن شفع واحد (۳) شامي: ۱/۶۶۰، جمیل الرحمٰن)

(۴/۳۰۰)

ترجمہ سوال: (۱۷۶۷) بیس رکعت تراویح ایک سلام سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بیس رکعت تراویح ایک سلام سے مکروہ تحریمی ہے۔

تراویح میں ایک دفعہ جہراً بسم اللہ پڑھنے کی وجہ

سوال: (۱۷۶۸) اضلاع پشاور وغیرہ میں بہ وقت ختم تراویح کسی سورت کے اوّل میں بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم کو جہراً نہیں پڑھتے، اور کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ سے جہر ثابت نہیں، اور جزوِ قرآن ہونا جہر کو مستلزم نہیں، حالانکہ علمائے ہندوستان ایک دفعہ جہر کرتے ہیں، اور فتاویٰ مولانا عبدالحی صاحبؒ میں ایک بار جہراً پڑھنا مسنون لکھا ہے، اس کے جہر کی کیا وجہ ہے؟

(۱۶۷۳/۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۳۲، باب الوتر و النّوافل، مبحث: صلاةُ التّراويح .

(۲) البحر الرّائق: ۲/۱۱۸، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل .

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۳۲، باب الوتر و النّوافل، مبحث: صلاةُ التّراويح .

الجواب: جہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایک جگہ اس لیے ہے کہ وہ تمام قرآن کا جزو ہے، اور ایک جگہ بھی جہر نہ ہونے میں سامعین کا قرآن کا سننا پورا نہ ہوگا، پس یہ بناء جہر کی معلوم ہوتی ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ جزو قرآن شریف ہونا جہر کو مستلزم نہیں، مگر چونکہ تمام قرآن شریف کا ختم تراویح میں مسنون ہے؛ اس لیے جہر بالتسمیہ کو بھی سنت کہا گیا ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۶۲-۲۶۳)

تراویح میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ سراً پڑھنا چاہیے

سوال: (۱۷۶۹) ایک مولوی جو حافظ اور قاری بھی ہیں، وہ نماز تراویح میں ہر سورت پر بعد از فاتحہ بسم اللہ جہر سے پڑھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس میں نہ کوئی قباحت ہے، نہ کراہت، بالجہر پڑھنے کے ثبوت میں یوں فرماتے ہیں کہ تراویح میں جیسا کہ تکمیل قرآن قراءۃً مقصود اور سنت مؤکدہ ہے، ویسا ہی تکمیل قرآن سماعۃً بھی مقتدیوں کے حق میں مقصود ہے، لہٰذا تراویح میں جب تک بسم اللہ جہر سے ہر سورت پر نہ پڑھی جاوے گی، اختلاف مقتدیوں کے حق میں رفع نہ ہوگا، اور اختلاف بھی مجتہدین ہی کا نہیں بلکہ ائمہ قراءت کا بھی ہے، آیا ہر سورت پر بعد از فاتحہ تراویح میں بسم اللہ جہر سے پڑھنا کیسا ہے؟ اور تسمیہ میں قاری حنفی کو آیا اپنے ائمہ مجتہدین کا اتباع کر کے بالسر پڑھنا چاہیے یا ائمہ قرأت کی اتباع سے بالجہر پڑھنا چاہیے؟ (۹۲۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: وكما تعوّذ سمّى إلخ سرًّا إلخ ، قوله: (سرًّا إلخ) قال في الكفاية عن المجتبىٰ : والثّالث أنّه لا يجهر بها في الصّلاة عندنا خلافًا للشّافعيّ وفي خارج الصّلاة اختلافُ الرّوايات والمشائخ في التّعوّذ والتّسميّةِ ، قيل: يُخْفِي التّعوّذَ دون التّسميّةِ ، والصّحيحُ أنّه يتخيّر فيهما ، ولكن يَتبع إمامَه من القرّاء وهم يجهرون بهما إلاّ حَمزةَ فإنّه يُخفيهما أهـ (۲) (شامي: ۱/ ۳۲۹) اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے

---

(۱) وهي (أي البسملة) آية واحدة من القرآن كلّه. (الدّرّ المختار مع الرّدّ: ۲/۱۷۰، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب: قراءة البسملة بين الفاتحة و السّورة حسن) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۶۹، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب في بيان المتواتر والشّاذّ .

اندر حنفیہ کے نزدیک بہ اتفاق بسم اللہ کو سراً پڑھنا چاہیے، اس میں حنفیہ میں سے کسی کا خلاف نہیں ہے اور اطلاق صلاۃ شامل ہے نماز فرض اور نفل وتراویح وغیرہ کو، اور یہ بھی اس عبارت سے واضح ہوا کہ اتباع امام من القراء خارج صلاۃ میں ہے نہ صلاۃ میں، اور اس پر ہم نے اپنے اساتذہ علماء احناف کو پایا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۶۴-۲۶۵)

تراویح میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ کا اخفاء سنت ہے

سوال: (۱۷۷۰) زید صلاۃ تراویح میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہر سے پڑھتا ہے، شرعی حکم کیا ہے؟ (۲۳۹۰/۱۳۴۲ھ)

الجواب: حنفیہ کے نزدیک نماز میں بسم اللہ کا جہر نہیں ہے، اخفاء سنت ہے تراویح ہو یا غیر تراویح؛ البتہ خارج عن الصلاۃ جہر و اخفاء میں اتباع اپنے امام کا قرّاء میں سے کرے۔ شامی میں ہے: **والثّالث أنّه لا يجهر بها في الصّلاة عندنا خلافًا للشّافعيّ وفي خارجِ الصّلاة اختلافُ الرّوايات والمشائخ في التّعوّذ والتّسميّةِ ، قيل: يُخْفِي التّعوّذَ دون التّسميّةِ ، والصّحيح أنّه يتخيّر فيهما ، ولكن يَتبع إمامَه من القرّاء وهم يجهرون بهما إلاّ حَمزةَ فإنّه يُخفيهما إلخ**[1] (شامي) باقی اگر کوئی شخص نوافل میں بہ اتباع اپنے امام کے قرّاء میں سے جہر کرلے تو اس پر طعن نہ کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۷۸-۲۷۹)

ہر سورت کے شروع میں بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۷۷۱) کیا کوئی روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کے ساتھ نازل ہوئی ہے، احتیاطاً تراویح میں جہر کے ساتھ ہر سورت کے پڑھی جاوے، علاوہ بسم اللہ کے اگر جہر سے پڑھا تو گنہ گار ہوگا؟ (۲۰۵۵/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اکثر روایات میں یہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت الحمد سے شروع فرماتے تھے

(۱) ردّ المحتار: ۲/۱۶۹، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب في بيان المتواتر والشّاذّ.

اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ کا جہر نہ فرماتے تھے، یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ کا، پس ہر ایک سورت کے ساتھ جہر نہ کرنا چاہیے، صرف تمام قرآن شریف میں ایک دفعہ کسی سورت میں جہر سے پڑھ دیوے والتّفصیل في کتب الفقه[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۶۷-۲۶۸)

تراویح میں سجدۂ تلاوت رکوع میں ادا ہوتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۷۷۲) اگر تراویح میں ختم رکوع پر سجدۂ تلاوت آوے تو رکوع میں سجدہ ادا ہو جاوے گا یا نہیں؟ اور جو شخص خارج نماز سجدۂ تلاوت کرے تو سجدہ ادا ہوگا یا نہیں؟ (۱۹۸۶/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: رکوع میں اگر نیت سجدہ کی کرلیوے تو سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے، اور سجدہ میں بلانیت کے بھی ادا ہو جاتا ہے[2] اور سجدہ تلاوت کا جو نماز میں واجب ہوا خارج نماز سے کرنا جائز نہیں ہے[3] فقط (تراویح میں سجدۂ تلاوت رکوع میں نہیں کرنا چاہیے۔ ظفیر) (۴/ ۲۶۷)

تراتح میں سجدۂ تلاوت ادا کرنے کی دو صورتیں

سوال: (۱۷۷۳) تراویح میں اگر سجدہ رکوع کے ختم پر آوے یا سورت کے ختم پر آوے تو کس طرح ادا کرنا چاہیے؟ (۳۴۸/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جس جگہ ختم پر آیت سجدہ آوے اس کی ادائیگی کی دو صورتیں ہیں: یا یہ کہ فوراً سجدۂ تلاوت کر کے پھر اٹھ کر آگے سے چند آیات پڑھ کر پھر رکوع کرے {اور سجدہ کرے الخ}[4]

---

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) وتؤدّی برکوع صلاةٍ إذا کان الرّکوعُ علی الفور من قراءةِ آیةٍ أو آیتین ، وکذا الثّلاث علی الظّاهر کما في البحر إنْ نَواهُ : أي کونَ الرّکوع لسجود التّلاوة علی الرّاجح و تُوَدّی بسجودها کذلك : أي علی الفور ، و إن لم ینوِ إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۵۱۲-۵۱۳، کتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة) ظفیر

(۳) ولو تلاها في الصّلاة سَجَدَهَا فیها لا خارجَها لما مرّ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۵۱۱، کتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة) ظفیر

(۴) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

دوسری یہ کہ رکوع میں نیت سجدۂ تلاوت کی کرے سجدہ ادا ہوجاتا ہے، مگر فوراً رکوع کرے[۱] فقط (۲۸۷/۴)

تراویح میں سجدۂ تلاوت کو سجدۂ نماز کے ساتھ ادا کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۷۷۴) اگر امام نے تراویح میں سجدۂ تلاوت سجدۂ صلاۃ کے ساتھ ادا کیا، یعنی تین سجدہ کیے تو نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۲۰۴۴ھ)

الجواب: نماز میں جس وقت آیت سجدہ کو تلاوت کرے اسی وقت سجدۂ تلاوت کرلینا چاہیے، اور اگر مؤخر کیا اور نماز کے سجدوں کے ساتھ کیا تو سجدۂ سہو لازم ہے، اور بعد سجدۂ سہو کے نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ **ولذا كان المختارُ وجوبَ سجود السّهو لو تذكّرها بعد محلّها إلخ**[۲] (**الدّرّ المختار ، باب سجود التّلاوة**) فقط (قصداً سجدۂ تلاوت کا مؤخر کرنا درست نہیں ہے۔ آیت سجدہ کے فوراً بعد یا زیادہ سے زیادہ تین آیت بعد سجدۂ تلاوت کرلینا ضروری ہے، ورنہ گنہ گار ہوگا۔ **فعلى الفورِ لصيرورتها جزءً منها ويأثم بتأخيرها (الدّرّ المختار) فوجب أدائها مضيّقًا كما في البدائع . و فيه قبل سطرين : ثمّ تفسيرُ الفورِ عدمُ طولِ المدّة بين التّلاوة والسّجدة بقراء ة أكثرَ من آيتين أو ثلاث .... حلبة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵۱۰/۲، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة)** ظفیر) (۲۷۵/۴)

---

(۱) **وتؤدّى بركوع صلاة إذا كان الرّكوع على الفور من قراء ة آية أو آيتين وكذا الثّلاث على الظّاهر كما في البحر إن نواه إلى كون الرّكوع لسجود التّلاوة على الرّاجح ، وتؤدّى بسجودها كذٰلك أي على الفور وإن لم ينو بالإجماع . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۱۲/۲-۵۱۳، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة)**

(۲) **ردّ المحتار: ۵۱۰/۲، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة .**

ختم قرآن اور تراویح کے بعد دعا مستحب ہے

سوال: (۱۷۷۵)......(الف) فتاویٰ ہندیہ میں ہے[۱] کہ تراویح میں اور ختم قرآن کے وقت دعا مکروہ ہے؟

(ب) جماعت کے ساتھ قرآن ختم ہونے کے وقت دعا مکروہ ہے، اس واسطے کہ اس طرح دعا کرنا رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں یہ دونوں مسائل صحیح ہیں یا نہیں؟ (۲۱۶۱/۱۳۳۹ھ)

الجواب: (الف-ب) صحیح یہ ہے کہ ختم قرآن کے بعد اور ہمیشہ نماز تراویح کے بعد دعا مسنون و مستحب ہے، اور حدیث میں ہے کہ یہ وقت اجابتِ دعا کا ہے، اس لیے معمول ہمارے اکابر کا اور مشائخ کا دعا بعد التراویح و بعد الختم ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۰/۴-۲۷۱)

جو لوگ تراویح نہیں پڑھتے ان کے لیے کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۷۷۶) جو لوگ تراویح نہیں پڑھتے ان کے لیے کیا حکم ہے؟ (۱۴۲۰/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) الدّعاء عند ختم القرآن في شهر رمضانَ مكروهٌ لكن هٰذا شيءٌ لا يفتٰى به كذا في خزانة الفتاوى ، يكره الدّعاء عند ختم القرآن بجماعة لأنّ هٰذا لم ينقل عن النّبيّ صلّى الله عليه وآله وسلّم. (الفتاویٰ الهندية: ۳۱۸/۵، كتاب الكراهية ، الباب الرّابع في الصّلاة والتّسبيح وقراءة القرآن والذّكر والدّعاء ورفع الصّوت عند قراءة القرآن)

(۲) عن معاذ بن جبل رضي الله عنه قال: أخذ بيدي رسول الله صلّى الله عليه وسلّم فقال: إنّي لأُحبّكَ يا معاذ! قلتُ: وأنا أحبّك يا رسول الله! قال: فلا تَدَعْ أن تقولَ في دُبرِ كلّ صلاةٍ : ربّ أعنّي على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك. (مشكاة المصابيح، ص:۸۸، كتاب الصّلاة ، باب الدّعاء في التّشهّد ، الفصل الثّاني)

عن أبي أُمامة رضي الله عنه قال : قيل : يا رسول الله! أيّ الدّعاءِ أسمعُ ؟ قال: جوفُ اللّيلِ الآخر ، ودبرُ الصّلوات المكتوبات ، رواه التّرمذي. (مشكاة المصابيح ، ص:۸۹، كتاب الصّلاة ، باب الذّكر بعد الصّلاة ، الفصل الثّاني) ظفیر

الجواب: تراویح عندالحنفیہ سنت مؤکدہ ہیں اور جماعت بھی تراویح میں سنت ہے، تارک اس کے مسیئ اور آثم (گنہ گار) ہیں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۵۵)

تراویح بلا عذر شرعی ترک کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۷۷۷) تراویح کو بلا عذر قصداً ترک کرنا اور یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ نے خود ترک کی ہیں، اس لیے ہم بھی ترک کرتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۲۸۸۴/۱۳۴۳ھ)

الجواب: تراویح سنتِ مؤکدہ ہیں، بلا عذر ان کو ترک کرنے والا عاصی وگنہ گار ہے، خلفاء راشدین وجمیع صحابہ وسلف صالحین سے ان کی مواظبت ثابت ہے، نبی کریم ﷺ نے تو خود فرمایا ہے کہ مجھے خیال ہے کہیں فرض نہ ہو جائیں (۲) یہی ایک چیز ہے کہ جس کی وجہ سے آپ نے مواظبت نہیں کی، حقیقت میں آپ کا مواظبت نہ فرمانا ہی خود ان کے اہتمام کی بین دلیل ہے، کسی شخص کا یہ عذر کرنا کہ نبی کریم ﷺ نے ترک کی ہیں میں بھی ترک کرتا ہوں، قطعًا نا قابلِ قبول اور ناواقفیت

---

(۱) ونفسُ التّراويح سنّةٌ على الأعيانِ عندنا إلخ ، والجماعة فيها سنّةٌ على الكفاية إلخ ، وإن تخلّف واحدٌ من النّاس وصلّاها في بيتهِ فقد ترك الفضيلةَ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۶، كتاب الصّلاة ، الباب التّاسع في النّوافل ، فصل في التّراويح)

وفي الشّامي: قوله : (والجماعة فيها سنّة على الكفاية إلخ) أفاد أنّ أصلَ التّراويح سنّةُ عينٍ فلو تركها واحدٌ كُره . (ردّ المحتار: ۲/۴۳۱، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاةُ التّراويح) ظفیر

(۲) عن عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها أنّ رسولَ الله صلّى الله عليه وسلّم: صلّى ذات ليلةٍ في المسجد فصلّى بصلاته ناسٌ ، ثمّ صلّى من القابلة فكثر النّاس ثمّ اجتمعوا من اللّيلة الثّالثة أو الرّابعة ، فلم يخرج إليهم رسولُ الله صلّى الله عليه وسلّم فلمّا أصبح قال: قد رأيت الّذي صنعتم و لم يمنعني من الخروج إليكم إلّا أنّي خشيتُ أن يُفرض عليكم و ذلك في رمضان . (صحيح البخاري : ۱/۱۵۲، كتاب التّهجد ،باب تحريض النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم على قيام اللّيل والنّوافل إلخ)

پر مبنی ہے (۱) فقط (واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عتیق الرحمٰن عثمانی) (۲) فقط واللہ اعلم (۲۸۱/۴)

وظیفہ کی وجہ سے جماعت تراویح کا ترک درست نہیں

سوال: (۱۷۷۸) ایک شخص عشاء کی سنت اور وتر کے درمیان ایک وظیفہ کا عادی ہے، رمضان میں چونکہ وتر باجماعت ہوتے ہیں تو وظیفہ کب پڑھنا چاہیے؟ اگر وظیفہ پڑھتا رہے تو بارہ تراویح فوت ہوتی ہیں اور آٹھ ملتی ہیں، تو وہ آٹھ تراویح پڑھ کر وتر کی جماعت میں شریک ہوجاوے یا کیا؟ یا جماعت وتر کو چھوڑے یا وظیفہ کو رمضان شریف میں ترک کردے؟ (۱۳۳۹/۱۹۷۹ھ)

الجواب: وظیفہ کی وجہ سے جماعت تراویح اور جماعت وتر کو نہ چھوڑنا چاہیے، اور تراویح بیس رکعت پڑھنی چاہیے، وظیفہ اگر پڑھنا ہو تو بعد وتر کے یا اور کسی وقت پڑھے، غرض یہ کہ اس وظیفہ کی وجہ سے کسی واجب اور سنت کو ترک نہ کرے، بلکہ وظیفہ ہی کو ترک کردے یا دوسرے وقت پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۵/۴-۲۸۶)

تراویح چھوڑ دینے کا گناہ

سوال: (۱۷۷۹) تراویح قضا کرنے سے گناہ ہوگا یا نہیں؟ (۱۳۳۳/۳۲+۶۲۶ھ)

الجواب: ترکِ سنت کا گناہ اس کو ہوگا (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۱/۴)

---

(۱) التّراويح سنّة مؤكّدة لمواظبة الخلفاء الرّاشدين للرّجال والنّساء إجماعًا (الدّرّ المختار) ووافقه على ذلك عامّة الصّحابة و من بعدهم إلٰى يومنا هٰذا بلا نكير و كيف لا وقد ثبت عنه صلّى اللّٰه عليه وسلّم عليكم بسنّتي و سنّة الخلفاء الرّاشدين المهديّين عضّوا عليها بالنّواجذ كما رواه أبوداؤد. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۲۹/۲-۴۳۰، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراويح) ظفير

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

(۳) وهي سنّة للرّجال والنّساء جميعًا .... ونفس التّراويح سنّة على الأعيان عندنا. (الفتاوى الهندية: ۱۱۶/۱، كتاب الصّلاة، الباب التّاسع في النّوافل، فصل في التّراويح) ==

دکانوں میں تراویح پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۷۸۰) کسی بازار کے مصلی (نمازی) محض کاروبار کے نقصان کا اندیشہ خیال کرکے (اپنی اپنی دکانوں پر حافظوں کو مقرر کرکے)[1] الگ الگ جماعت تراویح کریں یہ فعل ان کا کیسا ہے؟ (۱۳۳۹/۱۴۰۳ھ)

الجواب: نمازِ تراویح مساجد میں پڑھنا اور ختم تراویح مسجدوں میں سننا سنت ہے، بلا عذر مسجد میں نہ جانا اور دکانوں پر تراویح پڑھنا ترک سنت ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۶۹)

جو عذرِ شرعی کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے وہ تراویح کو ترک نہ کرے

سوال: (۱۷۸۱) زید کہتا ہے کہ جو لوگ بہ وجہ عذر شرعی کے روزہ نہیں رکھتے، وہ نماز تراویح ضرور پڑھیں، ان کو ثواب ضرور ہوگا، بکر کہتا ہے کہ شخص معذور یا غیر معذور جو روزہ نہ کھے وہ تراویح بھی نہ پڑھے، بلکہ جو روزہ نہ رکھے ایسے شخص کا تراویح پڑھنا الٹا عذاب ہے، ان دونوں میں کس کا قول صحیح ہے؟ (۲۰۶۷/۱۳۴۰ھ)

الجواب: زید کا قول صحیح ہے بکر غلط کہتا ہے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۷۱-۲۷۲)

== رجلٌ ترك سنن الصّلاة إن لم ير السّننَ حقًّا فقد كفر ، لأنّهٗ تركها استخفافًا ، وإن رآها حقًّا فالصّحيح أنهٗ يأثم لأنهٗ جآء الوعيد بالتّرك . (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۲، كتاب الصّلاة ، الباب التّاسع في النّوافل ، والبحر الرّائق: ۲/۸۶، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل)

(۱) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) والجماعةُ فيها سنّةٌ على الكفاية في الأصحّ ، فلو تركَها أهلُ مسجدٍ أثِموا ، لا لو ترك بعضُهم ، وكلّ ما شُرع بجماعة فالمسجد فيه أفضلُ (الدّرّ المختار) و إن صلّى أحدٌ في البيت بالجماعة لم ينالوا فضلَ جماعةِ المسجد. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۳۱-۴۳۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاة التّراويح) ظفیر

(۳) تراویح کے لیے روزہ شرط نہیں ہے۔ التّراويح سنّة مؤكّدة لمواظبة الخلفاء الرّاشدين للرّجال والنّساء إجماعًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۲۹-۴۳۰، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاةُ التّراويح) ظفیر

تراویح پڑھنے اور روزہ نہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۷۸۲) جس روز رات کو تراویح پڑھے، اگر صبح کو روزہ نہ رکھے، تو کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۳-۳۲/۳۰۰ھ)

الجواب: اگر کوئی عذر ہے، مثلاً مرض یا سفر ہے، تو روزہ نہ رکھنا مباح ودرست ہے، کچھ گناہ نہیں، اور بے عذر افطار کرنا رمضان کے روزہ کا (اور نہ رکھنا روزہ کا)[1] گناہ کبیرہ ہے، جس کا بدلہ تمام عمر کے روزوں سے بھی نہیں ہوسکتا۔ **كما ورد في الحديث: مَن أفطرَ يومًا من رمضان من غيرِ رخصةٍ ولا مرضٍ لم يقضِ عنه صومُ الدّهر كلِّهِ و إن صامه، رواه أحمد والتّرمذي وغيرهما**[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۶/۴)

تراویح کے لیے امام مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۷۸۳) جس طرح پنج وقتہ نمازوں کے لیے امام کو مقرر کیا جاتا ہے، اسی طرح ماہِ رمضان میں تراویح کے لیے امام مقرر کرنا جائز ہے یا نہ؟ (۱۳۴۰/۲۳۲۹ھ)

الجواب: چونکہ مسئلہ یہ ہے کہ **الأمور بمقاصدها**[3] اور یہ بھی ہے: **المعروف كالمشروط**[4] پس اگر کسی حافظ کو ختم قرآن شریف کے لیے تراویح کا امام بنایا جاوے تو ظاہر ہے کہ اس سے مقصود امامت نہیں ہے، بلکہ قرآن شریف کا ختم ہے، لہٰذا اس پر جو کچھ اجرت دی لی

---

(۱) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) مشكاة المصابيح، ص:۱۷۷، كتاب الصّوم ، باب تنزية الصّوم ، الفصل الثّاني ، عن أبي هريرة رضي الله عنه .

(۳) الأشباه والنّظائر مع غمز عيون البصائر: ۱۰۲/۱، الفن الأول في القواعد الكليّة – النّوع الأول ، القاعدة الثّانيّة : الأمور بمقاصدها . المطبوعة: مكتبه زكريا ، ديوبند .

(۴) ردّ المحتار: ۲۰۱/۴، كتاب النّكاح ، باب المهر، مطلب: مسئلة دراهم النّقش والحمام ولفافة الكتاب ونحوها .

جاوے گی وہ ختم قرآن شریف کی وجہ سے ہے، نہ بہ وجہ امامت محضہ کے، پس حسب قاعدہ: لا یجوز أخذ الأجرة علیٰ قراء ة القرآن[1] تراویح میں ختم قرآن پر اجرت لینا دینا جائز نہ ہوگا، قال في ردّ المحتار. وقال العینيّ في شرح الھدایة: ویمنع القارئ للدّنیا والآخذ والمعطي آثمان، فالحاصل: أن ما شاع في زماننا من قراء ة الأجزاء بالأجرة لا یجوز إلخ[2] (شامی: ۵/۳۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۷۳-۲۷۴)

تراویح کی امامت کا حق دار کون ہے؟

سوال: (۱۷۸۴) بکر ایک مسجد میں امام مقرر ہوا، اور حافظ قرآن ہے اور زید بھی حافظ قرآن ہے، وہ زمانہ بعید سے اس مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے، اب بکر کہتا ہے کہ میں اب امام مقرر ہوا ہوں، تراویح پڑھانے کا حق مجھ کو ہی ہے، اور وہ حافظ کہتا ہے کہ میرا قدیمی حق ہے، تو کس کو حق ہے؟

(۱۰/۷۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جب کہ بکر امام مقرر ہوگیا ہے تو تراویح کی امامت کا حق بھی اسی کو حاصل ہے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۸۲)

غیر مقلد کے پیچھے حنفی اگر تراویح پڑھیں تو بقیہ رکعات کب پڑھیں؟

سوال: (۱۷۸۵) اگر امام غیر مقلد ہو اور تراویح بیس رکعت کے بجائے آٹھ رکعت پڑھاوے

---

(۱) بعینہٖ عبارت ہمیں نہیں ملی، البتہ درمختار میں ہے: لا یجوز أخذ الأجرة علیٰ الطّاعة کالمعصیة (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۸۷، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: في حدیث کلّ سببٍ و نسبٍ منقطعٌ إلّا سببي ونسبي)

(۲) ردّ المحتار: ۹/۶۶، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحریر مھم في عدم جواز الاستیجار علی التّلاوة إلخ.

(۳) واعلم أنّ صاحبَ البیتِ ومثله إمام المسجد الرّاتب أولیٰ بالإمامة من غیرہٖ مطلقًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۵۴، کتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب في تکرار الجماعة في المسجد) ظفیر

توحنفیہ کوکس طرح سے بقیہ تراویح پوری کرنی چاہیے؟ آیا وتر امام کے ساتھ پڑھ کر تراویح بقیہ پوری کریں یا وتر چھوڑ کر تراویح پوری کرنے کے بعد وتر پڑھیں؟ (۱۵۳۲/۱۳۴۱ھ)

الجواب: بقیہ تراویح بعد وتر کے پڑھ سکتے ہیں، اور ایسا بھی کر سکتے ہیں کہ وتر امام کے ساتھ نہ پڑھیں، بعد پورا کرنے تراویح کے پڑھیں [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۴/۴)

دوسری رکعت میں بھول کر کھڑا ہو گیا، پھر یاد آیا تو کیا کرے؟

سوال: (۱۷۸۶) اگر تراویح کی رکعت ثانیہ میں بجائے بیٹھنے کے کھڑا ہو گیا، بعد میں یاد آیا تو کیا کرے؟ (۲۰۴۳/۱۳۴۱ھ)

الجواب: سجدہ سے پہلے پہلے اگر یاد آ جائے تو بیٹھ جائے اور سجدۂ سہو کرے۔ **أمّا النّفلُ فیعودُ ما لم یُقَیّد بالسّجدة** [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۴/۴-۲۷۵)

تراویح کی پہلی رکعت میں بیٹھنے لگا مگر اشارہ پا کر کھڑا ہو گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۷۸۷)...... (الف) امام تراویح کی پہلی رکعت میں کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھنے کا قصد کرتا تھا کہ پیچھے سے اشارہ کیا گیا، اور وہ سیدھا کھڑا ہو گیا، دو رکعت پوری ہونے کے بعد سلام پھیرا، سجدۂ سہو نہیں کیا نماز ہوئی یا نہ؟ اگر نہیں ہوئی تو علم ہونے پر بہ جماعت ادا کرے یا تنہا؟

(ب) کیا ایسی صورت میں سجدۂ سہو لازم ہے؟

(ج) امام بیٹھنے کے ارادہ سے اللہ اکبر کہتا ہے، مقتدی نے بہ صورت نشست دیکھتے ہوئے بہ آواز بلند اللہ اکبر کہا، امام فوراً دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا، اس وقفہ میں کوئی کلمہ التحیات کا بھی زبان سے نہیں نکالا، اس قدر وقفہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ (۶۷/۱۳۴۲ھ)

---

(۱) **والأصحّ أنّ وقتها بعد العشاء إلی آخر اللّیل قبل الوتر وبعده لأنّها نوافل سنّت بعد العشاء. (الهداية: ۱/۱۵۱، کتاب الصّلاة ، باب النّوافل ، فصل فی قیام رمضان)** ظفیر

(۲) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۷۸، کتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو.**

الجواب: (الف) اس صورت میں نماز ہوگئی، اوراعادہ کی ضرورت نہ تھی، اورسجدۂ سہو بھی لازم نہیں ہوا، کیونکہ ایک رکعت کے بعد اگر کسی قدر بیٹھ کر کھڑا ہوجائے تواس کو بھی فقہاء نے جائز لکھا ہے، چہ جائیکہ محض ارادہ بیٹھنے کا کیا ہواور پورے طور بیٹھا بھی نہ ہو کہ کھڑا ہوگیا تو اس صورت میں نہ سجدۂ سہو لازم ہے نہ اعادۂ نماز کی ضرورت ہے۔شامی میں ہے: هٰذا إذا كانت القعدةُ طويلةً أمّا الجلسةُ الخفيفةُ الّتي استحبّها الشّافعيُّ فتركها غير واجب عندنا بل هو الأفضل إلخ [1]

(ب) نہیں آتا [1] (ج) اس قدر وقفہ سے سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا [1] فقط (۴/۲۷۶-۲۷۷)

دورکعت تراویح کی نیت کی مگر دوسری پر نہ بیٹھا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۷۸۸) ایک شخص نے دورکعت تراویح کی نیت کی اور سہواً دوسری رکعت پر نہ بیٹھا، بلکہ تیسری پر بیٹھا اور سجدۂ سہو کیا تو ایک رکعت ضائع گئی یا تینوں؟ (۴۴/۲۰۷-۱۳۴۵ھ)

الجواب: اگر سجدۂ سہو کرلیا تو دورکعت تراویح ہوگئی، اوراگر سجدۂ سہو نہ کیا تو بہ وجہ نقصان کے واجب الاعادہ ہے [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۸۲)

استدراک: اس جواب میں تسامح ہے، صحیح مسئلہ یہ ہے کہ اگر دوسری رکعت پر قعدہ بھول کر کھڑا ہوگیا اور تیسری رکعت پڑھ کر قعدہ اور سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دیا تو تینوں رکعتیں بیکار گئیں پہلا شفع بہ وجہ فاسد ہوجانے کے اور دوسرا شفع بہ وجہ نا تمام رہ جانے کے، اور تینوں رکعتوں میں پڑھے ہوئے قرآن کا اعادہ ضروری ہوگا۔ هٰكذا في حاشية امداد الفتاوى: ۱/۴۹۷-۴۹۸، فصل في التّراويح .

اور ردّ المحتار میں ہے: وفي التّتار خانية: لو صلّى التّطوّع ثلاثًا ولم يقعد على

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۱۴۵، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، قبيل مطلب مهمّ في تحقيق متابعة الإمام .

(۲) وذكر الإمام الصَّفّار في نسخته من الأصل أنّه إن لم يقعُد حتّى قام إلى الثّالثة على قياس قول محمّد رحمه الله تعالىٰ يعود ويقعد ، وعندهما لا يعود ، ويلزمهٗ سجودُ السّهو، كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۳، كتاب الصّلاة ، الباب التّاسع في النّوافل) ظفير

الرّكعتين فالأصحّ أنّه يفسد. (ردّ المحتار: ۲/۴۲۱، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: المسائل السّتة عشرية)

سجدۂ سہو تراویح میں بھی لازم ہے

سوال: (۱۷۸۹)...... (الف) اگر تراویح میں ایسا سہو ہو جاوے جس سے سجدۂ سہو واجب ہو، تو سجدۂ سہو کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(ب) بعض لوگ کہتے ہیں کہ تراویح میں سجدۂ سہو ہے ہی نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ (۲۶۳۲/۱۳۴۳ھ)

الجواب: (الف) ترک واجب سے جس طرح تمام نمازوں میں سجدۂ سہو لازم ہے، تراویح میں بھی لازم ہے (۱)

(ب) یہ صحیح نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۸۰)

کیا تراویح میں سورۂ والضحیٰ کے بعد ہر سورت کے ختم پر اللہ اکبر کہنا سنت ہے؟

سوال: (۱۷۹۰) چوں ختم کلام اللہ شریف در تراویح کردہ شود، بعض حفاظ بعد سورۃ والضحیٰ تا آخر قرآن بر اختتام ہر سورہ اللّٰـہ اکبر می خوانند کہ علاوہ از تکبیر رکوع می باشد و گمان می کنند کہ سنت است؟ (۱۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: فقہاء رحمہ اللہ ایں قسم اذکار و ادعیہ را بر خارج از صلاۃ یا بر صلاۃ نافلہ کہ منفرداً ادا کردہ شود محمول فرمودہ اند، در فرائض و ہم چنیں در نوافل و سنن کہ با جماعت ادا کردہ شود مکروہ فرمودہ اند، پس قولِ مانعین دریں بارہ صواب است، وقول مجوزین خطا۔ قال في الدّرّ المختار: بل يَستمعُ...... ويُنصِتُ إلخ، وإن .... قرأ الإمام آيةَ ترغيبٍ أو ترهيبٍ وكذا الإمام لا يشتغل

(۱) والسّهوُ في صلاةِ العيد والجمعةِ والمكتوبةِ والتّطوّعِ سواءٌ إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۸۹، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو) ظفیر

بغیر القرآنِ ، وما ورد حملٌ على النّفل منفردًا إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (حمل على النّفل منفردًا) أفاد أنّ كلًّا من الإمام والمقتدي في الفرض أو النّفل سواءٌ .... أمّا الإمام في الفرائض فلمّا ذكرنا من أنّه صلّى اللّه عليه وسلّم لم يفعله فيها وكذا الأئمّة من بعدهِ إلى يومنا هذا، فكان من المحدَثات ولأنّه تثقيلٌ على القوم فيكره ، وأمّا في التّطوّع فإن كان في التّراويح فكذلك إلخ [1] (شامي:۱/ ۳٦٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۵۰)

ترجمہ سوال: (۱۷۹۰) جب تراویح میں کلام پاک ختم ہوتا ہے تو بعض حفاظ سورۂ والضحی کے بعد آخر قرآن تک ہر سورت کے ختم پر اللّٰہ اکبر کہتے ہیں؛ جو رکوع کی تکبیر کے علاوہ ہوتا ہے، اور گمان کرتے ہیں کہ یہ سنت ہے۔

الجواب: فقہاء اس قسم کے اذکار ودعاؤں کو خارج نماز یا انفرادی طور پر ادا کی جانے والی نفل نماز پر محمول فرماتے ہیں، فرائض اور اسی طرح باجماعت ادا کیے جانے والے نوافل اور سنن میں مکروہ فرماتے ہیں، پس اس صورت میں مانعین کا قول درست ہے، اور مجوّزین کا قول خطاء۔ درمختار میں ہے: بل يستمع وينصت إلخ .

تراویح میں قرآن کے ساتھ غیر قرآن کی تلاوت درست نہیں

سوال: (۱۷۹۱) نمازِ تراویح میں حافظ صاحب بعض سورتوں کے اختتام پر نماز ہی میں بعض الفاظ غیر قرآنیہ عربی میں پڑھتے تھے، مثلاً سورۂ مرسلات کی آخری آیت: ﴿فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ﴾ (سورۂ مرسلات، آیت:۵۰) کے بعد آمَنَّا بِاللّٰہِ کہتے تھے، اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۳۲۰ھ)

الجواب: حنفیہ اس قسم کی دعاؤں کو نماز میں پڑھنے کو منع فرماتے ہیں، لیکن اگر نوافل میں ایسا کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور تراویح بھی فاسد نہ ہوگی [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۲۷۸)

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۲۳٦-۲۳۷، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراءة ، قبيل فروع في القراءة خارجَ الصّلاة .

(۲) والمؤتمّ لا يقرأ مطلقًا إلخ ، بل يستمع إذا جهر ويُنصت إذا أسرّ إلخ ، وإن ...... ==

تراویح کے جس دوگانہ میں چند آیتیں سہواً چھوٹ گئیں اس کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۷۹۲) ہمارے ملک میں حافظ عام طور سے جاہل ہیں، وہ ایسا کرتے ہیں کہ تراویح میں جو تلاوت قرآن کرتے ہیں، مثلاً دوگانہ میں جو کلام اللہ پڑھا اس میں سے دوتین آیتیں سہواً چھوٹ گئیں، یا ضمہ، فتحہ، کسرہ چھوٹ گئے تو پھر دوسرے دوگانہ میں ان چھٹی ہوئی آیتوں کو پھر پڑھتے ہیں، لیکن جس دوگانہ میں یہ آیتیں چھوٹ گئی تھیں اس کا اعادہ نہیں کرتے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیات کے چھوٹ جانے سے تغیر معنی کے سبب فسادِ نماز لازم آتا ہے تو اعادہ نماز کا لازم ہے یا نہیں؟ یا تغیر معنی کی خبر نہ ہونے کی وجہ سے اعادہ لازم نہیں آتا؟ (۶۳۹/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: اگر غلطی قراءت کی کسی دوگانہ میں ایسے موقع پر ہوئی جو موجبِ فسادِ صلاۃ ہو تو اعادہ اس دوگانہ کا ضروری ہے، اور اگر ایسی غلطی نہیں ہے جو مفسدِ صلاۃ ہو تو اعادہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ نماز ہوجاتی ہے، پس درمیان میں آیات کے چھوٹنے یا غلطی فتحہ، ضمہ وکسرہ کے کرنے میں بھی یہی حکم ہے، مثلاً اگر چند آیات کے درمیان میں سے چھوٹنے سے تغیر معنی نہیں ہوا تو وہ دوگانہ صحیح ہوا[1] صرف ختم قرآن شریف کے لیے دوسرے دوگانہ میں ان آیات کا اعادہ کرلیا جاوے یہ کافی ہے۔ فقط (۲۹۷/۴-۲۹۸)

تراویح میں چھٹی ہوئی آیتوں کو دوسرے تیسرے دن پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۷۹۳) تراویح میں امام کا بعض آیت سہواً چھوڑ دینا اور دوسرے تیسرے دن

== قرأ الإمام آيةَ ترغيب أوترهيب ، و كذا الإمام لا يشتغل بغير قرآن و ما ورد حمل على النّفل منفردًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۳۵-۲۳۶، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراء ة ، قبل فروع في القراء ة خارجَ الصّلاة) ظفير

(۱) ولو زاد كلمةً أو نقص كلمةً أو نقص حرفًا أو قدّمه أو بدّله بآخر إلخ لم تفسد ما لم يتغيّر المعنىٰ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۴۰-۳۴۱، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب: مسائل زَلّةِ القاري) ظفيرؒ

ان آیات کو متفرق طور سے یکے بعد دیگرے پڑھ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور پورے ختم کا ثواب بلا کراہت ہوگا یا مع الکراہت؟ ایک عالم کہتے ہیں کہ پڑھنے والے اور سننے والے کو اگرچہ ثواب ختم کامل جائے گا، مگر گناہ بھی ہوگا، کیونکہ سورۂ مائدہ کی آیتیں سورۂ توبہ کے ساتھ پڑھی گئیں، یہ کہنا ان کا صحیح ہے یا غلط؟ (۳۹۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: پورے ختم کا ثواب ہو جائے گا، اور جب کہ فراموشی سے ایسا ہوا ہے تو اس میں کچھ گناہ اور کراہت نہیں ہے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۹۳-۲۹۴)

تنہا تراویح پڑھنے والا قراءت کس طرح کرے؟

سوال: (۱۷۹۴) مرد تراویح جماعت سے پڑھیں، یا علیحدہ علیحدہ؟ اگر تنہا پڑھیں تو بلند آواز سے یا آہستہ آہستہ؟ (۴۲۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: مرد جماعت سے پڑھیں [۲] اگر کوئی شخص جماعت سے رہ جاوے اور تنہا پڑھے تو آہستہ پڑھے یا بلند آواز سے [۳] (دونوں درست ہے مگر آواز سے بہتر ہے۔ ظفیر) (۴/۲۹۹)

تراویح شروع ہو جائے تو عشاء کے بعد والی دو سنتیں کب پڑھے؟

سوال: (۱۷۹۵) رمضان شریف میں اگر تراویح شروع ہوگئی تو دو سنت جو بعد فرض کے ہیں، یہ پڑھ کر تراویح میں شریک ہو یا بعد میں پڑھے؟ (۴۲۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

---

(۱) رفع عن أمّتي الخطاء والنّسيان، و ما استكرهوا عليه (طب) عن ثوبان (صحـ) (الجامع الصّغير في أحاديث البشير النّذير للسّيوطيؒ، ص:۲۷۳، رقم الحديث: ۴۴۶۱، حرف الرّاء، المطبوعة : دارالكتب العلميّة ، لبنان ، بيروت)

(۲) والجماعة فيها سنّة على الكفاية. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۳۱، كتاب الصّلاة باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاة التّراويح)

(۳) ويخيّر المنفر في الجهر .... إن أدّى ـــــ إلٰى قوله ـــــ كمتنفّل باللّيل منفردًا (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۲۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة)

الجواب: فرض اور دوسنت پڑھ کر تراویح میں شامل ہو[۱] فقط واللہ اعلم (۴/۲۹۹-۳۰۰)

تراویح کی ۱۶ رکعت عشاء کے بعد اور ۴ رکعت آخر رات میں باجماعت ادا کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۷۹۶) اگر حافظ نے تراویح میں ۱۶ رکعت پڑھائی، اور چار رکعت اس وقت نہ پڑھے کہ ان کو کوئی اور پڑھا دیتا ہو، تو اگر حافظ چار رکعت تہجد میں جماعت سے پڑھاوے تو جائز ہے یا نہیں کہ خود تراویح کی نیت کرے اور بقیہ مقتدی تہجد کی، یا وہ بھی بقیہ چار رکعتیں تراویح کی نیت سے پڑھیں تو یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ خصوصاً جب کہ تداعی کے ساتھ اجتماع کیا جاتا ہو؟ (۲۱۸۰/۱۳۴۵ھ)

الجواب: تراویح اگر چار رکعت چھوڑ دے اور آخر شب میں اس کی جماعت کر لی تو درست ہے[۲] اور سوائے تراویح کے دیگر نوافل کی جماعت بہ تداعی یعنی تین چار آدمیوں سے زیادہ کی جماعت درست نہیں ہے مکروہ ہے، اسی طرح تہجد کی جماعت بھی مکروہ ہے[۳] فقط (۴/۲۸۴)

---

(۱) و وقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتر و بعده في الأصحّ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۳۰، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاة التّراويح)

(۲) ووقتها (أي صلاة التّراويح) بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتر و بعده في الأصحّ. (الدّرّ مع ردّ المحتار: ۲/۴۳۰، باب الوتر والنّوافل ، مبحث: صلاة التّراويح)ظفیر

(۳) ولا يصلّي الوتر ولا التّطوّع بجماعةٍ خارجَ رمضان أي يكره ذلك لو علىٰ سبيل التّداعي بأن يقتدي أربعة بواحدٍ إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۳۶-۴۳۷، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل، بعد مبحث التّراويح)ظفیر

نمازِ تہجد کا بیان

تہجد کا افضل وقت اخیر شب ہے

سوال: (۱۷۹۷) صلاۃ تہجد کا وقت بعد نصف شب کے ہے یا پہلے؟ جیسا کہ آیت: ﴿اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً اَوْ زِدْ عَلَيْهِ الآية﴾ (سورۂ مزمل، آیت: ۳-۴) سے معلوم ہوتا ہے، یا دونوں وقتوں میں جائز ہے، برتقدیر جواز اولویت کس کو ہے؟ (۶۳۹/۱۳۳۸ھ)

الجواب: بعد عشاء کے جو نوافل پڑھے وہ صلاۃ اللیل ہے، اور تہجد میں داخل ہے۔ کما في الشّامي: وما كان بعد صلاة العشاء فهو من اللّيل. وهٰذا يفيد أنّ هٰذه السّنّةَ تحصل بالتّنفّل بعدَ صلاة العشاء قبل النّوم إلخ ، قلت: قد صرّح بذلك في الحلبة إلخ [1] اور افضل وقت تہجد کا اخیر شب ہے، جیسا کہ احادیث میں وارد ہے [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۱/۴)

سوال: (۱۷۹۸) وقت تہجد متوسط کون سا ہے؟ (۱۱۲۶/۱۳۴۵ھ)

الجواب: آخر شب افضل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۰۶/۴-۳۰۷)

---

(۱) ردّ المحتار: ۴۰۷/۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في صلاة اللّيل .

(۲) عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت : كان ـــــ تَعْنِيْ رسولَ الله صلّى الله عليه وسلّم ـــــ ينام أولَ اللّيل و يُحيي آخرهُ الحديث ، متّفقٌ عليه .

وعن عَمرو بن عَبسة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه و سلّم: أقربُ ما يكون الرّبُّ من العبد في جوفِ اللّيل الآخر ، فإن استطعتَ أن تكون ممّن يذكر اللّٰهَ في تلك السّاعة ؛ فكن ، رواه التّرمذيّ . (مشكاة المصابيح ، ص:۱۰۹، كتاب الصّلاة ، باب التّحريض علي قيام اللّيل)

تہجد کا وقت کب تک رہتا ہے؟

سوال: (۱۷۹۹) تہجد کا وقت کب تک رہتا ہے؟ (۱۸۹۹/۱۳۴۳ھ)

الجواب: تہجد کا وقت صبح صادق سے پہلے پہلے رہتا ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۰۴/۴)

تہجد کی نماز اندھیرے میں درست ہے

سوال: (۱۸۰۰) تہجد کی نماز اندھیرے میں ہوسکتی ہے یا نہیں؟ (۱۸۱۶/۱۳۴۱ھ)

الجواب: ہوسکتی ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۰۵/۴)

عشاء کے بعد تہجد کی نماز درست ہے

سوال: (۱۸۰۱) اگر کوئی شخص کسی مجبوری کی وجہ سے یہ خیال کر کے کہ میری آنکھ تہجد کے وقت نہیں کھلے گی اور عشاء کی نماز کے بعد تہجد کی نماز کو ادا کر لیوے تو ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

(۱۷۷۳/۱۳۴۳ھ)

الجواب: ایک حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز عشاء کے بعد جو نوافل پڑھے جاویں گے وہ نماز تہجد میں شمار ہوں گے، اور ثواب تہجد کا اس سے حاصل ہو جاوے گا، جیسا کہ شامی میں حدیث طبرانی نقل کی ہے: و روی الطبّرانيُّ مرفوعًا: لا بدّ من صلاة بليلٍ ولو حلبَ شاةٍ، وما كان بعد صلاة العشاء فهو من اللّيل . وهٰذا يفيد أنّ هذه السّنّةَ تحصل بالتّنفّل بعدَ

---

(۱) و صلاة اللّيل إلخ ولو جعلهٗ أثلاثًا فالأوسطُ أفضلُ و لو أنصافًا فالأخيرُ أفضلُ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۰۶-۴۰۸، باب الوتر والنّوافل، مطلب في صلاة اللّيل)

وعن عائشة رضي الله عنها قالت: كان النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم يصلّي فيما بين أن يفرغ من صلاة العشاء إلى الفجر إحدى عشرة ركعة الحديث. (مشكاة المصابيح، ص: ۱۰۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة اللّيل، الفصل الأوّل) ظفیر

(۲) نماز کے لیے روشنی ضروری نہیں ہے، آنحضرت ﷺ اندھیرے میں بھی نماز پڑھا کرتے تھے۔ ظفیر

صلاۃ العشاء قبل النّوم إلخ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۰۵)

عشاء کے بعد تہجد وتر سے پہلے پڑھنا بہتر ہے؟

سوال: (۱۸۰۲) جو شخص پچھلی رات میں تہجد پڑھنے پر قادر نہ ہو تو وہ بعد عشاء قبل از وتر نوافل پڑھ لے یا بعد از وتر پڑھے؟ (۱۳۳۹/۳۶۲ھ)

الجواب: حدیث طبرانی کے الفاظ یہ ہیں: وما كان بعدَ صلاةِ العشاء فهو من اللّيل (۱) یہ روایت نوافل قبل الوتر اور بعد الوتر دونوں کو شامل ہے، لیکن بہتر قبل از وتر ہے۔ فقط (۴/۳۰۲) ظفیر

جس کے ذمہ قضا نمازیں ہوں وہ تہجد پڑھے یا قضا نمازیں؟

سوال: (۱۸۰۳) جس شخص کی نمازیں زیادہ قضا ہوئی ہوں، اس کو تہجد کے وقت یا دیگر اوقات مناسبہ میں نماز تہجد یا نوافل پڑھنی بہتر ہیں یا قضائے عمری؟ (۱۳۳۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: وقضاء الفرض والواجب والسّنّة فرضٌ وواجبٌ وسنّةٌ (۲) یعنی فرض کا قضا کرنا فرض اور واجب کا واجب اور سنت کا سنت ہے، حاصل یہ ہے کہ قضائے عمری واقعی کی ادائیگی میں سستی اور کاہلی اور تاخیر اچھی نہیں ہے، جہاں تک ہوسکے اور جب وقت ملے فرائض اور وتر کی قضا نماز ادا کی جاوے تو بہتر ہے؛ لیکن صلاۃ تہجد جس کی قرآن شریف اور احادیث شریفہ میں بہت فضیلت آئی ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے: أفضل الصّلاة بعد الفريضة صلاة اللّيل (۳)

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۴۰۶-۴۰۷، کتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في صلاة اللّيل.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۵۸، کتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في تعريف الإعادة.

(۳) مشکاۃ شریف میں مسند احمدؒ سے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔ أفضل الصّلاة بعد المفروضة صلاةٌ في جوف اللّيل، رواه أحمد. (مشكاة المصابيح، ص:۱۱۰، کتاب الصّلاة باب التّحريض علي قيام اللّيل، الفصل الثّال) اور ان مذکورہ الفاظ کے لیے دیکھئے: ردّ المحتار: ۱/۶۶۰، باب الوتر والنّوافل. ظفیر

یعنی صلاۃ فرائض کے بعد نماز تہجد کی افضل ہے، پس اس فضیلت کا اقتضاء تو یہی ہے کہ اس کو ہرگز نہ چھوڑا جاوے، اور یہ فضیلت بغیر نوافل قضا نمازوں کے اس وقت پڑھنے سے حاصل نہیں۔ قال في ردّ المحتار: إنّ التّهجّدَ لا يحصل إلّا بالتّطوّع فلو نام بعدَ صلاة العشاء ، ثمّ قام فصلّٰى فوائتَ لا يسمّٰى تهجّدًا [1] (۵۰۵) یعنی تہجد نام ہے بعد صلاۃ عشاء آخر رات میں اٹھ کر نوافل پڑھنے کا، پس اگر کوئی شخص اس وقت بجائے نفل اپنی دن کی نمازِ قضاء کو پڑھے تو اس کا نام تہجد نہ ہوگا، یعنی وہ ثواب جو نماز تہجد کا ہے وہ اس سے حاصل نہیں ہوتا، پس ایسی صورت میں اگر زیادہ نہ ہو سکے تو کم از کم دو رکعت پڑھ لیا کریں، اور یہ صلاۃ تہجد کا کمتر درجہ ہے۔ قال في ردّ المحتار: أقلّ التّهجّد ركعتان و أوسطُه أربعٌ و أكثرُه ثمان [2] (صفحہ ۵۰۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۰۱-۳۰۲)

نمازِ تہجد کی قضا نہیں

سوال: (۱۸۰۴) اگر تہجد کی نماز قضا ہو جائے تو اس کی قضا پڑھنی بارہ بجے سے پہلے درست ہے یا نہیں؟ (۱۰/۱۳۴۱ھ)

الجواب: تہجد کی نماز کی قضا نہیں ہے، لیکن دوپہر سے پہلے پڑھ لینا اچھا ہے [3] فقط (۴/۳۱۱)

تہجد کی نماز شروع کر کے ترک کرنے سے کیا نقصان ہوتا ہے؟

سوال: (۱۸۰۵) نماز تہجد کو شروع کرنے اور سستی کے سبب سے دو چار روز ترک کرنے سے کوئی نقصان مالی و جسمی ہوگا یا نہ ہوگا؟ (۲۹/۲۱۵-۱۳۳۰ھ)

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۴۰۷، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في صلاة اللّيل .

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۰۸، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في صلاة اللّيل .

(۳) عن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: مَن نامَ عن حِزْبِهٖ أو عن شيءٍ منه ، فقرأهٗ فيما بين صلاةِ الفجرِ و صلاةِ الظّهرِ ؛ كُتب لهٗ كأنّما قرأهٗ من اللّيل، رواه مسلم. (مشكاة ، ص:۱۱۰، كتاب الصّلاة ، باب القصد في العمل ، الفصل الأوّل) ظفیر

الجواب: تہجد شروع کر کے چھوڑنے سے مالی نقصان کچھ نہیں ہوتا اور شرعاً گنہ گار بھی نہیں ہوتا؛ لیکن بلا عذر ایسا کرنا مذموم ہے، اور نقصان دِینی و روحانی اس سے حاصل ہوتا ہے، اور جسمانی نقصان یہ ہے کہ تیزی اور چالاکی جاتی رہتی ہے، اور سستی بڑھ جاتی ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الفقیر : اصغر حسین عفی عنہ (۴/ ۳۰۸-۳۰۹)

تہجد کی آٹھ رکعتیں ہیں یا بارہ؟

سوال: (۱۸۰۶) ایک شخص نے ایک مولوی سے دریافت کیا کہ جناب تہجد کی نماز کتنے رکعات ہیں؟ اور ترتیب اس کی کیا ہے؟ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ تہجد کی نماز آٹھ رکعت ہیں، اس پر سائل نے کہا کہ بعض کتب میں بارہ رکعت لکھی ہیں اور علماء بھی بارہ رکعت کے قائل ہیں، اس پر مولوی نے یہ کہا کہ یہ لوگ جاہل ہیں اور وہ سب کتابیں غلط ہیں، اور تم اسلام سے خارج ہو، آیا تہجد کی نماز بارہ رکعت حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ بارہ رکعت کے مجوزین کو جہلاء کہنا درست ہے یا نہیں؟ اور سائل کو خارج از اسلام کہنا جائز ہے یا نہیں؟ بر تقدیر عدم جواز کلمہ خارج از اسلام (کافر) کا مصداق کون بنے گا؟ اور یہ کلمہ کس پر عائد ہوگا، اور اس مولوی کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ وتر کی نماز ایک رکعت ثابت ہے یا نہیں؟ اور حدیث عائشہؓ: **أنّ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم لم يكن يُوتِرُ بأنقصَ من سبعٍ ولا بأكثرَ من ثلاثَ عشرةَ ، رواه أبو داؤد**[۲] سے جو بعض وتر کو ایک رکعت اور تہجد کو بارہ رکعت ثابت کرتے ہیں یہ صحیح ہے یا نہیں؟ (۵۶۴/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: تہجد کی نماز کے بارے میں روایات مختلف ہیں، کم سے کم دو یا چار اور زیادہ سے زیادہ بارہ تک وارد ہوئی ہیں، لیکن اکثری طور سے نمازِ تہجد آنحضرت ﷺ کی آٹھ رکعت تھی۔ اسی بناء پر فقہاء حنفیہ نے فرمایا ہے کہ تہجد میں سنت آٹھ رکعات ہیں، درمختار میں ہے: **وأقلّها**

---

(۱) تتمّة: ذَكَرَ في الحلبة أيضًا ما حاصِلُهُ: أنّه يُكره تركُ تهجّدٍ اعْتَادَهُ بلا عذرٍ لقوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم لابن عمر: يا عبدَ الله! لا تكن مثلَ فلانٍ كان يقومُ اللّيلَ ثمّ ترَكَهُ ، متّفق عليه. (ردّ المحتار: ۲/ ۴۰۸، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في صلاة اللّيل) ظفیر

(۲) مشكاة المصابيح، ص:۱۱۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر ، الفصل الثّاني .

علی ما في الجوهرة ثمان إلخ . قال في ردّ المحتار: في الحاوي القدسيّ قال: يصلّي ما سهل عليه ولو ركعتين ، والسّنّة فيها ثمان ركعات بأربع تسليماتٍ .... وهٰذا بناءً علىٰ أن أقلّ تهجّده صلّى الله عليه وسلّم كان ركعتين ، وأنّ منتهاه كان ثمان ركعاتٍ أخذًا ممّا في المبسوط السّرخسيّ إلخ (۱) اورحضرت قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ مالابدمنہ میں فرماتے ہیں: ونماز تہجد از چہار رکعت کمتر نیامدہ واز دوازدہ رکعت زیادہ ہم بہ ثبوت نہ پیوستہ الخ (۲) پس تتبعِ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ رکعت تک تہجد میں ثابت ہیں، اور اکثر آٹھ رکعت ہیں، پس انکار کرنا بارہ رکعت کا خود جہل اس قائل کا ہے، اور پھر اس پر تکفیر سائل وغیرہ کی کرنا دوسری جہالت ہے اور معصیت سخت ہے کہ خوفِ کفر ہے، حدیث شیخین میں ہے: أيّما رجل قال لأخيه كافر فقد باء بها أحدهما ، رواه الشّيخان عن ابن عمر مرفوعًا (۳) اور ہر چند کہ تکفیر قائل میں احتیاط کی جاوے گی بہ وجہ احتمال تاویل کے، لیکن فسق میں اس کے کچھ کلام نہیں ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے إلاّ أن يتوب۔ اور وتر میں تین رکعت سے کم نہیں ہے، یہی صحیح اور راجح ہے، اور یہی مذہب حنفیہ کا ہے، اور جن روایات میں ایک رکعت وتر کی وارد ہے اس کی تاویل کی گئی ہے۔ كما هو المعروف عند العلماء، روایت ترمذی، ابوداوٗد ونسائی میں ہے: سألنا عائشة رضي اللّٰه عنها بأيّ شيء كان يوتر رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ؟ قالت: كان يقرأ في الأولىٰ : بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الاَعْلٰى وفي الثّانية: بِقُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ، وفي الثّالثة: بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ والمعوّذتين (۴) اور بعض روایات میں معوذتین مذکور نہیں ہے، اور عدم جواز إيتار بواحدة کے دلائل شرح منیہ وغیرہ میں مبسوط ہیں (۵) نهى عن البُتَيْرَآء

(۱) الدّرّ المختاروردّ المحتار: ۲/ ۴۰۷-۴۰۸، باب الوتر والنّوافل، مطلب في صلاة اللّيل.

(۲) مالابدمنہ فارسی، ص:۶۷، فصل، کتاب الصلاۃ، درنوافل، مطبع مجتبائی، دہلی۔

(۳) عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: أيّما رجل قال لأخيه: كافر الحديث. (مشكاة المصابيح، ص:۴۱۱، كتاب الآداب— باب حفظ اللّسان و الغيبة والشّتم ، الفصل الأوّل)

(۴) مشكاة المصابيح، ص:۱۱۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر، الفصل الثّاني .

(۵) غنية المستملي ، ص:۳۵۸-۳۵۹، فصل في النّوافل .

متعدد طرق سے ثابت ہے[1] زیادہ بسط کی اس موقع پر گنجائش نہیں ہے۔فقط واللہ اعلم (۴/ ۳۰۹-۳۱۱)

تہجد کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کتنی رکعتیں ہیں؟

سوال: (۱۸۰۷) نمازِ تہجد کی رکعتوں کی ابتدائی اور انتہائی حد کہاں تک ہے؟
(۲۱۵/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: کم ازکم چار رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت تہجد میں مسنون ہیں، اور شامی میں لکھا ہے کہ اگر صرف دو رکعت بھی پڑھ لے تو ثواب تہجد کا حاصل ہوجائے گا[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم
کتبہ الفقیر : اصغر حسین عفی عنہ (۴/ ۳۰۸)

تہجد کی پہلی رکعت میں طویل قراءت کرنا اور باقی رکعتوں میں مختصر قراءت کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۸۰۸) زید نمازِ تہجد بہ قراءت طویل اس طرح سے پڑھتا ہے کہ گاہے ایک پارہ، گاہے دو پارہ، گاہے سہ پارہ ایک رکعت میں پڑھ لیتا ہے، باقی تین رکعات میں مختصر سی سورتیں پڑھ کر ختم کرتا ہے یہ کیسا ہے؟ (۲۲۳/ ۷-۱۳۳۹ھ)

---

(۱) عن أبي سيعدٍ الخدريّ رضي الله عنه أنّ رسول الله صلّى الله عليه و سلّم نهىٰ عن البُتيراء أن يُصلي الرّجلُ واحدةً يوتر بها. (إعلاء السّنن :۶/ ۶۳، كتاب الصّلاة ، أبواب الوتر، نهي النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم عن البُتيراء ، المطبوعة : إدارة القرآن والعلوم الإسلاميّة ، كراتشي، باكستان)

(۲) قال في الشّامي:أقول:فينبغي القول بأن أقلّ التّهجّد ركعتان إلخ (ردّالمحتار: ۲/ ۴۰۸، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في صلاة اللّيل)

وأيضًا في رسائل الأركان لبحر العلوم مولانا عبد العلي محمّد تحت حديث لمسلم عن عبد الله ابن عبّاس رضي الله عنهما قال: ”زعم البعضُ أنّ هٰذا نوع آخر لصلاتهٖ صلّى اللّٰه عليه وسلّم هو أنّ صلاةَ اللّيل إثنا عشر ركعةً والوترَ إلخ“. (رسائل الأركان، ص:۱۳۵، رسالة الصّلاة ، فصل في صلاة اللّيل ، المطبوعة: مطبع العلوي ، لكناؤ)

الجواب: نمازِ تہجد آٹھ رکعت افضل ہے، اور بہتر یہ ہے کہ قراءت جملہ رکعات میں قریب قریب برابر کی رکھے، اور جائز یہ بھی ہے جو صورت سوال میں مذکور ہے [۱] فقط (۴/۳۰۲-۳۰۳)

تہجد کی کتنی رکعتیں پڑھنی چاہئیں؟

سوال: (۱۸۰۹) احادیث میں نماز تہجد آنحضرت ﷺ سے زائد سے زائد ۱۰ رکعت ثابت ہے، اور مع وتر گاہ تیرہ رکعت، گاہ گیارہ رکعت، گاہ نو رکعت، گاہ سات رکعت (مشکاۃ شریف) جو شخص تہجد پڑھے وہ بہ غرض اتباع اسی طرح پڑھے یا مقرر کرے؟ (۱۰۳۸/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اکثر چوں کہ آنحضرت ﷺ نے آٹھ رکعت تہجد پڑھے ہیں اور تین وتر، اس لیے فقہاء حنفیہ نے آٹھ رکعت پر مواظبت کو مستحب فرمایا ہے، اور اگر گنجائش نہ ہو تو دو یا چار رکعت بھی کافی ہیں۔ والتّفصيل في الشّامي [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۰۴)

تہجد میں بلند آواز سے قراءت کرنا درست ہے

سوال: (۱۸۱۰) تہجد کی نفلوں میں قرآن شریف پکار کر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۸۱۳/۱۳۳۹ھ)

الجواب: جائز و مستحب ہے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۰۳)

---

(۱) وصلاة اللّيل وأقلّها على ما في الجوهرة ثمان ، ولو جعله أثلاثًا فالأوسط أفضلُ ولو انصافًا فالأخيرُ أفضلُ (الدّرّ المختار) قيد بقولهٖ علٰى ما في الجوهرة لأنّه في الحاوي القدسيّ قال: يصلّي ما سهُل عليه ولو ركعتين والسّنّة فيها ثمانِ ركعاتٍ بأربعِ تسليماتٍ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۰۶-۴۰۸، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في صلاة اللّيل) ظفير

ومن التّعليل أنّ المنفردَ يسوّي بين الرّكعتين في الجميع اتّفاقًا ، شرح المنية. (ردّ المحتار: ۲/۲۳۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة ، فصل في القراء ة ، مطلب: السّنّة تكون سنّةَ عين و سنّةَ كفاية) ظفير

(۲) ويخيّر المنفرد في الجهر إلخ كمتنفّل باللّيل منفردًا فلو أمّ جهَرَ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۲۲-۲۲۳، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، أوائل فصل في القراء ة) ظفير

تہجد میں خاص خاص سورتیں پڑھنا ضروری نہیں

سوال: (۱۸۱۱) نمازِ تہجد کی ادا کرنے کی کیا ترکیب ہے؟ یعنی اس کے واسطے کوئی خاص دعا ہے اور خاص خاص سورت مقرر ہیں؟ ہم کلام مجید میں سے جو جو سورتیں چاہیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۲۱۵/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: تہجد کے لیے خصوصیت کسی سورت کی شرعاً نہیں ہے، بعض بزرگوں نے جو سورتیں بتلائی یا لکھی ہیں، وہ ہرگز لازمی وضروری نہیں، یاد ہوں تو مضائقہ نہیں۔ فقط، کتبہ الفقیر: اصغر حسین عفی عنہ (۴/۳۰۸-۳۰۹)

تہجد میں سورۂ اخلاص بار بار پڑھنا بہتر ہے یا بڑی بڑی سورتیں؟

سوال: (۱۸۱۲) تہجد کے نوافل میں جو سورۂ اخلاص پڑھی جاتی ہے، اوّل رکعت میں ۱۲ مرتبہ، دوسری میں ۱۱ دفعہ، سلسلہ وار گھٹتی ہے تو ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورۂ مزمل کا پڑھنے والا اعلی رہے گا، یا سورۂ اخلاص ترتیب مذکورہ کا؟ (۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: فرضوں میں تکرار سورت کو مکروہ لکھتے ہیں، اور نوافل میں درست ہے، لہٰذا سورۂ اخلاص کا مکرر پڑھنا تہجد میں درست ہے [1] لیکن اگر بڑی بڑی سورتیں مثل سورۂ یٓس وسورۂ مزمل وغیرہ کے پڑھے تو یہ اولیٰ ہے، اور اس میں ثواب زیادہ ہوگا [2] فقط واللہ اعلم (۴/۳۰۳-۳۰۴)

---

(۱) لا بأس أن يقرأ سورةً و يُعيدها في الثّانيةِ إلخ ، و لا يُكره في النّفل شيءٌ من ذلك . (الدّرّ المختار مع الشّامي : ۲/۲۳۸-۲۳۹، قبيل باب الإمامة ، فصل في القراءة)ظفير

(۲) عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص رضي اللّٰه عنه قال : قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم: مَن قامَ بِعَشْرِ آياتٍ لم يُكتب من الغافلين ، و من قام بمأةِ آيةٍ كُتب من القانتين ، ومَن قام بألفِ آيةٍ كُتب من المُقَنْطِرِيْنَ ، رواه أبوداؤد . (مشكاة المصابيح، ص:۱۰۷، كتاب الصّلاة ، باب صلاة اللّيل ، الفصل الثّاني)ظفير

تہجد کی ہر رکعت میں سورۂ اخلاص کا ملانا ضروری نہیں

سوال: (۱۸۱۳) تہجد کی نماز میں سورۂ اخلاص کا ملانا ہر مرتبہ فرض ہے یا نہیں؟ (۷۸۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: جائز ہے، مگر کچھ ضروری نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۰۳/۴)

آنحضرت ﷺ تہجد میں کس قدر طویل قراءت کرتے تھے؟

سوال: (۱۸۱۴)...... (الف) حدیث شریف میں ہے: ثمّ صلّٰی ركعتين طويلتين إلخ ، ثمّ صلّٰی ركعتين وهُما دونَ اللّتين قَبلهما الحديث [1] دوگانۂ اوّل مابعد سے کس قدر طویل تھا مثلاً ایک شخص نماز تہجد میں دو پارہ پڑھنا چاہتا ہے ہر دوگانہ میں کس قدر پڑھے؟

(ب) حدیث میں ہے کہ قیام کیا آنحضرت ﷺ نے حتّٰی تَوَرَّمَتْ قدماه الحديث [2] جب کہ تعداد تہجد آٹھ رکعت تھی تو قدر قراءت کس قدر تھی کہ پاؤں مبارک پر ورم ہو جاتا تھا؟

(۱۱۲۶/۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف - ب) کبھی آنحضرت ﷺ تہجد کی رکعات کو بہت طویل فرماتے تھے، کئی کئی پارہ ایک رکعت میں پڑھتے تھے [3] یہی وجہ ورم قدمین مبارکین کی تھی، اب اگر کسی کو دو پارے

---

(۱) عن زيد بن خالدٍ الجُهنيّ رضي الله عنه أنّه قال: لَأَرْمُقنَّ صلاةَ رسولِ الله صلّى الله عليه وسلّم اللّيلةَ، فصلّٰى ركعتين خفيفتين،ثمّ صلّٰى ركعتين طويلتين الحديث، رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، ص:۱۰۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة اللّيل ، الفصل الأوّل)

(۲) عن المُغيرة رضي الله عنه قال: قام النّبيُّ صلّى الله عليه و سلّم حتّٰی تَوَرَّمَتْ قدماه ، فقيل لهُ: لِمَ تصنعُ هٰذا و قد غُفر لكَ ماتقدّم من ذنبك و ما تأخّر؟ قال: أ فلا أكونُ عبدًا شكورًا ، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح ، ص:۱۰۸-۱۰۹، كتاب الصّلاة ، باب التّحريض علي قيام اللّيل ، الفصل الأوّل)

(۳) عن حذيفة رضي الله عنه أنّه رأى النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم يصلّي من اللّيل ، وكان يقول: اللّه أكبر ثلاثًا ذو الملكوتِ والجبروتِ و الكبرياءِ و العَظَمَةِ ، ثمّ استفتح فقرأ البقرة، ثمّ ركع ، فكان ركوعُهُ نحوًا من قيامهٖ ، ==

آٹھ رکعت میں پڑھنے ہوں تو اختیار ہے خواہ پاؤ پاؤ ایک ایک رکعت میں پڑھے یا پہلی رکعتوں میں کچھ زیادہ پڑھے اور پچھلی رکعتوں میں کم پڑھے سب جائز اور سنت ہے۔فقط (۴/ ۳۰۵-۳۰۷)

صحابہؓ کرام سے تہجد میں کس قدر قراءت ثابت ہے؟

سوال: (۱۸۱۵) قراءت تہجد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آثار سے کس قدر ثابت ہے؟

(۱۱۲۶/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: کچھ تحدید اس میں منقول نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۰۵-۳۰۷)

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے وہ تحیۃ الوضو کی تھیں؟

سوال: (۱۸۱۶) اوّل دوگانہ تہجد حضور جو خفیفتین لکھا ہے یہ تحیۃ الوضوء ہے یا کیا؟ (۱۱۲۶/ ۱۳۴۵ھ)

== فكان يقول في ركوعهٖ: سبحان ربّي العظيم ، ثمّ رفع رأسهُ من الرّكوع ، فكان قيامُهٗ نحوًا من ركوعهٖ يقول: لربّي الحمد ثمّ سجد ، فكان سجودُهٗ نحوًا من قيامهٖ فكان يقول في سجودهٖ : سبحان ربّي الأعلىٰ، ثمّ رفع رأسَهٗ من السّجود كان يقعد في ما بين السّجدتين نحوًا من سجودهٖ، وكان يقول : ربّ اغفرلي ربّ اغفرلي، فصلّٰى أربعَ ركعات قرأ فيهنّ البقرةَ وآلَ عمران والنّساءَ والمائدةَ أو الأنعامَ ، شكّ شعبةُ ، رواه أبوداؤد. (مشكاة المصابيح ، ص:۱۰۶-۱۰۷، كتاب الصّلاة ، باب صلاة اللّيل ، الفصل الثّاني)

اس حدیث سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تہجد میں قراءت کس قدر لمبی ہوتی تھی کہ از بقرہ تا مائدہ پڑھ جاتے تھے۔واللہ اعلم۔ظفیر

(۱) وصلاة اللّيل وأقلّها علىٰ ما في الجوهرة ثمانٍ ولو جعلهٗ أثلاثًا فالأوسطُ أفضل ولو أنصافًا فالأخيرُ أفضلُ (الدّرّ المختار) قوله: (ولو جعلهٗ أثلاثًا إلخ) أي لو أراد أن يقوم ثُلُثَهٗ وينام ثُلُثَيْهِ ، فالثّلث الأوسطُ أفضلُ من طرفيه لأنّ الغفلةَ فيه أتمُّ ، والعبادةَ فيه أثقلُ ، ولو أراد أن يقوم نصفَهٗ وينام نصفَهٗ فقِيام نصفِهِ الأخير أفضلُ إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۰۶-۴۰۸، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في صلاة اللّيل)

الجواب: یہ بھی احتمال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۰۶-۳۰۷)

تہجد میں آنحضرت ﷺ کی موافقت کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۸۱۷) جو شخص تہجد مطابق آنحضرت ﷺ پڑھنا چاہے تو گاہ دس رکعت، گاہ آٹھ رکعت، گاہ چھ، گاہ چار پڑھے یا روزمرہ آٹھ رکعت پڑھے؟ (۱۱۲۶/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اکثر عادت آنحضرت ﷺ کی آٹھ رکعت پڑھنے کی تھی، باقی حسبِ موقع کم و بیش بھی پڑھتے تھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۰۶-۳۰۷)

تہجد کا بہ تداعی جماعت سے ادا کرنا مکروہ ہے

سوال: (۱۸۱۸) اگر نمازِ تہجد بعد نماز فرض عشاء مابین سنت و وتر ادا کرے ۱۲ رکعت یا ۸ یا ۱۰، یا ۶، یا ۴، اور اکثر آدمی شوقین نمازِ تہجد ہوں تو اگر اس نماز کو جماعت سے ادا کریں، یا اخیر شب میں جماعت سے پڑھ لیں تو کچھ حرج یا کچھ گناہ تو نہیں؟ سنا گیا ہے معتبر ذرائع سے کہ جناب مولانا گنگوہیؒ نے کہیں لکھا ہے کہ اس نماز کو جماعت سے پڑھ لے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے، مستحبات سے ہے۔ (۵۲۸/۱۳۳۴ھ)

الجواب: {بعض}[1] احادیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد نماز عشاء قبل النوم اگر نوافل تہجد پڑھ لی جائے تو ثواب تہجد کا حاصل ہوتا ہے۔ {شامی میں ہے:}[2] وهٰذا يفيد أنّ هذه السّنّة تحصل بالتّنفّل بعدَ صلاةِ العشاءِ قبل النّوم[3] اور جماعت سے ادا کرنا تہجد کا مکروہ ہے اگر بہ تداعی ہو، درمختار میں ہے: أي يُكره ذٰلك لو علىٰ سبيل التّداعي بأن يقتدي أربعةٌ بواحدٍ إلخ[4]

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں {بعض} کی جگہ "معین" تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) قوسین کے درمیان والے الفاظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیے گئے ہیں۔ ۱۲

(۳) ردّ المحتار: ۲/۴۰۷، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في صلاة اللّيل.

(۴) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۳۶-۴۳۷، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في كراهة الاقتداء في النّفل علىٰ سبيل التّداعي و في صلاة الرّغائب.

{اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کی طرف نسبت کرنا جماعت تہجد کے جواز کی صحیح نہیں ہے، حضرت مولانا اس سے منع ہی فرماتے تھے}[1] فقط (شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اسے جائز کہتے تھے مگر صرف رمضان میں، سال کے دوسرے حصوں میں نہیں، اور آپ کا رمضان میں اسی پر عمل تھا۔ ظفیر)

(۳۱۲-۳۱۱/۴)

تہجد ونوافل کی جماعت کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۸۱۹)...... (الف) نماز تہجد باجماعت رمضان شریف میں پڑھنا اور اس میں قرآن شریف سننا چاہیے یا نہیں؟

(ب) علاوہ تراویح وتہجد کے نوافل باجماعت پڑھنا اور اس میں قرآن مجید کا پڑھنا اور سننا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) علاوہ رمضان شریف کے نوافل وتہجد باجماعت جائز ہے یا نہیں؟ (۲۶۴۳/۱۳۴۲ھ)

الجواب: (الف - ج) اقول وباللہ التوفیق: نماز تہجد جماعت کے ساتھ پڑھنا بہ تداعی مکروہ ہے، اور آنحضرت ﷺ نے جو رمضان کی تین راتوں میں بہ جماعت نماز پڑھی ہے وہ تراویح کی نماز تھی، علامہ شامی کی تحقیق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، اور حضرت مولانا حجۃ الواصلین قدوۃ العارفین عمدۃ الفقہاء والمحدثین مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ گنگوہی نے اپنے رسالۂ تراویح میں یہی تحقیق فرمایا ہے، چنانچہ بعد نقل حدیث مذکور کے فرماتے ہیں: ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو صلاۃ جداگانہ ہیں، اور رسول اللہ ﷺ تہجد کو ہمیشہ منفرداً پڑھتے تھے، کبھی بہ تداعی جماعت نہیں فرمائی الخ،،(۲)

اور رسالہ مذکورہ میں دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''اور جناب رسول اللہ ﷺ کے فعل سے صراحۃً یہ ثابت نہیں ہوا کہ جب آپ نے اوّل رات میں تین روز تراویح پڑھی تو اخیر وقت میں تہجد پڑھا؛ یا نہیں واللہ اعلم، مگر فعل بعض صحابہ سے اس کا نشان ملتا ہے الخ،،(۳) اور پھر تحریر فرماتے ہیں: ''لہٰذا

(۱) قوسین کے درمیان کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ کے مطابق کی گئی ہے۔۱۲

(۲) الرّأی النّجیح في عدد رکعات التّراویح، ص:۱۰، مطبوعہ، شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند۔

(۳) الرّأی النّجیح في عدد رکعات التّراویح، ص:۱۶۔

اگر رسول اللہ ﷺ نے تمام رات نماز تراویح پڑھی تو تہجد کا بھی اس میں تداخل ہوگیا الخ''(۱)
الغرض حضرت مولانا قدس سرہ نے یہی تحقیق فرمایا ہے کہ جو نماز بہ جماعت آنحضرت ﷺ نے رمضان شریف میں تین دن ادا فرمائی وہ تراویح کی نماز تھی، اور تہجد کی نماز علیحدہ پڑھی یا تداخل ہوگیا، اور یہ کہ تہجد کی نماز میں جماعت نہیں ہے، اور یہی اکثر احادیث سے ثابت ہوتا ہے، اور علماء وفقہاء حنفیہ نے یہی تحقیق فرمایا ہے، اور درمختار میں ہے: ولا يصلّي الوتر و لا التّطوّع بجماعة خارجَ رمضان أي يُكره ذلك لو علىٰ سبيل التّداعي بأن يقتدي أربعةٌ بواحدٍ إلخ (۲) درمختار اور اس روایت سے جو رمضان شریف میں تطوع بہ جماعت پڑھنا مفہوم ہوا، مراد اس سے تراویح کی نماز ہے، چنانچہ علامہ شامی نے اسی موقع پر تحریر فرمایا ہے: ويؤيّده أيضًا ما في البدائع من قوله: إنّ الجماعةَ في التّطوّع ليست بسنّةٍ إلاّ في قيام رمضان أهـ (۲)(شامي) اور نیز فرمایا: والنّفل بالجماعة غير مستحبّ لأنّه لم تفعله الصّحابةُ في غير رمضان إلخ (۲)(شامي) اور ظاہر ہے کہ صحابہ نے جو جماعت رمضان شریف میں کی ہے وہ تراویح کی جماعت تھی جیسا کہ فعل حضرت عمرؓ و دیگر صحابہ سے ظاہر ہے، اور قیام رمضان کا اطلاق بھی اسی پر کیا گیا ہے۔ فقط
(۲۲۰/۴-۲۲۲)

تراویح کے سوا باقی نوافل رمضان میں بھی تداعی کے ساتھ مکروہ ہیں، اور تداعی کے معنی

سوال: (۱۸۲۰)......(الف) ماہ رمضان میں بہ جماعت تداعی کے ساتھ کون تطوع بلا کراہت جائز ہے؟

(ب) کتب فقہ کی عبارات میں تداعی سے کیا مراد ہے؟ اور مکروہ سے کیا مراد ہے تحریمی یا تنزیہی؟ (۱۳۴۲/۲۸۴۶ھ)

---

(۱) الرّأی النّجيح في عدد ركعات التّراويح، ص:۱۸۔
(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۳۶-۴۳۷، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في كراهة الاقتداء في النّفل علىٰ سبيل التّداعي وفي صلاة الرّغائب.

الجواب: (الف – ب) قال في الدّرّ المختار: ولایصلّي الوتر ولا التّطوّع بجماعة خارج رمضان أي یُکرہ ذلك لو علیٰ سبیل التّداعي بأن یقتدي أربعةٌ بواحدٍ، کما في الدّرر إلخ [۱] ماہ رمضان المبارک میں تداعی کے ساتھ جماعت وتر اور تراویح جائز اور مشروع و مسنون ہے، اور باقی نوافل سوائے تراویح کے رمضان شریف میں بھی تداعی کے ساتھ مکروہ ہیں، اور معنی تداعی کے صاحب درمختار نے بیان فرمادیئے ہیں: بأن یقتدي أربعةٌ بواحدٍ سے۔ (۴/۲۲۲-۲۲۳)

رمضان میں تہجد بہ جماعت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۸۲۱) علیٰ ہذا رمضان میں تہجد بہ جماعت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ (۲۸۴۶/۱۳۴۲ھ)

الجواب: بغیر تداعی کے جائز ہے اور تداعی کے ساتھ مکروہ تحریمی ہے [۲] (۴/۲۲۲-۲۲۳)

تہجد میں اگر دو چار آدمی مل جائیں تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۸۲۲) اگر کوئی شخص رمضان میں تہجد شروع کرے اور اس کے ساتھ صرف دو یا تین یا چار مسلمان آکر اقتداء کریں تو کیا حکم ہے؟ (۲۸۴۶/۱۳۴۲ھ)

الجواب: ایک یا دو کی اقتداء بلا کراہت جائز ہے، اور تین میں خلاف ہے، اور اس سے زائد مکروہ ہے۔ قوله: (أربعةٌ بواحدٍ) أمّا اقتداءُ واحدٍ بواحدٍ أو اثنین بواحدٍ فلا یُکرہ، و ثلاثةٍ بواحدٍ فیه خلافٌ، بحر عن الکافي، وھل یحصل بھذا الاقتداءِ فضیلةُ الجماعة؟ ظاھرُ ما قدّمناہ من أن الجماعةَ في التّطوع لیست بسنّةٍ یفید عدمَهٗ تأمّلْ، بقِي لو اقتدیٰ بهٖ واحدٌ أو اثنان ثمّ جاء ت جماعةٌ اقتدوا بهٖ، قال الرّحمتي: ینبغي أن تکون الکراھةُ

---

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) یُکرہ ذلك لو علی سبیل التّداعي بأن یقتديَ أربعةٌ بواحدٍ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۳۶-۴۳۷، کتاب الصّلاۃ، باب الوتر والنّوافل، مطلب في کراھة الاقتداء في النّفل علیٰ سبیل التّداعي وفي صلاۃ الرّغائب) ظفیر

علی المتأخرین (شامی)[1] اس سے معلوم ہوا کہ اگر شہرت ہو جانے پر جماعت زیادہ ہونے لگے تو تداعی ثابت ہوگئی اور لازم آ گئی امام کو چاہیے کہ منع کر دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۲۲-۲۲۴)

تہجد کے وقت جو دعائیں مروی ہیں

ان کو کب پڑھنا چاہیے؟

سوال: (۱۸۲۳) احادیث میں ادعیہ مختلفہ تہجد میں وارد ہیں، وہ بعد ثنا ہیں یا تکبیر تحریمہ سے پیشتر؟ (۲۲۱/۱۳۳۹ھ)

الجواب: وہ ادعیہ تکبیر تحریمہ سے پیشتر پڑھنی چاہئیں[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۰۲)

سوال: (۱۸۲۴) عن ابن عباس قال: کان النبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم إذا قام من اللّیل یتهجّدُ قال: اللّٰهم لك الحمد إلخ[3] یہ دعا کھڑا ہو کر پڑھے یا بیٹھ کر؟ (۱۱۲۶/۱۳۴۵ھ)

الجواب: جس وقت اٹھے اس وقت پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۰۶-۳۰۷)

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۴۳۷، کتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في کراهة الاقتداء في النّفل علیٰ سبیل التّداعي و في صلاة الرّغائب .

(۲) عن شریق الهوزني قال : دخلت علی عائشة رضي اللّٰه عنها فسألتها بم کان رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم یفتتح إذا هبّ من اللّیل فقالت: سألتني عن شيء ما سألني عنه أحدٌ قبلك کان إذا هبّ من اللّیل کبّر عشرًا وحمد اللّٰه عشرًا وقال : سبحان اللّٰه وبحمدہٖ عشرًا وقال : سبحان الملك القدّوس عشرًا، واستغفر اللّٰه عشرًا وهلّل اللّٰه عشرًا ، ثمّ قال: اللّٰهمّ إنّي أعوذ بك من ضیق الدّنیا وضیق یوم القیامة عشرًا ، ثمّ یفتتح الصّلاة ، أبوداؤد . (مشکاة المصابیح ، ص:۱۰۸، کتاب الصّلاة ، باب ما یقول إذا قام من اللّیل ، الفصل الأوّل) ظفیر

(۳) عن ابن عبّاس رضي اللّٰه عنهما قال: کان النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم إذا قام من اللّیل یتهجّدُ ، قال: اللّٰهمّ لك الحمدُ أنتَ قیّمُ السّماوات والأرض الحدیث ، متّفق علیه. (مشکاة ، ص:۱۰۷-۱۰۸، کتاب الصّلاة ، باب ما یقول إذا قام من اللّیل ، الفصل الأوّل)

اِنّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ إلخ تکبیر تحریمہ سے پہلے پڑھنا چاہیے

سوال: (۱۸۲۵) چند ادعیہ احادیث میں منقول ہیں کہ بعد تکبیر تحریمہ آنحضرت ﷺ پڑھا کرتے تھے، مثلاً ﴿اِنّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ إلخ ﴾ عندالاحناف قبل از تکبیر تحریمہ پڑھیں یا بعد میں؟ (۱۳۴۵/۱۱۲۶ھ)

الجواب: قبل از تکبیر تحریمہ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۰۶-۳۰۷)

سوال میں مذکور دعا کب پڑھنی چاہیے؟

سوال: (۱۸۲۶) دعا: اللّٰھمّ اجعل في قلبي نورًا إلخ (۲) منقول ہے یہ دعا بعد تہجد پڑھیں، یا اوّل یا بعد سنت فجر؟ (۱۳۴۵/۱۱۲۶ھ)

الجواب: جس وقت پڑھ لے بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۰۶-۳۰۷)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) عن ابن عبّاس رضي اللّٰه عنهما قال: .... كان في دعائه : اللّٰهمّ اجعل في قلبي نورًا وفي بصري نورًا ، وفي سمعي نورًا ، وعن يميني نورًا ، وعن يساري نورًا ، وفوقي نورًا ، وتحتي نورًا ، وأمامي نورًا ، وخلفي نورًا ، واجعل لي نورًا الحديث ، رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، ص:۱۰۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة اللّيل ، الفصل الأوّل) ظفیر

صلاۃ التسبیح کا بیان

صلاۃ التسبیح کا بہتر طریقہ کیا ہے؟

سوال: (۱۸۲۷) صلاۃ التسبیح کی پہلی اور تیسری رکعت میں تسبیح کس وقت پڑھے؟ شافعیہ کے نزدیک جلسہ استراحت میں ہے، حنفیہ کے نزدیک کس وقت ہے؟ اور راجح قول کیا ہے؟

(۱۸۴۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: یہی راجح اور معمول بہ ہے کہ بیٹھ کر تسبیح پڑھ کر اور اٹھ کر فاتحہ وسورت کے بعد تسبیح ۱۵ دفعہ پڑھے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۲/۴)

وضاحت: صلاۃ التسبیح کا طریقہ جو حدیث میں آیا ہے وہ یہ ہے: چار رکعت صلاۃ التسبیح کی نیت سے نماز شروع کرے، اور ثناء، تعوذ، تسمیہ، فاتحہ اور سورت پڑھنے کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے قیام میں پندرہ مرتبہ یہ تسبیح پڑھے: **سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا إلٰہ إلّا اللّٰہ واللّٰہ أکبر،** پھر رکوع میں پہلے رکوع کی تسبیح پڑھے، پھر مذکورہ تسبیح دس مرتبہ پڑھے، پھر قومہ میں دس مرتبہ پڑھے، پھر سجدے میں سجدے کی تسبیح کے بعد دس مرتبہ، پھر جلسہ میں دس مرتبہ، پھر دوسرے سجدے میں

---

(۱) عن ابن عبّاس رضي اللّٰہ عنهما أنّ النّبيّ صلّى اللّٰہ علیه وسلّم قال للعبّاس بن عبد المطّلب: یا عبّاس! یا عمّاہ! ألا أعطیك؟ إلخ، إذا أنت فعلتَ ذلك غَفر اللّٰهُ لك ذنبك إلخ أن تصلّي أربعَ رکعاتٍ تقرأ في کلّ رکعةٍ فاتحةَ الکتاب وسورةً فإذا فرغتَ من القراءة في أوّل رکعةٍ و أنت قائمٌ، قلتَ: سبحان اللّٰہ و الحمد للّٰہ إلخ خمس عشرة مرّة، ثمّ ترکع فتقولها وأنت راکعٌ عشرًا ثمّ ترفعُ رأسَك من الرّکوع فتقولها الحدیث. (مشکاة المصابیح، ص:۱۱۷، کتاب الصّلاة، باب صلاة التّطوّع، الفصل الثّاني)

سجدے کی تسبیح کے بعد دس مرتبہ پڑھے، پھر دوسرے سجدے سے سر اٹھا کر بیٹھے اور دس مرتبہ مذکورہ تسبیح پڑھے، یہ ایک رکعت میں ۷۵ مرتبہ تسبیح ہوئی، اسی طرح بقیہ رکعتیں پڑھے تو چار رکعتوں میں تین سو مرتبہ تسبیح ہو جائے گی (۱)

دوسرا طریقہ جو عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے تجویز کیا ہے، وہ یہ ہے: نماز شروع کرنے کے بعد ثناء پڑھے، پھر پندرہ مرتبہ مذکورہ تسبیح پڑھے، پھر تعوذ، تسمیہ، فاتحہ اور سورت پڑھے، پھر رکوع میں جانے سے پہلے قیام میں دس مرتبہ پڑھے، پھر رکوع میں رکوع کی تسبیح کے بعد دس مرتبہ، پھر قومہ میں دس مرتبہ پڑھے، پھر پہلے سجدے میں سجدے کی تسبیح کے بعد دس مرتبہ، پھر جلسہ میں دس مرتبہ، پھر دوسرے سجدے میں دس مرتبہ پڑھے، یہ ایک رکعت میں ۷۵ مرتبہ تسبیح ہوئی (۲) اس صورت میں جلسہ استراحت نہیں کرنا پڑتا، اس طرح بھی صلاۃ التسبیح پڑھنا جائز ہے، مگر بہتر پہلا طریقہ ہے، کیوں کہ وہ طریقہ حدیث میں آیا ہے، اسی لیے حضرت مجیب قدس سرہٗ نے پہلے طریقے کو راجح اور بہتر قرار دیا ہے، اگرچہ علامہ شامی وغیرہ نے دوسرے طریقہ کو مختار کہا ہے (۳) (محمد امین)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) قال أبو وهب : سألت عبد الله بن المبارك عن الصّلاة الّتي يسبّح فيها ؟ قال: يكبّر ثمّ يقول : سبحانك اللّهمّ وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدّك ولا إلٰه غيرك ، ثمّ يقول خمس عشرة مرّة: سبحان الله والحمد لله ولآ إلٰه إلاّ الله والله أكبر، ثمّ يتعوّذ ويقرأ بسم الله الرّحمٰن الرّحيم ، وفاتحة الكتاب وسورة ، ثمّ يقول عشر مرّات: سبحان الله والحمد لله ولا إلٰه إلاّ الله والله أكبر، ثمّ يركع فيقولها عشرًا، ثمّ يرفع رأسه فيقولها عشرًا ، ثمّ يسجد فيقولها عشرًا ، ثمّ يرفع رأسه ويقولها عشرًا ، ثمّ يسجد الثّانية فيقولها عشرًا ، يصلّي أربع ركعاتٍ على هٰذا ؛ فذلك خمس وسبعون تسبيحة في كلّ ركعةٍ ، يبدأ في كلّ ركعةٍ بخمس عشرة تسبيحة ، ثمّ يقرأ ، ثمّ يسبّح عشرًا، فإن صلّى ليلاً فأحبّ إليّ أن يسلّم في كلّ ركعتين ، وإن صلّى نهارًا فإن شاء سلّم ، وإن شاء لم يسلّم ، قال أبو وهب: وأخبرني عبد العزيز وهو ابن أبي رزمة عن عبد الله أنّه قال : يبدأ في الرّكوع بسبحان ربّي العظيم وفي السّجود بسبحان ربّي الأعلىٰ ثلاثًا ، ثمّ يسبّح التّسبيحات. (ترمذي شريف: ۱/ ۱۰۹، أبواب الوتر، باب ما جاء في صلاة التّسبيح)

(۳) ردّ المحتار: ۲/ ۴۱۱، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في صلاة التّسبيح .

سوال: (۱۸۲۸) صلاۃ التسبیح میں تسبیح معروفہ پندرہ مرتبہ قبل از قراءت و دس بار بعد از قراءت شامی میں منقول ہے، اور حدیث میں بعد سجدہ دویم دس مرتبہ وارد ہے، عندالاحناف عمل کس پر ہے؟ اور بعد سجدہ کے اگر پڑھے تو تکبیر کہہ کر پھر پڑھ کر کھڑا ہو یا کیوں کر؟ (۳۵۰/۱۳۳۹ھ)

الجواب: شامی نے دونوں صورتیں لکھی ہیں اور دونوں منقول ہیں، لیکن بہتر وہ صورت معلوم ہوتی ہے جو موافق احادیث مشہورہ کے ہے کہ بعد قراءت کے پندرہ بار اور سجدہ ثانیہ سے اٹھ کر دس بار تسبیح مذکور پڑھے پھر اٹھے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۴/۴)

صلاۃ التسبیح کا ثواب عام ہے اور صلاۃ التسبیح کے سجدۂ سہو میں کیا پڑھے؟ اور قیام میں کتنی مرتبہ تسبیح پڑھے؟

سوال: (۱۸۲۹)......(الف) صلاۃ التسبیح کا ثواب رسول اللہ ﷺ نے جیسا کہ اپنے چچا حضرت عباسؓ کو فرمایا تھا اور امتی کو بھی ایسا ہی ثواب ملے گا یا نہیں؟

(ب) صلاۃ التسبیح میں اگر سہو ہو جائے تو سبحان اللہ والحمد للہ سجدۂ سہو میں کہے یا سبحان ربّي الأعلٰی کہے، قیام میں سبحان اللہ إلخ ۲۵ مرتبہ کہے یا ۱۵ مرتبہ، اگر قیام میں ۲۵ مرتبہ کہے گا تو دوسرے سجدہ کے بعد نہ کہے گا یہ درست ہے یا نہیں؟ (۱۶۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف) حدیث شریف میں ہے: إنّما الأعمال بالنّیات وإنّما لکلّ امرء ما نویٰ الحدیث [۲] پس مدار ثواب کا نیت پر ہے اگر لوجہ اللہ خالص نیت سے کوئی پڑھے گا تو اب بھی اسی قدر ثواب ملے گا، حضرت عباسؓ کو جو تعلیم فرمائی تھی وہ ان کی خصوصیت نہ تھی، جیسے آپ کی دیگر ادعیہ و اعمال کی تعلیم و بشارت ثواب عام تھی۔

---

(۱) تفصیل سابقہ وضاحت میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) صحیح البخاري: ۲/۱، باب کیف کان بدؤ الوحي إلٰی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم إلخ.

(ب) سجدۂ سہو میں سبحان ربّي الأعلیٰ [1] کہے اور قیام میں پندرہ دفعہ سبحان اللّٰہ إلخ کہے [2] حاصل یہ ہے کہ صلاۃ التسبیح فرض واجب تو ہے نہیں؛ لیکن اگر پڑھے تو اسی طریقہ سے پڑھے جو سلف سے منقول ہے، اپنی طرف سے اس میں ایجاد کرنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم (۳۱۳/۴)

صلاۃ التسبیح کی جماعت مکروہ ہے

سوال: (۱۸۳۰) صلاۃ التسبیح کی جماعت درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۷۰۹ھ)

الجواب: جماعت نوافل کی خواہ صلاۃ التسبیح ہو یا کوئی دوسری نوافل اگر بہ تداعی ہو، مکروہ ہے [3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۳/۴)

صلاۃ التسبیح نہ باجماعت درست ہے نہ فوت شدہ نمازوں کے لیے کفارہ ہے

سوال: (۱۸۳۱) رمضان شریف کے آخر جمعہ میں صلاۃ التسبیح باجماعت پڑھائی جاتی ہے، اس کی نسبت شرعًا کیا حکم ہے؟ امام یہ کہتا ہے کہ جاہل لوگ تسبیح نہیں پڑھ سکتے، لہٰذا ان کو امام کی متابعت میں ثواب مل جاوے گا، اعتبارًا لصلاۃ الکسوف والخسوف والاستسقاء (اور کیا فوت شدہ نمازوں کا کفارہ ہوجائے گا؟ ظفیر) (۱۳۳۸/۱۱۳۰ھ)

---

(۱) قال ابن أبي رزمة: قلت: لعبد اللّٰه بن المبارك : إن سها فيها أ يُسَبِّحُ في سجدتي السّهو عشرًا عشرًا ؟ قال : لا إنّما هي ثلاث مائة تسبيحة . (ترمذي شريف: ۱/۱۱۰ ، أبواب الوتر، باب ما جاء في صلاة التّسبيح)

(۲) کیوں کہ صلاۃ التسبیح کا جو طریقہ حدیث میں آیا ہے اس میں پندرہ مرتبہ ہے۔ محمد امین

(۳) ولا يصلّي الوتر و لا التّطوّع بجماعة خارج رمضان أي يكره ذلك ولو علىٰ سبيل التّداعي بأن يقتدي أربعةٌ بواحدٍ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۳۶-۴۳۷، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب في كراهة الاقتداء في النّفل علىٰ سبيل التّداعي و في صلاة الرّغائب) ظفیر

الجواب: اس کی کچھ اصل نہیں ہے، اور اس سے نماز ہائے فوت شدہ کا کفارہ نہیں ہوتا، یہ خیال غلط ہے اور امام کا خیال بھی غلط ہے، بدعت کا ارتکاب اس خیال سے درست نہیں ہے۔ فقط (۳۱۴-۳۱۳/۴)

صلاۃ التسبیح کے قومہ میں ہاتھ کھلا رکھے

سوال: (۱۸۳۲) صلاۃ التسبیح کے قومہ میں ہاتھ باندھے رکھے یا کھلے رکھے؟ (۳۱۰/۱۳۴۲ھ)

الجواب: کھلے رکھنا ہی معمول بہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۴/۴)

صلاۃ التسبیح کی چار رکعتیں ایک سلام سے پڑھنا بہتر ہے یا دو سلام سے؟

سوال: (۱۸۳۳) صلاۃ التسبیح چار رکعت ایک سلام سے پڑھنا اولیٰ ہے یا دو سلام کے ساتھ؟ (۶۶۴/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: صلاۃ التسبیح دو رکعت یا چار رکعت کی نیت کرے دونوں طرح جائز ہے [(۱)] اگر چار کی نیت ہو تو درمیان کے قعدہ میں درود شریف پڑھ لیوے [(۲)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۵/۴)

تسبیح دس کی جگہ اگر پندرہ پڑھ لیوے تو سجدہ سہو لازم نہیں

سوال: (۱۸۳۴) اگر تسبیح بجائے دس کے پندرہ دفعہ پڑھ لی بھول کر تو سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہ؟ (۶۶۴/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: تسبیح اگر دس کی جگہ پندرہ پڑھ لیوے تو سجدۂ سہو لازم نہیں آتا۔ فقط (۳۱۵/۴)

---

(۱) قال ابن المبارك : فإن صلّى ليلاً فأحبّ إليّ أن يسلّم في كلّ ركعتين ، وإن صلّى نهارًا فإن شاء سلّم وإن شاء لم يسلّم . (ترمذي شريف: ۱/۱۰۹ ، أبواب الوتر ، باب ما جاء في صلاة التّسبيح)

(۲) وفي البواقي من ذوات الأربع يصلّي على النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم ، و يستفتح ويتعوّذ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۹۷، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل، مطلب في لفظة ثمان)

ایک رکن میں دوگنی تسبیح پڑھ لی تو سجدۂ سہو لازم نہیں

سوال: (۱۸۳۵) صلاۃ التسبیح میں اگر کسی موقع کی تسبیح بھول کر دوسرے رکن میں تکبیر کہتا ہوا چلا گیا، اور اس رکن میں دوگنی تسبیح پڑھ لی تو سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ (۲۰۸۲/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس میں کچھ حرج نہیں ہے اور سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۱۵)

تسبیح کی جگہ الحمدللہ پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا

سوال: (۱۸۳۶) ...... (الف) صلاۃ التسبیح میں الحمد سے پہلے سبحان اللہ پڑھا گیا، اور بجائے تسبیح کے اگر الحمد پڑھی گئی تو سجدۂ سہو آوے گا یا نہیں؟

(ب) صلاۃ التسبیح میں قراءت کے بعد تسبیح بھول کر رکوع میں چلا گیا، رکوع میں یاد آیا اور رکوع میں اس تسبیح کو پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ (۱۱۰۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: (الف – ب) نماز ہوگئی، سجدۂ سہو واجب نہیں ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۸۸)
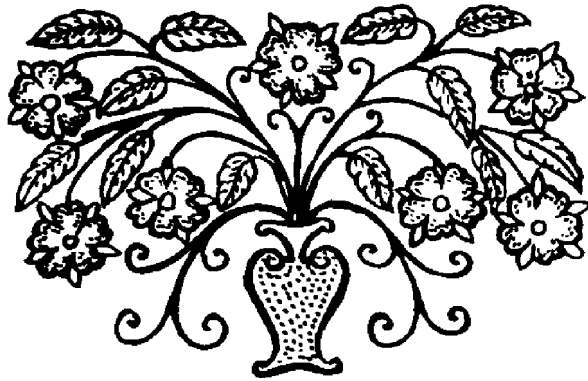
جماعت میں شامل ہونے کا بیان

جماعت میں شامل ہونے کے لیے منفرد فرض کی نیت توڑ دے مگر سنت ونفل کی نہ توڑے اس کی وجہ کیا ہے؟

سوال: (۱۸۳۷) ایک شخص نے اپنے رسالہ رکن الدین میں عالم گیری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر کوئی مغرب یا فجر کے فرض علیحدہ پڑھ رہا ہو، اگر دوسری رکعت کے سجدہ سے پہلے جماعت قائم ہوگئی تو نماز توڑ کر جماعت میں مل جاوے، اب شبہ یہ ہے کہ جماعت سنت ہے اور اعمال کے باطل کرنے پر قرآن میں نہی وارد ہے، اور فجر کی سنت کے متعلق لکھا ہے کہ جب تک قعدۂ اخیرہ ملنے کی امید ہے تو سنتیں نہ توڑے اور چار رکعت سنت کے متعلق لکھا ہے کہ اگر تیسری رکعت میں جماعت قائم ہوئی ہے تو چار پوری کر کے شریک جماعت ہو، شبہ یہ ہے کہ سنتوں کو فرضوں پر فضیلت کس قاعدہ سے حاصل ہے کہ فرض توڑے جاویں اور سنت نہ توڑی جاویں؟ (۱۹۸۵/۱۳۴۰ھ)

الجواب: یہ ابطالِ عمل چونکہ واسطے اکمال کے ہے، اس لیے جائز ہے اور ممنوع نہیں ہے، بلکہ بہتر اور ثواب کا کام ہے[۱] اور فجر کی سنتوں میں یہ بھی مسئلہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ کے ملنے تک کی بھی امید ہو تو سنتیں پڑھ کر شامل جماعت ہو جاوے تاکہ جماعت کا ثواب بھی مل جاوے اور سنتیں بھی ادا

---

(۱) والقطع وإن كان إبطالاً للعمل وهو منهيّ لقوله تعالىٰ ﴿وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ﴾ فالإبطال لقصد الإكمال لا يكون إبطالاً. (شرح الوقاية: ۱/۱۷۷، كتاب الصّلاة، باب إدراك الفريضة)

ہوجاویں (۱) غرض یہ کہ مسائل مذکورہ صحیح ہیں (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۱۵-۳۱۶)

فجر کی سنت شروع کرنے کے بعد اقامت ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۸۳۸) ایک شخص نے فجر کی سنت شروع کی دفعۃً مؤذن تکبیر کہنے لگا اور فرض نماز باجماعت شروع ہوگئی تو اس شخص کو نیت توڑ کر جماعت میں شریک ہونا چاہیے یا سنت پوری کرکے؟ (۳۴۷/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: بعد ادا کرنے سنت کے شریک جماعت ہو (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۲۳)

حنفی لوگ صبح کی سنتیں جماعت کے وقت کیوں پڑھتے رہتے ہیں؟

سوال: (۱۸۳۹) ایک شخص طعن کرتا ہے کہ صبح کی سنتیں باوجود جماعت قائم ہوجانے کے حنفی لوگ پڑھتے رہتے ہیں؟ (۴۲۹/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنّتها تركها لكون الجماعة أكمل وإلاّ بأن رجا إدراكَ ركعةٍ في ظاهر المذهب ، وقيل : التّشهّد ، واعتمده المصنّف والشّرنبلاليّ تبعًا للبحر لكن ضعّفهُ في النّهر لا يتركها بل يصلّيها عند باب المسجد إن وجد مكانًا إلخ .
(الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۴۵-۴۴۶، كتاب الصّلاة ، باب إدراك الفريضة ، مطلب: هل الإساء ة دون الكراهة أو أفحشُ؟) ظفیر

(۲) سوال میں جو اشکال سنت کے نہ توڑنے پر ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ فرض اگر پڑھ رہا ہے تو اُسے توڑ کر پھر اُسے ہی امام کے ساتھ ادا کرے گا تو وہاں ابطال للاکمال ہے، بہ خلاف سنت کے کہ اسے ترک کرکے اُسے نہ پڑھے گا، بلکہ فرض پڑھے گا، تو یہ ابطال للاکمال نہ ہوا، لہٰذا نہ توڑنے کی صورت میں سنت بھی ادا ہوجائے گی، اور فرض کی فضیلت بھی حاصل کرلے گا۔ والشّارع في نفلٍ لا يقطعُ مطلقًا ، ويُتمُّهُ ركعتين ، وكذا سنّة الظّهر وسنّة الجمعة إذا أقيمت أو خطب الإمامُ يُتمُّها أربعًا على القول الرّاجح لأنّها صلاةٌ واحدةٌ ، وليس القطعُ للإكمال بل للإبطال خلافًا لما رجّحه الكمال.
(الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۴۲، كتاب الصّلاة ، باب إدراك الفريضة ، مطلب: صلاة ركعةٍ واحدةٍ باطلةٌ ، لا صحيحةٌ مكروهةٌ) ظفیر

الجواب: امام صاحب کے مذہب کے موافق حدیث اور قرآن شریف دونوں پر عمل ہو جاتا ہے، بعض احادیث میں چونکہ سنتِ فجر کی زیادہ تاکید آئی ہے، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل ایسا رہا ہے کہ فرضوں کے شروع ہونے کے بعد انہوں نے سنتیں صبح کی پڑھی ہیں، اور سنت پڑھ کر شریک جماعت ہوئے ہیں؛ چنانچہ وہ آثار کتب میں منقول ہیں (۱) امام نے اس پر عمل فرمایا ہے، پھر اعتراض اور طعن فضول ہے اور غلطی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۲۱-۳۲۲)

اقامت کے بعد جماعت میں تاخیر کرنا درست ہے

سوال: (۱۸۴۰) ایک شخص نے ظہر کی سنتوں کی نیت باندھی صرف ایک رکعت پڑھی تھی کہ تکبیر ہوگئی جس وقت تک شخص مذکور کی چار رکعت پوری ہوئیں امام مصلے پر نہیں گیا، جب وہ چاروں رکعتیں ادا کر چکا تب امام صاحب مصلے پر پہنچے اور پہلی ہی تکبیر سے نماز ادا کی گئی نماز ہوگئی یا نہیں؟

(۸۵۴/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز ہوگئی اور تکبیر کے اعادہ کی ضرورت نہ تھی، کما في الدّرّ المختار:

---

(۱) عن عائشة رضي اللّٰه عهنا قالت : لم یکن النّبيُّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم علٰی شيءٍ من النّوافل أشدَّ تعاهدًا منه علٰی رکعتي الفجر ، رواه الشّیخان .

وعنها قالت: قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : رکعتا الفجر خیرٌ من الدّنیا وما فیها، رواه مسلم (مشکاة المصابیح، ص:۱۰۴، کتاب الصّلاة ، باب السّنن وفضائلها، الفصل الأوّل ، وأیضًا في آثار السّنن، ص:۲۴۹-۲۵۰، باب التّطوّع لصلوات الخمس)

وعن أبي هریرة رضي اللّٰه عنه قال : قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم لا تَدعُوْا رکعتي الفجرِ و لو طَرَدَتْکُمْ الخیلُ ، رواه أحمد و أبوداؤد ، و إسنادُهٗ صحیحٌ (آثار السّنن : ص:۲۵۹، کتاب الصّلاة، أبواب صلاة الوتر، باب في تاکید رکعتي الفجر، المطبوعة : مکتبة البشریٰ، کراتشي)

وإنّما خالفنا في سنّة الفجر لشدّة تأکّدِها إلخ ، لما روی الطّحاويّ وغیره عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه أنّه دخل المسجدَ و قد أقیمت الصّلاة فصلّٰی رکعتي الفجر في المسجد إلٰی أُسطوانةٍ ، و ذلك بمَحضر حذیفة و أبي موسٰی . (غنیة المستملي ، ص: ۳۴۳-۳۴۴، فصل في النّوافل) ظفیر

صلّى السّنّةَ بعدَ الإقامة أو حضر الإمامُ بعدها لا يُعيدها ، بزّازيّة[۱] فقط واللہ اعلم (۴/ ۳۱۷)

کن وجوہ سے نماز توڑ سکتا ہے؟

سوال: (۱۸۴۱) انسان کن کن عذرات سے بلا ارتکاب گناہ نماز توڑ سکتا ہے؟ (۱۲۰۵/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: درمختار: باب إدراك الفريضة میں اس کی تفصیل کی ہے؛ اس کو دیکھ لیں[۲] اور اگر خاص صورت پیش آئی ہو تو اس کو دریافت کرلیں، کہ فلاں صورت میں قطع کرنا نماز کا صحیح ہے یا نہیں؟ درمختار میں یہ بھی ہے کہ انجاء غریق وحریق کی وجہ سے توڑنا نماز کا واجب ہے، اور ایک درہم کا نقصان ہوتا ہو تو قطع کرنا نماز کا جائز ہے؛ واجب نہیں ہے، اور شامی میں کلیہ قاعدہ یہ لکھا ہے: إنّ القطعَ يكون حرامًا ومباحًا ومستحبًّا وواجبًا، فالحرامُ لغيرِ عذرٍ، والمباحُ إذا خاف فوتَ مالٍ والمستحبُّ القطعُ للإكمال ، والواجبُ لإحياء نفسٍ إلخ[۳] فقط (۴/ ۳۱۷-۳۱۸)

دوسری مسجد میں اس لیے جانا کہ پوری جماعت مل جائے گی کیسا ہے؟

سوال: (۱۸۴۲) ایک شخص مسجد میں آیا جماعت ہو رہی تھی پھر وہ شخص بہ ایں خیال دوسری مسجد میں چلا گیا کہ وہاں پوری جماعت مل جاوے گی، اور ایک شخص قعدۂ اخیرہ میں آیا اور چل دیا؛ یہ چلا جانا جائز ہے یا نہ؟ (۸۳۸/ ۱۳۳۵ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۶۵، كتاب الصّلاة ، باب الأذان ، قبل مطلب: هل باشر النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم الأذانَ بنفسهِ؟

(۲) يَقطعها لعُذرٍ إحرازًا لجماعةٍ كما لو نَدَّتْ دَابَّتُهُ أو فارَ قِدرُها أو خاف ضياعَ درهمٍ مِن مالِهِ أو كان في النّفل فجِيء بجنازةٍ ، وخاف فوتَها قَطَعَهُ لإمكان قضائِهِ ، ويجب القطعُ لنحوِ إنجاء غريقٍ أو حريقٍ و لو دعاهُ أحدُ أبويه في الفرض لا يُجيبُهُ إلّا أن يستغيثَ بهِ ، وفي النّفلِ إن علم أنّه في الصّلاة فدعاه لا يجيبه و إلّا أجابَهُ قائمًا لأنّ القعود مشروطٌ للتّحلُّل وهٰذا قطعٌ لا تحلُّلٌ ، و يكتفي بتسليمةٍ واحدةٍ هو الأصحّ ، غاية . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۳۹-۴۴۱، كتاب الصّلاة ، أوائل باب إدراك الفريضة) ظفیر

(۳) ردّ المحتار: ۲/ ۴۴۱، كتاب الصّلاة، باب إدراك الفريضة ، مطلب: قطعُ الصّلاة يكون حرامًا و مباحًا ومستحبًّا و واجبًا .

الجواب: بہتر ان کو اسی مسجد میں جماعت میں شریک ہونا ہے[۱] فقط واللہ اعلم (۴/ ۳۱۸)

ظہر کی سنت شروع کرنے کے بعد جماعت قائم ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۸۴۳) ایک شخص ظہر کے وقت قبل جماعت چار رکعت سنت پڑھ رہا ہے، ایک رکعت یا دو ادا کر چکا ہے کہ فرض کی جماعت قائم ہوئی تو یہ سنت پڑھنے والا کیا کرے؟ اپنی نماز پوری کرے یا ایک رکعت پڑھ چکا ہے تو اور ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیرے، یا دو رکعت پڑھ چکا ہے تو چار پوری کرے یا ہر حال میں اس کو پورا کرنا ہوگا یا چھوڑ کر جماعت میں شریک ہوجائے؟ (۹۲۷/ ۱۳۴۰ھ)

الجواب: اگر ایک رکعت سنتوں کی پڑھ چکا ہے تو دو رکعت پوری کر کے سلام پھیر کر جماعت میں شریک ہو جاوے، محققین حنفیہ نے اسی کو راجح فرمایا ہے، اور دوسرا قول کہ وہ بھی مفتی بہ ہے اس بارے میں یہ ہے کہ ہر حال چار سنت پوری کرے، لیکن محقق ابن ہمامؒ نے قول اوّل کو راجح فرمایا ہے کذا في الشّامي[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۱۹)

---

(۱) وكذا لو فاتت أحدَهم تكبيرةُ الافتتاح أو ركعة أو ركعتان و يمكنه إدراكها في غيره لا يذهب إليه لأنّه صار محرزًا فضيلةَ الجماعة في مسجدهٖ فلا يترك حقّه. (غنية المستملي، ص: ۵۲۹، فصل في أحكام المسجد ، البحث الثّاني في أفضل المساجد)

وكُره تحريمًا للنّهي خروجُ من لم يصلِّ من مسجدٍ أُذِن فيه ...... إلّا لمن يَنتظمُ بهٖ أمر جماعةٍ أخرىٰ ...... وإلّا لمن صلّى الظّهرَ والعشاءَ وحده مرّة فلا يكره خروجُه بل تركُهٗ للجماعة إلّا عند الشّروع في الإقامة فيكره لمخالفتهِ الجماعةَ بلا عذرٍ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۴۳-۴۴۴، كتاب الصّلاة ، باب إدراك الفريضة ، مطلب في كراهةِ الخروجِ من المسجدِ بعدَ الأذان) ظفیر

(۲) والشّارع في نفلٍ لا يقطعُ مطلقًا ، و يُتِمُّهٗ ركعتين ، وكذا سنّة الظّهر وسنّة الجمعة إذا أقيمت أو خطب الإمامُ يُتِمُّها أربعًا على القول الرّاجح لأنّها صلاةٌ واحدةٌ ، وليس القطعُ للإكمال بل للإبطال خلافًا لما رجّحه الكمال (الدّرّ المختار) حيث قال ، وقيل: يقطع على رأس الرّكعتين وهو الرّاجح لأنّه يتمكّن من قضائها بعض الفرض ولا إبطالَ في التّسليم على الرّكعتين فلا يفوت فرض الاستماعِ و الأداءِ على الوجه الأكمل بلا سبب إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۴۴۲، كتاب الصّلاة، باب إدراك الفريضة ، مطلب: صلاة ركعةٍ واحدةٍ باطلةٌ ، لا صحيحةٌ مكروهةٌ) ظفیر

جماعت میں شامل ہونے کے لیے سنتوں میں عجلت کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۸۴۴) ایک شخص جماعت شروع ہونے کے قریب ہی آکر سنت کی نیت باندھ لیتا ہے، فوراً اقامت ہوتی ہے تو وہ دو رکعتوں میں الحمد وسورت، التحیات وغیرہ کچھ نہیں پڑھتا، غالباً سبحان اللہ وغیرہ کہہ لیتا ہو، بہرحال سجدہ وغیرہ کر کے سلام پھیر کے امام کے الحمد ختم کرنے سے پہلے شریک جماعت ہو جاتا ہے، اس قدر عجلت جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۲۷۴ھ)

الجواب: ایسے وقت میں یہ ضروری ہے کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر کر شریک جماعت ہو جاوے، اور بہ سبب پانے جماعت کے اگر عجلت اور اختصار کرے تو یہ بھی مناسب ہے، لیکن ایسی عجلت درست نہیں ہے کہ فرض قراءت وغیرہ متروک ہو جاوے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۰/۴)

دوسری مسجد کا امام جماعت چھوڑ کر جا سکتا ہے

سوال: (۱۸۴۵) ایک شخص مسجد میں ایسے وقت آیا کہ جماعت ہو رہی تھی، وضو کر کے چلا گیا جماعت میں نہیں ملا، چونکہ وہ دوسری مسجد کا پابند نمازی ہے، یعنی وہی امام وہی مقتدی وہی مؤذن ہے، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۴-۳۳/۴۴۹ھ)

الجواب: اس کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا، اس کے حق میں اس مسجد سے جانا اور یہاں کی جماعت میں شریک نہ ہونا مکروہ نہیں ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۹/۴)

---

(۱) والشّارع في نفل لا يقطع مطلقًا ويُتمّه ركعتين (الدّرّ المختار) قوله: (مطلقًا) أي سواء قيد الأولى بسجدة أوّلاً. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۴۲/۲، كتاب الصّلاة ، باب إدراك الفريضة ، مطلب: صلاة ركعةٍ واحدةٍ باطلةٌ ، لا صحيحةٌ مكروهةٌ)

من فرائضها الّتي لا تصحّ بدونها التّحريمة إلخ ، ومنها القيام إلخ ، ومنها القراءة إلخ، ومنها الرّكوع إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۱۲/۲-۱۱۸، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة) ظفير

(۲) وكره تحريمًا للنّهي خروج من لم يصلّ من مسجد أذن فيه .... إلاّ لمن ينتظم به أمر جماعة أخرى أو كان الخروج لمسجدِ حيّه و لم يصلّوا فيه (الدّرّ المختار) ==

جو نفل کی نیت سے عشاء کی جماعت میں شامل ہوا وہ سنت و وتر نہ پڑھے

سوال: (۱۸۴۶) اگر کوئی عشاء کی نماز ادا کر چکا، پھر جماعت ہوتے دیکھا اس میں بھی شامل ہو گیا، اب سنت و وتر پھر پڑھے یا نہیں؟ (۲۱۴۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: سنت و وتر نہ پڑھے۔ فقط (وہ پہلے ادا کر چکا ہے اور یہ نفل کے حکم میں ہے، ظفیر) (۳۲۰/۴)

امام سے تخفیف قراءت وخطبہ کا تقاضا کرنا اور نیت توڑنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۸۴۷) ایک شخص نے نجیب آباد کے اسٹیشن کی مسجد میں بہ روز جمعہ آ کر امام سے یہ کہا کہ ہم ڈیڑھ بجے کی گاڑی سے جا رہے ہیں، تم چھوٹا خطبہ اور چھوٹی قراءت نماز میں پڑھنا، نماز شروع ہونے پر ایک رکعت اچھی طرح ادا ہوئی، دوسری رکعت میں امام نے قراءت شروع کی تھی کہ شخص مذکور کو آمد ریل کا خیال ہوا یہ شخص نیت توڑ کر باہر نکل آیا اور اسٹیشن پر چلا گیا، اور جو اس کے ہمراہی مسافر تھے انہوں نے نماز بہ اطمینان پوری کر کے ریل میں سوار ہوئے، امام کو چھوٹی قراءت و خطبہ کا تقاضا کرنا اور نیت توڑنا کیسا ہے؟ (۱۰۶۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ایسی حالت میں کہ مقتدیوں میں سے کسی کو بے اطمینانی اور حاجت سخت ہو امام کو تخفیف قراءت وخطبہ میں کرنا بہت اچھا اور مناسب ہے، حدیث شریف میں ہے کہ امام کو نماز میں تخفیف کرنی چاہیے کہ مقتدی بعض صاحب حاجت ہوتے ہیں الحدیث [1] باقی نماز شروع کر کے نیت توڑنے کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر چار آنہ کا نقصان ہوتا ہو یا ہانڈی ابلنے لگے یا اس کی

== قوله: (إلّا لمن ينتظم به أمر جماعة أخرى) بأن كان إمامًا أو مؤذّنًا تتفرّق النّاس بغيبته إلخ وظاهر الإطلاق أنّ له الخروج ولو عند الشّروع في الإقامة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۴۳-۴۴۴، كتاب الصّلاة ، باب إدراك الفريضة ، مطلب في كراهةِ الخروجِ من المسجدِ إلخ) ظفير

(۱) قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم : فأيّكم ما صلّى بالنّاس فليتجوّزْ فإنّ فيهم الضّعيفَ والكبيرَ وذا الحاجة ، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح، ص:۱۰۱، كتاب الصّلاة، باب ما على الإمام ، الفصل الأول ، عن أبي مسعود رضي اللّٰه عنه) ظفير

سواری بھاگ جائے تو نماز توڑنا درست ہے، اسی طرح کوئی دوسرا اس قسم کا نقصان اور ضرورت پیش آئے تب بھی قطع کرنا نماز کا درست ہے۔ كذا في الدّرّ المختار[1] فقط واللہ اعلم (۴/۳۲۱)

امام التحیات میں ہو تب بھی شاملِ جماعت ہو جائے

سوال: (۱۸۴۸) جماعت ہو رہی ہے پیچھے سے نمازی داخل مسجد ہوا، اگر آخری سجدہ یا التحیات میں امام ہو تو اس کو جماعت میں شامل ہونا ضروری ہے یا اختیاری؟ اور اگر صبح کا وقت ہو تو ایسی صورت میں کیا کرے؟ (۱۱۱۸/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: صبح کی جماعت ہو یا غیر صبح کی شامل جماعت ہو جاوے[2] فقط واللہ اعلم (۴/۳۲۵)

---

(۱) ويقطعها لعذرٍ إحرازًا لِجماعةٍ إلخ أو خاف ضياعَ درهمٍ من مالِهٖ (الدّرّ المختار) أنّ القطع يكون حرامًا ومباحًا ومستحبًّا و واجبًا فالحرام لغير عذرٍ والمباح إذا خاف فوت مال. (ردّ المحتار: ۲/۴۳۹-۴۴۱، كتاب الصّلاة ، باب إدراك الفريضة ، مطلب: قطعُ الصّلاة يكون حرامًا و مباحًا و مستحبًّا و واجبًا) ظفیر

(۲) ولا يكون مصلّيًا جماعةً اتّفاقًا مَن أدرك ركعةً من ذواتِ الأربع إلخ لكنّهٗ أدرك فضلَها ولو بإدراك التّشهّد اتّفاقًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۴۹-۴۵۰، كتاب الصّلاة، باب إدراك الفريضة ، مطلب: هل الإساء ة دون الكراهة أو أفحشُ؟) ظفیر

فوت شدہ نمازیں قضا کرنے کا بیان

قضا نماز با جماعت پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۸۴۹) قضا نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟ (۶۲۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مسنون ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۶/۴)

صاحبِ ترتیب کی تعریف اور اس کا حکم

سوال: (۱۸۵۰) صاحبِ ترتیب بابت نماز کس کو کہتے ہیں؟ (۱۶۵۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: صاحبِ ترتیب اس کو کہتے ہیں کہ اس کے ذمہ چھ نمازیں قضا نہ ہوں جو نماز قضا ہوئی بھی ہو اس کو ادا کرلیا ہو، وہ صاحب ترتیب ہے یعنی اس کو لازم ہے کہ اگر کوئی نماز قضا ہو تو اس کو وقتیہ سے پہلے پڑھے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۸/۴)

فوت شدہ اور وقتیہ نماز کے مابین ترتیب کے فرض ہونے کا کیا مطلب ہے؟

سوال: (۱۸۵۱) یہ جو کہا جاتا ہے کہ صاحبِ ترتیب کے ذمہ فوائت اور وقتیہ کے مابین

---

(۱) جاء في حديث ليلة التّعريس: ''وأمَرَ بِلالاً فَأقامَ الصّلاةَ ، فَصَلّٰى بِهِمُ الصُّبحَ ، فلمّا قَضَى الصّلاةَ قال مَنْ نَسِيَ الصّلاةَ فَلْيُصَلِّهَا إذا ذَكَرَهَا الحديث'' رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، ص:٦٧، الفصل الأول ، عن أبي هريرة رضي الله عنه) ظفیر

(۲) وَلَوْ فَاتَتْهُ صَلوَاتٌ رتّبَهَا في القَضاءِ كمَا وَجَبَتْ في الأصْلِ (إلىٰ قوله) إلاّ ==

ترتیب فرض ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ (۱۷۵۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر فوائت کو وقتیہ سے پہلے ادا نہ کرے گا اور قبل قضائے فوائت وقتیہ نماز پڑھے گا تو وہ وقتیہ فاسد ہوگی بہ فساد موقوف۔ کما هو مفصّل في كتب الفقه (۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۳۴)

صاحبِ ترتیب پہلے فوت شدہ نماز پڑھے گا اگر چہ جماعت ترک ہوجائے

سوال: (۱۸۵۲) اگر صاحبِ ترتیب مسجد میں آوے اور آگے جماعت ہوتی ہو تو کیا کرے؟ آیا جماعت میں شامل ہوجاوے یا اس سے پہلے جو اس کی ایک نماز قضا ہے اس کو پڑھ کر شامل ہو؟
(۹۳۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: صاحبِ ترتیب اپنی فوت شدہ نماز پہلے پڑھے، اگر چہ جماعت ترک ہوجاوے (۲)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۳۱)

عشاء کی نماز نہیں پڑھی اور صبح کی نماز پڑھی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۸۵۳) ایک شخص نے عشاء کی نماز ترک کردی، اب اس نے صبح کی نماز پڑھی اور

== أنْ يَزِيدَ الفَوائِتُ عَلٰى سِتّةِ صَلَواتٍ لأنّ الفَوائِتَ قَدْ كَثُرَتْ فَتَسْقُطُ التّرتِيْبُ فِيمَا بَينَ الفَوَائِتِ إلخ . (الهداية: ۱/۱۵۴-۱۵۵، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت) ظفير

(۱) ولو فاتته صلوات رتّبها في القضاء كما وجبت في الأصل إلخ ومن صلّى العصرَ وهو ذاكر أنّه لم يصلّ الظّهر فهي فاسدة إلّا إذا كان في آخر الوقت وهي مسئلة التّرتيب ، وإذا فسدت الفريضيّة لا يبطل أصلُ الصّلاة عند أبي حنيفة وأبي يوسف إلخ ، ثمّ العصر يفسد فسادًا موقوفًا حتّى لو صلّى ستَ صلوات و لم يعد الظّهر انقلب الكلّ جائزًا إلخ . (الهداية: ۱/۱۵۴-۱۵۶، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت) ظفير

(۲) التّرتيب بين الفروض الخمسةِ والوترِ أداءً و قضاءً لازمٌ إلخ ، فلم يجز ...... فجرُ من تذكّر أنّه لم يُوتِر لوجوبه عنده إلخ إلّا...... إذا ضاق الوقت إلخ . (الدّرّ المختار مع الرّدّ : ۲/۴۵۷-۴۵۸، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت ، مطلب في تعريف الإعادة) ظفير

عشاء کی نماز جو اس کے ذمے تھی نہیں پڑھی، اس صورت میں اس کی صبح کی نماز ہوئی یا نہیں؟
(۱۴۷۲/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: صاحبِ ترتیب اگر ایسا کرے تو اس کی صبح کی نماز بھی نہ ہوگی، چاہیے کہ پہلے عشاء کی نماز پڑھے پھر صبح کی نماز پڑھے[1] فقط (البتہ اگر وقت تنگ ہو اور گنجائش نہ ہو تو صرف وقتی نماز پڑھ لے اور قضا بعد میں ادا کرے۔ کما في الدّرّ المختار. فلا یلزم التّرتیب إذا ضاق الوقت المستحبّ. (الدّرّ مع الرّدّ: ۲/ ۴۵۸، باب قضاء الفوائت) ظفیر) (۳۴۲/۴)

غیر صاحبِ ترتیب قضا نمازیں غیر مرتب ادا کرسکتا ہے

سوال: (۱۸۵۴) قضا نمازوں کی ادا اگر ترتیب سے نہ کرے تو جائز ہے یا نہیں؟
(۱۴۶۶/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: غیر صاحبِ ترتیب کو یہ جائز ہے کہ جس طرح چاہے غیر مرتب ادا کرے[2] فقط
(۳۴۱/۴-۳۴۲)

مغرب کے وقت میں ظہر وعصر کی قضا کس طرح کرے؟

سوال: (۱۸۵۵) اگر خالی عصر کی یا ظہر وعصر دونوں نمازیں قضا ہیں، مغرب کے وقت ان تینوں نمازوں کو کس طرح ادا کرے جب کہ مغرب کا وقت نماز کے لیے تھوڑا ہے، اگر قضاء ہوئی نمازوں کو مقدم کرتا ہے تو نماز مغرب کا وقت بھی ہاتھ سے جاتا ہے کس طرح ترتیب جائز ہے؟ اور نیز جب کہ یہ جائز ہے کہ اگر چار یا پانچ نمازوں کی قضا میں ترتیب نہ دے تو جس وقت میں جو نماز وقت کی پڑھے گا نفل شمار ہوگی؟ (۸۲۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: مغرب کا وقت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قریب ڈیڑھ گھنٹہ کے رہتا ہے، پس

---

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) فلا یلزم التّرتیب إذا ضاق الوقت ...... أو نسیتْ الفائتۃُ ...... أو فاتتْ ستٌّ اعتقادیۃٌ إلخ بخروج وقت السّادسۃ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۵۸-۴۶۰، کتاب الصّلاۃ، باب قضاء الفوائت ، مطلب في تعریف الإعادۃ) ظفیر

ظہر و عصر کو اوّل قضا کر کے پھر مغرب کی نماز بھی وقت میں پڑھ لے، اور مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر وقتیہ نماز کا وقت تنگ ہو جاوے کہ سوائے وقتیہ کے قضا کی گنجائش نہ رہی تو پھر ترتیب ساقط ہو جاتی ہے، اس حالت میں وقتیہ پہلے پڑھے اور قضا بعد میں پڑھے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۴۲-۳۴۳)

مغرب کی نماز قضا ہوگئی، بھول کر عشاء پڑھ لی تو عشاء کی سنت اور وتر کب پڑھے؟

سوال: (۱۸۵۶) مغرب کی نماز قضا ہوگئی، بھول کر عشاء پڑھ لی؛ تو اب مغرب کی نماز پڑھ کر وتر اور سنت پڑھے یا پہلے؟ [۲] اور عشاء کی نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۰۶۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر وہ صاحبِ ترتیب ہے تو اس کی عشاء کی نماز نہیں ہوئی، مغرب پڑھ کر عشاء کی فرض پھر پڑھے، اس کے بعد سنت اور وتر ادا کرے [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۴۶-۳۴۷)

جو شخص خطبہ کے دوران جامع مسجد پہنچا وہ فجر کی فوت شدہ نماز کب پڑھے؟

سوال: (۱۸۵۷) جمعہ کے دن ایک شخص کی نماز صبح قضا ہوگئی، وہ جمعہ کی نماز کے لیے جامع مسجد پہنچا تو خطبہ ہو رہا تھا، اور وہ شخص صاحبِ ترتیب نہیں ہے، یا صاحبِ ترتیب ہے تو نمازِ

---

(۱) التّرتيب بين الفروض الخمسةِ والوترِ أداءً وقضاءً لازمٌ إلخ ، فلم يجز ...... فجرُ تذكّر أنّه لم يُوتر ...... إلّا ...... إذا ضاق الوقت المستحبّ ...... أو نسيت الفائتةُ إلخ أو فاتت ستٌّ اعتقاديةٌ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۵۷-۴۶۰، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت ، مطلب في تعريف الإعادة)ظفير

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (یا پہلے) کی جگہ ''یا مغرب کی نماز بعد میں پڑھے'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) ومن صلّى العصر وهو ذاكر أنّه لم يصلّ الظّهر فهي فاسدةٌ إلّا إذا كان في آخر الوقت وهي مسئلة التّرتيب. (الهداية: ۱/۱۵۶، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت)ظفير

صبح کس وقت ادا کرے؟ (۱۳۴۳/۱۶۱۷ھ)

الجواب: صاحب ترتیب کے لیے ضروری ہے کہ پہلے نماز صبح کی قضا کرے کیونکہ صبح کی نماز ادا کیے بغیر اس کا جمعہ صحیح نہ ہوگا، اور جو صاحب ترتیب نہیں اس پر خطبہ کا سننا ضروری ہے اس کو جمعہ سے فراغت کے بعد نماز صبح ادا کر لینی چاہیے۔ درمختار میں ہے: خلا قضاءِ فائتةٍ لم يَسقط التّرتيبُ بينها وبين الوقتيةِ فإنّها لا تكره. قوله: (فإنّها لا تكره) بل يجب فعلها (شامي) لضرورةِ صحّةِ الجمعةِ وإلاّ لا. قوله: (وإلاّ لا) أي وإن سقط التّرتيبُ تكره[1] (شامی) (۳۴۰/۴)

وقت کی تنگی یا بھول جانے کی وجہ سے صاحبِ ترتیب کا وقتیہ نماز پہلے پڑھنا درست ہے

سوال: (۱۸۵۸) اگر کسی شخص کی نمازِ ظہر قضا ہوگئی، اور وہ عصر کو مسجد میں ایسے وقت پہنچا کہ اقامت ہو رہی ہے، یا وقت بالکل تنگ ہے، یا عصر کا وقت کافی ہے، مگر وہ اس کو بھول گیا جس وقت نمازِ عصر ادا کر چکا تب اس کو یاد آیا کہ میری نماز ظہر قضا ہوگئی، اس حالت میں قضائے ظہر بعد عصر کے پڑھ سکتا ہے کہ نہیں؟ اور ایسے ہی صبح کی سنت کہ جب جماعت ہوتی ہو اب اس کو سنت پڑھنی چاہیے یا جماعت میں شریک ہو جاوے؟ اگر جماعت میں شریک ہو گیا تو ان سنتوں کی قضا کس وقت تک پڑھ سکتا ہے؟ (۱۳۳۵/۵۰ھ)

الجواب: اگر بھول گیا یا وقت اتنا تنگ ہو گیا کہ اگر ظہر کی قضا کرتا ہے تو عصر کا وقت نکل جاوے گا، تو ایسی حالت میں عصر صحیح ہوگئی، ظہر بعد میں پڑھے[2] اور اگر اقامت ہو رہی ہے اور ظہر

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۲/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة.

(۲) ولو خاف فوت الوقت يقدّم الوقتية، ثمّ يقضيها؛ لأنّ التّرتيب يسقط بضيق الوقت، وكذا بالنّسيان وكثرة الفوائت، كيلا يؤدّي إلى تفويت الوقتية. (الهداية: ۱۵۴/۱، كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت)

إلاّ؛ استثناء من اللّزوم فلا يلزم التّرتيبُ إذا ضاق الوقتُ المستحبُّ حقيقةً ==

پڑھنے کی صورت میں عصر کی جماعت نہ ملے گی تو ظہر پہلے پڑھے، عصر بعد میں، اگرچہ جماعت فوت ہوجاوے، اور صبح کی جماعت اگر تیار ہے یا ہو رہی ہے تو اگر ایک رکعت ملنے کی اور بہ قول بعض فقہاء تشہد ملنے کی امید ہے تو سنتِ فجر پہلے پڑھے، پھر شریک جماعتِ صبح ہوجاوے[1] اور اگر سنت بالکل متروک ہوجاوے اور جماعت میں شریک ہوگیا تو پھر سنت کی قضا نہیں ہے[2] اگر پڑھے تو بعد ارتفاعِ آفتاب پڑھے نفل ہوجاوے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۲۷-۳۲۸)

وقت کی تنگی سے ترتیب ساقط ہوجاتی ہے

سوال: (۱۸۵۹) اگر فجر کے وقت اتنی گنجائش نہ ہو کہ صاحب ترتیب پانچ قضا نمازیں علی الترتیب قضا کرسکے تو صرف دو ایک کو وقتیہ پر مقدم کرسکتا ہے یا سب کو چھوڑ دے؟ (۱۷۵۸/ ۱۳۴۰ھ)

الجواب: جس قدر گنجائش ہو ان کو قضا کرے، پھر جب صرف وقتیہ کا وقت باقی رہ جاوے تو وقتیہ کو پڑھے، کیونکہ تنگی وقت سے بھی ترتیب ساقط ہوجاتی ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں مفصلاً مذکور ہے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۳۳-۳۳۴)

= = إذ ليس من الحكمةِ تفويتُ الوقتية لتداركِ الفائتةِ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۵۸-۴۵۹، كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في تعريف الإعادة)

(۱) وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغالهِ بسنّتها تركها لكون الجماعة أكملَ، وإلاّ بأن رجا إدراكَ ركعةٍ في ظاهر المذهب، وقيل: التّشهّد واعتمده المصنّف والشّرنبلالي تبعًا للبحر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۴۵-۴۴۶، كتاب الصّلاة، باب إدراك الفريضة، مطلب: هل الإساءة دون الكراهة أو أفحشُ؟) ظفیر

(۲) ولا يقضيها إلاّ بطريقِ التّبعيةِ لقضاء فرضِها قبلَ الزّوال لا بعده (الدّرّ المختار) وأمّا إذا فاتت وحدها فلا تقضي قبل طلوع الشّمس بالإجماع لكراهة النّفل بعد الصّبح، وأمّا بعد طلوع الشّمس فكذلك عندهما إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۴۴۷-۴۴۸، كتاب الصّلاة، باب إدراك الفريضة، مطلب: هل الإساءة دون الكراهة أو أفحشُ؟) ظفیر

(۳) فلا يلزم التّرتيبُ إذا ضاق الوقتُ المستحب حقيقةً إذ ليس من الحكمة تفويتُ الوقتيّة لتداركِ الفائتة ولو لم يَسَعْ الوقتُ كلَّ الفوائت فالأصحُّ جوازُ الوقتية (الدّرّ المختار) صورتُهُ عليه العشاءُ والوترُ مثلاً ثمّ لم يصلّ الفجرَ حتّى بقي من الوقت = =

چھ نمازیں قضا ہو جائیں تو ترتیب ساقط ہو جاتی ہے

سوال: (۱۸۶۰) ایک شخص کی پانچ یا چھ نمازیں برابر قضا ہوگئیں اب اگر وہ وقتیہ نماز پڑھے تو ہوسکتی ہے یا نہ؟ (۱۶۱۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: چھ نمازیں اگر قضا ہوگئی ہیں تو وقتیہ نماز ہو جاوے گی، اور اگر اس سے کم ہیں تو جب تک ان فوائت کو قضا نہ کرے گا وقتیہ نماز نہ ہوگی یعنی فساد موقوف کے ساتھ[1] فقط (۴/ ۳۴۷-۳۴۸)

نئی اور پرانی فوت شدہ نمازوں میں ترتیب واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۸۶۱) ایک شخص کے ذمہ چند نمازیں قضا ہیں، اب اس کو فجر کی نماز ادا نہیں ملی، بلکہ قضا ہوگئی، اب یہ پہلے فجر کی نماز پڑھے، یا پہلی قضا شدہ نمازیں پڑھے؟ (۱۳۹۹/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اگر قضا نمازیں سابق کی چھ یا اس سے زیادہ ہیں تو ترتیب اس سے ساقط ہوگئی، وہ شخص فجر کی نماز فوت شدہ کو قبل ادا کرنے فوائت سابقہ کے پڑھ سکتا ہے[2] فقط (۴/ ۳۳۱)

= = ما يسع الوترَ مثلاً وفرضَ الصّبح فقط ، ولم يسع الصّلواتِ الثّلاث فظاهرُ كلامهم ترجيح أنّه لا تجوز صلاةُ الصّبح ما لم يصلّ الوترَ ، و صرّح في المجتبیٰ بأنّ الأصحّ جوازُ الوقتية ح عن البحر ، لكن قال الرّحمتي الّذي رأيته في المجتبیٰ: الأصحُّ أنّه لا تجوز الوقتية أهـ ، قلتُ: راجعتُ المجتبیٰ فرأيتُ فيه مثلَ ما عزاه إليه في البحر ، وكذا قال القهستانيّ: جازت الوقتيّةُ على الصّحيح. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۴۵۸-۴۵۹، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت ، مطلب في تعريف الإعادة) ظفير

(۱) وَلَوْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ رتبَهَا في القَضاءِ كمَا وَجَبَتْ في الأَصْلِ (إلیٰ قولهٖ) إلّا أنْ يَزيدَ الفَوائِتُ عَلیٰ سِتّةِ صَلَواتٍ لأنّ الفَوائِتَ قَدْ كَثُرَتْ فَتَسْقُطُ التّرتِيْبُ فِيمَا بَينَ الفَوَائِت إلخ . (الهداية: ۱/ ۱۵۴-۱۵۵، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت) ظفير

(۲) التّرتيب إلخ ، لازمٌ إلخ ، إلّا ...... إذا ضاق الوقت إلخ ، أو نسيت الفائتةُ ...... أو فاتت ستٌّ اعتقاديةٌ (الدّرّ المختار) يعني لا يلزم التّرتيبُ بين الفائتة والوقتيّة ولا بين الفوائت إذا كانت الفوائت ستًّا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۴۵۷-۴۶۰، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت ، مطلب في تعريف الإعادة) ظفير

چند سالوں کی فوت شدہ نمازیں کس طرح قضا کرے؟

سوال: (۱۸۶۲) اگر کسی شخص کی بے انتہا نمازیں فوت ہوئی ہیں جس کی تعداد اس کو معلوم نہیں اب اگر وہ شخص صلاۃ فائتہ کو ادا کرنا چاہتا ہے، ایسی حالت میں اگر وہ تحری کرے، یعنی اپنے خیال سے ایک تعداد معین کرے تو کیا ترتیب کے ساتھ ادا کرے گا یا ترتیب کی ضرورت نہ ہوگی، اگر ایک ہی وقت میں ایک دن کی پانچوں فائتہ نمازیں پڑھ لی تو جائز ہوگا یا نہیں؟ یعنی نماز وقتی صبح کے پڑھنے کے بعد اب نماز خمسہ جو فوت شدہ ہیں اسی وقت ادا کرنا چاہتا ہے تو یہ صورت جائز ہوگی یا نہیں؟ (۱۵۳۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: تحری کر کے جس قدر سنین وشہور وایام کی نمازیں فوت شدہ تحری میں آویں ان کو قضا کرنا شروع کر دے، اور بہ وقت قضا دل میں یہ نیت اور خیال کرے یا زبان سے بھی کہہ دے کہ سب سے پہلی ظہر یا عصر وغیرہ قضا کرتا ہوں، اسی طرح پھر دوسرے وقت نیت کرے، کیونکہ پہلی نماز قضا ہو جانے کے بعد جو اس کے بعد ہے وہ پہلی فائتہ ہو جائے گی اور جو صورت سوال میں لکھی ہے، کہ ایک دن کی تمام نمازیں فوت شدہ ایک وقت میں پڑھ لیا کرے یہ درست ہے۔ فقط (۳۳۲/۴)

سوال: (۱۸۶۳) تین چار سال تک بوجہ بیماری کے ایک شخص کی نمازیں قضا ہوتی رہیں، لیکن تعداد محفوظ نہ رہی، بعد بیماری کے نمازیں قضا کیں، لیکن ان کی تعداد بھی محفوظ نہ رہی، اب کتنی نمازیں لوٹانی چاہئیں؟ (۱۵۳۲/۱۳۳۸ھ)

الجواب: ایسی صورت میں اندازہ اور تخمینہ کر کے نمازیں قضا کی جاویں۔ فقط (۳۶۱/۴)

فوت شدہ نماز کی ادائیگی میں تاخیر کرنا اچھا نہیں

سوال: (۱۸۶۴) ایک شخص کو سوتے سوتے دن نکل آیا، اس نے اٹھتے ہی فوراً قضا نماز پڑھ لی، چنانچہ دوسرے روز بھی سوتے ہوئے دن نکل آیا مگر اس روز اس نے صبح کی نماز ظہر کے ساتھ پڑھی، سونے میں نماز کو تاخیر یا قضا ہو جاوے تو فوراً پڑھنی چاہیے یا دیر کر کے؟ (۱۶۵۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جس وقت آنکھ کھلے اگر وہ وقت نماز کی کراہت کا نہیں ہے تو فوراً اسی وقت نماز قضا

پڑھ لینی چاہیے، دوسرے دن جو قضا میں تاخیر کی کہ ظہر کے وقت پڑھی یہ اچھا نہیں کیا[1] فقط (۴/ ۳۴۸)

صاحبِ ترتیب سے نماز قضا ہو جائے تو کفارہ کیا ہے؟

سوال: (۱۸۶۵) اگر صاحبِ ترتیب سے نماز قضا ہو جاوے تو اس کے لیے کیا کفارہ ہے؟

(۱۳۳۴-۳۲/۶۳۴ھ)

الجواب: کفارہ اس کا یہی ہے کہ اس نماز کو پڑھ لیوے، اور صاحبِ ترتیب کو [2] ضروری ہے کہ وقتیہ سے پہلے پڑھے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۴۶)

قضا شدہ نمازوں اور مریض و شیخ فانی کے احکام

سوال: (۱۸۶۶)......(الف) قضا شدہ نمازوں کا کفارہ کیا ہے؟

(ب) اگر نمازیں بہ وجہ بدقسمتی کے بلا عذر شرعی اس قدر قضا ہوئی ہوں جن کا شمار ناممکن ہو تو کیا کفارہ ہے؟

(ج) اگر اس کا کفارہ صدقہ ہی ہوسکتا ہے تو غریب ومحتاج لوگ کیا کریں؟

(د) مریض یا شیخ فانی کی قضا شدہ نمازوں کا کفارہ کیا ہے؟ (۱۳۲۷/۲۵۲۶ھ)

الجواب: (الف-د) حامداً ومصلیاً ومسلماً امابعد: جواب استفسارات مفصل حسب ذیل ہیں:[3]

قضا شدہ نمازوں کے احکام

۱)...... قضا شدہ نمازوں کو بعد میں ادا کرنا چاہیے، جس کی کوئی نماز کسی عذر یا غفلت سے قضا

---

(۱) مَنْ فَاتَتْهُ صَلاةٌ قضاها إذا ذكرها وقدّمها علىٰ فرض الوقت. (الهداية: ۱/۱۵۴، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت)ظفیر

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں 'ضروری' سے پہلے 'ترتیب' تھا، مگر رجسٹر میں نہ ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔۱۲

(۳) آگے اس جواب میں قضا شدہ نمازوں اور مریض و شیخ فانی کے ۲۷ مسائل ذکر کیے گئے ہیں، جو نہایت اہم ہیں۔محمد امین

ہوجائے تو جب یاد آوے اس کو پڑھے، اور جس وقت یاد آوے اس وقت کی فرض نماز سے پہلے قضا شدہ نماز کو پڑھنا چاہیے، حنفیہ کے نزدیک ترتیب؛ وقتی نماز اور قضا نماز میں ضروری ہے، رسول اللہ ﷺ نے خندق کے روز چار نمازوں کو ترتیب سے ادا فرمایا ہے، اور دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جیسے تم مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھو ایسے ہی تم بھی پڑھو تو جیسے آپ ﷺ نے ترتیب سے قضا شدہ نمازوں کو ادا فرمایا ایسے ہی ہم کو بھی چاہیے (۱)

۲)...... اگر قضا شدہ نماز ایسے وقت یاد آئی کہ اس کو ادا کرتا ہے تو وقت میں اس قدر گنجائش نہیں ہے کہ وقتی نماز ادا ہو سکے بلکہ وقتی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں وقتی نماز کو پہلے پڑھے، اور قضا شدہ کو بعد میں پڑھے، حاصل یہ ہے کہ اگر وقت میں وسعت و گنجائش ہے تو پہلے قضا شدہ نماز پڑھنا چاہیے، اور اگر وسعت نہیں ہے تو پہلے وقتی نماز کو ادا کرنا چاہیے (۲)

۳)...... جب فوت شدہ نمازیں زیادہ ہوجاویں تو ترتیب سے ادا کرنا ساقط ہوجاتا ہے، اور خود فوت شدہ نمازوں میں بھی ترتیب کا لحاظ نہیں رہتا ہے، اور زیادتی کی حد یہ ہے کہ قضا شدہ نمازیں تعداد میں چھ ہوجاویں جب چھٹی نماز کا وقت گذر جائے تو اب کہا جائے گا کہ فوت شدہ نمازیں زیادہ ہوگئیں، پس اس صورت میں ترتیب کا لحاظ نہ رہے گا (۳)

۴)...... کسی شخص کے ذمہ فوت شدہ نمازیں مدت کی ہیں، اور وہ حدِ کثرت کو پہنچی ہیں، اس نے ان کو ادا کرنا شروع کیا تھا کہ اب شامتِ اعمال سے اور کچھ نمازیں قضا ہوگئیں تو اب چونکہ اگلی پچھلی

---

(۱) مَنْ فَاتَتْهُ صَلاةٌ قضاهَا إذا ذكرَها وقدّمها على فرضِ الوقت ، والأصل فيه أنّ التّرتيبَ بين الفوائت وفرض الوقت عندنا مستحَقٌّ .... ولو فاتته صلواتٌ رتّبها في القضاء كما وجبت في الأصل لأنّ النّبيّ عليه السّلام شُغِل عن أربعِ صلواتٍ يومَ الخندق فقضاهنّ مرتّبًا ثمّ قال: صلّوا كما رأيتموني أصلّي. (الهداية:۱/۱۵۴-۱۵۵، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت) ظفیر

(۲) ولو خاف فوتَ الوقت يُقدّم الوقتيةَ ثمّ يقضيها لأنّ التّرتيبَ يسقط بضِيقِ الوقت وكذا بالنّسيان وكثرةِ الفوائت كيلا يؤدّي إلى تفويت الوقتيّة. (حوالہ سابقہ)

(۳) إلاّ أن يزيد الفوائتُ على ستِّ صلواتٍ لأنّ الفوائت قد كثرت فتسقط التّرتيبَ فيما بين الفوائت بنفسها كما يسقط بينها وبين الوقتيّة ، و حدُّ الكثرةِ: أن تصير الفوائتُ ستًّا بخروج وقت الصّلاة السّادسةِ . (حوالہ سابقہ)

فوت شدہ نمازیں زیادہ ہیں تو اس صورت میں پہلے وقتیہ نماز کو پڑھنا جائز ہے کیونکہ بہ سبب کثرت فوت شدہ نمازوں کی ترتیب نہیں رہی (۱)

۵)......اگر کسی شخص نے فوت شدہ نمازوں کو ادا کرنا شروع کیا اور وہ اب کم رہ گئیں یعنی چھ نمازوں سے کم رہ گئیں تو اب پھر مسئلہ ترتیب بہ حال ہوجائے گا۔(صحیح یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں ترتیب بہ حال نہیں ہوگی (۲) محمد امین)

۶)......اگر قضا شدہ نمازیں بہ کثرت ہوں کہ جن کا شمار دشوار ہو تو چاہیے کہ خوب سوچ کر ایک صحیح تخمینہ کرے مثلاً یہ کہ پندرہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں بالغ ہوا، اور چار پانچ سال تک نمازیں قضا کیں، یا کبھی پڑھی اور کبھی نہ پڑھی، اور یہ مدت اس شخص کے صحیح اندازہ میں مثلاً چار سال کی ہوتی ہے تو اس شخص کو اپنے زعم کے موافق اس قدر نمازوں کو ادا کر دینا چاہیے، آخر دُنیا میں کسی شخص کا قرض ذمہ ہو اور تعداد یاد نہ ہو تو اندازہ اور تخمینہ سے ہی اس کو ادا کرتے ہیں کہ اس کا کچھ اپنے ذمہ نہ رہے، ایسے ہی سوچ کر کہ کس قدر دنوں کی نمازیں قضا ہوئی ہیں ان کو ادا کرنا چاہیے، اور مناسب یہ ہے کہ جس قدر ہو سکے زائد کر دے کہ سراسر نفع ہی نفع ہے۔

۷)......قضا شدہ نمازوں کا کفارہ ان کا ادا کرنا اور حق تعالیٰ شانہ سے عجز اور ندامت کے ساتھ توبہ کرنا ہے؛ صدقہ دینا نہیں ہے، ہاں صدقہ دے تو چونکہ صدقہ سے غضبِ الٰہی دفع ہوتا ہے تو امید ہے کہ حق تعالیٰ کا جو غصہ بہ سبب ترک نماز کے تھا وہ نہ رہے اور کسی غریب کی حاجت براری سے رحمت الٰہی متوجہ ہوجائے، باقی اصل ادا کرنا نماز کا ہے، صدقہ دینے سے نماز ساقط نہ ہوگی۔

---

(۱) ولو اجتمعت الفوائتُ القديمةُ و الحديثةُ ، قيل : يجوز الوقتيّةُ مع تذكّر الحديثةِ لكثرةِ الفوائت إلخ . (حوالہ سابقہ)

(۲) یہ مسئلہ ہدایہ کی درج ذیل عبارت سے ماخوذ ہے: ولو قضا بعض الفوائت حتّى قلّ ما بقي عاد التّرتيب عند البعض وهو الأظهر (حوالہ سابقہ) لیکن یہ ضعیف قول ہے، مفتی بہ قول یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں ترتیب بہ حال نہیں ہوگی، درمختار میں ہے: ولا يعود لزوم التّرتيب بعد سقوطه بكثرتها أي الفوائت بعود الفوائت إلى القلّة بسبب القضاء لبعضها على المعتمد لأنّ السّاقط لا يعود . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۶۲/۲، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت ، مطلب في تعريف الإعادة) مزید تفصیل آئندہ عنوان کے دوسرے حاشیہ میں آرہی ہے۔ محمد امین

مریض کے احکام

۸)......مریض کے متعلق بھی تفصیل سے مسائل کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کس صورت میں کفارہ ہے اور کس صورت میں تخفیف اور کس صورت میں معافی ہے، مریض اگر کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع وسجدہ کو ادا کرے (۱)

۹)......اگر رکوع وسجدہ کی طاقت بھی نہ ہو تو رکوع وسجدہ کو اشارہ سے ادا کرے یعنی بیٹھ کر نماز پڑھے، اور رکوع کے لیے کچھ گردن جھکائے اور سجدہ کے لیے زیادہ جھکائے (۲)

۱۰)............کوئی شئ مثل گھڑے یا صندوقچہ وڈیکس وغیرہ کو اپنے سامنے سجدہ کے لیے نہ رکھے بلکہ جس قدر اشارہ کیا جاوے وہی کرے (۳) ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۸۶)

۱۱)......اگر مریض کو بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو چت لیٹ کر نماز پڑھے کہ پاؤں اور مُنہ دونوں قبلہ کی طرف کو ہوں، اور رکوع اور سجدہ کے لیے گردن سے اشارہ کرے، سجدہ کا اشارہ ذرا زیادہ گردن کو جھکا کر کرے (۴)

۱۲)......چونکہ نماز میں قبلہ کی طرف کو مُنہ کا ہونا لازمی ہے، اس لیے یہ صورت تجویز کی گئی ہے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ قبلہ کی طرف کو پاؤں ہو گئے، بلا عذر قبلہ کی طرف کو پاؤں کرنا بے ادبی ہے اور یہاں لاچاری سے ایسا کیا گیا ہے (۵)

---

(۱) إذا عجزَ المريضُ عن القيام صلّٰى قاعدًا يركع و يسجد لقوله عليه السّلام لعمران بن حُصين صلِّ قائمًا فإن لم تستطع فقاعدًا فإن لم تستطع فعلى الجَنْب تؤمي إيماءً إلخ. (الهداية: ۱/۱۶۱، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المريض) ظفیر

(۲) فإن لم يستطع الرّكوعَ والسّجودَ أومٰى إيماءً يعني قاعدًا. (حوالہ سابقہ) ظفیر

(۳) وجعل سجودَه أخفضَ من ركوعِهٖ لأنّه قائمٌ مقامهما فأخذ حكمهما و لا يُرفع إلٰى وجههٖ شيء إلخ . (حوالہ سابقہ) ظفیر

(۴) وإن لم يستطع القعودَ استلقٰى علٰى ظهرِهٖ وجعل رجليه إلى القبلة وأومٰى بالرّكوع و السّجود إلخ. (حوالہ سابقہ) ظفیر

(۵) مطبوعہ فتاویٰ میں ۱۲، سے ۱۷، تک مسائل شاملِ اشاعت ہونے سے رہ گئے تھے، ان کا رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۲ محمد امین

۱۳)...... اگر پہلو پر لیٹ کر نماز ادا کی اور مُنہ قبلہ کی طرف کو رکھا تو یہ بھی جائز ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ داہنی کروٹ پر لیٹ کر مُنہ قبلہ کی طرف کر کے نماز ادا کرے (۱)

۱۴)...... اگر مرض اس قدر بڑھ گیا کہ سر سے اشارہ کرنے کی طاقت بھی نہ رہے تو ایسی صورت میں نماز کو مؤخر کرنا چاہیے، آنکھ یا بھوؤں و پلکوں سے یا دل سے اشارہ کرنا معتبر نہیں ہے (۲)

۱۵)...... اگر کوئی مریض قیام پر تو قادر ہو گیا مگر رکوع وسجدہ پر قادر نہ ہو؛ مثلاً سر میں کوئی ایسی تکلیف ہے کہ رکوع وسجدہ نہیں کرسکتا تو ایسی صورت میں قیام نہ کرنا چاہیے بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہیے، اور رکوع وسجدہ اشارہ سے کرنا چاہیے (۳)

۱۶)...... کسی شخص نے نماز بہ حالت صحت پڑھنی شروع کی اور اثنائے نماز میں بیمار ہو گیا، اور کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی تو بیٹھ کر نماز کو پوری کرے، ایسے ہی اگر رکوع وسجدہ کی قدرت بھی نہ رہے تو اشارہ سے رکوع وسجدہ کرے؛ حسب تفصیل مذکورہ بالا (۴)

۱۷)...... کسی مریض نے بیٹھ کر نماز پڑھنی شروع کی تھی، اور نماز پڑھنے میں اس کو افاقہ ہوا تو امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ بقیہ نماز کھڑے ہو کر پڑھے، اور امام محمدؒ کے نزدیک از سر نو پڑھے، آسانی اوّل صورت میں ہے، اور احتیاط دوم صورت میں (۵)

۱۸)...... اگر ایسا مریض تھا کہ نماز کو اشارہ سے پڑھتا تھا، رکوع وسجدہ کی قدرت نہ تھی، خدا تعالیٰ کی قدرت سے نماز میں اس قدر افاقہ ہوا کہ رکوع وسجدہ کی قدرت ہو گئی تو اس صورت میں

---

(۱) وإن استلقٰی علٰی جنبہٖ و وجھُہٗ إلی القبلة فأومأ جاز. (حوالہ سابقہ)

(۲) إن لم یستطع الإیماءَ برأسہٖ أُخرت عنه، و لا یُؤمي بعینیه و لا بقلبه و لا بحاجبیه. (حوالہ سابقہ)

(۳) وإن قدر علی القیام ولم یقدر علی الرّکوع والسّجود لم یلزمه القیام ویُصلي قاعدًا یؤمي إیماءً. (الهدایة: ۱/۱۶۲، کتاب الصّلاة، باب صلاة المریض)

(۴) وإن صلّی الصّحیحُ بعضَ صلاتہٖ قائمًا ثم حدث به مرضٌ یُتمّها قاعدًا یرکع و یسجد أو یُؤمي إن لم یقدر أو مستلقیًا إن لم یقدر. (حوالہ سابقہ)

(۵) ومن صلّی قاعدًا یرکع و یسجد لمرضٍ ثمّ صحّ بنٰی علٰی صلاتہٖ قائمًا عند أبي حنیفة و أبي یوسف رحمهما الله، وقال محمّد رحمه الله: استقبل. (حوالہ سابقہ)

سب کے نزدیک نماز کو از سرنو پڑھے (۱)

۱۹)......کوئی مریض بے ہوش ہوگیا اور پانچ نمازوں کا یا پانچ نمازوں سے کم کا وقت بے ہوشی میں گذر گیا تو ہوش آنے کے بعد ان نمازوں کو قضا کرنا چاہیے، اور اگر پانچ نمازوں سے زیادہ وقت بے ہوشی میں گذارا تو قضا نہیں آتی (۲)

۲۰)......ان فقہی تفصیلوں سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ شریعت میں نماز کی کیا وقعت اور کس قدر تاکید ہے کہ مرض میں بھی اس کو ادا کرنا ضروری ہے، پس ہم کو نہ چاہیے کہ بلا عذر شرعی نماز چھوڑ دیں، وائے برحال ان مسلمانوں کے جو ملازمت، تجارت وزراعت، لہو ولعب میں وقت گذار دیتے ہیں، اور نماز سی محبوب شئے کو جو مسلمان کی امتیاز اور فضیلتِ شان کی بڑھانے والی ہے، دُنیا وآخرت میں کام آنے والی چیز ہے قضا کر دیتے ہیں، مسلم کی یہ شان نہ ہونی چاہیے کہ وہ نماز کو کسی حال میں ترک کرے۔

شیخ فانی کے احکام

۲۱)......شیخ فانی اس بوڑھے شخص کو کہتے ہیں کہ جو روزہ رکھنے کی طاقت بڑھاپے کے ضعف کی وجہ سے نہ رکھتا ہو، ایسے شخص کا یہ حکم ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور فدیہ ادا کرے (۳)

۲۲)......فدیہ ایک روزہ کا ایک مسکین کو ایک روز کھانا کھلانا ہے، جس قدر روزہ افطار کرے، ہر روزہ کے عوض ایک مسکین کو دو وقتہ کھانا کھلائے، اس کھانا کھلانے کے لیے شریعت نے گیہوں سے

---

(۱) وإن صلّى بعضَ صلاتهِ بإيماءٍ ثمّ قدر على الرّكوع والسّجود استأنف عندهم جميعًا. (حوالہ سابقہ) ظفیر

(۲) ومن أُغمي عليه خمسَ صلواتٍ أو دونها قضى و إن كان أكثرَ من ذلك لم يقض . (حوالہ سابقہ) ظفیر

(۳) فالشّيخ الفاني الّذي لا يقدر على الصّيام يُفطر ويُطعم لكلّ يوم مسكينًا كما يُطعم في الكفّارة كذا في الهداية ، والعجوزُ مثلُه . (الفتاوى الهندية: ۱/۲۰۷، كتاب الصّوم ، الباب الخامس في الأعذار اللّتي تُبيح الإفطارَ) ظفیر

نصف صاع اور جو سے پورا صاع مقرر کردیا ہے کہ اس قدر فقیر کو دے دے[۱] صاع تقریبًا انگریزی سیر سے کہ جو اسی (۸۰) تولہ کا ہے بہ قدر ساڑھے تین سیر ہوتا ہے۔

۲۳)...... شیخ فانی جو روزہ نہیں رکھ سکتا اس سے نماز معاف نہیں ہوتی، کھڑے ہو کر پڑھے اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں ہے تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھنے کی طاقت نہیں ہے تو اشارہ سے پڑھے[۲] حسب تفصیل مذکورہ بالا۔

۲۴)...... جو شخص مرجائے اور اس کے ذمہ رمضان کے فوت شدہ روزوں کی قضا ہے، اور اس نے مرتے وقت اپنے ورثاء کو وصیت کی تو اس کے وارثوں پر لازم ہے کہ اس کے روزوں کا حساب لگا کر فدیہ حسب تفصیل مذکورہ بالا ادا کردیں، اگر وصیت نہیں کی تو وارث پر ادا کرنا لازم نہیں ہے، ہاں از خود کردے تو یہ احسان ہے، اور امید ہے اللہ تعالیٰ کی ذات سے کہ اس کو قبول کرے، وصیت ہمارے امام کے نزدیک اس لیے معتبر ہے کہ یہ فدیہ بھی عبادت ہے، اور عبادت اپنے اختیار اور ارادہ سے ہونی چاہیے اور جب وصیت کی تو ادا کرنا لازم ہے[۳]

۲۵)...... جو شخص بہ حالت مرض اپنے ورثاء کو وصیت کرے کہ مجھ پر اتنی نمازیں قضا ہیں ان کا فدیہ دیدینا؛ تو مشائخ نے اس کو تسلیم کیا ہے، اور اس بارے میں نماز کو روزہ کے ساتھ مشابہ مانا ہے یعنی یہ کہ ہر نماز کا حکم ایک روزہ کا ہے جو فدیہ ایک روزہ کے لیے ہے وہی ایک نماز کے لیے یعنی ایک نماز کا فدیہ نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو[۳]

---

(۱) و یُطعم لکلّ یوم مسکینًا کما یُطعم في الکفّارة کذا في الهدایة إلخ نصفَ صاع من بُرّ أو صاعًا من تمر أو صاعًا من شعیر (حوالہ سابقہ) ظفیر

(۲) وسُئل .... عن الشّیخ الفاني هل تجب علیه الفدیةُ عن الصّلوات کما تجب علیه عن الصّومِ وهو حَيٌّ ؟ فقال: لا. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۲۵، کتاب الصّلاة ، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت) ظفیر

(۳) و إذا ماتَ الرّجلُ و علیهِ صَلَواتٌ فائتةٌ فأوصٰی بأن تُعطٰی کفّارةُ صلواتهٖ یعطٰی لکلِّ صلاةٍ نصف صاع من برّ و للوتر نصف صاع و لِصَوْمِ یَومٍ نِصف صَاعٍ مِنْ ثُلُثِ مَالهٖ إلخ ، وإنْ لَمْ یُوْصِ لورثتهٖ وتبرّع بعضُ الورثةِ یجوز. (حوالہ سابقہ) ظفیر

۲۶)......ولی اور وارث کو اس کی طرف سے روزہ رکھنا نہ چاہیے [۱]

۲۷)......آج کل جو اکثر مسلمان (امیر) [۲] مستطیع بہ سبب روزہ میں تکلیف ہونے کے اپنے آپ کو عاجز سمجھ کر خود اپنے لیے شیخ فانی کا حکم تجویز کرلیا کرتے ہیں یہ سراسر (ناجائز) [۳] ہے، تعیش کی بناء پر تکالیف شرعیہ سے بچنا احکام شرعیہ (کی) [۴] گستاخی ہے، ایسا آدمی اگر بادشاہ وقت کی قید میں آجاتا ہے تو وہ اس وقت شیخ فانی کیوں نہیں رہتا سب کچھ کرلیتا ہے، پس ایسی جرأت سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۵۱-۳۵۷)

ایک سال کی نمازیں قضا کرنے میں ترتیب لازم نہیں

سوال: (۱۸۶۷) ایک شخص کے ذمہ مثلاً ایک سال کی نمازیں قضا پڑھنی ہیں، ان نمازوں کی قضا کرنے میں اس پر ترتیب ضروری ہے یا نہیں؟ یعنی ترتیب وار قضا کرے یا جس طرح چاہے، اور جب پورے سال کی قضا پڑھ چکے گا تو صاحب ترتیب ہوگا یا نہیں؟ اور کچھ روز تک قضا نماز پڑھی پھر چھوڑ دی تو پھر مابقیہ کو پڑھے گا یا اوّل سے؟ اور درمیان میں چھوڑ دینے سے کچھ خرابی تو نہیں ہے؟

(۱۵۸۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: قضا کرنے میں اس پر کچھ ترتیب لازم نہیں ہے، جس طرح چاہے قضا کرلیوے [۵] اور جس وقت کل فوائت قضا کرلے گا صاحب ترتیب ہوجاوے گا، بلکہ جس وقت قضا کرتے کرتے

---

(۱) و لو أَمَرَ الأبُ ابنهُ أن يَقْضِيَ عنهُ صلواتٍ و صيامَ أيّامٍ لا يجوزُ عندنَا كذا في التّتارخانية (حوالہ سابقہ) ظفیر

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (امیر) کی جگہ ''اکثر'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں (ناجائز) کی جگہ ''غلط'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۴) مطبوعہ فتاویٰ میں (کی) کی جگہ ''سے'' تھا، اس کی بھی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۵) التّرتيب إلخ ، لازمٌ إلخ ، إلاّ ...... إذا ضاق الوقت إلخ ، أو نسيت الفائتةُ ...... أو فاتت ستٌّ اعتقاديةٌ (الدّرّ المختار) يعني لا يلزم التّرتيبُ بين الفائتة والوقتيّة ولا بين الفوائت إذا كانت الفوائت ستًّا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۵۷-۴۶۰، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت ، مطلب في تعريف الإعادة) ظفیر

چھ نمازوں سے کم مثلاً پانچ نمازیں اس کے ذمہ رہ جاویں گی اسی وقت ترتیب واجب ہوجاوے گی (۱) اور جس قدر نمازیں قضا کرلی وہ ہوگئیں، اگر درمیان میں قضا پڑھنا چھوڑ دیا اور پھر شروع کیا تو جس قدر بعد قضائے سابق باقی رہیں انہیں کو قضا کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم (۴/۳۳۲-۳۳۳)

رمضان کے آخری جمعہ میں قضائے عمری مخصوص طریقہ پر پڑھنا ثابت نہیں

سوال: (۱۸۶۸) رمضان شریف کے آخری جمعہ میں جو قضائے عمری برار (۲) میں پڑھی جاتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟ (۲۵۴۷/۱۳۴۳ھ)

---

(۱) یہاں اور سابقہ جواب کے پانچویں جزئیہ میں جو مسئلہ لکھا ہے وہ ہدایہ کی عبارت سے ماخوذ ہے، مگر وہ صحیح نہیں، صحیح مسئلہ یہ ہے کہ جس وقت قضا کرتے کرتے چھ نمازوں سے کم چار پانچ نمازیں رہ گئیں تو ان چار پانچ نمازوں کو ترتیب سے پڑھنا واجب نہیں ہے، بلکہ اختیار ہے، جس طرح چاہے پڑھے، اور صاحب ہدایہ نے جو قول ذکر کیا ہے وہ ضعیف ہے، درمختار اور شامی میں ہے: ولا يعودُ لزومُ التّرتيب بعدَ سقوطِهِ بكثرتِها أي الفوائتِ بعود الفوائت إلى القلّة بسبب القضاء لبعضها على المعتمد لأنّ السّاقط لا يعود، وكذا لا يعود التّرتيبُ بعد سقوطِهِ بباقي المُسقطاتِ السّابقةِ (الدّرّ المختار) قوله: (بسبب القضاء لبعضها) كما إذا ترك رجلٌ صلاةَ شهر مثلاً ثمّ قضاها إلاّ صلاةً ثمّ صلّى الوقتيةَ ذاكرًا لها فإنّها صحيحةٌ أهـ بحر. وقيّد بقضاء البعض لأنّه لوقضى الكلّ عاد التّرتيب عند الكلّ كما نقله القهستانيّ. قوله: (على المعتمد) هو أصحّ الرّوايتين وصحّحه أيضًا في الكافي والمحيط وفي المعراج وغيره، وعليه الفتوى، وقيل: يعود التّرتيبُ، واختاره في الهداية و ردّه في الكافي والتّبيين، وأطال فيه في البحر. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۶۲/۲، كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في تعريف الإعادة)

نیز فتاویٰ ہندیہ میں ہے: التّرتيبُ إذا سقط بكثرة الفوائت، ثمّ قضى بعضَ الفوائت، وبقيت الفوائتُ أقلَ من ستّةٍ الأصحّ أنهُ لايعود، هكذا في الخلاصة، قال الشّيخ الإمام الزّاهد أبو حفصٍ الكبير: و عليه الفتوىٰ، كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱۲۳/۱، كتاب الصّلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت) محمد امین پالن پوری

(۲) برار: ضلع کا نام ہے، رجسٹر نقول فتاویٰ میں سوال کے آخر میں درج ہے: ''المستفتي: ہیڈ ماسٹر اردو مدرسہ، مقام: بابلی، تعلقہ: دریاپور، ضلع: امراوئے برار''۔

الجواب: رمضان شریف کے آخری جمعہ میں قضائے عمری بہ طریق مخصوص پڑھنا ثابت نہیں ہے، شامی میں ہے کہ امام صاحب کی طرف اس کو منسوب کرنا صحیح نہیں ہے، اور فخرالاسلام اور قاضی خان سے اس کی کراہت نقل کی ہے [۱] لہٰذا اس کو چھوڑنا چاہیے۔ فقط (۴/ ۳۴۵-۳۴۶)

قضائے عمری پڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟

سوال: (۱۸۶۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ نماز قضائے عمری پڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟ (فرائض پنج گانہ سے پہلے پڑھے یا بعد میں؟ اور اس قدر پابندی کرنا کہ خواہ جماعت ہوتی رہے جب تک قضائے عمری نہ پڑھ لے جماعت میں شامل نہ ہو کیسا ہے؟) [۲] (۸۲۴/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: جس قدر نمازیں قضا ہوئی ہیں ان کو جس طرح چاہے ادا کرے کیوں کہ وہ صاحب ترتیب نہیں ہے خواہ وقتیہ سے پہلے پڑھا کرے یا پیچھے، یا ایک وقت میں پانچوں نمازیں معہ الوتر روزانہ پڑھتا رہے، جماعت کو نہ چھوڑے بعد جماعت یا قبل جماعت قضا نماز پڑھ لیا کرے [۳] فقط (۴/ ۳۴۹)

قضائے عمری کا جو طریقہ بعض کتابوں میں مذکور ہے وہ ثابت نہیں

سوال: (۱۸۷۰) از کتاب انیس الارواح صفحہ ۲۴، مجلس ۱۳ فرمایا کہ امیرالمؤمنین علیؓ نے

---

(۱) وما نقل أنّ الإمام قضا صلاة عمرہٖ إلخ (الدّرّ المختار) والجواب أوّلاً أنّه لم يصحّ نقل ذٰلك عن الإمام .... فالوجه حينئذٍ كراهة القضاء لتوهّم الفساد كما قاله فخر الإسلام وقاضي خان. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۴۲۳، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: المسائل السّتة عشرية)

(۲) قوسین کے درمیان کی عبارت مطبوعہ فتاویٰ کے مطابق کی گئی ہے۔۱۲

(۳) ولايعودُ لزومُ التّرتيب بعدَ سقوطہٖ بكثرتِها أي الفوائتِ بعود الفوائت إلى القلّة بسبب القضاء لبعضها على المعتمد لأنّ السّاقط لا يعود، وكذا لا يعود التّرتيبُ بعد سقوطہٖ بباقي الـمُسقطاتِ السّابقةِ من النّسيان والضّيق. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۶۲، كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في تعريف الإعادة) ظفير

رسول اللہ ﷺ سے روایت فرمائی ہے کہ جس شخص کی نمازیں اتنی قضا ہوگئی ہوں کہ اس کو یاد نہ ہوں، پس دوشنبہ کی رات کو پچاس رکعت نماز ادا کرے، اور ہر رکعت میں ایک دفعہ سورۂ فاتحہ اور ایک دفعہ سورۂ اخلاص پڑھے تو خدا تعالیٰ اس کی گذشتہ نمازوں کا کفارہ کرتا ہے، یہ صحیح ہے شرعاً یا نہیں؟

(۱۳۴۳/۱۹۸۹ھ)

الجواب: مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ احادیث وفقہ سے یہ ثابت ہے کہ جس قدر نمازیں قضا ہوں ان سب کی قضا کرنی چاہیے[۱] اور اگر قضا نمازیں یاد نہ ہوں کہ کس قدر ہیں تو ان کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اندازہ کرے کہ اس قدر نمازیں میرے ذمہ قضا ہیں؛ اسی قدر قضا کرے، اور جو روایت آپ نے کتاب انیس الارواح سے نقل کی ہے اس کی کچھ اصل اور سند معلوم نہیں ہے، اور نہ یہ کہ یہ روایت حدیث کی کسی کتاب میں ہے، اور یہ روایت اگر ثابت ہوجائے تو اس پر محمول ہے کہ جس قدر نمازیں فوت شدہ اس کو یاد ہوں ان کو قضا کرے، اور جو نمازیں لاعلمی سے رہ جائیں ان کے لیے عمل مذکور کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۴۰-۳۴۱)

قضائے عمری کا مروجہ طریقہ بے اصل ہے

سوال: (۱۸۷۱) ایک اردو کتاب میں تحریر ہے کہ کفارہ قضائے عمری کے لیے نماز بہ ترکیب ذیل ادا کرنی چاہیے، ہر رکعت میں آیۃ الکرسی ایک ایک مرتبہ اور سورۂ کوثر گیارہ گیارہ مرتبہ بعد سورہ فاتحہ پڑھے یہ جائز ہے یا مکروہ؟ اور اسی طریق پر اور نمازوں کی نسبت بھی کئی کئی سورہ مختلف مقامات کی ہر رکعت میں پڑھنے کے لیے تحریر ہے۔ (۱۳۳۷/۶۳۱ھ)

الجواب: اس کی کچھ اصل نہیں ہے، اور اس ترکیب سے نفل پڑھنے میں قضائے عمری حاصل نہیں ہوتی، اوّل تو خود قضائے عمری کی کچھ اصل نہیں ہے، بلکہ فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے، اور ثانیاً اس ہیئت اور کیفیت کے ساتھ پڑھنا قضائے عمری کے لیے ثابت نہیں ہے، اور یہ طریق قضا کا خلاف قواعد شرعیہ ہے، قاعدہ یہ ہے کہ جس قدر نمازیں کسی کے ذمہ فائتہ ہوں بہ یقین یا ظن غالب

(۱) كلّ صلاة فاتت عن الوقت بعد وجوبها فيه يلزمه قضائها إلخ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۱، كتاب الصّلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت)

ان کو قضا کرے، اور محض توہم کی بناء پر قضائے عمری ثابت نہیں ہے، بلکہ مکروہ ہے۔ شامی میں درمختار کے اس قول پر وما نُقل أنّ الإمامَ قضٰی صلاۃَ عمرِہٖ إلخ لکھا ہے: أنـه لم یصحّ نقل ذلك عن الإمام إلخ ، فالوجه حینئذ کراهة القضاء لتوهّم الفساد إلخ[1] (صفحہ: ۴۶۹) فقط (۴/۳۳۰)

سوال: (۱۸۷۲) نماز قضائے عمری کی کیا ترکیب ہے حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ (۴۲۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: یہ نماز قضائے عمری جیسا کہ مشہور ہے حدیث سے ثابت نہیں، جس کے ذمہ واقعی نمازیں قضا ہوں وہ حساب کر کے ان کو پورا کرے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۵۰-۳۵۱)

مروجہ قضائے عمری باجماعت پڑھنا جائز نہیں

سوال: (۱۸۷۳) ایک امام نے قضائے عمری باجماعت پڑھی، کیا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں جائز ہے؟ (۲۴۹۰/۱۳۳۹ھ)

الجواب: ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، امام اعظمؒ اس کو جائز نہیں فرماتے[3] فقط (۴/۳۶۲)

قضا نمازوں کی ادائیگی کا صحیح طریقہ

سوال: (۱۸۷۴) جو شخص قضائے عمری بالترتیب پڑھتا ہے اسے مغرب اور وتر کی نماز کی قضا

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۲۳، کتاب الصّلاۃ ، بـاب الوتر والنّوافل ، قبل مطلب في الصّلاۃ علی الدّابّة .

(۲) تفصیل سابقہ جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) ''قضائے عمری'' کے نام سے اگر چند مخصوص رکعت خاص ہیئت وترتیب سے پڑھنا مراد ہے، تو اس کا کوئی ثبوت شریعت میں نہیں، اور اگر قضا شدہ نماز اس کی تعداد کے مطابق پڑھنا مراد ہے تو پھر تعیین ضروری ہے، اور اُسے بھی علی الاعلان نہیں پڑھنا چاہیے، فقہاء صراحت کرتے ہیں: ویکـره قـضـاؤُهـا فیـه لأنّ التّـأخیر معصیةٌ فلا یُظهرها (الدّرّ المختار) قوله: (لأنّ التّأخیرَ معصیةٌ) إنّما یظهر أیضًا في الجماعة لا الـمـنفرد إلخ کما قدّمناه عن القهستاني علٰی أنّه إذا کان التّفویت لأمر عامٍّ لا یکره ذلك للجماعة أیضًا لأن هٰذا التّأخیرَ غیرُ معصیةٍ هٰذا، و یظهر من التّعلیل أنّ المکروهَ قضاؤها مع الإطّلاع علیها ولو في غیر المسجد. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۴، کتاب الصّلاۃ ، باب الأذان ، مطلب في أذان الجَوق) ظفیر

میں چار رکعتیں تین قعدوں کے ساتھ کس حالت میں پڑھنا چاہیے، اور تین رکعتوں میں کیوں نہ ادا کرنا چاہیے، برہان الفتاویٰ میں ہے: **یصلّیها أربعًا بثلاث قعدات لكراهة تنفّل ثلاث ركعات ، في القنية ركن الدّين الخزّاف يصلّي المغرب والوتر أربعًا بثلاث قعدات،** اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ (۱۷۱/۱۳۴۱ھ)

الجواب: صحیح مذہب یہ ہے کہ جس کے ذمہ نمازیں قضا ہیں وہ ان کا اندازہ کر کے ان نمازوں کو قضا کرے اور مغرب کی تین رکعت حسب قاعدہ پڑھے، اور وتر بھی تین رکعت قاعدہ کے موافق پڑھے، اور یہ صورت جو برہان الفتاویٰ سے نقل کی گئی ہے قواعد کے موافق صحیح نہیں ہے، باقی مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ تین قعدہ اس طرح کرے کہ دو رکعت کے بعد قعدہ کرے، پھر تیسری رکعت کے بعد بھی قعدہ کرے تاکہ قعدہ اخیرہ نہ رہ جاوے، اور پھر بوجہ شبۂ نفل کے ایک رکعت چوتھی ملا کر قعدہ کرے، اس طرح تین قعدہ ہو جاویں گے [۱] مگر صحیح یہ ہے کہ اس کی ضرورت نہیں ہے، جب کہ واقعی اس کے ذمہ مغرب کی نماز فائتہ اور وتر فائتہ باقی ہیں تو تین رکعت دو قعدہ کے ساتھ پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۳۵-۳۳۶)

احتیاطاً قضائے عمری پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۸۷۵) اگر نماز چاشت یا تہجد کے وقت نماز قضائے عمری پڑھے، اور وہ شخص بطور

(۱) جس عبارت کا سائل نے مطلب پوچھا ہے وہ توہّم اور شبہ والی صورت کا حل ہے، مثلاً کسی کو مغرب اور وتر کے قضا یا فاسد ہونے کا یقین نہیں ہے، بلکہ محض شبہ ہے، ایسی حالت میں چاہیے تو یہی کہ وہ دوبارہ نہ پڑھے، **ولا تعاد عند توهّم الفساد للنّهي**، اور نہ اس کی قضا کی ضرورت ہے، لیکن اگر کوئی شبہ کی بنیاد پر اس طرح قضا کرے کہ اگر قضا ہوئی ہے تو وہ ادا ہو گی، ورنہ وہ نفل ہو جائے گی، تو اس صورت میں وتر اور مغرب کی ادائیگی کی شکل یہ ہو گی کہ چار رکعت تین قعدوں کے ساتھ پڑھے گا، کیوں کہ نفل تین رکعت نہیں ہے۔ دوسرا قعدہ اس لیے کیا کہ یہ مغرب و وتر کے لیے آخری قعدہ ہے، اور چوتھی رکعت ملا لی، اور تیسرا قعدہ اس وجہ سے کیا کہ اگر نفل میں شمار ہو تو درست ہو جائے۔ **لا تُعاد عندَ توهّم الفساد للنّهي ، وما نُقل أنّ الإمام قضىٰ صلاةَ عمرِهٖ فإن صحّ نقول: كان يصلّي المغربَ والوترَ أربعًا بثلاثِ قعداتٍ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۲۳، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل ، قبل مطلب في الصّلاة على الدّابّة)** ظفیر

شک کے قضا پڑھتا ہے، حالانکہ اس کے ذمے یقیناً کوئی نماز فرض نہیں تو یہ نماز چاشت یا تہجد ہوگی یا نفل ہوگی؟ اور اگر نماز مغرب قضا کی تو تین رکعت نفل ہونے سے تو کوئی خرابی نہ ہوگی؟

(۲۰۵/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: کچھ اختلاف نہیں اور قضائے مغرب میں اس احتمال سے کچھ کراہت نہ ہوگی۔ فقط

(۳۴۹/۴-۳۵۰)

سوال: (۱۸۷۶) قضائے عمری احتیاطاً پڑھنا کیسا ہے؟ (۲۳۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قضائے عمری علی توہم الفساد پڑھنا امام صاحب سے ثابت نہیں اور صحیح یہ ہے کہ مکروہ ہے، پس جب اصل ہی ثابت نہیں تو اس پر دیگر تفریعات صحیح نہ ہوں گی، اور ایسے موقع پر کمال و نقصان سے بحث فضول ہے۔ ثَبِّتِ الْعَرْشَ ، ثمّ انْقُشْ [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۸/۴-۳۴۹)

وضاحت: جس کی کوئی نماز فوت نہیں ہوئی وہ احتیاطاً قضائے عمری پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک مکروہ ہے، اور بعض کے نزدیک مکروہ نہیں [۲] اور مفتی علام رحمہ اللہ کا پہلا جواب مبہم ہے اور دوسرے جواب میں صراحت ہے کہ شبہ کی وجہ سے قضائے عمری پڑھنا مکروہ ہے، چنانچہ اس سے پہلے بھی مفتی علام رحمہ اللہ نے

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۹۵/۱، خطبۃ الکتاب، حدیث: إنّما الأعمال بالنّیّات، رقم الحدیث: ۱۔

(۲) فتاویٰ ہندیہ میں ہے: عن أبي نصرٍ فيمَنْ يَقْضِيْ صَلَوَاتِ عُمُرِهٖ مِن غَيرِ أنْ فَاتَهٗ شيءٌ يُرِيدُ الاحتياطَ فإن كانَ لأجلِ النّقصانِ والكراهةِ فَحَسنٌ ، و إنْ لَمْ يَكنْ لِذٰلكَ لا يَفْعَلُ ، و الصّحيحُ أنّهٗ يجوزُ إلا بعد صلاة الفجر و العصر ، و قد فعل ذٰلك كثيرٌ مِنَ السّلَفِ لشبهةِ الفسادِ كذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية: ۱۲۴/۱ ، كتاب الصّلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، مسائل متفرقة)

نیز طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: ومن قضٰى صلاة عُمُرِهٖ مع أنه لم يَفُتْهُ شيءٌ منها احتياطًا ، قيل: يكره ، وقيل: لا، لأن كثيرًا من السّلَف قد فعل ذلك لكن لا يقضي في وقت تكره فيه النّافلة ، والأفضل أن يقرأ في الأخيرتين السّورة مع الفاتحة لأنها نوافل من وجه فلأن يقرأ الفاتحةَ والسّورة فی أربع الفرض علٰى احتماله أولٰى من أن يدع الواجب في النّفل ويقنت في الوتر ، ويقعد قدر التّشهّد في ثالثتِهِ ، ثمّ يصلّي ركعةً رابعةً فإن كان وترًا فقد أدّاه ، وإن لم يكن فقد صلّى التّطوّع أربعًا ولا يضرّه القعود ، ==

صراحت فرمائی ہے کہ محض توہم کی بناء پر قضائے عمری ثابت نہیں ہے، بلکہ مکروہ ہے، شامی میں درمختار کے اس قول پر: وما نقل أنّ الإمام قضا صلاة عمرہٖ إلخ لکھا ہے: أنه لم يصحّ نقل ذٰلك عن الإمام إلخ ، فالوجه حينئذٍ كراهة القضاء لتوهّم الفساد إلخ (۱)

عشاء کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ اور دو رکعت فجر کی قضا کی نیت سے پڑھی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۸۷۷) بعد عشاء چار رکعت نماز سنت ہیں: دو مؤکدہ اور دو غیر مؤکدہ، پس اگر کسی شخص نے دو مؤکدہ پڑھی اور دو فجر کی فرض کی قضا تو اگر اس کے ذمے فجر کی قضا واقع میں

== وكذا يصلّي المغربَ أربعًا بثلاثِ قعداتٍ. (حاشية الطّحطاوي على مراقي الفلاح ، ص:۴۴۷، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت، قبيل باب إدراك الفريضة)

نیز البحر الرائق میں ہے: رجلٌ يقضي صلواتِ عُمُرہٖ مع أنه لم يَفُتْهُ شيءٌ منها احتياطًا قال بعضهم: يُكره ، وقال بعضُهُم : لا يُكره لأنه أخذ بالاحتياط لكنّه لا يقضي بعد صلاة الفجر ولا بعد صلاة العصر و يقرأ في الرّكعاتِ كلِّها الفاتحةَ مع السورة أهـ ، و قد قدّمنا عن مآل الفتاوى أنّه يُصلّي المغربَ أربعًا بثلاثِ قعداتٍ ، و كذا الوترُ. (البحر الرّائق: ۱۴۲/۲، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت)

تنبیہ: سابقہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب کوئی نماز فوت نہیں ہوئی، لیکن کسی کو شبہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد اس کی کچھ نمازیں رہ گئی ہیں تو ایسا شخص احتیاطًا کچھ عرصہ نمازیں قضا پڑھتا رہے، یہاں تک کہ اسے اطمینان ہوجائے کہ اب کوئی نماز اس کے ذمہ نہیں ہوگی، لیکن اس کو چاہیے کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورت ملائے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان نمازوں کو فجر وعصر کے بعد نہ پڑھے، نیز مغرب اور وتر کی نماز کی تیسری رکعت پر قعدہ کرکے ایک رکعت اور ملالیا کرے۔ محمد امین پالن پوری

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۲۳/۲، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، قبل مطلب في الصّلاة على الدّابّة.

نہ ہو تو وہ چاروں سنت ہوں گی، تو اگر ایسا ہے تو فرمائیے کہ ان کا ایک سلام کے ساتھ پڑھنا تو ضروری نہیں ہے؟ (۲۰۵/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: ایک سلام کی شرط اس میں نہیں ہے، بلکہ دو رکعت سنت مؤکدہ علیحدہ پڑھنی چاہیے، اور دو رکعت غیر مؤکدہ علیحدہ پڑھنی چاہیے، پس بہ صورت نہ ہونے قضا کے اس کے ذمے پر یہ دو رکعت نفل ہو جاویں گی، اور چار رکعت بعد عشاء ہو جاویں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۵۰/۴)

دو تین برس کی نمازیں قضا ہوں تو کس طرح ادا کرے؟

سوال: (۱۸۷۸) اگر دو تین برس کی نماز قضا ہو اور اب موقع ادا کرنے کا نہ ملتا ہو تو اس سے چھٹکارا پانے کی کونسی شکل ہے؟ (۲۰۳۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: سہل صورت اس کی یہ ہے کہ ہر ایک نماز کے ساتھ وہی نماز قضا کرے جس قدر برسوں کی نماز فوت ہوئی ہو اتنے برسوں تک ہر ایک نماز کے ساتھ وہی نماز جو قضا ہوئی ہو قضا پڑھے، بدون قضا کے کوئی صورت سبکدوشی کی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۵/۴)

سوال: (۱۸۷۹) جس شخص کے ذمہ دو برس کی نمازیں قضا ہوں وہ ان کو کس وقت اور کس ترتیب سے ادا کرے؟ (۳۱۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: جس شخص کی ذمہ دو برس کی نمازیں قضا ہیں اس پر کچھ ترتیب ادائے فائتہ میں لازم نہیں ہے، جس وقت جس قدر نمازیں ادا کر سکے کر لیا کرے خواہ ایسا کرے کہ ہر ایک فرض وقتی کی ساتھ وہی نماز قضا کر لیا کرے، مثلاً ظہر کی نماز کے قبل یا بعد ایک ظہر کی قضا کر لیا کرے یا زیادہ کی گنجائش ہو زیادہ قضا کر لیا کرے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۵۸/۴-۳۵۹)

مختلف اوقات کی نمازیں قضا ہوں تو کس طرح ادا کرے؟

سوال: (۱۸۸۰) ایک شخص کی تین چار سال کی نمازیں اس طرح قضا ہوئی کہ کسی روز عصر کی

---

(۱) إلّا أن يزيد الفوائت على ستّ صلواتٍ لأنّ الفوائتَ قد كثرت فتسقط التّرتيب فيما بين الفوائت بنفسها كما يسقط بينها وبين الوقتيّة. (الهداية: ۱/۱۵۵، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت)

نہ پڑھی، اور کسی روز ظہر کی نہ پڑھی؛ تو صورتِ ادائیگی کیا ہوگی۔ (۳۲/۱۰۰۳-۱۳۳۳ھ)

الجواب: ظن غالب کے موافق ان نمازوں کو قضا کرے۔ فقط واللہ اعلم (۳۴۶/۴)

سوال: (۱۸۸۱) ایک شخص پابندی کے ساتھ پنج وقتی نماز ادا کرتا تھا، بعد کو نماز گنڈے دار ادا کرتا رہا یعنی کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی، اس صورت کی اندازاً تمام نمازیں دس سال یا بیس سال کی فوت ہوئیں، اب ان کے ادا کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ (۳۳/۱۰۹۴-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جس مدت تک اس نے اہتمام نماز کا ترک کردیا تھا کبھی پڑھتا تھا کبھی نہ پڑھتا تھا، اس تمام زمانے کی نمازوں کو قضا کرنا چاہیے، سہل صورت اس کی یہ ہے کہ ہر ایک فرض وقتی کے ساتھ وہی نماز قضا کی نیت سے پڑھ لیا کرے، اگر دس برس تک نمازیں ترک کی تھیں تو دس برس تک ہر ایک نماز کے ساتھ ایک نماز قضا کرلیا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۳/۴-۳۴۴)

سابقہ فوت شدہ نمازوں کی قضا کے زمانہ میں مزید نماز فوت ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۸۸۲) ...... (الف) میرے ذمہ اندازاً دو سال کی نماز قضا ہے تو کس نیت سے اور کس طرح ادا کروں؟

(ب) جب کہ قضائے عمری مندرجہ بالا کا سلسلۂ ادائیگی شروع ہووے، اور اتفاقاً کوئی نماز بعد نماز قضائے عمری قضا ہوجاوے تو کس سلسلہ سے ادا کروں آیا پہلے وقتی یا قضا؟ (۲۵۳۷/۱۳۴۱ھ)

الجواب: (الف) دو برس کی نمازیں اندازاً اس صورت میں قضا کرلینی چاہئیں اس کا طریق سہل یہ ہے کہ ہر ایک وقتیہ نماز کے ساتھ ایک نماز وہی قضا پڑھ لی جاوے، دو برس تک ایسا ہی کیا جاوے؛ مثلاً جب ظہر کی وقتی نماز پڑھی ایک ظہر قضا جو اس کے ذمہ ہے اس نیت سے پڑھ لیں، اسی طرح دوسری نمازوں میں کیا جاوے اور اگر ہر ایک نماز کے ساتھ دو دو نمازیں قضا کی پڑھیں تو ایک سال میں پوری ہوجاویں گی۔ (اضافہ از رجسٹر نقول فتاویٰ)

(ب) اس میں ترتیب ضروری نہیں ہے، اگر وقتی نماز کے وقت میں گنجائش ہے تو ہر دو قضا کی

نمازوں کو وقتی سے پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں اور بعد میں بھی، اور دونوں قضا میں یعنی قضائے حال اور قضائے عمری میں جس کو چاہے پہلے پڑھے اور جس کو چاہے پیچھے (۱) فقط واللہ اعلم (۴/ ۳۳۸)

قضا شدہ نمازوں کی تعداد معلوم نہ ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

سوال: (۱۸۸۳) نماز روزے قضا ہوئے، یہ معلوم نہیں کہ کتنی مدت کے قضاء ہوئے، تو ادا کی کیا صورت ہوگی؟ (۴۲/ ۷/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: اندازہ کرلے جس قدر مدت کی نماز وروزوں کا اندازہ ہو، ان کی قضا کرے۔ فقط

(۴/ ۳۲۸)

سوال: (۱۸۸۴) زید کے ذمہ تقریباً بارہ تیرہ سال کی نماز وروزہ قضا ہیں، جو اس نے دانستہ ادا نہیں کیے، اب وہ نماز روزہ مافات کو ادا کرنا چاہتا ہے، تو کس صورت سے ادا کرے؟

(۱۳۱۸/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: نماز وروزہ کی قضا کرے، اندازاً جتنے برسوں کی نماز بعد بلوغ کے اور روزے قضا ہوگئے ہوں اس کو ادا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۲۹)

بلوغ کے بعد فوت شدہ تمام نمازوں کو قضا کرنا ضروری ہے

سوال: (۱۸۸۵) قضائے عمری کی صوم وصلاۃ فرض ہے یا نہیں؟ ایک شخص نے تیس سال سے نماز روزہ کی پابندی کی ہے۔ (۱۴۶۵/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: بعد بلوغ کے جس قدر نمازیں اور روزے اس کے فوت ہوئے (ان کی قضا لازم اور فرض ہے، حساب اس کا بعد بلوغ کے کرلیوے یعنی پندرہ برس کی عمر کے بعد جس قدر فوائت ہوں) (۲)

---

(۱) فلا يلزم التّرتيب إذا ضاق الوقت ...... أو نسيتْ الفائتةُ ...... أو فاتتْ ستٌّ اعتقاديةٌ إلخ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۵۸-۴۶۰، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت ، مطلب في تعريف الإعادة)ظفیر

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

ان کی قضا کرے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۱/۴)

فائتہ نماز کا سبب جمیع وقت ہے؛ اس کا کیا مطلب ہے؟

سوال: (۱۸۸۶) نمازِ فائتہ میں سبب جمیع وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے؛ اس لیے کہ واجب علی صفۃ الکمال ثابت ہو، میرے غبی ہونے کی وجہ سے اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا؛ سبب کیا چیز ہے؟ اس کے جمیع وقت کی طرف مضاف ہونے کے کیا معنی ہیں؟ ادا میں وجوب علی صفۃ الکمال نہ ہونا چاہیے اور فائتہ میں ہونا چاہیے اس کی کیا وجہ ہے؟ (۱۳۳۵/۲۴۷ھ)

الجواب: وقت میں ادا کرنے سے بہ وجہ تعذر کے جمیع وقت کو سبب نہیں کہہ سکتے، بلکہ جزو مقدم متصل بالاداء کو سبب کہا جاتا ہے، اور جب وقت گذر گیا اور نماز فوت ہوگئی تو اب تمام وقت کو سبب کہنے میں کچھ دشواری نہ رہی، اور وقت سببِ ظاہری نماز کا ہے، کیوں کہ جب وقت آتا ہے حکم نماز پڑھنے کا ہوتا ہے، یہ ہی معنی سببیت کے ہیں مثلاً جب وقت ظہر کا آتا ہے حکم ہوتا ہے: صلّوا صلاۃ الظّھر وقس علیه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۸/۴)

قضا نمازیں صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتیں، ان کی قضا ضروری ہے

سوال: (۱۸۸۷) میری عمر اس وقت پچاس سال کی ہے، اڑھائی سال ہوئے میں نے حج فرض ادا کیا تھا، حج کرنے سے پہلے میں نماز کا پابند نہ تھا، اس وقت سے توبہ کرکے نماز ادا کر رہا ہوں تو کیا توبہ کرنے سے میری پچھلی نمازیں معاف ہوگئیں یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۱۲۹۴ھ)

الجواب: جو نمازیں قضا ہوگئی ہیں ان کی قضا فرض ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک روز کی نماز کو بالترتیب قضا کرتے رہیں، اور نیت اس طرح کریں کہ وہ پہلی نماز فجر کی ادا کرتا ہوں، جس کا وقت میں نے پایا اور اس کو ادا نہ کیا، اسی طرح ظہر کی عصر کی مغرب کی الخ، اور حساب کرکے بلوغ سے توبہ کے وقت تک جتنے سال بے نمازی میں گذر چکے ہیں ان کی نمازوں کو قضا کریں اس کی

(۱) و قضاء الفرضِ إلخ فرض إلخ وجمیع أوقات العمر وقتٌ للقضاء. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۵۸/۲، کتاب الصّلاۃ ، باب قضاء الفوائت ، مطلب في تعریف الإعادۃ) ظفیر

دلیل یہ ہے کہ قال اللّٰہ تعالیٰ في کتابه مرّة بعد أخری: ﴿اَقِیمُوْا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوْا الزَّکٰوةَ﴾ اَقِیمُوْا کا صیغہ امر کا صیغہ ہے، اور امر مقتضیٔ وجوب ہے، لہٰذا نماز فرض ہوگئی، اور جو چیز امر سے فرض ہو جاتی ہے اس سے سبکدوش ہونے کے دو ہی طریقے ہیں: تسلیم عین واجب یا اپنی طرف سے مثل واجب کے تسلیم سے اپنے ذمہ سے اصل واجب کو ساقط کرنے سے کما قالوا: في حکم الواجب بالأمر وهو نوعان: أداءٌ: وهو تسلیمُ عینِ الواجب بسببهٖ إلٰی مستحقّهٖ. و قضاءٌ: وهو إسقاطُ الواجبِ بمثل من عندهٗ هو حقّهٗ (۱) (حسامی) توبہ سے یا حج سے معاصی معاف ہوتے ہیں، فرائض معاف نہیں ہوتے ہیں، جیسے اگر کسی نے حج کیا یا توبہ کرلی تو قرض داروں کا قرض ایسا ہی اس کے ذمہ پر واجب ہے جیسے کہ پہلے تھا، اسی طرح حقوق اللہ سے بھی جو قرض ہے وہ بھی ادا کرنے سے ہی ادا ہوگا، بلکہ یہاں تک علماء نے لکھا ہے کہ توبہ سے نمازوں کی تاخیر کی معصیت معاف ہوگی، اور فوراً ادا کرنا لازم ہوتا ہے حتی کہ اگر پھر قضا کرنے میں تاخیر کی تو ازسرنو گنہ گار ہوگا۔ قال في الشّامیة: قال التّرمذيّ: هو مخصوصٌ بالمعاصي المتعلّقة بحقّ اللّٰه تعالیٰ لا العبادِ ولا یسقط الحقّ نفسُهٗ بل مَن علیه صلاةٌ یَسقطُ عنه إثمُ تأخیرِها لا نفسُها، فلو أخّرها بعده تجدّد إثمٌ آخرُ أهـ . ثمّ قال بعد أسطر نقلاً عن البحر: فلیس معنی التّکفیر کما یتوهّمُه کثیرٌ من النّاس أنّ الدَّین یسقط عنه، وکذا قضاء الصّلاة والصّوم و الزّکاة إذ لم یقلْ أحدٌ بذلك (۲) (۲/۲۷۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۳۶-۳۳۷)

سوال: (۱۸۸۸) زید کی اکثر نمازیں ابتدائے شباب سے چالیس یا پچاس برس تک قضا ہوئی ہیں، اور اب وہ توبہ کے بعد نمازی ہوگیا، کیا ان قضا نمازوں کا تدارک توبہ وتضرع سے ہوسکتا ہے؟ یا ہر نماز کے بعد بطور قضائے عمری نماز ادا کرنی چاہیے؟ اور اگر اس کی زندگی تلافیٔ مافات نہ کرسکے تو یا باوجود توبہ یہ بارِ عظیم اس کی گردن پر رہے گا، حدیث میں تو التّائب من الذّنب کمن لا ذنب له آیا ہے؟ (۱۱۰۲/۱۳۳۸ھ)

---

(۱) الحسامي: ص:۳۵، بحث الکتاب، فصل في الأمر، فصل في حکم الواجب بالأمر.

(۲) ردّ المحتار علی الدّر المختار: ۴/۴۴، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، مطلب في تکفیر الحجّ الکبائر.

الجواب: زید کو گزشتہ تمام نمازوں کی قضا کرنا لازم ہے، اور جس طرح آئندہ کی نمازیں اس کے ذمہ فرض ہیں، اسی طرح فوت شدہ نمازوں کو ادا کرنا لازم ہے[1] ان کی قضا کی جو صورت سہل معلوم ہو اختیار کرے کہ ہر ایک وقت کے فرض کے ساتھ وہی نماز قضا کرلیا کرے، یا دو دو، چار چار ایک وقت میں قضا کرلیا کرے، اور اگر زندگی میں تلافی مافات نہ ہوسکے تو آخر حالت میں وصیت کرنا ادائے فدیہ کے لیے لازم ہے، تاکہ ورثہ بعد میں باقی ماندہ نمازوں کا فدیہ ادا کردیویں، اور حدیث: التّائب من الذّنب کمن لا ذنب له [2] کا مطلب یہ ہے کہ نمازوں کی تاخیر کرنے اور وقت پر ترک کرنے کا جو گناہ ہوا وہ توبہ سے معاف ہوجاوے گا، اور نیز واضح ہو کہ جیسے حقوقِ عباد کی توبہ یہ ہے کہ وہ حقوق ادا کرے اور جس کا جو کچھ حق ہے وہ دیوے جب توبہ قبول ہوگی، اسی طرح حقوق اللہ مثل نماز وروزہ وزکاۃ وغیرہ جو ادا نہیں ہوئے ان کی توبہ یہ ہے کہ ان کو ادا کرے، پس بدون ادا کیے وہ تائب ہی نہ ہوا جو التّائب من الذنب کمن لا ذنب له [2] کے حکم میں داخل ہو، واللّٰہ ولي التّوفیق. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۰/۴-۳۶۱)

سوال: (۱۸۸۹) کیا صوم وصلاۃ فائتہ توبہ سے معاف ہوجاتے ہیں یا نہ؟ (۲۷۳۹/۱۳۳۹ھ)

الجواب: صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے بلکہ قضا ان کی لازم ہے۔ فقط (۳۶۳/۴)

نمازِ قصر کی قضا قصر ہی پڑھنی چاہیے

سوال: (۱۸۹۰) نمازِ قصر کی قضا قصر ادا کرنا چاہیے یا پوری؟ (۱۳۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: نمازِ قصر کی قضا قصر ہی پڑھنی چاہیے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۹/۴)

---

(۱) و قضاء الفرضِ والواجب والسّنّة فرض و واجب وسنّة لفّ و نشر مرتّب، وجميع أوقات العُمُر وقت القضاء. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۵۸/۲، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت ، مطلب في تعريف الإعادة) ظفیر

(۲) مشكاة المصابيح، ص:۲۰۶، كتاب الدّعوات، باب الاستغفار والتّوبة، الفصل الثّالث .

(۳) والقضاء يَحْكي أي يُشابه الأداءَ سفرًا وحضرًا لأنّه بعد ما تقرّر لا يتغيّر (الدّرّ المختار) قوله: (سفرًا وحضرًا) أي فلو فاتته صلاةُ السّفر وقضاها في الحضر يقضيها مقصورةً كما لو أدّاها. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵۳۹/۲، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصليّ و وطن الإقامة) ظفیر

غیر مسافر نے مسافر سمجھ کر جو نمازیں قصر پڑھی ہیں ان کی قضا واجب ہے

سوال: (۱۸۹۱) کسی شخص نے عرصہ دو یا تین ماہ کا ہوا اس خیال سے کہ وہ مسافر ہے نمازیں قصر پڑھیں، بعد کو معلوم ہوا کہ وہ دراصل مسافر نہ تھا، تو کیا اب اسے ان نمازوں کی قضا کرنی ضروری ہے اگر ہے تو کس طریقہ سے؟ (۴۱۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: ان نمازوں کو قضا کرنا ضروری ہے اور طریقہ قضا کا معروف ہے مثلاً جتنے دنوں کی نماز قصر پڑھی ان کو شمار کر کے وہ سب نمازیں مع وتر کے قضا کریں اور سنتوں کی قضا نہیں ہے۔ فقط (۴/۳۳۳)

وضاحت: اس سوال کے جواب میں وتر کی قضا کا جو حکم دیا گیا ہے، اس میں تسامح ہے، عالم گیری میں ہے: **ولا یُقَدّم الوتر علی العشاء لوجوب التّرتیب ، لا لأنّ وقت الوتر لم یدخل حتّٰی لو صلّی الوتر قبل العشاء ناسیًا أو صلاهما فظهر فساد العشاء دون الوتر فإنّه یصحّ الوتر ، ویعید العشاء وحدَها عند أبي حنیفة رحمه اللّٰه لأنّ التّرتیب یسقط بمثل هٰذا العذر. (الفتاوی الهندیة :۱/۵۱، کتاب الصّلاة ، الباب الأوّل في المواقیت إلخ، الفصل الأول في أوقات الصّلاة)**

اس عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ جب قصر پڑھنے کی وجہ سے عشاء کا فساد بعد میں ظاہر ہوا تو صرف عشاء کی قضاء واجب ہوگی، وتر کی قضا واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ضمیمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۱۰)

صرف ان رُباعی نمازوں کی قضا واجب ہے، جو قصر پڑھی ہیں، فجر اور مغرب کی قضا واجب نہیں ہے۔ محمد امین پالن پوری

فوت شدہ نمازوں کو مسجد میں پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۸۹۲) عالمے می فرماید کہ بہ مسجد صلاۃ قضا گزاردن حرام است، ودلیلش ایں کہ

قضاءِ صلاۃ معصیت است، واظہارِ معصیت حرام، و بہ مسجد اظہار می شود، بہ خانہ گذاردن باید؟

(۱۳۳۶-۳۵/۳۰۴ھ)

ترجمہ سوال: (۱۸۹۲) ایک عالم فرماتے ہیں کہ مسجد میں قضا نماز پڑھنا حرام ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نماز کو قضا کرنا معصیت ہے، اور معصیت کا اظہار حرام، اور مسجد میں معصیت کا اظہار ہوتا ہے، اس لیے گھر میں ادا کرنا چاہیے۔

الجواب: درمختار میں قضاءِ فوائت کو مسجد میں مکروہ لکھا ہے یعنی مکروہ تحریمی، اور دلیل یہی ہے کہ نماز کو وقت سے مؤخر کرنا معصیت ہے، اس لیے اس کو ظاہر نہ کرے، اور علامہ شامی نے اس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ غرض یہی ہے کہ اظہار نہ کرے، بلکہ ایسی طرح قضا کرے کہ کسی کو خبر نہ ہو (اگر گھر میں بھی قضا کرنے سے اظہار ہو تو یہ بھی مکروہ ہے)[۱] اور اگر مسجد میں قضا کرنے سے کسی کو معلوم نہ ہو کہ یہ نفلیں پڑھ رہا ہے یا فرض تو مسجد میں بھی درست ہے، غرض ایسی طرح قضا کرے کہ حتی الوسع کسی پر اظہار نہ ہو، عبارت شامی یہ ہے: وظاهرهُ أنّ الممنوعَ هو القضاءُ مع الإطّلاع عليه سواءٌ كان في المسجد أو غيرِه[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۹/۴)

تراویح کے بجائے فائتہ نمازوں کو باجماعت پڑھنا نہایت قبیح بدعت ہے

سوال: (۱۸۹۳) فی زمانہ بہ سوئے انحطاط ایسے لوگوں کی تعداد بہ کثرت ملتی ہے، جن کے ذمہ نماز ہائے فریضہ فائتہ کی تعداد بہت زیادہ واجب الادا ہے، اور ان کی ادا کی کوئی صورت نہیں ہوتی تو کیا بہ ماہِ رمضان بجائے تراویح کے فائتہ نمازوں کو بمعہ جماعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۳۴۱/۲۰۲۰ھ)

الجواب: یہ صورت جائز نہیں ہے، تراویح کو جداگانہ اسی اہتمام و نظم سے بہ جماعت تراویح ادا کرنا چاہیے کہ جناب رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے اس کی بہت تعریف فرمائی ہے، اور خود بھی

---

(۱) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) ردّ المحتار: ۴۷۰/۲، كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت، قبيل باب سجود السّهو.

عمل فرما کر اسوۂ حسنہ جاری فرما دیا(۱) پس اس طریق وفعل نبوی وطریقہ صحابہ کرام کو اسی طرح اسی کیفیت اور اسی نیت کے ساتھ جاری رکھنا چاہیے، اور شریعت غراء میں اس قسم کے تغیرات کو خیال میں نہ لانا چاہیے کہ یہ نہایت قبیح امر ہے، اور مصادم سنت ہے اور اِحداث فی الدین ہے جس کے بارے میں وعید من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو ردّ(۲) کافی ہے، أعاذنا الله تعالىٰ من مثل هٰذه الوساوس الشّيطانية والهواجس النّفسانية. جس کے ذمہ قضائے فرائض ہے وہ خود اس کا ذمہ دار ہے، اور اگر اس کو خوف خدا تعالیٰ ہے اور شریعت غراء کا تابع ہے تو وہ خود فوائت کو وقتاً فوقتاً ادا کرے گا، باقی یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے فوائت کی رعایت کی وجہ سے تراویح جیسی سنت مؤکدہ اور شعار رمضان المبارک کو متغیر کر دیا جاوے، اور گویا ایک امر مشروع کو جس کو احادیث کثیرہ میں مستقل طور سے نہایت اہتمام سے بیان فرمایا گیا ہے، اور اس کے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں، متروک ومبدل کر دیا جاوے اس قسم کا خیال بھی اہل اسلام سے مستبعد معلوم ہوتا ہے(۳) فقط

(۴/ ۳۳۷-۳۳۸)

فوائتِ کثیرہ کی وجہ سے سنن وتہجد کو ترک کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۸۹۴) اگر کسی شخص کی دس سال کی نماز چھوٹ گئی اب اس نے توبہ کرلی ہے اور پنج گانہ

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسولُ الله صلّى الله عليه وسلّم: يرغب في قيام رمضان من غير أن يأمرهم فيه بعزيمةٍ، فيقول: من قام رمضان إيمانًا واحتسابًا غُفر لهٗ ما تقدّم من ذنبهٖ، فتُوفِّي رسولُ الله صلّى الله عليه وسلّم والأمر علىٰ ذلك، ثمّ كان الأمر علىٰ ذلك في خلافة أبي بكر، وصدرًا من خلافة عمر علىٰ ذلك، رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، ص:۱۱۴، كتاب الصّلاة، باب قيام شهر رمضان، الفصل الأوّل)

(۲) عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح، ص:۲۷، كتاب الإيمان، باب الإعتصام بالكتاب والسّنّة، الفصل الأوّل)

(۳) التّراويح سنّة مؤكّدةٌ لمواظبةِ الخلفاء الرّاشدين للرّجال و النّساء إجماعًا. (ردّ المحتار: ۲/ ۴۲۹-۴۳۰، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراويح)

نماز ادا کرتا ہے اور فرائض وسنن کے علاوہ وتر وتہجد بھی ادا کرتا ہے، کیا یہ اسی طرح سنن اور وتر وتہجد پڑھتا رہے؟ یا ان کو چھوڑ کر اس وقت کو گزشتہ دس سال کی فوت شدہ نماز کے پڑھنے میں صرف کرنا چاہیے؟ (۶۶۱/۱۳۴۲ھ)

الجواب: جو کچھ کرتا ہے یہ بھی کرتا رہے اور فارغ وقت میں فوائت کی قضا کرے، مثلاً روزانہ چند نمازوں کی قضا کا اہتمام کرے، اور اگر وقت نہ ہو تو پھر سنن اور تہجد سے مقدم فوائت کا قضا کرنا ہے، اس وقت کو بھی اس میں صرف کرے(۱) لیکن وتر کو ترک نہ کرے۔ فقط واللہ اعلم (۴/۳۳۹)

سوال: (۱۸۹۵) ایک شخص کی بہت برسوں کی نمازیں قضا ہیں، اب اگر وہ بجائے سنن کے قضا نمازیں ادا کرے تو کیا حکم ہے قضا نماز افضل ہے یا سنن وقتیہ؟ (۱۳۳۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: وقتیہ سنن مؤکدہ کو نہ چھوڑنا چاہیے، اور فوائت کو اوقات فارغہ میں ادا کرنا چاہیے، اور یہ ظاہر ہے کہ ادائے فوائت اہم ہیں، لیکن اگر دونوں کام ہوسکیں کہ فوائت بھی پڑھے اور سنن مؤکدہ کو بھی نہ چھوڑے تو یہ بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۴۴-۳۴۵)

سنن مؤکدہ میں فوت شدہ نمازوں کی نیت کرنا درست نہیں

سوال: (۱۸۹۶) ایک شخص کی اکثر نمازیں قضا ہوگئیں، اب اگر وہ ادا کرنا چاہے تو سنتوں میں فرض فوت شدہ کی نیت کرسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۴۶۶/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: فوت شدہ نمازوں کو علیحدہ بہ نیت قضا ادا کرے سنن مؤکدہ میں نیت نہ کرے(۲) البتہ اگر نوافل کو چھوڑ کر فوت شدہ نمازوں کو قضا کرے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے(۳) فقط (۴/۳۴۱)

---

(۱) الاشتغال بقضاء الفوائت أولی وأهمّ من النّوافل. (ردّ المحتار: ۲/۴۶۸، کتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراويح)

(۲) وأمّا قضاء الصّلاة فلا يجوز ما لم يعيّن الصّلاة ويومها بأن يعيّن ظهر يوم كذا. (غمز عيون البصائر: ۱/۱۱۵، الفنّ الأوّل في القواعد الكليّة، النّوع الأوّل، القاعدة الثّانية: الأمور بمقاصدها)

(۳) الاشتغال بقضاء الفوائت أولی وأهمّ من النّوافل. (ردّ المحتار: ۲/۴۶۸، کتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مبحث: صلاةُ التّراويح)

فوت شدہ نمازوں میں قراءت کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۸۹۷) قضائے عمری کی تمام رکعت بھری پڑھے، یا دو خالی اور دو بھری؟

(۲۵۳۷/۱۳۴۱ھ)

الجواب: دو بھری اور دو خالی پڑھنی چاہیے، البتہ جس وقت بہت سی نمازیں قضا پوری ہو جاویں اور آئندہ کو محض شبہ رہے کہ قضا نماز ذمہ ہے یا نہیں اس وقت چاروں بھری پڑھے (۱) اور عشاء کے ساتھ وتر کی قضا بھی لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۳۸)

فجر، مغرب اور عشاء کی قضا میں جہراً قراءت کر سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۸۹۸) فجر اور مغرب اور عشاء کی قضا میں جہراً قرات پڑھ سکتا ہے؟

(۲۰۳۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اگر انہی اوقات میں قضا کرے تو جہراً پڑھ سکتا ہے اگر دن کو قضا کرے تو نہیں کر سکتا ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۴۵)

فجر اور عصر کی نماز کے بعد قضا نماز پڑھنا جائز ہے

سوال: (۱۸۹۹) فوت شدہ نمازوں کی قضا بعد نماز عصر و فجر جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو

---

(۱) اس لیے کہ نفل کی تمام رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔ وتفرض القراءة عملاً في ركعتي الفرض مطلقًا إلخ وكلّ النفل. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۱۳/۲، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في صلاة الحاجة) ظفیر

(۲) ويجهرُ الإمامُ ...... في الفجرِ و أُولَيي العِشائَينِ أداءً وقضاءً إلخ ويُخَيَّرُ الْمُنفَرِدُ في الجَهْرِ إنْ أدّى إلخ ويُخافتُ المنفَرِدُ حَتْمًا أي وجوبًا إنْ قَضَى الجَهرِيَّةَ فِي وقتِ الْمُخافَتةِ كأنْ صلَّى العشاءَ بعدَ طُلوعِ الشَّمْسِ .... عَلَى الأصَحّ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۲۱-۲۲۳، كتاب الصّلاة، فصل في القراءة، مطلب في الكلام على الجهر والمُخافتة) معلوم ہوا کہ حکم مذکور منفرد کے لیے لکھا گیا ہے۔ ظفیر

اس حدیث لا صلاة بعد الفجر حتّٰی تطلع الشّمس و لا صلاة بعد العصر حتّی تغرب الشّمس کا کیا مطلب ہے؟ (۱۳۴۳/۲۶۲ھ)(۱)

الجواب: قضائے فائتہ بعد صلاۃ العصر والفجر جائز ہے، اور حدیث: لا صلاة بعد الفجر حتّی تطلع الشّمس و لا صلاة بعد العصر حتّی تغرب الشّمس (۲) میں نہی نوافل پر محمول ہے (۳) في الحديث: مَن نام عن صلاة أو نسيها فليصلّها إذا ذكرها ــــ فإنّ ذلك وقتها ــــ ثم تلا: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ﴾ أو كما قال صلّى الله عليه وسلّم (۴) فقط (۴/ ۳۳۹-۳۴۰)

سوال: (۱۹۰۰) صبح کی نماز اور عصر کی نماز کے بعد قضا نماز پڑھ سکتا ہے کہ نہیں؟

(۱۳۳۴-۳۳/۲۰۱۷ھ)

الجواب: پڑھ سکتا ہے (۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۴۵)

سوال: (۱۹۰۱) کوئی شخص بعد فجر کے سورج نکلنے سے پہلے اور بعد عصر کے غروب ہونے سے

---

(۱) اس سوال کی عبارت رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

(۲) عن ابن عبّاس رضي اللّٰه عنهما قال: شهِد عندي رجالٌ مَرضيُّون فيهم عمر بن الخطّاب و أرضاهم عندي عمرُ أن رسولَ الله صلىّ الله عليه وسلّم قال: لا صلاةَ بعد الفجر الحديث. (سنن ابن ماجة، ص:۸۸، أبواب إقامة الصّلاة والسّنّة فيها ، باب النّهي عن الصّلاة بعد الفجر وبعد العصر)

(۳) ويكره أن يتنفّل بعد الفجر حتّى تطلع الشّمسُ وبعدَ العصر حتّٰى تغرب لما روي أنّه عليه السّلام نهٰى عن ذلك ، ولا بأس بأن يصلّي في هٰذين الوقتين الفوائتَ ويسجدَ للتّلاوة ويصلّي على الجنازة لأنّ الكراهة كانت لحقّ الفرض ليصير الوقتُ كالمشغول بهٖ لا لمعنى في الوقت فلم تظهر في حقّ الفرائض و فيما وجب لعينهٖ إلخ. (الهداية: ۱/ ۸۵-۸۶، كتاب الصّلاة ، باب المواقيت ، فصل في الأوقات الّتي تكره فيها الصّلاة) ظفیر

(۴) المعجم الأوسط للطّبراني: ۶/ ۱۸۲، رقم الحديث: ۶۱۲۹، عن أنس بن مالك ، المطبوعة: دار الحرمين للطّباعة والنّشر والتّوزيع ، القاهرة ، مصر)

(۵) وكُرِهَ نَفْلٌ .... بعد صلاةِ فَجْرٍ وصلاةِ عَصْرٍ .... لا يُكره قضاءُ فَائِتَةٍ ولَوْ وِتْرًا إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۳۳-۳۴، كتاب الصّلاة ، مطلب يشرط العلم بدخول الوقت) ظفیر

پہلے قضا نماز پڑھتا ہے جائز ہے یا نہیں؟ (۱۷۷۲/۱۳۳۸ھ)

الجواب: جائز ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۲/۴)

فجر، ظہر اور عصر کی قضا مغرب سے پہلے پڑھے یا بعد میں؟

سوال: (۱۹۰۲) اگر کسی شخص کی ظہر و عصر و فجر قضا ہوگئی تو ان کو مغرب سے پہلے پڑھے یا بعد میں اور کیا نیت کرے؟ (۴۲۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: یہ سب نمازیں مغرب سے پہلے پڑھے، اور اگر اتنی گنجائش نہیں تو بعد مغرب پڑھے، غرض سب نمازیں اسی دن قضا کرے، ہر ایک نماز میں اسی کی نیت کرے[2] فقط (۴/۳۵۰-۳۵۱)

جس کی عصر کی نماز قضا ہوگئی وہ مغرب کی جماعت میں شامل ہوسکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۹۰۳) جس شخص کی نماز عصر قضا ہوجاوے تو وہ مغرب کی جماعت میں شامل ہوسکتا ہے یا نہیں یا اوّل عصر کی نماز قضا کرکے بعد میں شامل ہو؟ (۲۵۵۵/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اگر وہ شخص صاحب ترتیب ہے تو اس کو عصر کی نماز کی قضا مغرب سے پہلے کرنی چاہیے جماعت مغرب اگرچہ نہ ملے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۲/۴)[4]

---

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) **لا يجوز أداء الوقتية قبل قضاء الفائتة إلخ و يسقط التّرتيب عند ضيق الوقت إلخ (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۱-۱۲۲، كتاب الصّلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت)** جمیل الرحمٰن

(۳) **مَنْ فَاتَتْهُ صَلاة قضاهَا إذا ذكرها وقدمها علىٰ فرض الوقت .... ومن صلّى العصر وهو ذاكرٌ أنّه لم يصلي الظّهرَ فهي فاسدةٌ إلّا إذا كان في آخر الوقت. (الهداية: ۱/۱۵۴-۱۵۶، كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت)** ظفیر

(۴) یہ سوال و جواب رجسٹر نقول فتاویٰ کے مطابق کیے گئے ہیں۔۱۲

ایک وقت میں کئی وقتوں کی قضا نمازیں ادا کرنا درست ہے

سوال: (۱۹۰۴) چند نمازیں قضا ایک وقت میں پڑھ لینی جائز ہیں یا نہ؟

(۱۰۲۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جائز ہیں[1] (ایک وقت میں کئی وقتوں کی قضا نمازیں ادا کرنی درست ہیں۔ ظفیر) (۳۴۳/۴)

سوال: (۱۹۰۵) اگر کسی شخص کے چار یوم کی نماز قضا ہو جاوے تو ایک وقت میں ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۱۴۸/۱۳۴۵ھ)

الجواب: چار دن کی فوت شدہ نمازیں ایک وقت میں قضا کر سکتا ہے۔ فقط (۳۴۱/۴)

جس وقت کی قضا ہوا ُسے اُسی وقت ادا کرنا ضروری نہیں

سوال: (۱۹۰۶) جس وقت کی نماز قضا ہے اس کو اسی وقت میں پڑھے یا مثلاً ظہر کو عشاء میں اور عشاء کو ظہر میں پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ہر طرح جائز ہے، جس وقت جو نماز قضا چاہے ادا کرے۔ فقط (۴/۳۴۴-۳۴۵)

فوت شدہ وتر کی بھی قضا ضروری ہے

سوال: (۱۹۰۷) وتر بھی قضا کرے یا نہیں؟ (۱۱۴۸/۱۳۴۵ھ)

الجواب: وتر کی بھی قضا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (اضافہ از رجسٹر نقول فتاویٰ)

---

(۱) لأنّه عليه الصّلاة و السّلام أخرها يوم الخندق (الدّرّ المختار) و ذلك أنّ المشركين شغلوا رسولَ اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم عن أربع صلواتٍ يومَ الخندق حتّى ذهب من اللّيل ما شاء اللّٰه تعالٰى فأمر بلالاً فأذّن ثمّ أقام فصلّى الظّهرَ ، ثمّ أقام فصلّى العصرَ ، ثمّ أقام فصلّى المغربَ ، ثمّ أقام فصلّى العشاءَ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ۲/۴۵۳-۴۵۴، كتاب الصّلاة باب قضاء الفوائت)ظفير

فوت شدہ وتر اور عشاء ایک ہی وقت میں پڑھنا ضروری نہیں

سوال: (۱۹۰۸) قضا نمازوں میں سے وتر اور عشاء ایک ہی وقت میں پڑھنی ضروری ہیں یا ایک وقت عشاء اور ایک وقت وتر پڑھے؟ (۱۰۲۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: علیحدہ علیحدہ بھی قضا کرسکتا ہے، ایک وقت میں قضا کرنا ضروری نہیں ہے۔ فقط (۳۴۳/۴)

نماز چھوڑنا اور اُس سے روکنا گناہ کبیرہ ہے

سوال: (۱۹۰۹) نماز کا چھوڑنا اور نماز سے روکنا کیسا ہے؟ اور اس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ (۱۱۰۹/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: ترک نماز کبیرہ گناہ ہے، پس حکم کرنا کسی کو ترک صلاۃ کا اور منع کرنا نماز سے یہ بھی گناہ کبیرہ ہے[۱] چھوڑنے والا نماز کا اور منع کرنے والا نماز سے دونوں کو توبہ کرنی چاہیے، اور نمازوں کو قضا کرنا چاہیے، نکاح اس کا نہیں ٹوٹا مگر توبہ کرے اور اپنے فعل پر نادم ہو، اور نماز شروع کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۵۱/۴)

اکثر عشاء کی نماز قضا کرکے فجر کی نماز سے پہلے پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۹۱۰) میں آج کل سفر میں بہ مقام ناگپور ہوں، یہاں کے لوگ اکثر عشاء کی نماز قضا کردیتے ہیں، اور اس کو بعد صبح صادق کے فجر کی نماز سے پہلے ادا کرتے ہیں، خواہ امام جماعت کرا رہا ہو مگر وہ اوّل نماز عشاء ادا کرلیویں گے تب نماز فجر پڑھیں گے، اگر کسی نے خیال کیا کہ نماز فجر جاتی رہے گی تو وتر تو ضرور ہی پڑھ لیوے گا تب نماز فجر پڑھے گا، اور عشاء بعد طلوع آفتاب کے

---

(۱) وَمِنَ الكبائرِ: السِّحْرُ وكِتْمَانُ الشَّهادَةِ مِنْ غَيرِ عُذْرٍ، والإفْطَارُ فِي رَمَضَانَ مِنْ غَيرِ عُذْرٍ، وقَطْعُ الرَّحمِ، وتَرْكُ الصَّلاَة مُتَعَمِّدًا. (الجوهَرَةُ النَّيِّرَة: ۳۱۵/۲، کتاب الشّهادات)

جمیل الرحمٰن

ادا کرے گا۔ ظہر کی نماز قضا کر دیوے گا اور اس کو عصر کے اخیر وقت میں ہمراہ عصر کے پڑھے گا (اور اگر عصر کی جماعت ہو رہی ہوگی تو پہلے ظہر ادا کرے گا بعد کو عصر پڑھے گا، حالانکہ وقت تنگ ہو جاوے گا۔ مغرب کی نماز سے پہلے عصر ادا کرتا ہے)[(۱)] درانحالیکہ جماعت (مغرب)[(۱)] ہو رہی ہو؛ اس صورت میں کیا مسئلہ ہے؟

(الف) عشاء کی نماز اگر قضا ہو جاوے تو کب تک ادا کر دینی چاہیے؟

(ب) صبح صادق شروع ہونے پر تحیۃ الوضو یا قضا نماز عشاء قبل از نماز فجر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(ج) صبح صادق شروع ہونے کے بعد سجدۂ تلاوت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ کوئی نماز طلوع آفتاب تک علاوہ فجر کی نماز کے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(د) ظہر کی نمازِ قضا ہمراہ عصر کی نماز کے یعنی قبل عصر کی نماز کے ادا کرنا چاہیے یا نہیں؟ یعنی دونوں نمازیں مغرب سے ذرا پہلے ادا کر سکتا ہے یا کیا؟

(ھ) مغرب کی جماعت ہو رہی ہے اور ایک شخص اپنی پچھلی نماز خواہ ظہر یا عصر ادا کر رہا ہے یہ صحیح ہے یا غلط؟ (۳۱۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف) صاحبِ ترتیب کے لیے کہ جس کے ذمہ چھ نمازیں یا اس سے زیادہ قضا نہ ہوں یہ حکم ہے کہ جو نماز فوت ہو جاوے اس کو دوسری نماز سے پہلے ادا کر لیوے، اور اگر جماعت دوسری نماز کی ہوتی ہو تو اس میں شریک نہ ہو، اپنی فائتہ نماز پہلے ادا کرے پھر دوسری وقتیہ نماز پڑھے، مثلاً اگر سو گیا یا کسی وجہ سے عشاء کی نماز فوت ہوگئی اور صبح صادق ہوگئی یا صبح کی جماعت ہونے لگی تو وہ پہلے عشاء کی نماز معہ وتر کے پڑھے پھر صبح کی نماز پڑھے اگرچہ جماعت نہ ملے[(۲)]۔

---

(۱) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) من فاتته صلاةٌ قضاها إذا ذكرها وقدّمها على فرض الوقت إلخ ومَنْ صلّى العصر وهو ذاكرٌ أنّه لم يصلّ الظّهر فهي فاسدة إلاّ إذا كان في آخر الوقت. (الهداية: ۱/۱۵۴-۱۵۶، كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت) ظفیر

(ب) تحیۃ [1] الوضو وغیرہ نوافل نہیں پڑھ سکتا [2] اور قضا نماز کو ادا کرسکتا ہے [3] کذا في الدّرّ المختار .

(ج) سجدۂ تلاوت کرسکتا ہے اور صلاۃ جنازہ اور فائتہ نماز بھی اس وقت درست ہے۔ كذا في الدّرّ المختار: لا يكره قضاء فائتةٍ ...... أو سجدة تلاوةٍ وصلاة جنازةٍ إلخ [4]

(د) ظہر کی نمازِ فائتہ عصر سے پہلے پڑھنی چاہیے اس کے بعد عصر پڑھنی چاہیے [5]

(ھ) صاحبِ ترتیب کو ایسا ہی کرنا چاہیے کہ وہ اپنی ظہر یا عصر وغیرہ کی نماز فوائت کو پہلے مغرب سے ادا کرلیویں۔ كما مرّ تفصيله كذا في الدّرّ المختار [5] فقط واللہ اعلم (۴/ ۳۵۷-۳۵۹)

وضاحت: اسلامی عبادات میں نماز کو سب سے امتیازی مقام حاصل ہے، نماز دِین کا ستون ہے، قیامت کے روز سب سے پہلے بندہ سے نماز کا محاسبہ ہوگا اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے اسے قائم کیا اس نے دِین کو قائم رکھا، اور جس نے اسے ضائع کیا اس نے دِین کو ضائع کردیا الحدیث۔ ان روایات سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ شریعت میں نماز کی کیا وقعت ہے، اور کس قدر تاکید ہے کہ مرض اور جنگ میں بھی اس کو ادا کرنا ضروری ہے، اس لیے کسی بھی مسلمان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ بلا عذر شرعی نماز کو قضا کرے، اور یہ تو اور زیادہ عظیم گناہ کا باعث ہے کہ ایک وقت کی نماز قضا کرکے اس کو آئندہ کی وقتیہ کے ہمراہ پڑھنے کا معمول بنالیا جائے، اور مذکورہ بالا

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں 'تحیۃ' سے پہلے 'بہ وقت فجر' تھا، لیکن یہ رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کردیا ہے۔۱۲

(۲) و يكره أن يتنفّل بعد طلوع الفجر بأكثر من ركعتي الفجر. (الهداية:۱/۸۶، كتاب الصّلاة ، باب المواقيت ، فصل في الأوقات المكروهة) ظفیر

(۳) ويكره أن يتنفّل بعد الفجر حتّى تطلع الشّمس إلخ ولا بأس بأن يصلّي في هٰذين الوقتين الفوائتَ ويسجد للتّلاوة . (الهداية:۱/ ۸۵-۸۶، كتاب الصّلاة ، باب المواقيت ، فصل في الأوقات المكروهة) ظفیر

(۴) الدّرّ المختار مع الشامی : ۲/ ۳۴، كتاب الصّلاة ، مطلب يشرط العلم بدخول الوقت.

(۵) التّرتيب بين الفروض الخمسة إلخ أداءً وقضاءً لازم. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۲/ ۴۵۷، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت ، مطلب في تعريف الإعادة) ظفیر

جواب میں حکم؛ عذر کی بناء پر اتفاقی قضا کا ہے، پس اگر کچھ لوگوں نے ایسا معمول بنالیا ہے تو اس کو ترک کریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور توبہ کریں اور ہر نماز کو اس کے مقررہ اوقات میں ادا کرنے کو لازم اور ضروری سمجھیں۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ (سورۂ نساء، آیت:۱۰۳) اورالجوہرہ النیرہ میں ہے: وَمِـنَ الكبائِرِ: السِّحْرُ و كِتْمَانُ الشَّهادَةِ مِنْ غَيْـرِ عُـذْرٍ ، والإفْـطَـارُ فِي رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ، وقَطْعُ الرَّحمِ ، وتَرْكُ الصَّلاَتِ مُتَعَمِّدًا. (الجَوهَرَةُ النَّيِّرَة: ۲/۳۱۵، كتاب الشّهادات) محمد امین پالن پوری

صبح کی نماز سے پہلے احتلام ہوتو فجر کی نماز کب پڑھے؟

سوال: (۱۹۱۱) صبح صادق کو اگر احتلام ہو، نماز صبح قضا کرے یا طلوع ہونے آفتاب کے بعد فارغ ہونے غسل کے ادا کرے یا نماز کس طرح ادا کرے؟ (۱۲۸۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: غسل کرکے صبح کی نماز پڑھے، اگر وقت باقی رہے ادا کرے، اور اگر وقت باقی نہ رہے تو بعد بلند ہونے آفتاب کے قضاء فرضِ صبح مع سنت کے کرے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۶۱)

---

(۱) ولا يـقضيها إلاّ بطريق التّبعية لقضاء فرضها قبل الزّوال لا بعدهٗ في الأصحّ لورودِ الخبر بقضائها في الوقت المهمل (الدّرّ المختار) قوله: (لورود الخبر) وهو ما روي أنّهٗ صلّى اللّٰه عـليـه وسـلّم قضاها مع الفرض غداةَ ليلةِ التّعريس بعد ارتفاع الشّمس ، كما رواه مسلم . (الـدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۴۷-۴۴۸، بـاب إدراك الـفريضة ، مطلب: هل الإساءة دون الكراهة أو أفحشُ؟) ظفیر

کفارۂ نماز کا بیان

فوت شدہ نمازوں کی قضا کرنے اور فدیہ دینے کی طاقت نہ ہو تو کیا کرے؟

سوال: (۱۹۱۲) اگر قضا کرنے کی نوبت نہ آئے کہ مرض الموت میں گرفتار ہو جائے اور فدیہ کی طاقت نہ ہو تو مواخذہ سے بری ہونے کی کیا صورت ہے؟ (۱۵۳۲/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: فوت شدہ نمازوں کا ادا کرنا یا فدیہ دینا بھی موجب سقوطِ عذاب ہوسکتا ہے، باقی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (سورۂ نساء، آیت: ۴۸ و ۱۱۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۲/۴)

زندگی میں نمازوں کا کفارہ ادا کرنا درست نہیں

سوال: (۱۹۱۳) ایک شخص مریض ہے اس کی نمازیں قضا ہوئی ہیں، امید صحت کم ہے، کفارۂ نماز حیات میں دیا جاوے یا بعد وفات؟ اور کفارہ نماز کیا ہے؟ اور کفارۂ نماز میں کیا اناج دینا افضل ہے یا نقد؟ یا کتب دینیہ خرید کر مدرسہ اسلامیہ میں داخل کردی جاویں؟ (۴۲۸/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: کفارہ نمازوں کا بعد وفات کے دینا چاہیے، زندگی میں کفارہ نمازوں کا حکم نہیں ہے اور کفارہ ایک نماز کا وزن انگریزی سے پونے دو سیر گندم ہیں، دن رات میں چھ نمازیں لینی چاہئیں

یعنی مع وتر کے[۱] پس ایک دن کی نمازوں کا کفارہ ساڑھے دس سیر گندم ہوئے، اختیار ہے خواہ گندم دیوے یا نقد، نقد بہتر ہے کہ اس میں سب حوائج پوری ہوسکتی ہیں[۲] اور اگر کتب دینیہ خرید کر دینا چاہیں تو یہ بھی درست ہے، لیکن پھر یہ ضروری ہوگا کہ وہ کتب طلبہ کو تقسیم کردی جاویں، اور ان کی مِلک کردی جاویں، مدارس میں جس طرح کتب وقف رہتی ہیں اس طریق سے جائز نہیں ہے، اس میں کفارہ ادا نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۶۳-۳۶۴)

بے نمازی کی طرف سے ورثاء کفارہ ادا کردیں تو وہ بری ہوگا یا نہیں؟

سوال: (۱۹۱۴) زید نے چالیس سال کی عمر میں انتقال کیا، اور ایک وقت کی بھی نماز ادا نہ کی، اس کے ورثہ چاہتے ہیں کہ اس کی جانب سے کفارہ ادا کریں، ایسی حالت میں اگر اس کے ورثاء ادا کریں تو کیا زید بری الذمہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بہ صورت بری الذمہ ہونے کے کیا یہ جواز امراء کو دلیر بناتا ہے یا نہ؟ [اور ترکِ فریضہ کا سوال ہوگا یا نہ؟][۳] (۲۰/۷-۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: بلا وصیت میت کے اور بلا مال چھوڑنے کے؛ ورثہ کے ذمہ ادائے کفارہ واجب نہیں ہے، اگر تبرعًا کفارہ اس کی نمازوں کا دیوے تو درست ہے اور بہت اچھا ہے، شاید اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں سے درگذر فرمادے، اور جو شخص چالیس برس کی عمر میں فوت ہوا، اس کے ذمے تقریبًا پچیس برس کی نمازوں کا فدیہ لازم ہوا، کیونکہ پندرہ برس کی عمر میں بالغ شمار ہوتا ہے، بہر حال بہ حالت موجودہ وارثوں کا فدیہ دیدینا اچھا ہے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے، اگرچہ یہ یقینی نہیں ہے کہ میت بری ہوجاوے گی، مگر کچھ امید براءت کی ہے، اور یہ ادائے فدیہ ترکِ نماز پر دلیر نہیں بنا سکتا

---

(۱) ولو ماتَ وعليه صلواتٌ فائتةٌ و أوصٰى بالكفّارة يُعطٰى لكلّ صلاة نصفُ صاع من بُرّ كالفطرة ، وكذا حكم الوتر و الصّوم ، وإنّما يُعطٰى من ثلث مالهٖ إلخ ، ولو فدٰى عن صلاتهٖ في مرضهٖ لايصحّ بخلاف الصّوم . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۶۵-۴۶۷، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصّلاة عن الميّت)

(۲) قوله: (نصف صاع من برّ) أي أو من دقيقهٖ أو سويقهٖ أو صاعِ تمرٍ أو زبيبٍ أو شعيرٍ أو قيمتُهٗ وهي أفضل عندنا لإسراعها بسدّ حاجة الفقير. (حوالہ سابقہ) ظفیر

(۳) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

کیونکہ اوّل تو تارکِ نماز کو کیا یقین ہے کہ اس کے ورثہ فدیہ ادا کریں گے یا نہیں، دوسرے بہ صورت عدمِ وصیت وعدمِ مال کے؛ وارثوں کے تبرّع سے اور اپنی طرف سے فدیہ ادا کرنے سے براءت یقینی نہیں ہے، بہر حال ترکِ فریضہ معصیت کبیرہ ہے، اس کا سوال ضرور ہوگا؛ فدیہ ادا کیا یا نہ کیا، باقی معافی اللہ کے اختیار میں ہے[1] ﴿وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (سورۂ نساء، آیت ۴۸ و ۱۱۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۶۴-۳۶۵)

وارثوں پر کفارہ ادا کرنا کب ضروری ہے؟

سوال: (۱۹۱۵) زید بے نماز سود خوار مر گیا، بعد مرنے کے بعض علماء نے تخمیناً چھ ماہ کا کفارہ نکال کر کچھ اپنے تصرف میں لے لیا اور کچھ فقیر مسکین کو تقسیم کر دیا؛ ایسا کفارہ نکالنا جائز ہے یا نہ؟

(۱۱۱۳/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: فدیہ نماز روزہ کا بدون وصیتِ میت کے اور بدون چھوڑنے مال کے؛ وارثوں پر ادا کرنا لازم نہیں ہے، اگر وہ دیویں تو تبرع ہے، احتمال ہے کہ فدیہ ادا ہو جاوے مگر حکم قطعی نہیں ہوسکتا۔ قال في الدّرّ المختار: ولو ماتَ وعليه صلواتٌ فائتةٌ وأوصٰى بالكفّارةِ يُعطٰى لكلّ صلاةٍ نصفُ صاع من بُرّ كالفطرة، وكذا حكمُ الوتر والصّوم، وإنّما يُعطٰى من ثلث مالهٖ إلخ، وفي الشّامي: زاد في الإمداد أو لم يوصِ بشيء وأراد الوليُّ التبرّع إلخ وأشار بالتّبرّع إلى أن ذٰلك ليس بواجبٍ على الوليّ[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۶۵)

---

(۱) ولو ماتَ وعليه صلواتٌ فائتةٌ وأوصٰى بالكفّارة يُعطٰى لكلّ صلاة نصفُ صاع من بُرّ كالفطرة، وكذا حكمُ الوتر و الصّوم، وإنّما يُعطٰى من ثلث مالهٖ (الدّرّ المختار) أي يُعطِي عنه وليُّه إلخ إن أوصٰى وإلاّ فلا يلزم الولي ذلك إلخ وأمّا إذا لم يوصِ فتطوّعَ بها الوارثُ، فقد قال محمّد في الزّيادات: إنّه يجزيه إن شاء اللّٰه تعالٰى فعلّق الإجزاءَ بالمشية لعدم النّصّ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۶۵-۴۶۶، كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصّلاة عن الميّت)

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۶۵-۴۶۶، كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصّلاة عن الميّت.

میت نے کفارہ ادا کرنے کی وصیت کی ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۱۶) زید مر گیا اور وصیت کی کہ میری قضا نمازوں کا فدیہ ادا کرنا، چنانچہ اکثر مواضع پنجاب میں مردہ کے ساتھ ہی ساتھ اناج وغیرہ لوگ لے جاتے ہیں درست ہے یا نہیں؟

(۹۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اگر زید نے کچھ مال بھی چھوڑا ہے، اور وصیت کی ہے کہ میری نمازوں کا فدیہ ادا کرنا تو ادا کرنا فدیہ کا وارثوں پر لازم ہے، تہائی مال تک یہ وصیت نافذ ہوگی۔ درمختار میں ہے: ولو ماتَ وعليه صلواتٌ فائتةٌ وأوصٰى بالكفّارةِ يُعطٰى لكلّ صلاةٍ نصفُ صاع من بُرّ كالفطرة وكذا حكمُ الوتر والصّوم ، وإنّما يُعطٰى من ثلث مالهِ إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۶/۴)

وصیت کے بعد تہائی ترکہ سے نمازوں کا فدیہ دینا ضروری ہے

سوال: (۱۹۱۷) والدہ مرحومہ نے بہ وقت وفات فرمایا تھا کہ میرے زیور میں سے میری نمازوں کا فدیہ دے دینا، اس سے خاص فدیہ مراد ہے یا جس قدر بھی ہو سکے، اگر فدیہ مراد ہے تو مقدار کا تعین دشوار ہے کیونکہ جو نمازیں ادا نہیں ہوئیں ان کا کوئی حساب وشمار نہیں، یا اس کو وصیت سمجھ کر ایک ثلث دے دیا جاوے، اور اس کا مصرف کیا ہے؟ مسجد کے فرش وسائبان وغیرہ میں لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۸۳۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اگر متوفیہ مرحومہ نے کچھ مال چھوڑا ہے تو ان کی وصیت کے موافق فدیہ نمازوں فوت شدہ کا ایک ثلث ترکہ تک دینا ضروری ہے، اور فوائت کا اندازہ (اور تخمینہ کر لیا جاوے، اور جہاں تک ہو سکے اس کی تحقیق کر لی جاوے، اس اندازہ)[2] اور تحقیق سے جس قدر نمازیں فوت شدہ تخمیناً معلوم ہوں ان کا فدیہ دیا جاوے، فی نماز پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت فدیہ میں

---

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

دیوے، اور مصرف اس کا فقراء ہیں مثل زکاۃ وصدقات واجبہ کے (۱) مسجد کی مرمت وتعمیر وضروریات وغیرہ میں جس میں تملیکِ فقیر نہ ہو دینا درست نہیں ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۷۱-۳۷۲)

نماز اور روزہ کا فدیہ کیا ہے؟

سوال: (۱۹۱۸) ایک شخص کی زوجہ نے ۶ ماہ کی علالت کے بعد انتقال کیا، زوجہ مذکورہ کی ۱۰، ۱۲ روز کی نمازیں بیماری میں قضا ہوئیں، اور ایک ماہ رمضان کے روزے، مرتے وقت عورت نے شوہر سے کہا کہ میری اتنی نمازیں اور مہینہ بھر کے روزے قضا ہوئے ہیں؛ اس کا عوض دینا، نمازوں کا بدل کیا دیا جاوے؟ مساکین کو کھانا کھلایا جاوے یا نقد دیا جاوے؟ (اور کتنا دیا جاوے؟) (۳) اور روزں کا عوض کیا ہونا چاہیے؟ اور کیا روزہ اس کا خاوند اس کی طرف سے رکھ سکتا ہے؟ (۱۴۵/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: نمازوں اور روزوں کا فدیہ خواہ نقد دیا جاوے یا غلہ وغیرہ درست ہے، ایک نماز کا فدیہ بہ وزن انگریزی پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہے، اسی طرح ایک روزہ کا فدیہ بھی اسی قدر ہے، پس جملہ نمازوں کا مع وتر کے حساب کر لیویں، اور تیس روزوں کا حساب کر لیویں، ایک دن رات کی نمازیں (مع وتر کے) (۳) چھ ہوئیں، پس ایک دن رات کی نمازوں کا فدیہ ساڑھے دس سیر گندم یا ان کی قیمت ہوئی، مساکین کو تقسیم کر دی جاوے، اور تیس روزوں کا ایک من ساڑھے بارہ سیر گندم یا ان کی قیمت ہوئی، اور روزہ رکھنا اس کی طرف سے معتبر نہیں ہے فدیہ ہی دینا چاہیے (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۶۶-۳۶۷)

---

(۱) أي مصرف الزّكاة والعشر (الدّرّ المختار) وهو مصرفٌ أيضًا لصدقةِ الفطر و الكفّارةِ و النّذرِ وغير ذلك من الصّدقات الواجبة كما في القهستانيّ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۵۶، كتاب الزّكاة ، باب المصرف)

(۲) لا يُصرف إلى بناءِ نحو مسجد ولا إلى كفن ميّت . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۶۳، كتاب الزّكاة ، باب المصرف) ظفیر

(۳) قوسین کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۴) حوالہ کی عبارت سوال (۱۹۱۵) کے جواب میں مذکور ہے۔۱۲

نماز، روزے کا فدیہ کتنا ہے؟ اور کون ادا کرے؟

سوال: (۱۹۱۹)...... (الف) ایک عورت متوفیہ کے ذمے دس ماہ کی نماز اور ایک ماہ کے روزے قضا ہیں تو اس کا فدیہ کتنا ہوا؟

(ب) فدیہ دینے کے بعد وارثوں کو تقسیم ہوگا یا نہیں؟

(ج) اگر مال فدیہ سے کم ہو تو وارث اپنے پاس سے مال ملا کر فدیہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱)

(د) جو عورت مری ہے اس کے شوہر بیٹا والدین موجود ہیں تو اس کے مال سے کون فدیہ دینے میں افضل ہے کیوں کہ شوہر کو روزہ نماز قضا ہونے کا حال معلوم ہے۔ (۱۳۴۵/۱۰۴ھ)

الجواب: (الف) دس ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۸۷ من ۳۰ سیر گندم ہوتا ہے، اور ایک ماہ کے روزوں کا فدیہ ساڑھے باون سیر (یعنی ایک من ساڑھے بارہ سیر) ہوتا ہے، اس قدر گندم یا اس کی قیمت دی جاوے ایک دن میں چھ نمازوں کا فدیہ مع وتر کے ہوتا ہے، اور ایک نماز کا فدیہ بہ حساب وزن انگریزی پونے دو سیر گندم لگائے ہیں، وہاں بھی اس کا حساب کرا سکتے ہو۔

(ب) اگر وصیت کی ہے تو اس کے ترکہ سے فدیہ دیا جاوے گا اور اگر وصیت نہیں کی تو پھر بہ اختیار ورثہ ہے، وہ اگر تبرعاً دیں تو اچھا ہے ان کے ذمے واجب نہیں ہے۔

(ج) ورثہ اگر چاہیں دے سکتے ہیں اور پورا کر سکتے ہیں۔

(د) جو دیدے وہ اچھا ہے، بلا وصیتِ متوفیہ کے واجب کسی کے ذمہ نہیں ہے (۲) فقط

(۳۷۳/۴)

مرضِ وفات میں جو نماز روزے فوت ہوئے ان کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۲۰) ایک عورت کا انتقال ہوا تین سال کے نماز و روزے قضا ہوئے ہیں جس کی

(۱) سوال و جواب میں (الف – ج) کی عبارت مطبوعہ فتاویٰ میں نہیں تھی، رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی ہے۔

(۲) أو لم یوصِ بشيءٍ و أراد الوليُّ التبرّعَ إلخ و أشار بالتّبرّع إلی أن ذلك لیس بواجبٍ علی الولي، و نصّ علیه في تبیین المحارم فقال: لا یجب علی الوليّ. (ردّ المحتار: ۴۶۶/۲، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصّلاة عن المیّت) ظفیر

بابت اس نے قبل از وفات اپنے شوہر کو یہ کہا تھا کہ میری نماز وروزوں کا اناج دے دینا، مرحومہ نے کچھ زیور وغیرہ نہیں چھوڑا، جس قدر زیور اس کے پاس تھا اس کے متعلق اس کا شوہر یہ کہتا ہے کہ اس کی بیماری کے زمانے میں فروخت کر کے علاج میں صرف کر دیا، اس وجہ سے وہ اس کے صوم وصلاۃ کا فدیہ نہیں دیتا، کیا اس کے والدین ادا کرنے کے مستحق ہیں، یا شوہر کے ذمہ ہے؟ (۲۱۶۸/۱۳۴۲ھ)

الجواب: اس صورت میں (عورت)[1] متوفیہ کے روزے جو مرض میں فوت ہوئے، پھر اسی مرض میں وہ مرگئی اور درمیان میں وہ تندرست نہ ہوئی تو ان روزوں کی قضا اس کے ذمہ لازم نہ ہوئی، لہٰذا فدیہ بھی ان کا ساقط ہوا، اور نمازوں کی قضا بے شک لازم ہوئی، اور بہ صورت ادا (نہ)[1] ہونے کے فدیہ لازم ہوا، لیکن جب کہ متوفیہ نے کچھ ترکہ نہ چھوڑا تو فدیہ نمازوں کا ورثہ کے ذمہ ادا کرنا لازم نہیں ہے، البتہ اگر والدین وغیرہما تبرعًا دے دیں تو یہ اچھا ہے، اور امید قبول ہے[2] فقط واللہ اعلم (۳۷۲/۴-۳۷۳)

سخت بیماری میں جو نماز روزے فوت ہوئے ان کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۲۱) زید کی دادی کا عرصہ پانچ سال تک ایک ایسے مرض میں مبتلا رہ کر جس کی وجہ سے ان کا ایک ہاتھ پیر بے کار ہو گیا تھا، جس کو مرض فالج تجویز کیا جاتا ہے، بہ عمر ۵۸ سال انتقال کیا جس وقت تک وہ چلتی رہیں، اور ہوش وحواس قائم رہے، اس وقت تک وہ نماز روزہ ادا کرتی رہیں، مگر جس وقت سے وہ چلنے پھرنے سے ناقابل اور ہوش وحواس بھی قائم نہ رہے، روزہ نماز بھی ترک ہو گیا، خود یا کسی کے کہنے سے اگر نماز پڑھنے کے لیے پلنگ ہی پر قبلہ رو بٹھلا دیا جاتا تھا تو نماز پڑھنے لگتی تھی، مگر نماز میں اِدھر اُدھر دیکھتی رہتی تھی، لہٰذا بہ حالت مذکورہ جب کہ اکثر اوقات ان کو پیشاب پاخانہ کی بھی خبر نہ رہتی تھی ان پر نماز روزہ فرض تھا یا نہیں؟ اگر فرض تھا تو ان کی ادائیگی اب کس

---

(۱) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) ولو لم يَترك مالاً إلخ (الدرّ المختار) قوله: (لو لم يترك مالًا إلخ) أي أصلاً أو كان ما أوصٰى به لا يفِي، زاد في الإمداد: أو لم يوص بشيءٍ و أراد الوليُّ التبرّعَ إلخ وأشار بالتبرّع إلى أن ذلك ليس بواجبٍ على الوليّ. (الدرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۶۶/۲، كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصّلاة عن الميّت)

حساب سے اور کس طرح کی جاوے؟ (۱۷۲۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: روزہ تو ایسے مرض میں مؤخر ہو جاتا ہے اور ایسی حالت میں فدیہ روزہ کا دینا واجب ہو جاتا ہے (۱) اور وہ کافی ہو جاتا ہے، نماز ان کے ذمے فرض ہے البتہ نمازیں جو انہوں نے ایسی حالت میں پڑھیں وہ ہو گئیں (۲) اور جو نماز بالکل نہیں پڑھی اس کا فدیہ وارثوں کو دے دینا چاہیے گو بدون وصیت کے، اور بدون اس کے کہ وہ کچھ ترکہ چھوڑے فدیہ دینا وارثوں کے ذمہ واجب نہیں ہوتا لیکن فدیہ کا دے دینا بہتر ہے، اور امید ہے کہ وہ فدیہ ان کی فوت شدہ نمازوں کا کفارہ ہو جائے گا (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۳۳-۴۳۴)

شیخ فانی روزہ کا فدیہ خود دے سکتا ہے، مگر نماز کا نہیں دے سکتا

سوال: (۱۹۲۲) جو شخص نا طاقت ہے وہ اپنی عمر کے روزہ اور نماز کی قضا کی بابت فدیہ دینا چاہتا ہے، وہ روپیہ مدرسۂ دینی میں کس مصرف میں خرچ ہو سکتا ہے؟ اس میں تملیک ضروری ہے یا نہیں؟ (۱۵۲۵/۱۳۴۱ھ)

---

(۱) وللشّيخ الفاني العاجزِ عن الصّوم الفطرُ و يَفدِي وجوبًا إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (للشّيخ الفاني) أي الّذي فنيتْ قوّتُهُ أو أشرف على الفناء ، و لذا عرّفوه بأنّه الّذي كلَّ يوم في نقصٍ إلٰى أن يموت إلخ عن الكرمانيّ: المريضُ إذا تحقّق اليأسُ من الصّحّة فعليه الفديةُ لكلّ يوم من المرض اهـ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۶۵، كتاب الصّوم ، باب ما يفسد الصّوم وما لا يفسده ، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصّوم) ظفیر

(۲) من تعذّر عليه القيام أي كلُّه لمرض إلخ صلّى قاعدًا ولو مستندًا إلٰى وسادةٍ إلخ كيف شاء . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۹۳-۴۹۴، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المريض)

(۳) و لو ماتَ و عليه صلواتٌ فائتةٌ و أوصٰى بالكفّارةِ يُعطٰى لكلّ صلاةٍ نصفُ صاع من بُرّ كالفطرة ، وكذا حكمُ الوتر و الصّوم ، و إنّما يُعطٰى من ثلث مالهٖ إلخ (الدّرّ المختار) وأمّا إذا لم يوص فتطوّع بها الوارث فقد قال محمّد في الزّيادات: إنّه يجزيه إن شاء اللّٰه تعالٰى. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۶۵-۴۶۶، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصّلاة عن الميّت) ظفیر

الجواب: شیخ فانی کو روزہ کا فدیہ دینا تو درست ہے[۱] لیکن نماز کا فدیہ خود اس کو دینا درست نہیں ہے، اور نمازیں اس فدیہ سے ساقط نہ ہوں گی؛ کیونکہ نماز میں یہ وسعت ہے کہ اگر کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکے بیٹھ کر پڑھے، اور اگر بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکے تو لیٹ کر پڑھے، اور اگر رکوع وسجود کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا تو اشارہ سے پڑھے[۲] البتہ بعد اس کے مرنے کے جو نمازیں اس کے ذمہ رہ جاویں یا روزے رہ جاویں اور وہ وصیت فدیہ دینے کی کرے، اور مال بھی چھوڑے تو اس کے وارثوں کے ذمہ فدیہ کا ادا کرنا ضروری ہے، اور حکم اس کا زکوٰۃ کا سا ہے، تملیک فقیر اس میں ضروری ہے، پس اگر مدارس اسلامیہ میں طلبۂ مساکین کے لیے دیا جاوے تو یہ بھی درست ہے، اور اس میں زیادہ ثواب ہے کیونکہ علم دین کے طلبہ کی امداد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۳۷-۴۳۸)

اخیر وقت میں جو نمازیں فوت ہوئیں ان کے فدیہ کی وصیت کرنا ضروری ہے

سوال: (۱۹۲۳) ایک شخص (مریض) کا انتقال ۲۰ شوال کو ہوا، اور (رجب) سے ۲۰ شوال تک یہ صورت رہی کہ کبھی اس نے نماز پڑھی اور کبھی نہیں، حالاں کہ اس کو اس قدر قوت رہی کہ پانی مانگ سکے اور سر اٹھا سکے؟ (۲۴۷۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس کے ذمہ وہ نمازیں فرض رہیں اور وصیت کرنا فدیہ کی اس کے ذمہ لازم تھی، پس (حسبِ)[۳] وصیت ایک ثلث ترکہ سے فدیہ اس کی نمازوں کا ادا کیا جاوے، اور ثلث سے زیادہ

---

(۱) والشّیخ الفاني الّذي لا یقدرُ علی الصّیام یُفطرُ و یُطعم لکلِّ یومٍ مسکینًا کما یُطعمُ في الکفّارات. (الهدایة: ۱/۲۲۲، کتاب الصّوم ، باب ما یوجب القضاءَ والکفّارة) ظفیر

(۲) من تعذّر علیه القیام أي کلّه لمرض إلخ صلّی قاعدًا إلخ کیف شاء إلخ و إن تعذّرا إلخ أومأ ...... قاعدًا إلخ و إن تعذّر القعودُ ...... أومأ مستلقیًا إلخ وإن تعذّر الإیماءُ برأسه وکثرت الفوائتُ إلخ سقط القضاءُ عنه . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۹۳-۴۹۷، کتاب الصّلاۃ ، باب صلاۃ المریض)

(۳) قوسین والی عبارات والفاظ کی تصحیح یا اضافہ رجسٹر نقول فتاویٰ سے کیا گیا ہے۔ ۱۲

میں وارثوں کو اختیار ہے، اگر وہ چاہیں ادا کر دیں اور یہ بہتر ہے ورنہ ان پر کچھ گناہ نہیں ہے (۱) فقط
(۴۳۷-۴۳۶/۴)

وصیت کے باوجود ورثاء کفارہ ادا نہ کریں تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۲۴) زید کا انتقال ہوا، ورثۂ زید نے بعد انتقال ایک وصیت نامہ تحریر کردہ زید پایا زید متوفی نے تحریر کیا ہے کہ چند سال کی نماز کی قضا اور تقریبًا دو ماہ کے روزوں کی قضا مجھ پر واجب الاداء ہے، میرے مرنے کے بعد میری جائداد متروکہ سے فدیہ ادا کر دیا جائے، آیا ورثۂ زید کے ذمہ شرعًا وصیت مذکور کا ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو ایک نماز کا کتنا فدیہ واجب ہے، اور ایک روزہ کا کس قدر؟ اور اگر ورثۂ زید نے باوجود جائداد متروکۂ زید کے فدیہ ادا نہ کیا تو عند اللہ گنہ گار ہوں گے یا نہیں؟ اور زید مواخذہ سے بری ہوگا یا نہیں؟ (۸۸۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: جس شخص کے ذمہ نماز یا روزہ واجب الاداء ہو، اور اس کے پاس مال ہو تو اس کو مرتے وقت فدیہ کے لیے وصیت کر جانا واجب ہے، اور درصورت وصیت کر دینے اور مال چھوڑ جانے کے ورثۂ میت کے ذمہ اس وصیت کا پورا کر دینا ثلث مال میں سے واجب ہے، شامی میں ہے: يعطي عنه وليّه أي مَن لهٗ ولايةُ التّصرّف في مالِه بوصايةٍ أو وراثةٍ فيلزمه ذلك من الثُّلث إن أوصٰى وإلاّ فلا يلزم الوليّ ذلك (۲) اور ایک نماز کا فدیہ بہ قدر صدقۂ فطر کے ہے یعنی نصف صاع گندم یا ایک صاع شعیر یا ان کی قیمت، اور اتنا ہی ایک روزہ کا ہے، لیکن نماز میں ہر روز کی چھ نمازوں کا حساب لگانا چاہیے، کیونکہ وتر جو واجب ہے حکم میں فرض ہے، اور اگر ورثۂ میت باوجود وصیت کر جانے میت کے اور چھوڑ جانے مال کے اگر وصیت کو ثلث مال میں سے

---

(۱) ولو ماتَ وعليه صلواتٌ فائتةٌ وأوصٰى بالكفّارةِ يُعطٰى لكلّ صلاةٍ نصفُ صاع من بُرّ كالفطرة، وكذا حكمُ الوتر والصّوم، وإنّما يُعطٰى من ثلث مالِه إلخ (الدّرّ المختار) فلو زادت الوصيّة على الثّلث لا يلزم الوليُّ إخراجَ الزّائد إلاّ بإجازة الورثة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۶۵-۴۶۶، كتاب الصّلاة، مطلب في إسقاط الصّلاة عن الميّت) ظفیر

(۲) ردّ المحتار: ۲/۴۶۵، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصّلاة عن الميّت.

پورا نہ کریں گے تو گنہ گار ہوں گے اور میت بھی مواخذۂ اخروی سے بری نہ ہوگی، تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمادے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۶۷-۳۶۸)

فوت شدہ نمازوں کی تعداد معلوم نہ ہو تو اندازہ کر کے فدیہ ادا کرنا چاہیے؟

سوال: (۱۹۲۵) زید متوفی مذکور نے اپنی قضا نمازوں کے متعلق وصیت نامہ میں تحریر کیا ہے کہ چھ سال کی قضا نمازیں میرے ذمہ واجب ہیں جس میں سے تین سال نو ماہ کی قضا[2] پڑھ چکا ہوں، اور ۵ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ سے روزانہ ایک روز کے نماز کی قضا پڑھنا شروع کیا ہے، اس تحریر کے علاوہ کوئی دیگر تحریر نہیں پائی جاتی کہ کب تک نماز کی قضا ہوئی ممکن ہے کہ جملہ بقیہ نمازیں ادا کر چکے ہوں، نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ایک نماز کے علاوہ کوئی اور نماز کی قضا نہیں پڑھی، اس صورت میں شرعاً متوفی کے ترکہ میں سے فدیہ ادا کیا جاوے یا نہیں؟ اگر اس صورت میں فدیہ وغیرہ واجب نہ ہو اور کچھ رقم فدیہ میں ادا کردی گئی ہو تو میت کو ثواب پہنچے گا، اور دیگر معصیات کے لیے کفارہ ہوگا یا نہیں؟

(۸۸۷/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: میت کے ذمہ جس قدر نماز و روزوں کا احتمال قوی ہو، اس قدر کا فدیہ ثلث مال میں سے دے دیا جاوے، اور اس تحریر میں وصیت کا ذکر نہیں ہے تاکہ وجوب فدیہ کا حکم کیا جاوے، اس سے پتا نمازوں کا لگا سکتے ہیں کہ کتنی نمازیں اس نے اس تاریخ سے قضا کیں اور کتنی اس کے ذمہ باقی ہیں یعنی تاریخ موت کا حساب لگ سکتا ہے، لیکن احتیاط اس میں ہے کہ جس تاریخ سے نمازوں کو قضا کرنا شروع کیا ہے اس تاریخ سے حساب نمازوں کا لگا کر وقت وفات تک (موافق)[3] پہلی وصیت[4] کے فدیہ صوم وصلاۃ کا ادا کردیا جائے، اور اگر فدیہ زیادہ بھی چلا جاوے تو اس کا بھی

(۱) حوالہ سوال (۱۹۱۴) کے حاشیہ میں مذکور ہے۔۱۲
(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں 'قضا' کے بعد 'قضا' تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے؛ اس لیے اس کو حذف کردیا ہے۔
(۳) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲
(۴) پہلی وصیت سابقہ سوال میں مذکور ہے۔۱۲

ثواب میت کو پہنچے گا، اور باعث کفارہ گناہوں کا ہوگا۔ قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ (سورۂ ہود، آیت: ۱۱۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۶۷-۳۶۹)

فدیہ میں گیہوں کے علاوہ دوسرا غلہ یا قیمت ادا کرنا درست ہے

سوال: (۱۹۲۶) اگر فدیہ میں گیہوں ادا نہ کیا بلکہ قیمت یا دوسرا غلہ مستحقین کو دیا گیا تو فدیہ ادا ہوگا یا نہیں؟ اور گیہوں کے علاوہ دوسرے غلہ کی کتنی مقدار ادا کی جاوے؟ اور فدیہ کے مستحق زیادہ کون لوگ ہیں؟ اگر رقم فدیہ مدارس اسلامیہ میں طلباء کے لیے بھیجی جائے تو فیس منی آرڈر و دیگر اخراجات فدیہ میں محسوب ہوں گے یا نہ؟ (۸۸۷/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: فدیہ میں کھانا کھلائیں خواہ اناج وغیرہ دیں یا اس کی قیمت تصدق کریں سب درست ہے، اور گیہوں وشعیر وغیرہ کے علاوہ جو چیزیں غیر منصوصہ ہیں جیسے جوار وغیرہ تو ان کو اس قدر دینا چاہیے کہ اس کی قیمت نصف صاع گندم یا ایک صاع شعیر کی قیمت کے مساوی ہو، اور صاع کا وزن انگریزی سے تین سیر چھ چھٹانک ہوتا ہے؛ جس کا نصف چھٹانک کم پونے دو سیر ہوا[1] اور اس کا مصرف وہی ہے جو زکاۃ وصدقۂ فطر کا مصرف ہے[2] اور زیادہ مستحق اس کے وہ لوگ ہیں جو زیادہ حاجت مند ہیں جیسے مقروض وغیرہ، اور اگر مدرسے میں طلباء کے واسطے بھیجا جاوے تو یہ بھی اچھا مصرف ہے، لیکن فیس منی آرڈر وغیرہ اس میں محسوب نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۶۷-۳۶۹)

مریض کے نماز روزوں کا فدیہ مرنے سے پہلے دینا درست نہیں

سوال: (۱۹۲۷) ایک لڑکی سخت بیمار ہے، اس کے ورثاء کا یہ خیال ہے کہ اس کی نماز کا کفارہ

---

(۱) يعطى لكلّ صلاة نصفُ صاع من بُرّ كالفطرة وكذا حكمُ الوتر والصّوم (الدّرّ المختار) قوله: (نصف صاع من برّ) أي أو مِن دقيقه أو سويقه أو صاع تمرٍ أو زبيبٍ أو شعيرٍ أو قيمته وهي أفضل عندنا لإسراعها بسدّ حاجة الفقير. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۴۶۵، كتاب الصّلاة، مطلب في إسقاط الصّلاة عن الميّت)

(۲) أي مصرف الزّكاة والعشر (الدّرّ المختار) وهو مصرفٌ أيضًا لصدقةِ الفطر و الكفّارةِ والنّذرِ وغير ذلك من الصّدقات الواجبة كما في القهستانيّ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۲۵۶، كتاب الزّكاة، باب المصرف) ظفیر

اس کی زندگی میں دے دیا جائے اچھا ہونا ناممکن ہے، یا اس کی قیمت (مدرسہ)[1] میں دے دیں، یا پارچہ وغیرہ غرباء کو بنادیں، یا کوئی شخص حج کو جاتا ہو اس کو بہ طور امانت دے دیں کہ وہاں مساکین کو دے دیں، یا کسی مسجد میں یا کسی چاہِ مسجد میں لگادیں؟ (۱۵۶۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: مریض کی نمازوں اور روزوں کا فدیہ اور کفارہ بعد مرنے کے ہی دیا جاتا ہے، اس لیے کہ زندگی میں تو حتی الوسع نماز کے ادا کرنے کا ہی حکم ہے اگرچہ اشارہ وغیرہ سے ہو، الحاصل فدیہ اور کفارہ نماز و روزہ کا بعد انتقال کے دینا چاہیے، اور یہ بھی شرط ہے کہ میت وصیت کر جاوے، پس بعد انتقال کے جس قدر نمازیں اور روزے اس کے ذمے رہے ہوں ان کا کفارہ اس طرح ادا کرے کہ ہر ایک نماز کے عوض پونے دو سیر گندم بہ وزن انگریزی یا ان کی قیمت مساکین کو دیدے، اور اسی طرح ایک روزہ کا کفارہ بھی اسی قدر ہے[2] پس وہ قیمت خواہ مساکین و یتامی اور بیواؤں کو تقسیم کرے، یا مدرسہ کے طلبہ مساکین کو تقسیم کردیوے، یا اس کا کپڑا خرید کر غرباء کو تقسیم کردیوے؛ یہ سب جائز ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ کسی حج کو جانے والے کو دیدے کہ مکہ معظّمہ یا مدینہ طیبہ کے مساکین کو تقسیم کردے، لیکن بہتر یہ ہے کہ اپنے ہی شہر کے غرباء کو دیوے، اور مسجد یا چاہ میں صرف کرنا اس کا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۶۹-۳۷۰)

ایک قرآن دینے سے تمام قضا نمازوں کا کفارہ ادا نہ ہوگا

سوال: (۱۹۲۸) کسی شخص کی سال بھر کی نماز فوت ہوگئی، بہ وقت موت اس نے کہا کہ میری سال بھر کی نمازوں کے کفارہ کے بدلے ایک قرآن شریف دے دینا، کیوں کہ میرے میں اتنی طاقت نہیں جو تمام نمازوں کا کفارہ ادا کروں، کیا از روئے شرع یہ قرآن شریف اس کی سال بھر کی

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (مدرسہ) کی جگہ ''مکہ'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) ولو ماتَ و علیه صلواتٌ فائتةٌ و أوصٰی بالکفّارةِ یُعطٰی لکلّ صلاةٍ نصفُ صاع من بُرّ کالفطرة، وکذا حکمُ الوتر و الصّوم، و إنّما یُعطٰی من ثلث مالهٖ إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (وعلیه صلواتٌ فائتة إلخ) أي بأن کان یقدر علٰی أدائها ولو بالإیماء فیلزمه الإیصاء بها و إلّا فلا یلزمه و إن قلّت. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۴۶۵-۴۶۶، کتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصّلاة عن المیّت) ظفیر

قضاشدہ نمازوں کا کفارہ ہوجائے گا؟ (۴۴/۵۸-۱۳۴۵ھ)

الجواب: ایک قرآن شریف سے تمام نمازوں کا کفارہ ادا نہ ہوگا، بلکہ ایک دن کی نمازوں کا کفارہ ساڑھے دس سیر گندم بہ وزن انگریزی یا اس کی قیمت ہے جو کہ قریب ڈیڑھ روپیہ کے ہوتی ہے، اور ایک ماہ کی نمازوں کا کفارہ پینتالیس روپیہ ہوتا ہے، اور بارہ ماہ کا اس سے اندازہ کرلیا جاوے ۵۴۰ روپیہ (۱) پس اگر اس شخص کے ترکہ کے ایک ثلث میں اس کی گنجائش ہے تو پورا کفارہ نمازوں کا دینا چاہیے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۳۹-۴۴۰)

سوال: (۱۹۲۹) اگر کسی سے نمازیں قضا ہوئیں اور وہ شخص مرگیا ہو، اور مرتے وقت اپنے وارثوں سے کہہ دیا ہو کہ میری جو نمازیں فوت ہوئی ہیں ان کے کفارہ میں ایک جلد قرآن شریف کسی طالب علم کو دے دیجیو، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور سجدۂ تلاوت کا کفارہ ہے یا نہیں؟ (۱۱۸۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر متوفی مال دار تھا اور اس نے وصیت ادائے کفارہ نماز وغیرہ کی ہے تو اس کے مال کے تہائی میں سے کفارہ نماز وغیرہ کا ادا کیا جاوے، ایک جلد قرآن شریف کے دینے سے تمام نمازوں کا کفارہ ادا نہیں ہوسکتا یہ کہنا اس کا لغو ہے (۳) اور علامہ شامی نے کہا: ولا رواية في سجدة التّلاوة............ والصّحيح أنّه لا يجب إلخ (۴) پس معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت کا کفارہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۴۷)

---

(۱) قیمت کا جو حساب درج ہے، وہ ۱۳۴۴ھ کا ہے، اور موجودہ زمانہ میں گیہوں کی قیمت بہت زیادہ ہے؛ اس لیے کفارہ میں اتنی رقم دینا کافی نہیں، موجودہ زمانہ میں جو قیمت ہوگی اتنی رقم دینا ضروری ہے ——— اور ایک نماز کا کفارہ آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع جو ہے، اور ایک صاع: ۳ کلو، ۱۴۹ گرام، ۲۸۰ ملی گرام کا ہوتا ہے اور آدھا صاع: ایک کلو، ۵۷۴ گرام، ۶۴۰ ملی گرام کا ہوتا ہے۔

(۲) سابقہ جواب کا دوسرا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں ۱۲۔

(۳) إذا ماتَ الرَّجُلُ و عليهِ صَلَواتٌ فائِتَةٌ فأوصٰى بِأن تُعطٰى كفّارةُ صَلَوَاتِهٖ يُعطٰى لِكُلِّ صلاةٍ نِصفُ صَاعٍ مِن بُرٍّ وَ لِلْوِتْرِ نصفُ صاعٍ و لِصَومِ يَوْمٍ نِصفُ صَاعٍ من ثُلُثِ مَالِهٖ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۴، كتاب الصّلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، مسائل متفرقة) ظفیر

(۴) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۶۶، كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصّلاة عن الميّت.

حیلۂ اسقاط وارثانِ میت پر واجب نہیں

سوال: (۱۹۳۰) اسقاط یعنی حیلہ (جو میت کے)[1] جنازہ کی نماز کے قبل یا بعد دیا جاتا ہے، وارثان میت پر واجب ہے کہ نہیں، وہ حیلہ یہ ہے: گیہوں ایک من ساڑھے بارہ سیر اور زرنقد کم از کم سوا روپیہ وقرآن مجید، اور غرض حیلہ دینے والوں کی یہ ہے کہ مردہ کی تمام قضا شدہ روزہ ونماز وحج وغیرہ کا یہ کفارہ ہو جاتا ہے، اور یہ کل؛ جنازہ کی نماز پڑھانے والے کو دیتے ہیں اور حیلہ لینے والے بیٹھ جاتے ہیں اور ہاتھ میں قرآن شریف لے لیتے ہیں اور ایک دعا بڑی سی پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے قبول کیا؟ (۲۶۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: حیلۂ اسقاط مذکورہ وارثان میت پر واجب نہیں، اور ایسی وصیت کو بھی فقہاء نے جائز نہیں رکھا۔ قال في ردّ المحتار: ونصّ عليه في تبيين المحارم فقال: لا يجب على الولي فعل الدَّور وإن أوصٰى بهِ الميّت لأنّها وصيةٌ بالتّبرّع، والواجبُ على الميّت أن يوصيَ بما يفِي بما عليه إن لم يضق الثّلث عنه، فإن أوصٰى بأقلَّ وأمرَ بالدَّور وترك بقيّة الثُّلث للورثة أو تبرّع بهِ لغيرهم فقد أثِم بترك ما وجب عليه إلخ[2] فقط واللہ اعلم (۴/۳۳۰-۳۳۱)

سوال: (۱۹۳۱) اسقاط کا حیلہ جو میت کے لیے کیا جاتا ہے اس کے کچھ ثبوت شرعًا ہے یا نہیں؟ (۱۲۰۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: کچھ نہیں[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۴۷)

حیلۂ اسقاط کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

سوال: (۱۹۳۲) ...... (الف) حیلہ اسقاط کی تین قسم جو فقہ کی معتبر کتابوں میں مرقوم ہے کہ میت کی جملہ قضا فرائض وواجبات وغیرہ شمار کر کے اس کے فدیہ میں جو گندم مقرر ہو تو پھر کچھ

---

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (جو میت کے) کی جگہ ''جوئی کہ'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۶۶، كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصّلاة عن الميّت.

گندم لاکر یا مقرر گندم کی قیمت مقرر کر کے، پھر ایک شئ ذی قیمت وارث فقیر کو دے، اور پھر فقیر وارث کو، اور پھر وارث فقیر کو دے، اسی طرح تکرار کرتے رہیں حتی کہ فدیہ کی مقرر گندم کی قیمت پوری ہوجاوے تو فدیہ ادا ہوگا یا نہ؟

(ب) میت کا وارث قرآن مجید کی قیمت اس فدیہ میں مقرر گندم کے برابر کر کے ایک ملّا یا فقیر کو بیع کر دے اور وہ قیمت اس پر قرض کر کے وہ قرض میت کے اس فدیۂ مقررہ کے عوض اس مشتری کو بخش دے۔

(ج) میت کا وارث قرآن مجید کی قیمت میت کے فدیہ میں مقرر گندم کے برابر کر کے ایک ملّا یا فقیر کو وہ قرآن مجید یکبارگی اس فدیہ کے عوض بخش دے؛ یہ تینوں صورتیں درست ہیں یا کیا؟

(۱۰۰۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف - ج) ان میں سے جس حیلہ کو بعض فقہاء نے لکھا ہے وہ بہ صورت ناداری و افلاس ورثہ محض تبرع کے طریق سے فقہاء نے لکھا تھا کہ بہ ضرورت اگر ایسا کرلیا جاوے تو امید ہے کہ میت کے ذمہ کے فرائض ادا ہوجاویں، مگر اوران حیلوں میں جو مفاسد پیش آرہے ہیں کہ ورثہ باوجود استطاعت کے فدیۂ مالی پورا ادا کرنا نہیں چاہتے ہیں اور حیلہ کر لیتے ہیں، اوراس کے سوا دیگر مفاسد شرعیہ بھی ان حیلوں میں ہیں؛ جن کی وجہ سے ایسے حیلوں سے منع کیا جاتا ہے[۱] فقط (۴/۳۷۰-۳۷۱)

---

(۱) ولو لم يَترك مالاً يستقرض وارثُهُ نصفَ صاعٍ مثلاً ويدفعُهُ لفقير ثمّ يدفعه الفقير للوارث ثمّ وثمّ حتّى يتمّ (الدّرّ المختار)قوله: (ولولم يترك مالاًإلخ) أي أصلاً أو كان ما أوصٰى بهٖ لايفِي، زاد في الإمداد: أولم يوص بشيءٍ وأراد الوليّ التّبرّعَ إلخ وأشاربالتّبرّع إلى أن ذلك ليس بواجب على الوليّ ، ونصّ عليه في تبيين المحارم فقال: لايجب على الولي فعل الدّور، وإن أوصٰى بهِ الميّت لأنّها وصيةٌ بالتّبرّع ، والواجبُ على الميّت أن يوصي بما يفِي بما عليه إن لم يضق الثّلث عنه ، فإن أوصٰى بأقلَّ وأمرَ بالدّور وترك بقيّة الثُّلث للورثة أوتبرّع بهٖ لغيرهم فقد أثِم بترك ما وجب عليه إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۶۶، كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصّلاة عن الميّت)ظفير

سجدۂ سہو کے احکام

سجدۂ سہو کا صحیح طریقہ

سوال: (۱۹۳۳) سجدۂ سہو ایک طرف سلام پھیر کر کرنا چاہیے یا دونوں طرف؟ اور آدھی التحیات پڑھ کر سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے یا پوری التحیات پڑھ کر؟ اور سجدۂ سہو کے بعد پوری التحیات پڑھ کر سلام پھیرے یا کس طرح؟ (۴۶۵/۱۳۴۲ھ)

الجواب: پوری التحیات پڑھ کر ایک طرف سلام پھیر کر دو سجدے سہو کے کر کے پھر پوری التحیات پڑھ کر درود شریف (اور دُعا)[1] پڑھ کر سلام پھیرے[2] (۳۹۸/۴)

صرف دائیں جانب سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرنا چاہیے

سوال: (۱۹۳۴) سجدۂ سہو قبل السلام ہونا چاہیے یا بعد السلام؟ یا امام اور منفرد میں کوئی فرق ہے؟ (۸۹۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: بہتر اور ارجح صورت یہی ہے کہ فقط دائیں جانب سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے، اور اس

(۱) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔ نیز مطبوعہ فتاوی میں جواب کے آخر میں یہ عبارت (درود کے بعد دعا بھی پڑھے۔ ظفیر) تھی؛ اس کو ہم نے حذف کر دیا ہے۔۱۲

(۲) و كيفيتهُ أن يكبّرَ بعد سلامهِ الأوّلِ و يخِرَّ ساجدًا ويسبّح في سجودهٖ ثمّ يفعل ثانيًا كذلك ثمّ يتشهّد ثانيًا ...... ثمّ يسلّم ويأتي بالصّلاة على النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم والدّعاء في قعدةِ السّهو هو الصّحيح إلخ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۵، كتاب الصّلاة ، الباب الثّاني عشر في سجود السّهو) ظفیر

میں کوئی فرق امام ومنفرد میں معلوم نہیں ہوتا۔ في الدّرّ المختار: يجب له بعد سلامٍ واحدٍ عن يمينه فقط لأنّه المعهودُ و به يحصل التّحليلُ وهو الأصحُّ إلخ[1] فقط (۴/ ۴۱۷ -۴۱۸)

سوال: (۱۹۳۵) جو شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو اور کسی رکن کے بھول جانے پر سجدۂ سہو کرتے وقت دونوں جانب سلام پھیرے یا صرف دائیں جانب۔ بیّنوا تو جروا (۱۳۳۵/۱۳۷۳ھ)

الجواب: صرف ایک طرف سلام پھیرے اگر دونوں طرف پھیر دیا کچھ حرج نہیں تب بھی سجدۂ سہو کرے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۸۶)

سوال: (۱۹۳۶) سجدۂ سہو دونوں سلام کے بعد کرے یا ایک سلام کے بعد۔ بیّنوا تو جروا۔ مرسلہ حافظ عزیز احمد بجنور (۲۱۳/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: ایک سلام کے بعد ادا کرے۔ يجب لهٗ بعد سلامٍ واحدٍ عن يمينه .... سجدتان[1] (الدّرّ المختار: ۱/۶۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ دارالعلوم دیوبند ۵ ذی الحجہ، سنہ ۱۳۲۹ھ (۴/۴۰۵)

لاحق امام کے ساتھ سجدۂ سہو نہ کرے بلکہ آخر میں کرے

سوال: (۱۹۳۷) لاحق ہمراہ امام کے سجدۂ سہو کرے گا یا نہیں؟ اگر نہ کرے گا تو اس وقت میں وہ کیا کرے گا؟ (۱۳۴۳/۱۰۹ھ)

الجواب: درمختار میں ہے کہ لاحق سجدۂ سہو امام کے ساتھ نہ کرے بلکہ آخر صلاۃ میں کرے اور اس وقت بیٹھا رہے[2] اور اگر امام کے ساتھ بھی سجدۂ سہو کرلے تو پھر بھی آخر نماز میں دوبارہ

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۷۱-۴۷۲، کتاب الصّلاة ،باب سجود السّهو.

(۲) جب امام سجدۂ سہو کرے گا اس وقت لاحق اپنی مابقیہ نماز ادا کرے گا، بیٹھا نہیں رہے گا، شامی میں ہے: قوله: (لكنّهٗ يسجد إلخ) أي يبدأ بقضاء ما فاته ثمّ يسجد في آخر صلاته لأنّه التزم متابعة الإمام فيما اقتدى به على نحو ما يصلّي الإمام وأنّه اقتدى به في جميع الصّلاة فيتابعه في جميعها علٰى نحو ما أدّى الإمام ، والإمام أدّى الأوّل فالأوّل ، وسجد لسهوه في آخر صلاته فكذا اللاّحق. (ردّ المحتار: ۲/۴۷۸، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو)

سجدۂ سہو کرے اور نماز صحیح ہے۔ (درمختار)(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۰/۴)

سورۂ فاتحہ کے تکرار سے سجدۂ سہو لازم ہے

سوال: (۱۹۳۸) سورۂ فاتحہ کے تکرار سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۲۶۰۸ھ)

الجواب: پہلی دو رکعت میں سورۂ فاتحہ کے تکرار سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے۔ كما في الشّامي: قوله: (وكذا تركُ تكريرِها) فلو قرأها في ركعةٍ من الأوليين مرّتين وجب سجود السّهو لتأخيرِ الواجب وهو السّورةُ كما في الذّخيرة وغيرها إلخ(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۶/۴)

سورۂ دہر کے تکرار سے سجدۂ سہو لازم نہیں

سوال: (۱۹۳۹) نماز جمعہ میں امام نے پہلی رکعت میں سورۂ دہر شروع کی، نصف سورت پڑھ کر آگے نہ پڑھ سکا، دوبارہ سہ بارہ پڑھ کر اوّل سے تب پوری ہوئی، ایسی صورت میں نماز جمعہ بغیر سجدۂ سہو درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۱۷۰۳ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز ہوگئی سجدۂ سہو لازم نہیں ہے(۳) كذا في كتب الفقه. فقط (۳۷۴/۴)

ایک آیت کو بار بار پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں

سوال: (۱۹۴۰) نماز تراویح میں جو سنت مؤکدہ ہے، اگر اس میں کوئی شخص یا پیش امام حافظ بیس آدمیوں کی جماعت میں اگر ایک آیت کو تین چار مرتبہ پڑھے تو سجدۂ سہو ضروری ہے یا نہیں؟

---

(۱) كذا اللّاحق لكنّهٗ يسجد في آخر صلاتِهٖ و لو سجد مع إمامِهٖ أعادهٗ ، قال الشّامي: لأنّهٗ في غير أوانِهٖ و لا تفسد صلاتُهٗ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۷۸/۲، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) ظفیر

(۲) ردّ المحتار للشّامي: ۱۳۵/۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب: كل شفع من النّفل صلاة .

(۳) کیوں کہ اس صورت میں سجدۂ سہو کے واجب ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ محمد امین پالن پوری

کیوں کہ اردو مفتاح الصلاۃ: ۸۲ میں لکھا ہے کہ وہی آیت دو تین بار تکرار کیا تو سہو کا سجدہ لازم ہے، درمختار جلد اوّل: ص: ۳۳۸ میں لکھا ہے کہ سہو نماز عیدین، جمعہ، فرض، نفل میں برابر ہے، اسی کتاب کے ص: ۳۲۰ میں لکھا ہے کہ احتراز کرے تراویح میں غیر مشروع باتوں سے وغیرہ وغیرہ، پس ان صورتوں میں سجدۂ سہو ادا کرنا چاہیے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر مع حوالۂ کتب تحریر فرمائیں؟

(۲۹/۳۳۴-۱۳۳۰ھ)

الجواب: ایک آیت کے بار بار پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں آتا، اور مفتاح الصلاۃ میں جو لکھا ہے وہ سمجھ میں نہیں آیا، شاید وہ اس موقع میں ہو کہ صرف ایک آیت کو ہی بار بار پڑھا اور کچھ نہ پڑھا، یا فقط سورۂ فاتحہ پڑھی سورت نہ پڑھی، تو بہ سبب ترکِ واجب کے اس صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے، مگر تراویح میں ایسا نہیں ہوتا کہ اور کچھ نہ پڑھا ہو، تراویح میں اکثر یہ پیش آتا ہے کہ بہ سبب نہ یاد آنے اگلی آیت کے؛ بار بار اعادہ آیت کا کیا جاوے، اس میں سجدۂ سہو لازم ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور شامی میں ہے کہ عیدین و جمعہ میں جب مجمع زیادہ ہو تو سجدۂ سہو نہ کرنا اولیٰ ہے۔ بل الاولی ترکه لئلاّ یقع النّاس في فتنة [۱] اور درمختار میں بھی بعد نقل اُس عبارت کے جو آپ نے لکھی ہے یہ لکھ دیا ہے کہ مختار عندالمتأخرین یہ ہے کہ سجدۂ سہو نہ کرے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۴/۴۰۶)

ایک لفظ دہرانے سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا

سوال: (۱۹۴۱) اگر کسی نے نماز میں قراءت مکرر پڑھی؛ مثلاً کسی نے سورۃ النصر شروع کرکے ﴿اَفْوَاجًا﴾ پر ٹھہرا، پھر دوبارہ ﴿اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ﴾ سے ختم کیا سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟

(۱۶۳۵/۱۳۳۸ھ)

الجواب: سجدۂ سہو اس میں لازم نہیں آتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۷۷)

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۴۸۹، کتاب الصّلاة، باب سجود السّهو.

(۲) والسّهو في صلاةِ العيدِ والجمعةِ والمكتوبةِ والتّطوّعِ سواءٌ، والمختار عند المتأخّرين عدمه في الأولیين (الدّرّ المختار) قال الشّامي: الظّاهر أنّ الجمعَ الكثيرَ فيما سواهما كذلك. (حوالہ سابقہ) جمیل الرحمٰن

متشابہ لگنے پر آیت کے تکرار سے سجدۂ سہو لازم نہیں

سوال: (۱۹۴۲) امام نے نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ پڑھی، اور ملك القدّوس پر متشابہ لگا، امام سورت کو دہراتا رہا، اسی دوران میں ایک مقتدی نے لقمہ دیا، لیکن امام نے لقمہ کا خیال نہیں کیا، اور خود ہی درست پڑھ کر نماز ختم کی، سجدۂ سہو نہیں کیا نماز ہوئی یا نہ؟ (۱۳۳۹/۱۸۵۴ھ)

الجواب: اس صورت میں سجدۂ سہو لازم نہ تھا نماز صحیح ہوگئی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۲/۴)

سوال: (۱۹۴۳) متشابہ لگنے کی وجہ سے ایک آیت بار بار پڑھی جب یاد نہ آئی تو دوسرا رکوع پڑھ دیا اس حالت میں سجدۂ سہو کرے یا نہیں؟ (۱۳۴۵/۲۹۵ھ)

الجواب: اس میں سجدۂ سہو نہیں ہے۔ (اضافہ از رجسٹر نقول فتاوی)

سوال: (۱۹۴۴) امام نماز میں قراءت پڑھتے پڑھتے بھول جاوے یا متشابہ لگ کر دوسری جگہ کی دو تین آیت پڑھے، اور پھر یاد آنے پر یا بوجہ بھول جانے کے ابتداء سے قراءت پڑھے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ [اور جو شخص بلا واجب ہوئے سجدۂ سہو کرتا ہے اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟] (۲) (۱۳۳۷/۱۴۱۳ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز صحیح ہے اور سجدۂ سہو واجب نہیں (۳) اور غلطی سے اگر سجدۂ سہو کر لیا تب بھی نماز ہوگئی (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۳/۴)

---

(۱) کیوں کہ سجدۂ سہو ترکِ واجب اور اس کی تقدیم و تاخیر سے واجب ہوتا ہے، جو یہاں پایا نہیں گیا۔ ظفیر

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

(۳) ذكر في الفوائد: لو قرأ في الصّلاة بخطأٍ فاحش ثمّ رجع وقرأ صحيحًا ، قال: عندي صلاته جائزة و كذلك الإعراب. (الفتاوى الهندية: ۸۲/۱، كتاب الصّلاة، الباب الرّابع في صفة الصّلاة ، الفصل الخامس في زلّة القاري)

(۴) ولو سلّم ساهيًا إن بعد إمامه لزمه السّهو وإلّا لا إلخ ولو ظنّ الإمام السّهو فسجد لهٗ فتابعه فبان أن لا سهو فالأشبهُ الفساد لاقتدائه في موضع الانفراد (الدّرّ المختار) وفي الفيض: وقيل : لا تفسد وبهٖ يفتىٰ. وفي البحر عن الظّهيرية: قال الفقيه أبو اللّيث: في زماننا لا تفسد لأنّ الجهلَ في القرّاء غالب. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۰۱-۳۰۲، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، قبيل باب الاستخلاف)

ایک ہی رکوع دونوں رکعتوں میں پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں

سوال: (۱۹۴۵) ایک شخص نے ایک ہی رکوع کو مکرر دونوں رکعتوں میں پڑھا، اور سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ (۴۶/۱۰۷۰-۱۳۴۷ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز ہوگئی اور سجدۂ سہو واجب نہیں ہے(۱) فقط واللہ اعلم (۴/۴۰۵)

درمیان سے آیت کا کچھ حصہ چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو واجب نہیں

سوال: (۱۹۴۶) سورۂ بقر کی آخری آیت: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا﴾ سے نماز میں پڑھنا شروع کیا مگر سہواً ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا﴾ چھوڑ کر آگے آخر تک پڑھا تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہ؟ (۱۳۴۵/۲۹۵ھ)

الجواب: اس میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور نماز ہوگئی(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۰۴)

بھول سے کوئی سورت شروع کی پھر دوسری سورت پڑھی تو اس سے سجدۂ سہو لازم نہیں

سوال: (۱۹۴۷) امام نے تراویح کے اخیر دوگانہ کی پہلی رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے ﴿قُلْ اَعُوْذُ﴾ کہہ کر فوراً ﴿تَبَّتْ يَدَا﴾ کہا تھا کہ ایک مقتدی نے بہ طور بتلانے کے [﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقْ﴾ کہہ دیا تو امام نے](۳) ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقْ﴾ پوری سورت پڑھ دی، اور دوسری رکعت بھی تمام کر دی مگر سجدۂ سہو نہ کیا تو اس صورت میں نماز صحیح ہوگی یا دوگانہ مذکور کا اعادہ کرنا ہوگا؟

---

(۱) لا بأس أن يقرأ سورةً و يُعيدها في الثّانية (الدّرّ المختار) أفاد أنّه يُكره تنزيهًا وعليه يُحْمَلُ جَزْمُ الْقُنْيَةِ بالكراهة إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۳۸، كتاب الصّلاة ، فصل في القراءة، قبيل باب الإمامة) ظفیر

(۲) اس میں کوئی وجہ سجدۂ سہو کی نہیں ہے؛ اس لیے کہ کسی واجب کا ترک یا اس کی تقدیم و تاخیر لازم نہیں آئی۔ ظفیر

(۳) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

اور یہ کہ سجدۂ سہو ضروری ہے کہ نہیں؟ (۲۱۶۰/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز صحیح ہے اور سجدۂ سہو واجب نہیں ہے، كذا في الدّرّ المختار[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۷۵)

ایک سورت کا کچھ حصہ پڑھ کر دوسری سورت شروع کردی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۴۸) ایک شخص نے نماز فریضہ میں بعد الحمد شریف کے اس رکوع ﴿يٰٓاَ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ﴾ کو ﴿كَالَّذِيْنَ نَسُوْا اللّٰهَ﴾ تک پڑھ کر دوسری سورت شروع کردی، اور بلا سجدۂ سہو کے نماز ختم کردی تو نماز ہوئی یا نہ؟ (۲۲/ ۱۳۴۳ھ)

الجواب: اگر تاخیر بہ قدر تحریمہ کے[۲] نہ ہوئی تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہے[۳] (اور نماز ہوگئی۔ ظفیر) (۴/ ۴۰۰)

نماز میں قرآن خلافِ ترتیب پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا

سوال: (۱۹۴۹) نماز میں سورت مقدم مؤخر پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے یا نہیں؟ (۱۰۶۶/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) وفي القُنية قرأ في الأولٰى " الكافرون " وفي الثّانية " الم تر" أو "تبّت" ثمّ ذكر يتمّ، و قيل: يقطع و يبدأ (الدّرّ المختار) أفاد أنّ التّنكيس أو الفصل بالقصيرة إنّما يكره إذا كان عن قصدٍ فلو سهوًا فلا كما في شرح المنية، و إذا انتفت الكراهة فإعراضه عن الّتي شرع فيها لا ينبغي. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۲۳۹، كتاب الصّلاة، فصل في القراءة، قبيل باب الإمامة) ظفیر

(۲) بہ قدرِ تحریمہ، یعنی ایک رکن کے بہ قدر۔ محمد امین

(۳) منشا یہ ہے کہ رکوع مذکور کا مذکورہ حصہ پڑھنے کے بعد اگر فوراً دوسری سورت شروع کردی بہ قدر رکن تاخیر نہیں کی تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔ واعلم أنّه إذا شغله ذٰلك الشّكُّ فتفكّر قدرَ أداءِ ركنٍ ولم يشتغل حالةَ الشّكّ بقراءةٍ ولا تسبيحٍ .... وجب عليه سجودُ السّهو. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۹۰-۴۹۱، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو) ظفیر

الجواب: سجدۂ سہو لازم نہیں مگر عمداً ایسا کرنا مکروہ ہے۔ ویکره الفصل بسورة قصيرةٍ وأن يقرأ منكوسًا (۱) (الدرّ المختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۱۸)

نماز میں بلا ترتیل قرآن پڑھنے سے سجدہ سہو واجب نہیں

سوال: (۱۹۵۰) ایک شخص نے نماز جہریہ میں قرآن شریف بلا ترتیل پڑھا نماز ہوئی یا نہ؟ اور سجدۂ سہو بھی نہیں کیا؟ (۸۴/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اگر ایسی غلطی نہیں ہوئی جو مفسد نماز ہو تو نماز ہوگئی سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۱۹)

قراءت کے درمیان ایک رکن کے بہ قدر توقف سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے

سوال: (۱۹۵۱) ...... (الف) ایک آیت کلاں سے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ ایک آیت پڑھ کر امام بھول گیا اور دوسری سورت پڑھنے لگا نماز ہوئی یا نہیں؟ رکا بالکل نہیں اور سجدۂ سہو واجب ہوا یا نہیں؟

(ب) اگر قراءت پڑھتے وقت امام بھول گیا تو کتنی دیر رکنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؟ (۲۲۳/ ۱۳۴۳ھ)

الجواب: (الف) ہوگئی، ایک آیت طویل یا چھوٹی چھوٹی تین آیتیں سورۂ فاتحہ کے ساتھ ملانے سے نماز ہوجاتی ہے، سجدۂ سہو بھی لازم نہیں ہے (۲)

---

(۱) الدرّ و ردّ المحتار: ۲/ ۲۳۸، کتاب الصّلاة ، فصل في القراء ة، قبیل باب الإمامة .

(۲) وضمُّ أقصرِ سورةٍ کالکوثر أو ما قام مقامَها وهو ثلاثُ آیاتٍ قصارٍ نحوُ ﴿ ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ (المدّثّر: ۲۱-۲۳) و کذا لو کانت الآیة أو الآیتان تَعدل ثلاثًا قصارًا (الدرّ المختار) وهي ثلاثون حرفًا فلو قرأ آیةً طویلةً قدرَ ثلاثین حرفًا یکون قد أتٰی بقدرِ ثلاثِ آیاتٍ إلخ. (الدرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۱۳۲، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب: کلّ صلاة أدّیت مع کراهة التّحریم تجب إعادتها) ظفیر

(ب) بہ قدر ایک رکن کے توقف سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے[1] فقط واللہ اعلم (۴۰۱/۴)

فاتحہ کے ساتھ صرف دو چھوٹی آیتیں پڑھیں تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۵۲) نماز میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ وَالْعٰدِیٰتِ پڑھی، مگر صرف اس قدر پڑھ کر رکوع میں چلا گیا ﴿وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا. فَالْمُوْرِیَاتِ قَدْحًا﴾ (سورۂ عادیات، آیت: ۱-۲) تو اس صورت میں سجدۂ سہو آوے گا یا نہیں؟ (۴۲۳/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: اس صورت میں ترکِ واجب ہوا[2] اگر سہواً ایسا ہوا تو سجدۂ سہو کرے، اور جو سہواً نہیں ہوا تو اعادۂ نماز کرے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۸/۴)

صرف سورۂ فاتحہ یا صرف سورت پڑھ کر رکوع کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۵۳) اگر کوئی آدمی صبح کی نماز میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر رکوع میں چلا جاوے یا الحمد چھوڑ کر کوئی سورت پڑھ کر رکوع میں چلا جاوے تو کیا حکم ہے؟ (۲۰۳۲/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے نماز ہوگئی[4] فقط واللہ اعلم (۴۱۳/۴)

---

(۱) فلو أتمّ القراء ة فمكث متفكّرًا سهوًا ثمّ ركع إلخ سجد للسّهو. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۴۴/۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب: لا ينبغي أن يُعدل عن الدّراية إذا وافقتها روايةٌ)

وتفكّرُهُ عمدًا حتّى شغلَهُ عن ركنٍ (الدّرّ المختار) وأجاب في الحَلْبَة عن وجوب السّجودِ في مسألة التّفكّر عمدًا بأنّه وجب لما يلزم منه مِن تركِ واجبٍ هو تأخير الرّكن أو الواجب عمّا قَبْلَهُ فإنّه نوعُ سهوٍ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۷۴/۲، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) ظفیر

(۲) کیوں کہ سورۂ فاتحہ کے بعد چھوٹی تین آیتوں کے بہ قدر قراءت کرنا واجب ہے، صورتِ مسئولہ میں یہ واجب ترک ہوا۔ محمد امین

(۳) سابقہ جواب کا پہلا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) ولها واجبات لا تفسد بتركها و تعاد وجوبًا في العمد و السّهو إلخ ==

ثنا پڑھ کر رکوع کیا پھر یاد آیا کہ قراءت رہ گئی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۵۴) زید نے نیت باندھ کر سبحان یعنی سبحانك اللّٰهم پڑھ کر رکوع میں گیا تسبیح پڑھ کر یاد آیا کہ قراءت نہیں پڑھی؛ اب اس کو کیا کرنا چاہیے؟ (۵۰۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: پڑھنا چاہیے اور اخیر میں سجدۂ سہو[1] (کرے ــــــ یعنی رکوع سے کھڑا ہو کر قراءت کرے پھر رکوع دوبارہ کرے، اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔۱۲ محمد امین) (۴/۴۱۵-۴۱۶)

وَالْعٰدِیٰتِ میں ﴿فَالْمُغِيْرَاتِ صُبْحًا﴾ چھوڑ دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۵۵) وَالْعٰدِیٰت بعد الْحَمْدُ کے پڑھی مگر ﴿فَالْمُغِيْرَاتِ صُبْحًا﴾ کو چھوڑ کر سب سورت پوری کردی؛ سجدۂ سہو آوے گا یا نہیں؟ (۴۲۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: اس صورت میں سجدۂ سہو نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۰۸)

== وهي إلخ قراءةُ فاتحة الكتاب فيسجد للسّهو بترك أكثرها لا أقلّها، لكن في المجتبىٰ يسجد بترك آيةٍ منها و هو أولىٰ إلخ وضمُّ أقصرِ سورةٍ. (الدّرّ مع ردّ المحتار: ۲/۱۲۹-۱۳۲ كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: كلّ صلاة أدّيت مع كراهة التّحريم تجب إعادتها) ظفیر

(۱) ولو تذكّرها (أي السّورة) في ركوعهٖ قرأها (أي بعد عودهٖ إلى القيام) وأعاد الرّكوع. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۲۶، كتاب الصّلاة، فصل في القراءة، مطلب: تحقيق مهمّ فيما لو تذكّر في ركوعهٖ أنه لم يقرأ فعاد تقع القراءة فرضًا إلخ)

فقد ظهر أنّ إيقاع الرّكوع قبل القراءة أصلاً أو قبل قراءة الواجب يلزم بهٖ سجود السّهو، لكن إذا لم يُعد الرّكوعَ يسقط سجود السّهو لفساد الصّلاة، و إن أعاده صَحَّتْ و يسجد للسّو. (الدّرّ و ردّ المحتار: ۲/۴۷۴-۴۷۵، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو)

ولو قدّم الرّكوعَ على القراءة لزمه السّجود لكن لا يعتدّ بالرّكوع فيفرض إعادته بعد القراءة. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۷، كتاب الصّلاة، الباب الثّاني عشر في سجود السّهو) محمد امین پالن پوری

ضم سورت میں ایک آیت کے بعد غلطی ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۵۶) اگر کوئی ضم سورت میں آیت کے اوپر مثلاً ﴿اَفْوَاجًا﴾ کے غلطی ہو تو سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟ (۱۶۳۵/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: سجدۂ سہو نہیں آتا[1] لیکن اگر غلطی ایسی ہے جو مفسدِ صلاۃ ہے تو نماز کا اعادہ لازم ہے، اور اگر غلطی ایسی (نہیں)[2] ہے جس سے فساد نماز کا حکم ہو تو نہ نماز فاسد ہوگی اور نہ سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۷۷-۳۷۸)

تین آیتوں سے کم میں بھول گیا اور دوسری سورت ملالی تو سجدۂ سہو لازم نہیں

سوال: (۱۹۵۷) اگر نمازی تین آیتوں سے کم میں قراءت بھول گیا اور دوسری سورت ملالی تو کچھ حرج ہے اگر ملالی تو کیا سجدۂ سہو کرے یا نہیں؟ (۲۰۳۲/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: (ملالیوے)[3] سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا[4] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۱۲-۴۱۳)

صبح کی فرض میں بھول سے التحیات کی جگہ الحمد پڑھی پھر التحیات پڑھی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا

سوال: (۱۹۵۸) صبح کے دو فرضوں میں امام نے بجائے التحیات کے سہواً الحمد شریف یا اور

---

(۱) کیوں کہ کوئی واجب ترک نہیں ہوا۔ ۱۲ محمد امین

(۲) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

(۳) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

(۴) يُكره أن يُفتحَ من ساعتهِ كما يُكره للإمام أن يُلجِئَهُ إليه بل ينتقل إلىٰ آيةٍ أخرىٰ لا يلزم مِن وصلها ما يُفسد الصّلاة أو إلىٰ سورةٍ أخرىٰ (ردّ المحتار: ۲/ ۳۳۰، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب: المواضع الّتي لا يجب فيها ردُّ السّلام) ظفیرؒ

کوئی آیت قرآنی پڑھی، پھراس کو یاد آ گیا اوراس نے التحیات پڑھ کر سجدۂ سہو کیا؛ اس صورت میں کیا سجدۂ سہو واجب تھا اور نماز ہوگئی یا نہ؟ (۱۳۱۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: چونکہ تاخیر واجب ہوئی، لہٰذا سجدۂ سہو واجب ہوا، سجدۂ سہو سے نماز ہوگئی[۱] فقط (۴/۴۱۱)

سنت میں التحیات کی جگہ فاتحہ پڑھ دی تو سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

سوال: (۱۹۵۹) سنت مؤکدہ میں بجائے التحیات کے فاتحہ پڑھ دی، یاد آنے پر التحیات پڑھی؛ سجدۂ سہو ہے یا نہ؟ (۳۴۲/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۰۲)

وضاحت: اگر التحیات کے بجائے سورۂ فاتحہ پڑھی، یا پہلے سورۂ فاتحہ پڑھی پھر التحیات تو دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو لازم ہوگا اور اگر پہلے التحیات پڑھی پھر سورۂ فاتحہ پڑھی تو سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا[۲] محمد امین پالن پوری

درود و دعا پڑھنے کے بعد سجدۂ سہو یاد آئے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۶۰) اگر سجدۂ سہو کرنا تھا مگر درود شریف و دعاء ماثورہ بھی پڑھ گیا تو سجدۂ سہو کرے یا نہیں؟ (۴۲۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: سجدۂ سہو بعد پڑھنے درود شریف کے بھی کرنا چاہیے[۳] فقط (۴/۴۰۸)

---

(۱) وإذا قرأ الفاتحة مكانَ التّشهّد فعليه السّهوُ و كذٰلك إذا قرأ الفاتحةَ ثمّ التّشهّدَ كان عليه السّهو. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۷، كتاب الصّلاة ، الباب الثّاني عشر في سجود السّهو)

(۲) وإذا فرغ من التّشهّد وقرأ الفاتحة سهوًا فلا سهو عليه ، وإذا قرأ الفاتحة مكانَ التّشهّد فعليه السّهوُ و كذٰلك إذا قرأ الفاتحةَ ثمّ التّشهّدَ كان عليه السّهو .... ولو بدأ بالتّشهّد ، ثمّ بالقراءة فلا سهوَ عليه إلخ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۷، كتاب الصّلاة ، الباب الثّاني عشر في سجود السّهو)

(۳) ويسجد للسّهو .... ما لم يتحوّل عن القبلة أو يتكلّم .... ولو نسي ==

دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو یاد آئے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۶۱) کسی نماز میں سجدۂ سہو واجب ہو جائے اور دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو یاد آ گیا تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ (۲۰۳۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: سجدۂ سہو کرے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۲/۴)

سجدۂ سہو کا ترک خواہ عمداً ہو یا سہواً نماز کا اعادہ واجب ہے

سوال: (۱۹۶۲) ترک سجدۂ سہو بھول میں اور عمداً میں فرق ہے کہ نہیں، اگر بھول گیا اعادہ نماز کا کرے یا نہ کرے؟ (۱۰۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: قضا اس نماز کی واجب ہے، اور ترک سجدۂ سہو عمداً و سہواً برابر ہے[2] فقط (۳۸۴/۴)

سوال: (۱۹۶۳) بعد لزوم سجدۂ سہو کے نہ کرنے کے لیے کیا حکم ہے؟ (۲۰۹۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: سجدۂ سہو اگر واجب ہوا اور نہ کیا تو اعادہ نماز کا واجب ہے[2] فقط (۴۱۳/۴-۴۱۴)

سجدۂ سہو کے بعد تشہد کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۶۴) نماز میں زید نے بہ وجہ ترک واجب سجدۂ سہو کیا، بعدہ بجائے تشہد الحمد پڑھ گیا یاد آنے پر مکرر سجدۂ سہو کرے یا فوراً تشہد شروع کر دے؟ (۳۸۴/۱۳۴۵ھ)

== السّهو أو سجدة صلبية أو تلاوية يلزمه ذٰلك ما دام في المسجد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۸۷-۴۸۸، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو)

(۱) ولو نسي السّهوَ أو سجدةً صُلبيّةً أو تلاويّةً يلزمهُ ذلك ما دام في المسجد. (الدّرّ المختارمع ردّ المحتار: ۲/۴۸۷-۴۸۸، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو) ظفیر

(۲) ولها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوبًا في العمد والسّهو إن لم يسجد له وإن لم يعدها يكون فاسقًا آثمًا (الدّرّ المختار) قوله: (إن لم يسجد له) أي للسّهو. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۲۹-۱۳۰، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: واجبات الصّلاة)

الجواب: پھر تشہد پڑھے دوبارہ سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے[۱] فقط واللہ اعلم (۴/۴۰۴)

پہلی اور تیسری رکعت میں کتنی دیر بیٹھنے سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے؟

سوال: (۱۹۶۵) اگر پہلی اور تیسری رکعت میں سہواً بیٹھ کر کھڑا ہو جاوے تو کتنے وقفہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا؟ (۱۳۴۲/۶۷ھ)

الجواب: طویل قعدہ سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے، جیسے بہ قدر التحیات پڑھنے کے مثلاً یا اس کے قریب ہو، باقی جلسۂ خفیفہ سے سجدۂ سہو لازم نہیں آتا[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۷۷)

جلسۂ استراحت سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا

سوال: (۱۹۶۶) جلسۂ استراحت کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۶۷ھ)

الجواب: اس سے سجدۂ سہو لازم نہ آوے گا[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۲۷۷-۲۷۸)

واجب و سنت مؤکدہ نماز میں قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا

سوال: (۱۹۶۷) سنت اور واجب نمازوں میں قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود شریف

---

(۱) السّهو في سجود السّهو لا يوجب السّهو، لأنّه لا يتناهي ، كذا في التّهذيب. (الفتاوىٰ الهندية: ۱/۱۳۰) ظفیر

(۲) و كذا القعدةُ في آخرِ الرّكعة الأولىٰ أو الثّالثةِ فيجب تركها و يلزم من فعلها أيضًا تأخيرُ القيام إلى الثّانية أو الرّابعة عن محلّهٖ ، و هٰذا إذا كانت القعدةُ طويلةً أمّا الجلسةُ الخفيفة الّتي استحبّها الشّافعيّ فتركها غير واجب عندنا بل هو الأفضل كما سيأتي . (ردّ المحتار: ۲/۱۴۴-۱۴۵، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، قبيل مطلب مهمّ في تحقيق متابعة الإمام) ظفیر

وغیرہ پڑھ جاوے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ اور ایسے ہی سنت اور واجب میں قعدۂ اولیٰ بھول کر کھڑا ہو جاوے تو تیسری رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے یاد آنے پر بیٹھ جاوے یا نہ؟

(۱۵۳۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: نماز واجب مثلاً وتر میں وہی حکم ہے جو نماز فرض میں، پس اس میں اگر قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف وغیرہ پڑھ جاوے گا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا، اور سنن مؤکدہ میں دو قول ہیں، لیکن احوط وجوبِ سجدہ ہے[1] اور قعدۂ اولیٰ کے ترک میں وہی احکام ہیں جو فرض کے قعدۂ اولیٰ کے ترک میں ہے کہ اگر اقرب الی القعود ہو بیٹھ جاوے، اور اگر اقرب الی القیام ہو تو نہ بیٹھے اور آخر میں سجدۂ سہو کر لیوے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۹۳-۳۹۴)

---

(۱) ولا يزيدُ في الفرض على التّشهّد في القعدة الأولىٰ إجماعًا فإن زاد عامدًا كُره فتجب الإعادةُ أوساهيًا وجب عليه سجودُ السّهو إذا قال: " اللّٰهمّ صلّ علىٰ محمّد " فقط على المذهب المفتىٰ به لا لخصوص الصّلاة بل لتأخير القيام (الدّرّ المختار) قوله: (و لا يزيد في الفرض) أي وما أُلحق به كالوتر والسّنن الرّواتب و إن نظر صاحب البحر فيها. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲/۱۹۴-۱۹۵، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب مهم في عقد الأصابع عند التّشهّد) ظفیر

(۲) سها عن القعودِ الأوّلِ من الفرض ولو عمليًا، أمّا النّفل فيعود ما لم يقيّد بالسّجدة، ثمّ تذكّره عادَ إليه وتشهّد ولا سهو عليه في الأصحّ ما لم يَستقم قائمًا في ظاهر المذهب وهو الأصحّ، فتح، و إلاّ أي و إن استقام قائمًا لا يعودُ لاشتغاله بفرض القيام و سجد للسّهو لترك الواجب (الدّرّ المختار) قوله: (ولو عمليًا) كالوتر فلا يعود فيه إذا استتمّ قائمًا ...... قوله: (أمّا النّفل فيعود إلخ) جزم به في المعراج والسّراج و علّلهُ ابنُ وهبان بأن كلّ شفع منه صلاةٌ علاحدةٌ ولا سيّما علىٰ قول محمّد بأنّ القعدة الأولىٰ منه فرضٌ فكانت كالأخيرة وفيها يقعد و إن قام وحكى في المحيط فيه خلافًا، وكذا في شرح التّمرتاشي، قيل: يعود، وقيل: لا، وفي الخلاصة: والأربعُ قبل الظّهر كالتّطوّع، وكذا الوترُ عند محمّد، وتمامُهُ في النّهر، لٰكن في التّاترخانية عن العتابيّة قيل في التّطوّع يعود ما لم يقيّد بالسّجدة و الصّحيح أنّه لا يعود أهـ، وأقرّه في الإمداد لكن خالفه في متنِهِ تأمّل. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۷۸-۴۷۹، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو) ظفیر

قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود پڑھ دے یا سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۹۶۸) چار رکعت کی نماز میں دوسری رکعت کے تشہد کے بعد چند الفاظ درود کے اور زائد پڑھ دیئے تو اس پر سجدۂ سہو ہوگا یا نہیں؟ اور اگر دونوں طرف سلام پھیر دے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ (۲۰۳۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: سجدۂ سہو واجب ہے، اگر دونوں طرف سلام پھیر دے تب بھی سجدۂ سہو کرے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۲/۴)

وضاحت: پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص چار رکعت والی فرض نمازوں کے قعدۂ اولیٰ میں سہواً تشہد کے بعد درود شریف شروع کردے اور اَللّٰھمّ صلّ علٰی محمّد تک یا اس سے زیادہ پڑھ دے تو سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا، اور اگر درود شریف کی اتنی مقدار نہیں پڑھی ہے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا (۲) محمد امین پالن پوری

امام نے بھول کر پہلے قعدہ میں دونوں طرف سلام پھیر دیا تو باقی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۹۶۹) امام نے پہلے قعدہ میں بھول کر دونوں طرف سلام پھیر دیا تو اب باقی نماز

---

(۱) وتأخير قيام إلى الثّالثة بزيادة على التّشهّد بقدر ركن، وقيل بحرف، وفي الزّيلعيّ الأصحّ وجوبه باللّٰهمّ صلّ علىٰ محمّد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۷۵/۲، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو)

(۲) ولا يزيدُ في الفرض على التّشهّد في القعدة الأولىٰ إجماعًا فإن زاد عامدًا كُره فتجب الإعادةُ أو ساهيًا وجب عليه سجودُ السّهو إذا قال: "اللّٰهمّ صلّ محمّد" فقط على المذهب المفتىٰ به. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۹۴/۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب مهم في عقد الأصابع عند التّشهّد) ظفير

پڑھ سکتا ہے یا نہ؟ اور دونوں طرف سلام پھیرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہ؟ (۱۳۳۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: سہواً دونوں طرف سلام پھیر دینے سے نماز فاسد نہیں ہوئی (۱) باقی رکعات پڑھ کر آخر میں سجدۂ سہو کر لیوے نماز صحیح ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۱۱-۴۱۲)

سنت ظہر میں قعدۂ اُولیٰ بھول جائے اور سجدۂ سہو کر لے تو نماز ہو جائے گی

سوال: (۱۹۷۰) اگر ظہر کی چار رکعت سنت میں دو رکعت پر بیٹھنا بھول جائے تو سجدۂ سہو کرنے سے نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اور اگر دو رکعت سنت مؤکدہ پر درود شریف پڑھ لیا تو سجدۂ سہو کرنا چاہیے یا نہیں؟ (۱۹۷۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: سجدۂ سہو کر لینے سے نماز ہوگئی (۲) اور درود شریف درمیان کے قعدہ میں پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم ہے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۷۴)

ظہر کی سنتوں میں قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر کس قدر کھڑا ہونے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا؟

سوال: (۱۹۷۱)...... (الف) کسی شخص نے چار رکعت سنت قبل الظہر کی نیت کی اور قعدۂ اولیٰ

---

(۱) إلّا السّلام ساهيًا للتّحليل أي للخروج من الصّلاة قبل إتمامها علىٰ ظنّ إكمالها فلا يفسد. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۲۱، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في الفرق بين السّهو والنّسيان) ظفير

(۲) ولو ترك القعود الأوّل في النّفل سهوًا سجد و لم تفسد استحسانًا لأنّه كما شرع ركعتين شرع أربعًا أيضًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۸۴، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو) ظفير

(۳) ولا يزيدُ في الفرض على التّشهّد في القعدة الأولىٰ إجماعًا فإن زاد عامدًا كُره فتجب الإعادةُ أو ساهيًا وجب عليه سجودُ السّهو (الدّرّ المختار) قوله: (و لا يزيد في الفرض) أي وما أُلحق به كالوتر والسّنن الرّواتب (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۹۴، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب مهم في عقد الأصابع عند التّشهّد) ظفير

فراموش کر کے سیدھا کھڑا ہوا، بعدہ قعدہ کیا، اور آخر میں سجدۂ سہو نہ کیا؛ یہ نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اس پر اعادہ واجب ہے یا نہیں؟

(ب) اگر سیدھا کھڑا نہ ہوا اور نہ اس کے گھٹنے زمین سے علیحدہ ہوئے اس صورت میں اس کو کیا کرنا چاہیے؛ آیا قعدہ کرے یا کھڑا ہو جائے؟

(ج) اگر سیدھا کھڑا نہ ہوا اور گھٹنے زمین سے علیحدہ ہو گئے ہوں، کھڑا ہونے اور بیٹھنے کے درمیان کی حالت ہو تو اس کو لوٹ آنا چاہیے یا کھڑا ہو جانا چاہیے؟ اور سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ اور اس کو اعادہ کرنا پڑے گا یا نہیں؟ (۸۷۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: (الف) سجدۂ سہو نہ کرنے کی وجہ سے اعادہ واجب ہے[1]

(ب) قعدہ کرے اور سجدۂ سہو واجب نہیں[2]

(ج) اس حالت میں لوٹ آنا چاہیے اور قعدہ کرنا چاہیے اور سجدۂ سہو واجب نہیں۔ کما في الدّرّ المختار: عاد إليه و تشهّد ولا سهو عليه في الأصحّ ما لم يستقم قائمًا في ظاهر المذهب وهو الأصحّ ، فتح[3] اور دوسرا قول اس کے مقابل یہ ہے کہ اقرب الی القعود ہو تو بیٹھ جاوے اور اقرب الی القیام ہو تو نہ بیٹھے اور سجدۂ سہو کرے[4] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۷/۴-۳۸۸)

---

(۱) ولها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوبًا في العمد والسّهو إلخ وهي ...... قراءة فاتحة الكتاب إلخ والقعود الأوّل ولو في نفل. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۲۹/۲-۱۴۰ كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب: واجبات الصّلاة)

(۲) سها عن القعودِ الأوّلِ من الفرض ولو عمليًّا ، أمّا النّفل فيعود ما لم يقيّد بالسّجدة ، ثمّ تذكّره عادَ إليه وتشهّد ولا سهو عليه في الأصحّ ما لم يَستقم قائمًا في ظاهر المذهب وهو الأصحّ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۷۸/۲-۴۷۹، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو)

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۷۸/۲-۴۷۹، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو .

(۴) مقابله ما في الهداية: إن كان إلى القعود أقربَ عاد و لا سهو عليه في الأصحّ ، و لو إلى القيام أقربَ فلا و عليه السّهو (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۷۹/۲، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) محمد امین

آخری قعدہ میں شبہ ہوا کہ قعدۂ اولیٰ نہیں کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۷۲) نماز کے آخری قعدہ میں شبہ ہوا کہ قعدۂ اولیٰ کیا ہے یا نہیں کیا؛ تو سجدۂ سہو کرے یا نہ؟ (۶۲۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: (سجدۂ سہو) کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۷/۴)

قعدۂ اولیٰ میں ترک تشہد کی وجہ سے سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز کا اعادہ واجب ہے

سوال: (۱۹۷۳) ترکِ تشہد اوّل سے نماز ہوئی یا نہیں؛ اگر سجدۂ سہو بھول کر نہ کیا ہو؟ (۱۰۵۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نماز کا اعادہ واجب ہے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۸/۴)

امام قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر کھڑا ہوا پھر بیٹھ گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۷۴) امام قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا، پھر متنبہ کرنے پر بیٹھ گیا اور سجدۂ سہو کرلیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ (۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر امام نے سہوًا قعدۂ اولیٰ نہ کیا کھڑا ہو گیا، بعد متنبہ کرنے کے بیٹھ گیا اور سجدۂ سہو کرلیا تو صحیح قول کے موافق اس کی نماز صحیح ہوگئی، لیکن اس کو لوٹنا نہ چاہیے تھا یہ اس نے برا کیا، بعض فقہاء نے اس صورت میں فسادِ نماز کا حکم کیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ نماز ہو جاتی ہے [۲] فقط واللہ اعلم (۴۰۷/۴)

---

(۱) ومنها قراءة التّشهّد فإنّها واجبة في القعدتين الأولٰى والأخيرة ، و إلٰى هٰذا مال صاحبُ الهداية في باب سجود السّهو فأوجبَ السّجودَ بترك التّشهّد في القعدة الأولٰى. (غنية المستملي: ص:۲۵۸،قبل فصل في صفة الصلاة)ظفیر

(۲) وإلّا أي وإن استقام قائمًا لا يعودُ لاشتغالِه بفرض القيام وسجد للسّهو ==

سنتِ فجر میں تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۷۵) کوئی آدمی فجر کی نماز سنت میں پہلی رکعت میں سورۂ فلق، دوسری میں سورۃ الناس پڑھے اور بھول کر دوسری رکعت کے بعد تیسری میں کھڑا ہوجائے تو کیا کرے؟

(۲۰۳۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قیام کی حالت میں جب یاد آجاوے بیٹھ جاوے اور تشہد پڑھ کر سجدۂ سہو کرے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۱۳)

فجر کی فرض میں تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۷۶) نماز فجر فرض میں دو رکعت کے بعد سہواً بلا قعدہ کیے کھڑا ہو جاوے، اور تیسری رکعت میں الحمد وسورت پڑھنے کے بعد یاد آیا تو اسی وقت بیٹھ جاوے یا رکعت پوری کرے؟

(۲۳۱۷/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اسی وقت بیٹھ جاوے اور سجدۂ سہو کرلیوے نماز صحیح ہوگئی (۲) فقط (۴/۳۹۷)

== لترك الواجب فلو أعاد إلى القعود بعد ذلك تفسد صلاتُهُ لرفْض الفرضِ لِما ليس بفرضٍ ، وصحّحه الزّيلعيّ ، وقيل: لا تفسد ، لكنّهُ يكون مُسيئًا ويسجد لتأخير الواجب و هو الأشبه كما حقّقه الكمال وهو الحقّ ، بحر اهـ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۷۹-۴۸۰، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) ظفير

(۱) سها عن القعودِ الأوّلِ من الفرض و لو عمليًّا ، أمّا النّفل فيعود ما لم يقيّد بالسّجدة ، ثمّ تذكّره عادَ إليه وتشهّد ولا سهو عليه في الأصحّ (الدّرّ المختار) قوله: (ولا سهو عليه في الأصحّ) يعني إذا عاد قبل أن يستتمّ قائمًا إلخ ، وأمّا إذا عاد وهو إلى القيام أقربُ فعليه سجودُ السّهو. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۷۸-۴۷۹، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو) ظفير

(۲) ولو سها عن القعودِ الأخيرِ كلِّهِ أو بعضِهِ عاد إلخ ، ما لم يقيّدها بسجدةٍ لأنّ ما دون الرّكعة محلّ الرّفضِ و سجد للسّهو لتأخير القعود. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۸۰-۴۸۱، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) ظفير

مغرب میں آخری قعدہ کے بعد امام کھڑا ہو گیا پھر بیٹھ کر سجدۂ سہو کیا تو نماز ہوگئی

سوال: (۱۹۷۷) سوال مغرب کے وقت امام تینوں رکعت پوری کر کے قعدۂ اخیرہ سے سہواً کھڑا ہو گیا اور مقتدی بیٹھے رہے، اور جب کہ چند مقتدیوں نے اللہ اکبر کہا تو امام پھر بیٹھ گیا، اور ایک طرف سلام پھیر کر سجدۂ سہو کیا، اور پھر اختلاف ہونے کی وجہ سے دوبارہ نماز ادا کی، آیا نماز سجدۂ سہو سے ادا ہوگئی یا دوبارہ پڑھنا واجب ہے؟ (۱۲۷۱/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: وہ نماز سجدۂ سہوادا کرنے سے صحیح و کامل ہوگئی تھی دہرانے کی ضرورت نہ تھی[1] فقط (۳۸۹/۴)

فجر دو کی جگہ چار اور عصر چار کی جگہ چھ پڑھ لے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۷۸) فجر کی نماز بجائے دو رکعت کے چار رکعت، ایسے ہی عصر میں بجائے چار رکعت کے چھ رکعت پڑھ لی جائے تو سجدۂ سہو کرنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو جاتی ہے تو دو رکعت نفل ہوں گی؟ اور ان دونوں وقتوں میں بہ وجہ مکروہ ہونے نفل کے مصلی آثم ہے یا نہیں؟ (۱۶۱۷/ ۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس صوررت میں اگر اس نے قعدہ اخیرہ کرلیا ہے اور پھر کھڑے ہو کر دو رکعتیں اور ملالی تو پھر سجدۂ سہو کرنے سے اس کی نماز مکمل ہو جاتی ہے، اور یہ دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی، اور پڑھنے والے پر کوئی گناہ نہیں۔ قال في الدّرّ المختار: وضمّ إليها سادسةً ولو في العصر، وخامسةً في المغرب، ورابعةً في الفجر، بهٖ يفتٰى لتصيرَ الرّكعتان لهٗ نفلاً، قوله: (ولو في العصر إلخ) أشار إلٰى أنّه لا فرق في مشروعية الضّمّ بين الأوقات المكروهةِ وغيرها لِما مرّ أنّ التّنفّلَ فيها إنّما يُكره لو عن قصدٍ و إلّا فلا وهو الصّحيح[2] (شامی) (۴/ ۴۰۱-۴۰۲)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۴۸۳، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو.

بار بار متنبہ کرنے کے باوجود امام پانچویں رکعت سے نہیں لوٹا تو مقتدی کیا کریں؟

سوال: (۱۹۷۹) جب امام بجائے چار رکعت کے پانچویں رکعت شروع کردے اور مقتدیوں کے بار بار متنبہ کرنے پر بھی قعود نہ کرے تو اقتداء کی جائے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۱۳۳۹ھ)

الجواب: پانچویں رکعت میں اقتدا نہ کریں، درمختار میں ہے کہ اگر امام بعد قعود اخیر پانچویں رکعت کی طرف اٹھا تو مقتدی بیٹھے رہیں، اور اس کے لوٹنے کا انتظار کریں، اگر وہ لوٹا تو مقتدی اس کے ساتھ ہو جائیں، اور اگر امام نے پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو مقتدی سلام پھیر کر نماز ختم کردیں[۱] اور اگر امام نے قعدہ اخیرہ نہ کیا اور بلا قعود پانچویں رکعت کی طرف اٹھ گیا، اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کرلیا تو پھر مسئلہ معروف ہے کہ کسی کی نماز فرض ادا نہیں ہوئی[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۱/۴)

قعدۂ اخیرہ بھول کر کھڑا ہو گیا پھر یاد آیا تو کیا کرے؟

سوال: (۱۹۸۰) اگر کوئی قعدۂ اخیرہ کو بھول کر کھڑا ہو گیا تو وہ شخص فوراً یاد آتے ہی قعدہ کرے یا بہ قدر الحمد قیام کرکے؟ (۲۳۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: فوراً یاد آتے ہی قعدہ کرنا چاہیے، یعنی جب تک کہ سجدہ نہیں کیا۔ كما هو في عامّة المعتبرات: ولو سها عن القعود الأخير إلخ عاد إلخ ما لم يقيّدها بسجدةٍ إلخ[۲] (الدّرّ المختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۹/۴)

---

(۱) وإن قعد في الرّابعةِ مثلاً قدرَ التّشهّد، ثمّ قام عاد وسلّم، ولو سلّم قائمًا صحّ، ثمّ الأصحُّ أنّ القومَ ينتظرونَهُ فإن عاد تبِعُوه، وإن سجد للخامسة سلّموا لأنّه تمّ فرضُهُ، إذ لم يبقَ عليه إلاّ السّلامُ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۸۳/۲، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو) ظفير

(۲) ولو سها عن القعود الأخير كلِّهِ أو بعضهِ عاد إلخ ما لم يقيّدها بسجدةٍ إلخ و إن قيّدها بسجدةٍ عامدًا أو ناسيًا أو ساهيًا أو مخطئًا تحوّل فرضُهُ نفلاً برفعه الجبهة إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۸۰/۲-۴۸۱، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو) ظفير

پانچویں رکعت کے لیے امام بھول سے کھڑا ہوا تو کیا مقتدی پیروی کرے؟

سوال: (۱۹۸۱) امام نے چاروں رکعت پڑھ لی اور اخیر قعدہ میں صرف التحیات پڑھ کر سہواً کھڑا ہوگیا، اور مقتدی نے لقمہ نہیں دیا، اور نہ لقمہ دینا جانتا ہے، اور مقتدیوں کو معلوم ہے کہ یہ پانچویں رکعت ہے، اب مقتدی پوری التحیات (۱) پڑھ کر سلام پھیر دیں یا امام کی اقتداء کریں؟ (۵۰۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: دونوں اختیار ہیں (۲) لیکن جو شخص اوّل سے شریک نہیں وہ اگر اقتداء کرے گا فرض باطل ہو جاوے گا (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۱۵-۴۱۷)

امام پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا تو مسبوق کیا کرے؟

سوال: (۱۹۸۲) زید دو رکعت میں آکر امام کے ساتھ مل گیا، امام آخری قعدہ کر کے سہواً کھڑا ہوگیا، اور مقتدی نے لقمہ دیا، لیکن امام نے لقمہ نہیں لیا، اب زید کو امام کی تقلید و اقتداء کرنی چاہیے یا کیا؟ (۵۰۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نہیں، پڑھے۔ (یعنی یہ مسبوق امام کی اقتداء نہ کرے، ورنہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، بلکہ مسبوق اپنی باقی نماز پڑھے۔ محمد امین پالن پوری) (۴/۴۱۵-۴۱۷)

---

(۱) پوری التحیات سے مراد درود شریف اور دعا ہے۔ ۱۲

(۲) وإن قعد في الرّابعةِ مثلاً قدرَ التّشهّد ، ثمّ قام عاد وسلّم .... ثمّ الأصحُّ أنّ القومَ ينتظرونَهُ فإن عاد تبِعُوه ، وإن سجد للخامسة سلّموا لأنّه تمّ فرضُهُ (الدّرّ المختار) قوله : (ثمّ الأصحّ إلخ)لأنّه لا اتّباع في البدعة ، و قيل: يتّبعونه مطلقًا عاد أو لا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۸۳/۲، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) محمد امین

(۳) ومِن جملتها أنّه لو قام إمامه إلى الخامسة فتابعه ، فإن كان الإمام قعد على الرّابعة فسدت صلاة المسبوق لاقتدائه في موضع الانفراد. (غنية المستملي: ص:۴۰۵، فصل في سجود السّهو) محمد امین

جو شخص قعدۂ اخیرہ میں التحیات پڑھ کر کھڑا ہو گیا پھر یاد آنے پر بیٹھ گیا وہ دوبارہ التحیات نہ پڑھے

سوال: (۱۹۸۳) نماز کے اندر آخری قعدہ کر کے نمازی کھڑا ہو گیا، اور پھر یاد آنے پر بیٹھا تو اب سجدۂ سہو کے واسطے وہ التحیات پڑھ کر ایک طرف سلام پھیرے یا بغیر پڑھے؟ (۱۶۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: دوبارہ التحیات پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ قعدہ وتشہد پہلے ہو چکا ہے بیٹھتے ہی سلام پھیر کر سجدۂ سہو کر لیوے پھر التحیات وغیرہ پڑھ کر سلام ختم کا پھیرے، شامی میں ہے: **قوله: (عاد وسَلَّمَ) إلخ ، وفيه إشارةٌ إلىٰ أنّهُ لايعيد التّشهّدَ، وبهٖ صرّح في البحر** [1] فقط (۴/۴۱۵)

سوال: (۱۹۸۴) اگر آخری رکعت میں بعد تشہد کھڑا ہو گیا اور پھر بیٹھ گیا تو پھر تشہد پڑھے یا سلام پھیر کر تشہد سجدۂ سہو کا پڑھے، ایک یہ کہ قیام تام کے بعد فوراً بیٹھ گیا، دوسرے کچھ پڑھ کر، تیسرے ختم سورت کے بعد؛ ہر سہ حالات کا ایک حکم ہے یا مختلف؟ (۲۳۳۰/۱۳۳۹ھ)

الجواب: ہر سہ حالت میں بیٹھ کر پھر تشہد پڑھے اور سجدۂ سہو کر کے پھر تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۸۳)

استدراک: حضرت مجیب قدس سرہٗ کا پہلا جواب صحیح ہے، اس جواب میں تسامح ہے، کیوں کہ صحیح مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قعدۂ اخیرہ میں التحیات پڑھ کر کھڑا ہو گیا تو سجدہ کرنے سے پہلے پہلے جب یاد آئے بیٹھ جائے اور التحیات نہ پڑھے، بلکہ فوراً سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے، پھر التحیات وغیرہ پڑھ کر آخری سلام پھیرے، مراقی الفلاح میں ہے: **وإن قعد الجلوس الأخير قدر التّشهّد ثمّ قام و لو عمدًا وقرأ وركع ، عاد للجلوس لأن ما دون الرّكعة بمحل الرّفض ، وسلّم...... من غير إعادة التّشهّد لعدم بطلانهٖ بالقيام،...... وسجد للسّهو. (مراقي الفلاح : ص:۴۷۰-۴۷۱، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو)** محمد امین

---

(۱) **ردّ المحتار: ۲/۴۸۳، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو .**

دو رکعت والی نماز میں تشہد پڑھ کر تیسری کے لیے کھڑا ہو گیا پھر بیٹھ گیا تو سجدۂ سہو ضروری ہے

سوال: (۱۹۸۵) ایک شخص نے دو رکعت نماز سنت مؤکدہ یا فرض کی نیت کی جس وقت التحیات پڑھ چکا سہواً کھڑا ہو گیا یعنی تیسری رکعت کو، الحمد شریف پڑھنے کے بعد یاد آیا تو بیٹھ کر سلام پھیر دیا وہ نماز ہو گئی یا لوٹانی چاہیے؟ یا سجدۂ سہو کرنا چاہیے تھا؟ اور جو شخص کہتا ہے کہ نہ لوٹانی چاہیے اور نہ سجدۂ سہو کرنا چاہیے؛ یہ صحیح ہے یا نہ؟ (۱۳۴۰/۸۲۶ھ)

الجواب: اس صورت میں سجدۂ سہو کرنا چاہیے تھا کیونکہ اس میں تاخیر فرض اور ترک واجب ہوا ہے، اور اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز میں نقصان رہا، اعادہ اس نماز کا واجب ہے[1] اور جس شخص نے یہ مسئلہ بتلایا کہ ''سجدۂ سہو کی ضرورت نہ تھی اور بہ صورت نہ ہونے سجدۂ سہو کے اعادۂ نماز کی ضرورت نہیں ہے''، اس نے غلط مسئلہ بتلایا، اس کو معلوم نہیں ہے، پس اس کے قول کا اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۴/۴-۳۹۵)

قعدۂ اخیرہ میں التحیات دوبارہ پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا

سوال: (۱۹۸۶) اخیر قعدہ میں دو دفعہ التحیات پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۱۳۹۲ھ)

الجواب: اس صورت میں سجدۂ سہو لازم نہیں ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۷۷/۴)

---

(۱) ولو سها عن القعود الأخير كلِّهٖ أو بعضهٖ عاد إلخ ، و إن قعد في الرّابعة مثلاً قدرَ التّشهّد ثمّ قام عاد وسلّم إلخ و سجد للسّهو في الصّورتين لنقصان فرضهٖ بتأخير السّلام في الأولٰى وتركهٖ في الثّانية. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۸۰-۴۸۴، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو)ظفير

(۲) ولو كرّر التّشهّدَ في القعدةِ الأولٰى فعليه السّهو إلخ و لو كرّره في القعدة الثّانيّة فلا سهو عليه ، كذا في التّبيين . (الفتاوى الهنديّة: ۱/۱۲۷، كتاب الصّلاة ، الباب الثّاني عشرفي سجود السّهو)ظفير

قعدۂ اخیرہ میں دوبارہ درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں

سوال: (۱۹۸۷)...... (الف) اگر کوئی شخص پورا درود ابراہیم یا اس کا نصف اللّٰهمّ بارك سے حمید مجید تک مکرر قعدۂ آخری میں پڑھ لے؛ اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

(ب) اگر اللّٰهمّ بارك سے حمید مجید تک قعدۂ آخری میں سہواً نہ پڑھا جائے اور دعائے ماثورہ پڑھتے وقت اس کو یاد آئے، پس وہ باقی ماندہ دعا چھوڑ کر درود شریف کی طرف انتقال کرے یا نہیں؟ اور اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ (۲۵۰/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: (الف) نہیں [۱]

(ب) انتقال کرنا مناسب ہے اور سجدۂ سہو واجب نہیں [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۹۱-۳۹۲)

درود و دعا کے بعد سلام پھیرنے میں تاخیر کی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۸۸) قعدۂ اخیرہ میں بعد تشہد و درود کے کچھ دیر تک سکوت کیا اور سلام نہیں پھیرا تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ اور بہ صورت وجوب دوبارہ تشہد پڑھ کر سجدۂ سہو کرے یا کیا؟

(۲۱۰۴/ ۱۳۴۲ھ)

الجواب: اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہے [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۰۰)

---

(۱) ولو كرّر التّشهّد في القعدة الأخيرة فلا سهو عليه. (البحر الرّائق: ۲/ ۱۷۲-۱۷۳، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو)

(۲) ويسجد للسّهو .... بسبب فعل زائد لم يلحق بالصّلاة ، بخلاف ما لو أطال الدّعاء بعد التّشهّد ، لأنّه يلتحق بها ، فلا يعدّ تأخيرًا. (غنية المستملي، ص: ۴۰۰، فصل في سجود السّهو)

(۳) ثمّ الأصل في حكم التّفكّر أنّه إن منعه عن أداء ركن كقراءة آية أو ثلاث أو ركوع أو سجود أو عن أداء واجب كالقعود يلزمه السّهو لاستلزام ذٰلك ترك الواجب وهو الإتيان بالرّكن أو الواجب في محلّهٖ وإن لم يمنعه عن شيء من ذٰلك بأن كان يؤدّي الأركان ويتفكّر لا يلزمه السّهو. (غنية المستملي، ص: ۴۰۱، فصل في سجود السّهو)

تاخیرِ واجب سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے

سوال: (۱۹۸۹) تاخیر واجب میں سجدۂ سہو کے اندر اختلاف ہے شرعًا کیا حکم ہے؟
(۱۳۳۸/۸ھ)

الجواب: دراصل سجدۂ سہو ترک واجب سے ہی لازم ہوتا ہے، مگر چونکہ تاخیر واجب میں بھی ترک واجب لازم آتا ہے، اس لیے تاخیر واجب سے بھی سجدۂ سہو لازم آتا ہے[۱] فقط (۳۷۵/۴)

ارکان کی ادائیگی میں کتنی تاخیر اور توقف سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے؟

سوال: (۱۹۹۰) فاتحہ کے بعد اور دوسری رکعت میں تشہد کے بعد اور تیسری رکعت میں کھڑا ہونے کے وقت کتنے توقف سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے؟ (۱۳۳۹/۱۱۷۲ھ)

الجواب: بہ قدر ادائے رکن اگر توقف سہواً کیا جاوے گا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ درمختار میں ہے:
وتأخير قيام إلى الثّالثة بزيادة على التّشهّد بقدر ركن إلخ[۲] فقط (۳۸۰/۴)

فاتحہ کے بعد دیر تک خاموش رہے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۹۱) اگر امام یا منفرد الحمد پڑھ کر بہ قدر پڑھنے ایک آیت طویل یا سہ آیت قلیل کے دانستہ خاموش کھڑا رہ کر بعد میں ضم سورت کرے تو اس پر سجدۂ سہو لازم آئے گا یا نہیں؟

(۱۳۳۵/۱۷۷۹ھ)

الجواب: سجدۂ سہو اس پر لازم ہے: كما قال في الدّرّ المختار: وتفكّره عمدًا حتّى شَغَلَهُ عن ركنٍ[۳] وتحقيقه في الشّامي. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۶/۴-۳۸۷)

---

(۱) ولا يجب السّجودُ إلاّ بتركِ واجبٍ أو تأخيرِهِ أو تأخيرِ ركنٍ إلخ و في الحقيقةِ وجوبُهُ بشيءٍ واحدٍ وهو تركُ الواجب ، كذا في الكافي . (الفتاوى الهندية: ۱۲۶/۱، كتاب الصّلاة ، الباب الثّاني عشر في سجود السّهو) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۷۵/۲، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو.

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۷۴/۲، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو .

فاتحہ اور سورت کے درمیان کس قدر تاخیر سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؟

سوال: (۱۹۹۲) در بہشتی زیور مرقوم است: اگر تاخیر قدر سہ بار سبحان اللہ گفتن درمیان فاتحہ و سورت شد، سہو واجب می شود، و دیگر فقہاء دیر قدر تسبیح می فرمایند، پس کدامے قول معتبر است؟

(۳۵/۱۱۴۷-۱۳۳۶ھ)

الجواب: آنچہ در بہشتی زیور است [۱] ہماں است مختار محققین۔ قال في شرح المنية: والصّحيح أن قدر زيادة الحرف ونحوه غير معتبر في جنس ما يجب به سجود السّهو، وإنّما المعتبر قدر ما يؤدّي فيه ركن كما في الجهر فيما يخافت وعكسه، وكما في التّفكّر حال الشّكّ ونحوه إلخ [۲] (صفحہ ۴۲۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۳۸۸-۳۸۹)

ترجمہ سوال: (۱۹۹۲) بہشتی زیور میں لکھا ہوا ہے کہ اگر فاتحہ اور سورت کے درمیان تین بار سبحان اللہ کہنے کے بہ قدر تاخیر ہوجائے تو سجدۂ سہو واجب ہوجائے گا اور دوسرے فقہاء ایک تسبیح کے بہ قدر تاخیر کو فرماتے ہیں، پس کونسا قول معتبر ہے؟

الجواب: جو بہشتی زیور میں ہے، وہی محققین کا پسندیدہ قول ہے، جیسا کہ شرح منیہ میں مذکور ہے۔ قال في شرح المنية: والصّحيح أن قدر زيادة الحرف ونحوه غير معتبر إلخ.

پہلی رکعت میں ایک ہی سجدہ کرکے کھڑا ہوگیا تو کیا کرے؟

سوال: (۱۹۹۳) اوّل رکعت میں اگر کسی نے ایک سجدہ کیا اور کھڑا ہوگیا تو کیا کرے؛ لوٹ کر دوسرا سجدہ کرے یا دوسری رکعت میں تین سجدہ کرے؟ اور سجدۂ سہو بھی کرے یا نہیں؟

(۶۹۳/۱۳۳۸ھ)

الجواب: جس وقت یاد آوے کہ ایک سجدہ کیا ہے اسی وقت دوسرا سجدہ کرلیوے، اور آخر میں

---

(۱) الحمد پڑھ کر سوچنے لگی کہ کون سی سورت پڑھوں اور اس سوچ بچار میں اتنی دیر لگ گئی جتنی دیر میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکتی ہے؛ تو بھی سجدۂ سہو واجب ہے۔ (اختری بہشتی زیور: ۲/ ۳۷، مسئلہ (۹) سجدہ سہو کا بیان)

(۲) غنية المستملي: ص: ۴۸۸، فصل في صفة الصّلاة.

سجدۂ سہو کرے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۷۶/۴)

سوال: (۱۹۹۴) نماز میں پہلی رکعت کے دوسجدوں میں سے صرف ایک ہی سجدہ کیا اور کھڑا ہو گیا، بعدہ یاد آیا کہ ایک سجدہ نہیں کیا تو اس حالت میں کیا کیا جاوے؟ (۴۱۹/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: جس وقت یاد آوے اسی وقت دوسرا سجدہ کرے اور پھر آخر میں سجدۂ سہو کر لیوے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۶/۴-۴۰۷)

سوال: (۱۹۹۵) مصلی نے پہلی رکعت میں صرف ایک سجدہ کیا، دوسری رکعت میں یاد آگیا کہ میں نے ایک سجدہ کیا ہے؛ اب اس کو کیا کرنا چاہیے؟ (۵۰۶/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: وہ سجدہ اب کرے اور پھر رکعت (۳) پڑھ کر اخیر میں سجدۂ سہو کرے۔ (۴۱۵/۴-۴۱۶)

امام کو شک ہوا کہ ایک سجدہ کیا یا دو تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۹۶) امام کو شک ہوا کہ میں نے ایک سجدہ کیا یا دو، اس صورت میں سجدۂ سہو کرے

---

(۱) فلو ترك سجدةً من ركعةٍ فتذكّرها في آخر صلاةٍ سجدها وسجد للسّهو لِتركِ التّرتيبِ فيه وليس عليه إعادةُ ما قبلها. (البحر الرّائق: ۱۶۷/۲، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو)

وإن كان إمامًا و صلّى ركعةً و ترك منها سجدةً ، فصلّى ركعةً أخرىٰ وسجد لها ، فتذكّر المتروكة في السّجود ، فإنّهٗ يرفع رأسه من السّجود ، ويسجد المتروكة ، ثمّ يعود ما كان فيها لأنّها ارتفعت فيعيدها استحسانًا. (التّاتارخانية : ۷۴۴/۱، كتاب الصّلاة ، الفصل السّابع عشر في سجود السّهو، نوع آخر في المتفرقات ، المطبوعة: إدارة القرآن) محمد امین

(۲) لو ترك سجدةً من ركعةٍ ثمّ تذكّرها فيما بعدها من قيامٍ أو ركوعٍ أو سجودٍ فإنّه يقتضيها ولا يقضي ما فعله قبل قضائها ممّا هو بعد ركعتها من قيامٍ أو ركوعٍ أو سجودٍ بل يلزمه سجودُ السّهو فحسب. (غنية المستملي: ۲۵۹،قبيل فصل في صفة الصلاة) جمیل الرحمٰن

(۳) ''اور پھر رکعت پڑھ کر'' یعنی باقی نماز پڑھ کر آخر میں سجدۂ سہو کرے۔ قال في شرح المنية: حتّٰى لو ترك سجدةً من ركعةٍ ثمّ تذكّرها فيما بعدها من قيامٍ أو ركوعٍ أو سجودٍ فإنّهٗ يقضيها ولا يقضي ما فَعَلَهٗ قبل قضائِها ممّا هو بعدَ ركعتها من قيامٍ أو ركوعٍ أو سجودٍ بل يلزمُهٗ سجود السّهو فقط (الشّامي: ۱۳۶/۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب: كلّ شَفع من النّفل صلاة) محمد امین

یا نماز لوٹاوے؟ (۱۰۶۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر ظن غالب کسی جانب نہیں تو ایک سجدہ اور کرکے سجدۂ سہو کرے۔ وجب علیه سجود السّهو في جميع صورِ الشّكّ سواءٌ عمل بالتّحرّي أو بنٰى على الأقلّ .... لكن في السّراج أنّهٗ يسجد للسّهو في أخذ الأقلّ مطلقًا، وفي غلبة الظّنّ إن تفكّر قدرَ ركنٍ إلخ (۱) (الدّرّ المختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۱۸)

امام نے تیسرا سجدہ کرکے قعدہ کیا پھر سجدۂ سہو کیا اور مقتدیوں نے قعدہ نہیں کیا اور سجدۂ سہو کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱۹۹۷)...... (الف) کل نماز جمعہ میں ایک نئی صورت پیش آئی، یعنی دوسری رکعت میں امام نے دوسرا سجدہ کرنے کے بعد تیسرا سجدہ کرنے کا قصد کیا تو مقتدیوں نے سبحان اللہ کہا، مگر امام سجدہ میں پہنچ گیا، جملہ مقتدیوں نے اقتداء کی، اکثر مقتدیوں کا بیان ہے کہ امام بلا تکبیر اٹھ گیا، اور تشہد ختم کرکے سجدۂ سہو کے لیے سلام پھیرا، اس وقت تک بہ جز دو تین مقتدیوں کے بقیہ مقتدی سجدہ ہی میں تھے، السلام کا لفظ سن کر فوراً سجدہ سے اٹھے اور امام کے ساتھ سلام میں شریک ہوئے اور سجدۂ سہو کرکے نماز ختم کی، بہ جز دو تین مقتدیوں کے تمام نے بلا قعود اور تشہد سلامِ سہو میں امام کی متابعت کی، اس کے بعد جھگڑا ہوا، اکثر کی رائے یہ ہوئی کے سب کی نماز ہوگئی اس لیے نماز نہیں لوٹائی گئی۔

(ب) جو مقتدی تیسرے سجدہ میں اتباع نہ کرے اس کا کیا حکم ہے؟

(ج) مقتدی بہ جز وامام کے ساتھ سلامِ سہو میں اتباع کرنے کے اور کیا کر سکتے تھے۔

(۱۳۴۱/۱۳۳۹ھ)

الجواب: (الف) اس صورت میں نماز سب کی ہوگئی کیونکہ جو مقتدی سلامِ سجودِ سہو میں شریک امام ہوکر سجدہ میں امام کے ساتھ گئے اور سجدۂ سہو کے بعد امام کے ساتھ قعدہ کیا اور تشہد وغیرہ حسب قاعدہ پڑھا تو ان کو یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ نہ قعود کیا اور نہ تشہد پڑھا (۲)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۹۱، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو.

(۲) نعم تكونُ المتابعةُ فرضًا ؛ بمعنى أن يأتي بالفرض مع إمامِهٖ أو بعدَهٗ، ==

(ب) اس کی نماز صحیح ہے[1]۔

(ج) مقتدی مدرک کا یہی حکم ہے، اور مسبوق سلام سہو میں امام کے شریک نہ ہو سجدہ میں شریک ہو[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۸۰-۳۸۱)

ایک سجدہ رہ جانے کا شبہ ہو تو نماز توڑنا کیسا ہے؟

سوال: (۱۹۹۸) زید کو پہلی رکعت نماز فرض کے بعد شبہ ہوا کہ ایک ہی سجدہ ادا کیا گیا ہے، اس لیے اس نے کھڑے کھڑے سلام پھیر کر نماز از سرِ نو شروع کی یہ فعل اس کا جائز ہے کہ نہیں؟ گناہ کسی قسم کا تو نہیں ہوا؟ (۱۰۶۰/۱۳۳۸ھ)

الجواب: کچھ گناہ نہیں ہوا[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۷۶-۳۷۷)

سنت، نفل، جمعہ اور عیدین میں سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟

سوال: (۱۹۹۹) نفل اور سنت اور عیدین وغیرہ کی نماز میں سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟ (۲۳۸۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: والسّهو في صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتّطوّع

== كما لو ركع إمامُهُ فركع معَهُ مُقارِنًا أو مُعاقِبًا و شاركَهُ فيه إلخ. (ردّ المحتار: ۲/۱۴۷، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام) ظفیر

(۱) وأنّهُ ليس لهُ أن يُتابعَهُ في البدعة و المنسوخ و ما لا تعلّقَ لَهُ بالصّلاة فَلا يُتابعُهُ لو زاد سجدةً إلخ. (ردّ المحتار: ۲/۱۴۶، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام) ظفیر

(۲) ولو سلّم ساهيًا إن بعدَ إمامِهِ لزمهُ السّهو و إلّا لا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۰۱ كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، قبيل باب الاستخلاف) ظفیر

(۳) وإذا شكَّ في صلاتِهِ من لم يكن ذلك أي الشّكُّ عادةً لهُ إلخ كم صلّى استأنفَ بعملٍ منافٍ وبالسّلام قاعدًا أولىٰ لأنّهُ المحلِّلُ و إن كَثُرَ شكُّه عَمِلَ بغالبِ ظنِّهِ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۸۹-۴۹۰، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) ظفیر

سواءٌ ، والمختار عند المتأخّرين عدمُهٗ في الأوْليين إلخ [۱] اس کا حاصل یہ ہے کہ صلاۃ عیدو جمعہ وفرض ونفل میں (سب میں) [۲] ترکِ واجب سے سجدۂ سہو لازم ہے؛ لیکن متأخرین نے کہا ہے کہ عید وجمعہ میں اگر مجمع زیادہ ہو تو سجدۂ سہو نہ کرے واسطے دفع فتنہ کے [۳] فقط (۴/۴۰۹)

سوال: (۲۰۰۰) جمعہ وعیدین میں سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟ (۱۰۴۹/۱۳۳۴ھ)

الجواب: مختار متأخرین یہ ہے کہ جمعہ وعیدین میں جب کہ مجمع زیادہ ہو سجدۂ سہو نہ کرے۔ کذا في الدّرّ المختار والشّامي [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۱۱)

عیدین کی تکبیر زوائد میں کمی کی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

سوال: (۲۰۰۱) زید نے عید کی نماز پڑھائی تو رکعتِ اولیٰ میں بجائے چار تکبیروں کے تین تکبیریں ادا کی آیا وہ نماز ہوئی کہ نہیں؟ (۵۵/۱۳۳۵ھ)

الجواب: تکبیرات عیدین واجب ہیں، علاوہ تکبیر افتتاح ورکوع کے تین تین واجب ہیں، اگر ان میں سے کوئی تکبیر چھوڑے گا ترک واجب ہوگا، اور ترک واجب سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے، مگر چونکہ نماز عیدین میں سجدۂ سہو نہیں ہے، لہٰذا نماز ہوگئی [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۸۴)

عید میں دو دفعہ رکوع کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۰۰۲) ایک رکعت میں اگر دو رکوع کیے جائیں اور سجدۂ سہو بھی نہ ہو تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ مثلاً نماز عیدالضحیٰ میں امام صاحب نے بارہ (۱۲) تکبیروں کے ساتھ نیت باندھنا

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۸۹، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو.

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) والسّهو في صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتّطوّع سواءٌ ، والمختار عند المتأخّرين عدمُهٗ في الأولَيين لدفع الفتنة ، كما في جمعة البحر ، وأقرّه المصنّف وبهٖ جزم في الدّرر (الدّرّ المختار) وفي جمعة حاشية أبي السّعود عن العزميّة أنّهٗ ليس المرادُ عدمَ جوازهٖ بل الأولٰى تركهٗ لئلّا يقع النّاس في فتنة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۸۹، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) ظفیر

فرمایا ہے، اور دوسری رکعت میں دو رکوع کے درمیان بقیہ تین تکبریں ادا کیں اور سجدۂ سہو نہ کیا، جب امام سے کہا گیا کہ نماز نہیں ہوئی اگرچہ غلطی تسلیم کرلی، مگر نماز نہ لوٹائی، کیا وہ امام قابل امامت ہے یا نہیں؟ (۲۴۳/۱۳۳۹ھ)

الجواب: نماز عیدین میں امام صاحبؒ کے مذہب کے موافق ہر ایک رکعت میں تین تین تکبیریں زوائد ہیں [۱] بارہ (۱۲) تکبیرات نہیں ہیں، اور ترکِ واجب سے وتاخیرِ واجب سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، اور دو دفعہ رکوع کرنے سے بھی سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے، اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز واجب الاعادہ ہے، لیکن نماز عیدین میں بہ وجہ اژدہام کثیر کے ترکِ سجدۂ سہو سے نماز صحیح ہے [۲] فقط (۳۷۸/۴-۳۷۹)

جمعہ وعیدین میں نمازیوں کی تعداد کم ہونے کی صورت میں بھی سجدۂ سہو واجب نہیں

سوال: (۲۰۰۳) جمعہ وعیدین کی نماز میں اگر مصلیوں کی تعداد کم ہو تو سہو کی صورت میں سجدۂ سہو کریں یا نہیں؟ (۲۹۵/۱۳۴۵ھ)

الجواب: جمعہ وعیدین کی نماز میں اگر سہو ہو تو سجدۂ سہو ساقط ہے۔ کذا في الشّامي [۲]

(اضافہ از رجسٹر نقول فتاوی)

---

(۱) ویصلّي الإمامُ بهم رکعتین مُثْنِیًا قبل الزّوائد ، وهي ثلاثُ تکبیراتٍ في کلّ رکعةٍ (الدّرّ المختار) هٰذا مذهب ابن مسعود و کثیرٌ من الصّحابة و روایةٌ عن ابن عبّاس وبهٖ أخذ أئمّتنا الثّلاثة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵۰/۳، کتاب الصّلاة ، باب العیدین ، قبیل مطلب: تجب طاعةُ الإمام فیما لیس بمعصیةٍ)ظفیر

(۲) والسّهو في صلاة العید والجمعة والمکتوبة والتّطوّع سواءٌ ، والمختار عند المتأخّرین عدمُهٗ في الأولیین لدفع الفتنة کما في جمعة البحر ، وأقرّه المصنّف وبهٖ جزم في الدّرر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۸۹/۲، کتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو)ظفیر

عیدین کی نماز میں چھ کے بجائے نوتکبیریں کہیں تو سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں

سوال: (۲۰۰۴) عیدین کی نماز میں بجائے شش تکبیرات کے غلطی سے نوتکبیریں کہہ جاوے تو سجدۂ سہو لازم آوے گا یا نہیں؟ (۶۶۵/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۰۷)

امام نے عید کی دوسری رکعت میں تکبیر زوائد رکوع کے بعد کہیں پھر دوبارہ رکوع کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۰۵) نماز عید الاضحیٰ کی دوسری رکعت میں امام نے سہواً بلا تکبیر پکارے ہوئے رکوع کیا، کچھ لوگوں نے {تسبیح} (۲) رکوع بھی ضرور ادا کی اور امام صاحب نے تسبیح رکوع ادا نہیں کی، واللہ اعلم بالصواب، جماعت کثیر تھی یعنی مسجد کی چھت پر بھی مقتدی لوگ تھے، پھر امام نے قیام کرکے تکبیرات پکارا، اور دوبارہ رکوع و قیام کیا، اور سجود ادا کرکے بدون ادائے سجدۂ سہو سلام پھیر دیا، بہ صورت مذکورہ بالا نماز بلا کدامے نقص ادا ہوئی یا نہیں؟ (۲۲۳۱/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: امام اگر بلا تکبیرات زوائد کہے دوسری رکعت کے رکوع میں چلا گیا تو اس کو نہ چاہیے تھا کہ پھر رکوع سے قیام کی طرف لوٹ کر تکبیرات کہتا، بلکہ درمختار میں اس کو مفسد صلاۃ کہا ہے، اگرچہ شامی نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوئی۔ کذا نقله عن ابن الهمام في العود إلى القعود الأوّل بعد القيام (۳) قال في الدّرّ المختار: ولا يعودُ إلى القيام ليكبّر في ظاهرِ

---

(۱) ويصلّي الإمامُ بهم ركعتين مُثْنِيًا قبل الزّوائد، وهي ثلاثُ تكبيراتٍ في كلّ ركعةٍ، ولو زاد تابعَهُ إلٰى ستّةَ عشرَ لأنّهُ ماثورٌ اهـ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۵۰-۵۱، كتاب الصّلاة، باب العيدين، قبيل مطلب: تجب طاعةُ الإمام فيما ليس بمعصيةٍ) ظفیر

(۲) مطبوعہ فتاوی میں {تسبیح} کی جگہ ''تکبیر'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۳) وإن استقام قائمًا لا يعودُ لاشتغالهِ بفرض القيام و سجد للسّهو لترك الواجب ==

الرّواية ، فلو عاد ينبغي الفسادُ. وفي الشّامي: وقد علمتُ أنّ العودَ روايةُ النّوادر علٰى أنّهٗ يقال عليه ما قاله ابنُ الهمام في ترجيح القولِ بعدمِ الفسادِ فيما لو عاد إلى القعودِ الأوّلِ بعد ما استتمَّ قائمًا إلخ [۱] اورصلاۃ عیدوجمعہ میں بہ وجہ اژدہام کثیر کے متأخرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگرکوئی سہو ہوتو سجدۂ سہو نہ کرے۔ لئلاّ يقع النّاس في فتنةٍ [۲] فقط (۴/۳۹۰-۳۹۱)

ترکِ واجب کاظن غالب ہوتو سجدۂ سہو لازم ہے

سوال: (۲۰۰۶) کیا یہ ضروری ہے کہ چار رکعت نماز میں کسی بھی رکعت میں ترک واجب کے شبہ میں کل رکعت کے اختتام پر سجدۂ سہو کیا جائے یا نماز توڑ کر جب شبہ ہو دوبارہ نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ (۱۰۶۰/۱۳۳۸ھ)

الجواب: شک اورشبہ کا تو اعتبار نہیں ہے، لأنّ اليقينَ لا يزول بالشّكّ [۳] لیکن اگر بہ ظن غالب وگمان راجح چاروں رکعت میں سے کسی رکعت میں بھی ترک واجب معلوم ہوتو آخر نماز میں سجدۂ سہو کرنا لازم ہے [۴] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۷۶-۳۷۷)

== فلو عاد إلى القعود بعد ذلك تفسد صلاتُهٗ لرفْضِ الفرضِ لِما ليس بفرضٍ ، و صحّحه الزّيلعيّ ، وقيل: لا تفسد ، لكنّهٗ يكون مُسيئًا و يسجد لتأخير الواجب و هو الأشبه كما حقّقه الكمال وهو الحقّ ، بحر . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۷۹-۴۸۰، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) ظفیر

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۵۳، كتاب الصّلاة ، باب العيدين ، مطلب: أمر الخليفة لا يبقٰى بعد موتهٖ .

(۲) أنّهٗ ليس المرادُ عدمَ جوازهٖ بل الأولٰى تركهٗ لئلاّ يقع النّاس في فتنةٍ. (ردّ المحتار: ۲/۴۸۹، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو)

(۳) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۱/۲۵۱، كتاب الطّهارة ، مطلب في ندبِ المراعاتِ إلخ

(۴) ويجب إلخ بترك ...... واجبٍ ممّا مرّ في صفة الصّلاة سهوًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۷۲-۴۷۴، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) ظفیر

محض شک کی وجہ سے سجدۂ سہو نہ کرنا چاہیے

سوال: (۲۰۰۷) سجدۂ سہو بلا سببِ وجوب اگر کوئی شخص محض شک کی بناء پر کرے تو وہ نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ (۱۷۵۳/۱۳۴۲ھ)

الجواب: بلا وجوبِ سجدۂ سہو محض شک اور شبہ کی وجہ سے سجدۂ سہو نہ کرنا چاہیے، اور اگر اتفاق سے غلطی سے ایسا کرلیا تو نماز ہوجائے گی، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، اور آئندہ ایسے شبہ اور شک میں سجدہ سہو نہ کرنا چاہیے (۱) البتہ اگر ظن غالب ترک واجب کا ہو تو سجدۂ سہو بعد یک سلام حسبِ معمول کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۵۲-۵۳)

کون سے سہو سے سجدہ واجب ہوتا ہے یہ معلوم نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۰۸) بعض مرتبہ نماز میں سہو ہونے پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں سجدۂ سہو کرنا چاہیے یا نہیں؟ (۷۹/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اور جب کہ علم نہ ہو کہ اس سہو سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے یا نہیں تو سجدۂ سہو کرلینا احوط ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۷۸)

بلاضرورت سجدۂ سہو کرلیا تو نماز دہرانا چاہیے یا نہیں؟

سوال: (۲۰۰۹) بلاضرورت سجدۂ سہو کرنے سے نماز دہراوے یا نہ؟ (۱۰۶۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) ولو ظنّ الإمام السّهو فسجد له فتابعه ، فبان أن لا سهو فالأشبه الفساد (الدّرّ المختار) وفي الفيض وقيل: لا تفسد ، وبه يفتٰى (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۰۲/۲، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، مطلب فيما لو أتٰى بالرّكوع أو السّجود أو بهما مع الإمام إلخ ، قبيل باب الاستخلاف) ظفیرؒ

(۲) اس لیے کہ تذبذب جاتا رہے گا، اور ایسے موقع پر قاعدہ بھی یہی ہے۔ الأصل أنّ الاحتياط في حقوق الله تعالىٰ جائز. (أصول الكرخي مع أصول البزدوي، ص:۳۷۰، المطبوعة: مير محمد كتب خانه ، كراچي) ظفير

الجواب: دہرانا چاہیے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۱۸)

وضاحت: ’’عزیز الفتاویٰ‘‘ سوال: (۴۰۴) (اور ’’رجسٹر نقول فتاویٰ‘‘ ۳۳-۱۳۳۴ھ، سلسلہ: ۸۴۷، جزئیہ نمبر: ۱۱) میں ہے: جب کہ سجدۂ سہو واجب نہ ہو اور سجدۂ سہو کسی وہم پر کرے تو نماز کیسی ہوتی ہے؟ اکثر لوگ ذرا سے وہم پر مثلاً ترکِ سنت ہی پر سجدۂ سہو کر لیتے ہیں۔

الجواب: نماز ہو جاتی ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند قدیم: ۱/۲۷۰، فصل فی سجود السہو)

اور ’’امداد المفتیین‘‘ میں ہے: سوال: (۲۵۳) امام پر سجدۂ سہو واجب نہ تھا، مگر اس نے کرلیا نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز درست مگر خلافِ اولیٰ ہوئی۔ کذا یستفاد من الشّامي و الدّرر (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند قدیم: ۲/۳۱۷، فصل فی سجود السہو)

ان فتاویٰ سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت سجدۂ سہو نہیں کرنا چاہیے، لیکن اگر کسی نے بلا ضرورت سجدۂ سہو کرلیا تو نماز دہرانا ضروری نہیں۔ (ضمیمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۴/۱۴-۱۵) محمد امین

مسبوق نے امام کے ساتھ سلام پھیر کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۱۰) مسبوق سہواً بہ معیت امام سلام پھیر کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ (۱۹۳۴/۱۳۳۸ھ)

الجواب: شامی باب سجود السہو میں ہے: قوله: (والمسبوقُ یسجد مع إمامهٖ) قیّد بالسّجودِ لأنّهٗ لا یُتابعُهٗ في السّلام بل یسجد معهٗ و یتشهّد ، فإذا سلّم الإمامُ قام إلی القضاء ، فإن سلّم فإن کان عامدًا فسدت وإلّا لا ، ولا سجودَ علیه إن سلّمَ سهوًا قبل الإمام أو معهٗ ، و إن سلّم بعدَهٗ لَزِمَهٗ ، لکونهٖ منفردًا حینئذٍ ، بحر. وأراد بالمعیّة: المُقارنةَ و هو نادرُ الوقوع کما في شرح المنیة[1] اس عبارت سے معلوم ہوا کہ معیت حقیقیہ نادر الوقوع ہے، لہٰذا سلامِ مسبوق امام کے کچھ بعد ہی ہوگا، پس اگر یہ سہواً ہے تو سجدۂ سہو مسبوق پر آخر نماز

(۱) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۲/۴۷۷، کتاب الصلاة ، باب سجود السّهو.

میں لازم ہے اور نماز ہوجاوے گی (اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کا بھی یہی حکم ہے (۱)) فقط (۴/۳۷۸)

مسبوق نے امام کے ساتھ سلام پھیرا تو سجدۂ سہو کے واجب ہونے کی علت کیا ہے؟

سوال: (۲۰۱۱) سلام مسبوق کی کون سی صورت میں اس پر سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے، مقارنت کی صورت میں یا بعدیت کی صورت میں؛ بہرحال علت سجدۂ سہو کی کیا ہے؟ (۱۱۳۰/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: مقارنت حقیقیہ نادر الوقوع ہے، یعنی یہ کہ مسبوق کا سلام بالکل امام کے سلام کے ساتھ شروع ہو اور ساتھ ہی ختم ہو اس کا نادر الوقوع ہونا ظاہر ہے، اور علت سجدۂ سہو کی {انفراد}(۲) ہے، اور جب کہ امام کے ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد مسبوق نے سہواً سلام پھیرا تو سجدۂ سہو اس پر لازم ہے، کیوں کہ بعدیت یہاں متحقق ہے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۰۳)

---

(۱) إذا سلّم ساهيًا على الرّكعتين مثلًا وهو في مكانهٖ و لم يصرف وجههٗ عن القبلة ، ولم يأت بمنافٍ عاد إلى الصّلاة من غير تحريمةٍ ، وبنٰى علٰى ما مضٰى ، وأتمّ ما عليه ...... وأمّا إذا انصرف وجههٗ عن القبلة ، فإن كان في المسجد و لم يأت بمنافٍ فكذلك لأنّ المسجدَ كلّه في حكم مكانٍ واحدٍ ؛ لأنّهٗ مكان الصّلاة ، وإن كان قد خرج من المسجد ثمّ تذكّر لا يعود، وفسدت صلاتهٗ. (حاشية الطّحطاوي على مراقي الفلاح، ص:۴۷۳، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو، قبل فصل في الشّكّ) محمد امین پالن پوری

(۲) مطبوعہ فتاوی میں {انفراد} کی جگہ ''انفرادی'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) والمسبوق يسجد مع إمامهٖ مطلقًا سواء كان السّهو قبل الاقتداء أو بعده إلخ (الدّرّ المختار) قيّد بالسّجودِ لأنّهٗ لا يُتابعُهٗ في السّلام بل يسجد معَهٗ و يتشهّد ، فإذا سلّم الإمامُ قام إلى القضاء، فإن سلّم فإن كان عامدًا فسدت وإلّا لا ، ولا سجودَ عليه إن سلّمَ سهوًا قبل الإمام أو معَهٗ، و إن سلّم بعدَهٗ لَزِمَهٗ لكونهٖ منفردًا حينئذٍ ، بحر. وأراد بالمعيّة: المُقارنةَ وهو نادرُ الوقوع كما في شرح المنية. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲/۴۷۷، كتاب الصلاة ، باب سجود السّهو) ظفير

مسبوق کا امام کے ساتھ سلام پھیرنے کے کیا معنی ہیں؟

سوال: (۲۰۱۲) مسبوق اگر سہواً امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو تین صورتیں لکھیں ہیں: اگر قبل امام یا مع الامام سلام پھیرا ہو تو نماز بلا سجدۂ سہو درست ہے، اور بعد امام پھیرا تو بلا سجدۂ سہو اعادہ لازم ہوگا، مع امام کے کیا معنی ہیں؟ (۱۳۴۲/۱۴۹۶ھ)

الجواب: امام سے اگر کچھ بھی بعد ہو تو سجدۂ سہو مسبوق پر لازم ہو جاتا ہے، اسی لیے شامی میں فرمایا کہ معیتِ حقیقیہ دشوار ہے اور شاذ و نادر ہے، اس لیے عموماً وجوبِ سجدۂ سہو کا حکم کیا جاتا ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۹/۴)

مسبوق نے دونوں طرف سلام پھیر دیا پھر یاد دلانے پر کھڑا ہوا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۱۳) ایک شخص دوسری رکعت میں شامل ہوا، اور امام کے ہمراہ تینوں رکعت پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیر دیا، مقتدیوں میں سے ایک نے کہا کہ تیری رکعت باقی ہے، یہ کہنے سے اسے یاد آ گیا، اور اس نے کھڑے ہو کر باقی ماندہ ایک رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دیا، اس صورت میں نماز ہوگئی یا نہ؟ مولوی عبدالحی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں: اس صورت میں اس کی نماز نہیں ہوگی، کیوں کہ یاد دلانے والا خارجِ صلاۃ ہے؟ (۱۳۳۵/۱۷۵۱ھ)

---

(۱) ولو سلّم ساهيًا إن بعد إمامهٖ لزمه السّهو و إلّا لا (الدّرّ المختار) قوله: (لزمه السّهو) لأنّهٗ منفردٌ في هذه الحالة ؛ ح ، قوله: (و إلّا لا) أي و إن سلّم معهٗ أو قبلهٗ لا يلزمهٗ لأنّهٗ مقتدٍ في هاتين الحالتين ؛ح ، وفي شرح المنية عن المحيط إن سلّم في الأولٰى مُقارنًا لسلامِهٖ فلا سهو عليه لأنّه مقتدٍ بهٖ وبعدهٗ يلزمُ لأنّهٗ منفردٌ أهـ .ثمّ قال: فعلٰى هٰذا يُراد بالمعيّة حقيقتها وهو نادر الوقوع أهـ . قلتُ : يشير إلٰى أنّ الغالبَ لزومُ السّجود لأنّ الأغلبَ عدمُ المعيّة وهٰذا ممّا يغفُل عنه كثيرٌ من النّاس. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۰۱/۲-۳۰۲، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، قبيل باب الاستخلاف) ظفیر

الجواب: کتب فقہ میں یہ لکھا ہے کہ اگر ایسی صورت میں اس کے کہنے سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا تو نماز فاسد ہوگئی، اور اگر کچھ توقف کر کے خود یاد کر کے اٹھا تو نماز صحیح ہے، اگر سجدۂ سہو کر لیوے گا تو نماز بلا کراہت ہو جاوے گی، مولانا عبدالحی مرحوم کا فتویٰ غالباً پہلی صورت کے متعلق ہوگا (۱) فقط (۳۸۶/۴)

مسبوق سے باقی ماندہ رکعت میں سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو لازم ہے

سوال: (۲۰۱۴) اگر مسبوق امام کے ساتھ ظہر کی چوتھی رکعت میں یا قعدۂ آخری میں ملے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اٹھ کر اپنی نماز ادا کرتے ہوئے اس سے کوئی واجب ترک ہو جائے، پس وہ مسبوق سجدۂ سہو کرے یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۲۵۰ھ)

الجواب: کرنا چاہیے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۱/۴)

سوال: (۲۰۱۵) مسبوق کو بعد ختم جماعت رکعت باقی ماندہ میں سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو کرے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۱۶۱۹ھ)

الجواب: سجدۂ سہو کرنا چاہیے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۵/۴)

---

(۱) وفي القُنية قيل : لمصلٍّ منفردٍ تقدّمْ فتقدّم بأمرِهِ إلخ فسدت صلاتُهُ وينبغي أن يمكث ساعةً ، ثمّ يتقدّمَ برأي نفسِهِ (ردّ المحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، مطلب في الكلام على الصّفّ الأوّل)

حتّٰى لو امتثل أمرَ غيرِهِ فقيل له تقدّمْ فتقدّمَ إلخ فسدت بل يمكث ساعةً ، ثمّ يتقدّمُ برأيهِ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۲۸۱-۳۲۹، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب: المواضع الّتي لا يجب فيها ردُّ السّلام)ظفير

(۲) ويبدأُ بقضاءِ ما فاتَهُ عكس المسبوق (الدّرّ المختار) قوله: (عكس المسبوق) أي في الفروع الأربعة المذكورة فإنّه إذا قضٰى ما فاته يقرأ و يسجد للسّهو إذا سها فيه. (ردّ المحتار: ۲/۲۸۹، باب الإمامة ، مطلب فيما لو أتٰى بالرّكوع أو السّجود أو بهما إلخ)ظفير

(۳) والمسبوق مَن سبقهُ الإمام بها أو ببعضها وهو منفردٌ حتّٰى يثني و يتعوّذ إلخ فيما يقضيه (الدّرّ المختار) قوله: (حتّٰى يثني إلخ) تفريعٌ علٰى قولهٖ منفرد فيما يقضيه بعد فراغ إمامهٖ ...... حتّٰى لو ترك القراءةَ فسدت إلخ ويلزمه السّجود إذا سها فيما يقضيه. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۸۹-۲۹۹، باب الإمامة ، مطلب فيما لو أتٰى بالرّكوع أو السّجود إلخ)ظفير

مسبوق نے قعدۂ اولیٰ چھوڑ دیا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا

سوال: (۲۰۱۶) مسبوق کو امام کے ساتھ ایک رکعت ملی مغرب کے وقت، مسبوق نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد دو رکعت پڑھ کر قعدۂ اخیرہ کیا یعنی قعدۂ اولیٰ نہ کیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ بدون سجدۂ سہو کے نماز ہوگی یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۱۱۷۶ھ)

الجواب: اس صورت میں اس مسبوق پر سجدۂ سہو واجب ہے، اور درصورت نہ کرنے سجدۂ سہو کے اعادہ نماز کا ضروری ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۷/۴)

امام نے مغرب میں صرف سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھی تو سجدۂ سہو لازم ہے

سوال: (۲۰۱۷) امام نے مغرب کی نماز کی نیت باندھ کر سبحانک اور سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھی، ایک مقتدی نے یاد دہانی کی غرض سے الحمد بہ آواز بلند کہا، تب امام نے سورۂ فاتحہ کی بعد کی سورت کو جہر سے پڑھا اور سجدۂ سہو کیا، سجدۂ سہو سے نماز درست ہوئی یا نہیں؟ اور اس حالت میں سجدۂ سہو ضروری تھا یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۱۴۶۴ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز صحیح ہوگئی اور سجدۂ سہو اس صورت میں واجب تھا، سجدۂ سہو کر لینے سے نماز بلا کراہت صحیح ہوگئی (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۲/۴)

---

(۱) والمسبوقُ يسجدُ مع إمامِهِ مطلقًا سواءٌ كان السّهوُ قبل الاقتداء أو بعدَهُ ثمّ يقضي ما فاتهُ و لو سها فيه سجد ثانيًا (الدّرّ المختار) قوله: (ولو سها فيه) أي فيما يقضيه بعد فراغ الإمام يسجد ثانيًا لأنّه منفردٌ فيه ، والمنفرد يسجد لسهوهِ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۷۷/۲، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) ظفير

(۲) والجهرُ فيما يُخافت فيه للإمام وعكسُهُ لكلّ مصلٍّ في الأصحّ والأصحّ تقديرُهُ بقدر ما تجوز بهِ الصّلاة في الفصلين ، وقيل قائلهُ قاضي خان يجب السّهوُ بهما أي بالجهر والمخافتة مطلقًا أي قلّ أو كثُرَ (الدّرّ المختار) وقال في شرح المنية: والصّحيحُ ظاهرُ الرّواية وهو التّقديرُ بما تجوز بهِ الصّلاةُ من غيرِ تفرقةٍ لأنّ القليلَ من الجهر في موضعِ المخافتة عفوٌ أيضًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۷۵/۲ -۴۷۶، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) ظفير

امام جمعہ میں آہستہ قراءت کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۱۸) جمعہ وغیرہ جن نمازوں میں قراءت بالجہر کا حکم ہے، ان میں اگر بھول کر آہستہ پڑھے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ (۱۰۶۵/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: جس میں جہر واجب نہیں ہے اس میں ترکِ جہر سے سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا، اور جس میں جہر واجب ہے جیسے جمعہ اس میں ترکِ جہر سے سجدۂ سہو لازم ہوگا(۱) مگر جمعہ کے اندر سجدۂ سہو کا حکم نہیں ہے(۲) وباقي التّفصيل يطلب من كتب الفقه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۳/۴)

جہری نماز میں پہلے سرًّا پھر جہراً قراءت کی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۱۹) امام نے صلاۃ جہری میں قراءت سراً پڑھی، بعد میں اس کو یاد آیا کہ صلاۃ جہری ہے وہ تھوڑی سی قراءت پڑھ چکا تھا مگر اس نے پھر شروع ہی سے پڑھی تو اس کی نماز ہوگئی یا نہیں؟ اور سجدۂ سہو کرے یا نہیں؟ اور اگر سجدۂ سہو بھی نہیں کیا تو نماز ہوگئی یا نہیں؟ (۸۷۶/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: اس کی نماز ہوگئی اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں، اور بہ قدر تین آیت کے اگر سراً پڑھی تھی تو سجدۂ سہو لازم ہے ورنہ نہیں (۳) اور باوجود وجوب سجدۂ سہو کے اگر سجدۂ سہو نہ کیا نماز میں

---

(۱) ولو جهر الإمام فيما يخافت أو خافت فيما يجهر تلزمه سجدتا السّهو لأنّ الجهر في موضعه و المخافتة في موضعها من الواجبات إلخ. (الهداية: ۱/ ۱۵۸، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) ظفیر

(۲) والسّهو في صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتّطوّع سواءٌ ، والمختار عند المتأخّرين عدمُهُ في الأوليين لدفع الفتنة كما في جمعة البحر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۴۸۹، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) ظفیر

(۳) يجب له بعد سلامٍ واحدٍ عن يمينه ...... سجدتان ـــــ إلى قوله ـــــ بترك واجب سهوًا وإن تكرّر كركوع قبل قراءة ـــــ إلى أن قال ـــــ والجهر فيما يخافت فيه وعكسه بقدر ما تجوز به الصّلاة إلخ . (تنوير الأبصار مع ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۲/ ۴۷۱-۴۷۶، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) ظفیر

نقصان آیا، اعادہ واجب ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ: عزیز الرحمٰن (۴/ ۴۰۸)

ظہر اور عشاء کی آخری دو رکعتوں میں جہر کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا

سوال: (۲۰۲۰) ...... (الف) اگر کوئی امام عشاء کی اخیر رکعتوں میں جہر کرے تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ السّرّ فیما یسرّ والجہر فیما یجہر واجب کا قاعدہ تو سجدۂ سہو کو چاہتا ہے، اور چونکہ فی نفسہٖ قراءت ان میں واجب نہیں؛ لہٰذا واجب نہ ہونا چاہیے، کیونکہ واجب ماننے سے زیادتیٔ صفت علی الذات لازم آتی ہے۔

(ب) اور ظہر کی اخیر رکعتوں میں جہر کرنے سے سہو لازم ہوگا یا نہ؟ (۱۶۰۶/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: (الف) اس صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوگا، کیونکہ عشاء کی اُخریین میں اگر قراءت پڑھے تو سِر لازم ہے جیسا کہ شامی میں ویسرّ في غیرھا کی تفسیر میں لکھا ہے: قوله: (ویسرّ في غیرہ) وھو الثّالثة من المغرب و الأخریان من العشاء إلخ[2] پس عشاء کی اُخریین میں اگرچہ قراءت واجب نہیں ہے لیکن اگر قراءت کرے تو اخفاء لازم ہے۔

(ب) اور ظہر کی اُخریین میں جہر کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا[3] فقط (۴/ ۳۸۹-۳۹۰)

پہلی رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر رکوع کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۲۱) سنت یا نفل یا فرض کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سہواً سورت نہیں ملائی اور رکوع کر دیا، کیا اب قیام کی طرف لوٹے یا سجدہ میں جائے؟ (۳۲۰/ ۱۳۴۲ھ)

---

(۱) ولھا واجبات لا تفسد بترکھا وتعاد وجوبًا في العمد والسّھو إن لم یسجد له وإن لم یعدھا یکون فاسقًا آثمًا (الدّرّ المختار) قوله: (إن لم یسجد له) أي للسّھو. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۱۲۹-۱۳۰، کتاب الصّلاۃ، باب صفة الصّلاۃ، مطلب: واجبات الصّلاۃ)

(۲) ردّ المحتار: ۲/ ۲۲۲، کتاب الصّلاۃ، باب صفة الصّلاۃ، فصل في القراءۃ.

(۳) ولو جھر الإمام فیما یخافت أو خافت فیما یجھر تلزمه سجدتا السّھو لأنّ الجھر في موضعهٖ و المخافتة في موضعھا من الواجبات إلخ. (الھدایة: ۱/ ۱۵۸، کتاب الصّلاۃ، باب سجود السّھو) ظفیر

الجواب: قومہ کر کے سجدہ میں جاوے اور آخر نماز میں سجدۂ سہو کرے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
(۴/۳۹۷-۳۹۸)

جو واجب چھوٹ گیا ہے اس کو ادا کرنے کے لیے رکوع سے قیام کی طرف لوٹا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۲۲) رکوع سے قیام کی طرف کو ہٹنا بہ خیال ادا کرنے کسی سنت یا واجب کے جو چھوٹ گیا ہو عام ہے کہ واقع میں کوئی چیز ان ہی دو سے چھوٹی ہو یا نہیں؟ اور قیام کی طرف لوٹنا قصداً یا سہواً ان سب صورتوں میں رکوع سے قیام کی طرف آنے کا کیا حکم ہے؟ (۲۰۹۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ان سب صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے، نماز کا اعادہ لازم نہیں (۲) اور دراصل

---

(۱) علامہ شامی کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ صورت میں بہتر یہ ہے کہ لوٹ کر سورت پڑھے، پھر رکوع کرے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے، گو یہ صورت بھی درست ہے کہ رکوع کے بعد سجدہ میں چلا جائے اور آخر میں سجدۂ سہو کرلے، جیسا کہ جواب میں مذکور ہے۔ بترك ...... واجب ...... سهوًا ...... كركوعٍ...... قبل قراءة الواجبِ لوجوبِ تقديمها ، ثمّ إنّما يتحقّق التّركُ بالسّجود فلو تذكّر و لو بعد الرّفع من الرّكوع عاد ثمّ أعاد الرّكوعَ (الدّرّ المختار) قوله: (عاد) أي إلى القيام ليقرأ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۷۴ -۴۷۵، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو)

شامی نے دونوں صورتوں کا تذکرہ کیا ہے کہ کل قراءت ترک ہو جائے یا صرف سورت، وأمّا إذا قرأ الفاتحةَ مثلاً ثمّ ركع فتذكّر السّورة فعاد فقرأها إلخ (حوالہ سابقہ)

دوسری جگہ کی عبارت یہ ہے: ولو ترك سورةَ أُولي العشاءِ مثلاً و لو عمدًا ، قرأها وجوبًا ، و قيل: ندبًا مع الفاتحة جهرًا في الأُخريين إلخ ، ولو تذكّرها في ركوعهِ قرأها و أعاد الرّكوع (الدّرّ المختار) قوله: (و لو تذكّرها) أي السّورةَ ، قوله: (قرأها) أي بعدَ عودهِ إلى القيام ، قوله: (و أعاد الرّكوع) لأن ما يقع من القراءةِ في الصّلاة يكون فرضًا ، فيرتفض الرّكوعُ ويلزمه إعادتهُ ، لأنّ التّرتيبَ بين القراءة والرّكوع فرضٌ كما مرّ بيانهُ في الواجبات إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۲۵-۲۲۶، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة فصل في القراءة ، مطلب في الكلام على الجهر والمخافتة) ظفیر

(۲) ولو نسيَهُ أي القنوتَ ثمّ تذكّرهُ في الرّكوع لا يقنت فيه لفواتِ محلّهِ ولا يعود ==

اس حکم میں نماز عید و جمعہ وغیرہ سب برابر ہیں؛ لیکن عیدین و جمعہ میں متأخرین نے ترک سجدۂ سہو کو اولیٰ فرمایا ہے، بہ وجہ اِزدحام کے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۱۴)

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورت ملانا بھول گیا اور سجدۂ سہو کرلیا تو نماز ہوگئی

سوال: (۲۰۲۳) فرض کی پہلی دو رکعتوں میں یا ایک رکعت میں سورت ملانا بھول گیا؛ سجدۂ سہو کرنے سے نماز ہوگی یا نہ؟ (۱۳۴۲/۵۶۹ھ)

الجواب: سورت ملانا واجب ہے اس کے ترک سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے، پس صورتِ مسئولہ میں سجدۂ سہو کرلینے سے نماز ہوجاوے گی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے[1] فقط (۴/۳۹۹)

فرائض کی پچھلی دو رکعتوں میں سورت ملانے سے سجدۂ سہو لازم نہیں

سوال: (۲۰۲۴) فرض کی پچھلی دو رکعت میں اگر کوئی سورت ملالے تو تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۵۲۲ھ)

الجواب: اخیر کی دو رکعت میں سورت ملانے سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا[2] درمختار میں ہے:

== إلٰی القیام في الأصحّ لأنّ فیه رفضُ الفرض للواجب ، فإن عاد إلیه وقنتَ ولم یعدِ الرّکوعَ لم تفسد صلاتهُ إلخ وسجد للسّهو. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۸۷-۳۸۸، کتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل ، مطلب: الاقتداء بالشّافعيّ)ظفیر

(۱) ولو قرأ الفاتحةَ وحدها وترك السّورةَ یجب علیه سجودُ السّهو. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۲۶، کتاب الصّلاة ،الباب الثّاني عشرفي سجود السّهو)ظفیر

(۲) وضمّ أقصرِ سورة إلخ في الأولیین من الفرض وهل یکره في الأخریین؟ المختار لا (الدّرّ المختار) أي لا یُکره تحریمًا بل تنزیهًا لأنّهٗ خلاف السّنّة ، قال في المنیة و شرحِها: فإن ضمَّ السّورةَ إلی الفاتحةِ ساهیًا یجب علیه سجدتا السّهو في قول أبي یوسف لتأخیر الرّکوع عن محلّهٖ ، وفي أظهر الرّوایات لا یجب لأنّ القراءةَ فیهما مشروعةٌ من غیر تقدیرٍ والاقتصار علی الفاتحة مسنونٌ لا واجبٌ اهـ إلخ فلا ینافي کونه خلافَ الأولٰی ==

ولو زاد لا بأس بہٖ إلخ ، وفي الشّامي : فکان الضّمُّ خلافَ الأولیٰ [۱] فقط (۴/۳۷۵-۳۷۶)

سوال: (۲۰۲۵) فرائض نماز کی خالی رکعتوں میں اگر کوئی سورت سہواً یا قصداً بعد فاتحہ کے پڑھی جاوے تو سجدۂ سہو کرنا ہوگا یا نہیں؟ (۷۷/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: سجدۂ سہو نہیں آتا [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۹۲)

سوال: (۲۰۲۶) امام نے تین رکعت یا چاروں رکعت بھری پڑھ لی، اب اس کو سجدۂ سہو کرنا چاہیے یا کیا؟ (۵۰۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نہیں [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۱۶-۴۱۷)

فرائض کی آخری دو رکعتوں میں پوری سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۰۲۷) چار رکعت والی نماز میں اخیر کی دو رکعت میں ایک چھوٹی آیت کے پڑھنے سے قیام ادا ہوجاتا ہے، یہ کیا مصلحت ہے کہ آدھی الحمد پڑھے اور دوسری بار پوری کرلے تو سجدۂ سہو اس کے ذمہ لازم ہوا اور جو دونوں بار پڑھے تو لازم نہیں آتا؟ (۱۱۷۸/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اُخریین میں ترکِ قراءتِ تمام سورۂ فاتحہ پر سجدۂ سہو اس قول کے موافق لازم آتا ہے جو وجوبِ قراءتِ سورۂ فاتحہ کے اُخریین میں قائل ہیں، اور ظاہر الروایۃ کے موافق چونکہ قراءتِ فاتحہ اُخریین میں واجب نہیں ہے [۳] تو کل یا بعض سورۂ فاتحہ کے ترک سے اُخریین میں ان کے نزدیک سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۹۲-۳۹۳)

== کما أفادہٗ في الحلبۃ. (ردّ المحتار : ۲/۱۳۲-۱۳۳، کتاب الصّلاۃ، باب صفۃ الصّلاۃ ، مطلب: کلّ صلاۃ أدّیت مع کراھۃ التّحریم تجب إعاتھا) ظفیر

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۱۹۵، کتاب الصّلاۃ ، باب صفۃ الصّلاۃ ، مطلب مھمّ فی عقد الأصابع عند التّشھّد) ظفیر

(۲) ولو قرأ في الأخریین الفاتحۃَ والسّورۃَ لا یلزمہ السّھوُ وھو الأصحّ. (الفتاوی الھندیۃ: ۱/ ۱۲۶، کتاب الصّلاۃ ، الباب الثّاني عشر في سجود السّھو) محمد امین پالن پوری

(۳) واکتفی المفترضُ فیما بعد الأولیین بالفاتحۃ فإنّھا سنّۃٌ علی الظّاھر ، ولو زاد ==

رباعی نمازوں کی اخیر رکعتوں میں سورت ملانے سے سجدۂ سہو کیوں لازم نہیں ہوتا؟

سوال: (۲۰۲۸) چار فرضوں کی آخری رکعتوں میں ضمِ سورت کیا تو سجدۂ سہو لازم آئے گا یا نہ؟ اس صورت میں اگر تاخیر رکن نہیں ہوئی تو قعدۂ اولیٰ میں، اللّٰھمّ صلّ علٰی محمّد زیادہ پڑھنے سے کیسے تاخیر رکن ہوتی ہے کہ سجدۂ سہو لازم آتا ہے، اور عدمِ مشروع قراءت کا کیا مطلب ہے؟
(۱۳۴۱/۷۸۲ھ)

الجواب: اُخریین میں ضمِ سورت کرنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں آتا کیوں کہ اُخریین میں اکتفاء فاتحہ پر واجب نہیں ہے تاکہ زیادتی سے ترک واجب ہوتا ہو، بلکہ سورت ملانے اور نہ ملانے کا اختیار دیا گیا ہے، اگرچہ نہ پڑھنا سورت کا اولیٰ اور مسنون ہے، بہ خلاف قعدۂ اولیٰ کے کہ اس میں اکتفاء تشہد پر اور درود شریف نہ پڑھنا واجب ہے۔ درمختار میں ہے: واکتفی المفترضُ فیما بعد الأولیین بالفاتحة ، فإنّها سنّةٌ علی الظّاهر ولو زاد لا بأس به إلخ[1] فقط (۳۹۶/۴)

فرائض کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں

سوال: (۲۰۲۹) تمام نوافل وسنن وفرائض کی اوّل دو رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، اور اخیر کی دو رکعت میں بھی واجب ہے یا نہیں؟ اگر اخیر کی دو رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟ (۱۳۳۳-۳۲/۵۰۶ھ)

== لا بأس به وهو مخيّر بين قراء ة الفاتحة وصحّح العينيّ وجوبَها (الدّرّ المختار) هٰذا مقابل ظاهر الرّواية ، وهو رواية الحسن عن الإمام وصحّحهما ابن الهمام أيضًا من حيث الدّليل ، ومشٰی عليها في المنية فأوجب سجود السّهو بترك قراء تها ساهيًا والإساء ة بتركها عمدًا ، لٰكنّ الأصحّ عدمه لتعارض الأخبار كما في المجتبٰی ، واعتمده في الحلبة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۹۵/۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة ، مطلب مهمّ فی عقد الأصابع عند التّشهّد) ظفير

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

الجواب: نہیں — درست ہوگی (یعنی فرائض کی اخیری دو رکعتوں میں فاتحہ واجب نہیں ہے پس اگر اخیری دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز درست ہوگی — البتہ وتر، سنن اور نوافل کی تمام رکعتوں میں قراءت فرض ہے، اور سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔۱۲ محمد امین) (۴/ ۴۱۶-۴۱۷)

اندھے نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد پانچویں رکعت پڑھی تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

سوال: (۲۰۳۰) ظہر کی نماز میں امام سہواً درمیانی قعدہ چھوڑ کر کھڑا ہوگیا، جماعت میں ایک نابینا بھی تھا، وہ اپنی یاد کے موافق تشہد پڑھنے لگا، اور بہ وجہ بے بصر ہونے کے امام کی متابعت نہ کی، الغرض نابینا فرض و واجب ادا کرتا ہوا قعدۂ اخیرہ میں امام سے جاملا اور امام کے ساتھ سجدۂ سہو بھی کیا، پھر امام نے سلام پھیرا تو یہ نابینا اس خیال سے کہ میں پیچھے رہ گیا تھا کھڑا ہوگیا، اور ایک رکعت اور ادا کی جو اس کی پانچویں تھی آیا اس کی نماز ہوئی یا نہ؟ (۱۳۶۱/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: اگر اس نابینا نے آخر میں سجدۂ سہو کرلیا تو اس کی نماز ہوگئی (۱) فقط (۴/ ۳۸۳)

سجدۂ سہو سے نقصان کی تلافی ہوجاتی ہے

سوال: (۲۰۳۱) جس شخص نے سہو کیا قاعدۂ اخیرہ سے، اور مقید کیا سجدہ سے، کہتے ہیں کہ **تحوّل فرضه نفلاً** حالانکہ نفلوں میں فرماتے ہیں: **لأنّ کلّ شفع من النّفل صلاة علاحدة بدلیل نقلي** مع حوالہ صفحہ کتاب و مطبع تحریر فرمائیں۔ (۱۰۰/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: **تحوّل فرضُه نفلًا** (۲) خود مصرح ہے، اس کے لیے کسی اور حوالہ کی ضرورت

---

(۱) یعنی اس پانچویں رکعت میں سجدۂ سہو کیا تب تو نماز ہوگئی، ورنہ واجب الاعادہ ہے۔ **كذا اللاحق لكنّهٗ يسجد في آخر صلاته و لو سجد مع إمامه أعاده (الدّرّ المختار) ولاحقًا بركعةٍ فسجد إمامُه للسّهو فإنّه يقضي ركعةً بلا قراءةٍ لأنّه لاحقٌ ويتشهّد ويسجد للسّهو إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۴۷۸، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو)** ظفیر

(۲) **ولو سها عن القعود الأخير كلِّه أو بعضه عاد إلخ ما لم يقيّدها بسجدةٍ إلخ** ==

نہیں ہے، اور کلّ شفع منه ـــــ النّفل ـــــ صلاةٌ علاحدة (۱) بھی قاعدہ صحیح ہے، لیکن یہاں سجدۂ سہو سے اس کا انجبار کر دیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۸۴)

سہواً تیسری رکعت پر بیٹھ گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۳۲) اگر کسی نے چار رکعت نماز شروع کی اور تیسری رکعت میں سہواً بیٹھ گیا تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ (۴۳۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: ایسی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہے، نماز صحیح ہے (۲) فقط (یہ حکم اس وقت ہے جب دیر تک بیٹھا ہو، اور اگر فوراً کھڑا ہو گیا تو سجدۂ سہو واجب نہیں؛ جیسا کہ اگلے جواب میں آ رہا ہے۔ محمد امین) (۴/۳۸۵)

امام تیسری رکعت پر بیٹھا مگر فوراً کھڑا ہو گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۳۳) امام عشاء کی نماز میں سہواً تیسری رکعت پر بیٹھا، مقتدی کے بتلانے پر فوراً کھڑا ہو گیا دیر نہیں لگی نماز ہوئی یا نہیں؟ (۳۶۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اس صورت میں کہ امام دیر تک نہیں بیٹھا فوراً کھڑا ہو گیا سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا، اور نماز صحیح ہو گئی۔ کذا في الشّامي (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۸۷)

== و إن قيّدها بسجدةٍ عـامدًا أو ناسيًا أو ساهيًا أو مخطئًا تحوّل فرضُهٗ نفلاً برفعه الجبهة إلخ. (الدّرّ المختار مع الشّامی: ۲/۴۸۰-۴۸۱، کتاب الصّلاة، باب سجود السّهو) محمد امین

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۲/۴۷۸، کتاب الصّلاة، باب سجود السّهو.

(۲) و يـلـزمه السّهو إذا زاد في صلاتهٖ فعلاً من جنسها ليس منها وهٰذا يدلّ على أنّ سجدة السّهـو واجبة هـو الـصّـحـيح لأنّـهـا تجب لجبرِ نقصانٍ تَمَكّنَ في العبادة. (الهداية: ۱/۱۵۷، کتاب الصّلاة، باب سجود السّهو) ظفیر

(۳) وكذا القعدةُ فـي آخـر الـرّكعة الأولٰى أو الثّالثة فيجب تركُها، و يلزم من فعلها أيضًا تـأخيـرُ الـقيـام إلـى الثّانية أو الرّابعة عن محلّهٖ، و هٰذا إذا كانت القعدةُ طويلةً، أمّا الجلسةُ الـخفيفةُ الّتي استحبّها الشّافعيّ فتركُها غير واجبٍ عندنا. (ردّ المحتار: ۲/۱۴۴-۱۴۵، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: لا ينبغي أن يُعدل عن الدّراية إذا وافقتها روايةٌ)

سوال: (۲۰۳۴) امام تیسری رکعت میں سہواً بیٹھ گیا، مقتدی کے الحمد للہ کہنے سے معًا کھڑا ہوا، اور بیٹھنے میں بوجہ شک کے بہ انتظار الحمد للہ کچھ نہیں پڑھا تھا، بعد میں سجدۂ سہو نہ کیا؛ نماز ہوگئی یا نہیں؟ (۱۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر جلسۂ خفیفہ ہوا تھا اور دیر تک نہیں بیٹھا تو سجدۂ سہو واجب نہیں تھا نماز ہوگئی[۱] فقط (۴/۴۱۴)

امام نے تین رکعت پر سلام پھیر دیا پھر مقتدیوں میں تذکرہ ہوا پس امام کھڑا ہوا اور نماز مکمل کی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۳۵) امام نے تین رکعت پڑھ کر سہواً سلام پھیر دیا؛ چار رکعت والی نماز میں، اب امام قبلہ رخ بیٹھا ہے، اور مقتدیوں میں تذکرہ ہوا کہ کئے رکعت ہوئی؟ یہ سن کر امام صاحب اللہ اکبر کہہ کر کھڑے ہوگئے، اور چوتھی رکعت پوری کر کے سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرا، آیا نماز امام ومقتدیوں کی ہوئی یا نہیں؟ (۴۴۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: امام اگر کچھ نہ بولا تھا تو اس کی نماز ہوگئی اور مقتدیوں میں جو نہیں بولے ان کی نماز ہوگئی، اور جو مقتدی بولے ان کی نماز نہیں ہوئی وہ اپنی نماز کا اعادہ کریں[۲] فقط (۴/۴۱۰)

رکوع میں سجدہ کی تسبیح پڑھی یا برعکس تو سجدۂ سہو واجب نہیں

سوال: (۲۰۳۶) رکوع میں سہواً سجدہ کی تسبیح پڑھی یا برعکس تو نماز میں کچھ خرابی تو نہ ہوگی؟ (۸۳۸/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) **سلّمَ مصلّي الظّهرِ مثلاً علٰی رأس الرّكعتين توهّمًا إتمامَهَا أتمّها أربعًا و سجد للسّهو لأنّ السّلامَ ساهيًا لا يُبطل لأنّهٗ دعاءٌ من وجهٍ (الدّرّ المختار) قوله: (لأنّهٗ دعاءٌ من وجهٍ) أي فلذا خالف الكلامَ حيثُ كان مبطلاً ولو ساهيًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۸۸، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو)** ظفیر

الجواب: کچھ خرابی نہ ہوگی[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۵/۴)

سجدہ میں رکوع کی تسبیح پڑھ رہا تھا اور یاد آیا تو سجدہ کی تسبیح پڑھنی چاہیے

سوال: (۲۰۳۷) رکوع کی تسبیح سجدہ میں کہہ رہا تھا، سجدہ ہی میں یاد آنے پر سجدہ کی تسبیح کہے یا رکوع کی تسبیح کافی ہوگی؟ (۸۳۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: سجدہ کی تسبیح کہنی چاہیے تاکہ سنت کے موافق ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۵/۴)

رکوع میں بجائے تسبیح کے بسم اللہ پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں

سوال: (۲۰۳۸) اگر رکوع میں بجائے تسبیح کے کوئی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ اور تشہد میں قراءت کرنے سے سجدۂ سہو آتا ہے یا نہ؟ (۱۷۵۸/۱۳۴۰ھ)

الجواب: رکوع میں بجائے تسبیح کے بسم اللہ پڑھنے سے سجدۂ سہو نہیں آتا، کیونکہ تسبیح رکوع کی واجب نہیں ہے، اور تشہد واجب ہے اس میں ایسا کرنے سے یعنی تشہد کے ترک کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۵/۴-۳۹۶)

عمداً ترک تعدیل سے نماز کا اعادہ واجب ہے

سوال: (۲۰۳۹) قومہ اور جلسہ اگر بہ وجہ تعجیل مصلی موافقِ واجب ادا نہ ہو تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہ؟ (۱۲۱۳/۱۳۳۵ھ)

الجواب: سجدۂ سہو اس فعل سے واجب ہوتا ہے جو سہواً ہو، اور جو لوگ عمداً و عادۃً قومہ، جلسہ

---

(۱) ويسبّح فيه ـــــ أي في الرّكوع ـــــ و أقلّهٗ ثلاثًا فلو تركهٗ أو نقصهٗ كُره تنزيهًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۷۴/۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في إطالة الرّكوع للجائي) اور یہاں چھوڑا بھی نہیں، بلکہ الفاظ بدل گئے، اس سے کچھ حرج نہیں۔ ظفیر

(۲) ويلزمهٗ إذا ترك فعلاً مسنونًا كأنّهٗ أراد بهٖ فعلاً واجبًا إلخ أو تركَ قراءةَ الفاتحةِ إلخ أو القنوتَ أو التّشهّدَ أو تكبيراتِ العيدين لأنّها واجباتٌ. (الهداية: ۱۵۷/۱، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو) ظفير

پورا نہیں کرتے اس میں سجدۂ سہو نہیں ہے، بلکہ ایسی نمازوں کا اعادہ واجب ہے؛ کیوں کہ ترک واجب عمداً کرنے سے اعادہ واجب ہوتا ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۳۸۵)

رکعات کی گنتی میں سہو ہو تو گمان غالب پر عمل کرے

سوال: (۲۰۴۰) خاکسار (شریف الحسن) کو نماز میں رکعت کی گنتی اور سجدہ میں سہو ہو جاتا ہے تو کیا کرنا چاہیے؟ (۱۹۲/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس صورت میں گمان غالب کا اعتبار کر کے اسی پر بناء کیجیے[2] فقط (۴/۳۹۴)

تعدادِ رکعات کے سلسلے میں اختلاف ہو تو نمازی لوگوں کی بات پر نہیں اپنے یقین پر عمل کرے

سوال: (۲۰۴۱) ایک شخص کو یقین ہے کہ میں نے چار رکعت پڑھ کر سلام پھیرا ہے، لیکن ایک دو آدمی کہتے ہیں کہ تم نے تین رکعت پر سلام پھیرا ہے تو وہ نماز لوٹا دے یا اپنے یقین پر رہے۔

(۱۶۱۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس کی نماز صحیح ہے اور اپنے ہی یقین پر اکتفاء کرنا کافی ہے[3] فقط (۴/۴۰۱-۴۰۲)

---

(۱) ولها ـــــ اي للصّلاة ـــــ واجباتٌ لا تفسد بتركها و تُعاد وجوبًا في العمْد و السّهْو إن لم يسجد لهُ و إن لم يُعدها يكون فاسقًا آثِمًا (الدّرّ المختار) قوله: (إن لم يسجد لهُ) أي للسّهْو، و هٰذا قيْدٌ لقولهٖ و السّهْوُ إذ لا سجود في العمْد. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۱۲۹-۱۳۰، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: واجبات الصّلاة) ظفير

(۲) وإذا شكَّ في صلاتِهٖ من لم يكن ذلك أي الشّكُّ عادةً لهُ إلخ كم صلّٰى استأنفَ بعملٍ منافٍ وبالسّلام قاعدًا أولٰى لأنّهُ المَحلّلُ وإن كثُرَ شكُّه عَمِلَ بغالبِ ظنِّهِ، إن كان له ظنّ للحرج و إلّا أخذ بالأقلّ لتيقُّنِهٖ وقعد في كلّ موضعٍ تَوَهَّمَهُ موضعَ قعودِهٖ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۸۹-۴۹۰، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو) ظفير

(۳) ولو اختلف الإمام والقوم فلو الإمام علٰى يقينٍ لم يعد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۹۲، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو) ظفير

مقتدی فوت شدہ رکن کب ادا کرے؟

سوال: (۲۰۴۲) اگر مقتدی امام کے پیچھے کوئی رکن نماز کا بھول جاوے مثلاً رکوع ،سجدہ ،التحیات بھول جاوے تو اس کو پورا کرے یا سجدۂ سہو کرے؟ (۳۹۶/۱۳۴۵ھ)

الجواب: امام کے پیچھے اگر مقتدی سے کوئی رکن مثل رکوع یا سجدہ کے ترک ہو تو اس کو نماز میں یا بعد نماز کے پورا کرے[1] اور اگر امام کے پیچھے کوئی واجب ترک ہوا مثل التحیات کے تو اس کا اِعادہ بعد میں نہیں ہے، اور سجدۂ سہو بھی اس پر واجب نہیں ہے۔ **کما في الدّرّ المختار: لا بسهوِهٖ أصلاً إلخ . وفي الشّامي: لا قبلَ السّلام لِلزومِ مخالفةِ الإمامِ ولا بعدهٗ لخروجهٖ من الصّلاة بسلامِ الإمام .... بماروى ابن عمر عنه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ليس علٰى من خلف الإمام سهو إلخ**[2] (شامي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۴/۴)

رکوع چھوڑ کر سجدہ میں چلا گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۴۳) مصلی نے نیت باندھ کر قراءت پڑھ کر رکوع نہیں کیا بلکہ سجدہ میں چلا گیا، دونوں سجدوں کے بعد یاد آیا کہ رکوع نہیں کیا؛ اس کو کیا کرنا چاہیے؟ (۱۳۳۳-۳۲/۵۰۶ھ)

الجواب: سجدے سے کھڑا ہو کر رکوع کرے اور سجدہ پھر کرے اور اخیر میں سجدۂ سہو

---

(۱) یعنی کسی نے امام کے سلام کے بعد فوت شدہ رکن ادا کیا تو نماز تو ہوجائے گی، البتہ ترتیب کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے گنہ گار ہوگا؛ اس لیے فوت شدہ رکن کو ادا کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مقتدی پہلے وہ رکن ادا کرے، پھر امام کی اتباع کرے۔ شامی میں ہے: **حكمُهٗ أنّهٗ يبدأُ بقضاءِ ما فاتهٗ بالعذرِ ثمّ يتابع الإمامَ إن لم يفرُغْ ، وهٰذا واجبٌ لا شرطٌ حتّٰى لو عكسَ يصحُّ ، فلو نام في الثّالثةِ واستيقظ في الرّابعةِ فإنّهٗ يأتي بالثّالثة بلا قراءةٍ ، فإذا فرغ منها صلّى مع الإمام الرّابعةَ ، وإن فرغ منها الإمامُ صلّاها وحدهٗ بلاقراءةٍ أيضًا، فلو تابع الإمامَ ثمّ قضٰى الثّالثةَ بعد سلام الإمامِ صحّ وأثِم أهـ(ردّ المحتار: ۲/۲۹۸، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، مطلب فيما لو أتٰى بالرّكوع أو السّجود أو بهما مع الإمام أو قبلهٗ أو بعدهٗ)** محمد امین

(۲) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۷۷، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو.**

(کرے)(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۱۵-۴۱۶)

حنفی امام شافعی مقتدی کی رعایت سے سجدۂ سہو سلام سے پہلے کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۰۴۴) حنفی امام شافعی مقتدیوں کی رعایت سے نماز فجر کی دوسری رکعت کے قومہ میں اس قدر توقف کرے کہ شافعی قنوت سے فارغ ہولیں کیسا ہے؟ اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ اگر نماز اس کے پیچھے پڑھی جاوے تو مکروہ ہوگی یا بلا کراہت؟ اور کن امور میں شافعی مقتدی کی رعایت حنفی امام کو جائز ہے؟ شافعی مقتدی کی رعایت سے حنفی (امام) قبل سلام سجدۂ سہو کرسکتا ہے یا نہ؟ (۱۱۰۷/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: لکن یندبُ للخروجِ من الخلافِ لا سِیَّما للإمام لکن بشرط عدمِ لزومِ ارتکابِ مکروہ مذهبه إلخ (۲) یعنی امام کو رعایت دوسرے مذہب والے مقتدیوں کی مثلاً شافعی المذہب مقتدیوں کی مستحب ہے، لیکن بہ شرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آتا ہو، اور شامی نے فرمایا کہ مکروہ تنزیہی بھی اس میں [داخل] (۳) ہے (۴) یعنی اگر اپنے مذہب کے مکروہ تنزیہی کا ارتکاب لازم آتا ہو تو رعایت مقتدیان شافعی المذہب کی مثلاً نہ کرے، پس بناءً علیہ امام حنفی نماز فجر میں رکوع سے اٹھ کر قومہ میں بہ رعایت مقتدی شافعی اس قدر توقف نہ کرے کہ وہ دعاء قنوت پڑھ لیوے کہ یہ توقف مکروہ ہے۔ اور شامی میں ہے: نعم ذکر نحوَهٗ ابن عبد الرّزّاق

---

(۱) حتی یفترض علیه إعادة الرّکوع بعد القراءة وإعادة السّجود بعد الرّکوع علیٰ ما مرّ من أن التّرتیب بین ما لا یتکرّر في الرّکعة الواحدة وبین غیره فرض .... نعم إذا فعل ذٰلك یجب علیه سجود السّهو لتأخیر الرّکن بسبب الزّیادة الّتي زادها. (شرح منیة المصلّي، ص:۳۹۴، فصل في سجود السّهو)

(۲) الدّرّ المختار مع الرّدّ :۱/ ۲۵۰، کتاب الطّهارة، مطلب في ندب مراعاة الخلاف إلخ.

(۳) مطبوعہ فتاوی میں [داخل] کی جگہ ''شامل'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۴) هل المراد بالکراهة هنا ما یعمّ التّنزیهیّة؟ توقف فیه ط، والظاهر نعم. (ردّ المحتار: ۱/ ۲۵۰، کتاب الطّهارة، مطلب في ندب مراعاة الخلاف إلخ) ظفیر

في شرحهٖ علٰی هذا الشّرح فقال: كإطالة وقوفِهٖ بعد الرّفع من الرّكوع إلخ [1] یہ مثال دی ہے اس کی کہ ترکِ اطالۂ وقوف بعد الرکوع واجب ہے، پس اس توقف میں ترک واجب ہوگا جو کہ مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی، اسی طرح قبل سلام سجدۂ سہو کرنا حنفی کو بہ رعایت مقتدی نہ چاہیے کہ یہ بھی مکروہ تنزیہی ہے۔ کما في الشّامي: أنّه لو سجد قبلَ السّلام كُره تنزيهًا إلخ [2] (۱/۴۹۵، باب سجود السّهو) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۰۹-۴۱۰)

نماز میں ایک رکن کے بہ قدر سونے سے سجدۂ سہو لازم ہوجاتا ہے

سوال: (۲۰۴۵) نماز میں کوئی شخص اس طرح سوگیا جو مفسد صلاۃ نہیں اور اس اثناء میں بہ قدر سہ تسبیح ادائے فرض میں تاخیر ہوگئی تو سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہ؟ (۲۵۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قال في الدّرّ المختار: فإن أتٰى بها أو بأحدها بأن قام أو قرأ أو ركع أو سجد أو قعد الأخيرَ نائمًا لا يعتدّ بما أتٰى به بل يعيده [3] وفي الشّامي: وهل يسجد للسّهو لتأخير الرّكن؟ الظّاهر نعم [4] عبارت شامی مندرجہ بالا سے معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو لازم ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۱۹-۴۲۰)

فرائض میں دعائے ماثورہ پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں

سوال: (۲۰۴۶) فرض میں دعائے ماثورہ کے اخیر الفاظ مثلاً اللّٰهمّ إنّي أعوذ بك من المأثم والمَغْرَمِ دوبار یا سہ بار پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم ہے یا نہ؟ (۳۴۲/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: نہیں [5] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (اضافہ از رجسٹر نقول فتاوی)

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۱۴۵، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، قبيل مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام.

(۲) ردّ المحتار: ۲/۴۷۲، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو.

(۳) الدّرّ المختار و الشّامي: ۲/۱۲۸-۱۲۹، باب صفة الصّلاة، مطلب: واجبات الصّلاة.

(۴) ردّ المحتار: ۱/۴۴۴، باب صفة الصّلاة، قبيل مطلب واجبات الصّلاة.

(۵) الحاصل أنّهٗ إذا دعا في الصّلاة بما جآء في القرآن أو في المأثور لا تفسد صلاتُهٗ (حاشية الطّحطاوي علٰى مراقي الفلاح: ص:۳۲۲، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة)

سجدۂ تلاوت کے احکام

سجدۂ تلاوت واجب ہے

سوال: (۲۰۴۷) قرآن شریف میں جو سجدۂ تلاوت ہیں وہ واجب ہیں یا فرض؟

(۸۷۴/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: سجدہائے تلاوت واجب ہیں[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲۷/۴)

سجدۂ تلاوت ادا کرنے کا طریقہ

سوال: (۲۰۴۸) سجدۂ تلاوت فرض ہے یا واجب؟ اور کس طرح ادا کرنا چاہیے، یعنی سجدہ میں اور سجدہ شروع کرنے سے پہلے یا بعد سجدہ کے کیا کیا پڑھنا چاہیے؟ اور جب تلاوت قرآن میں مشغول ہو اور آیت سجدہ کی پڑھتا ہے تو اسی وقت دوزانو ہوکر سجدہ ادا کرے یا کھڑے ہوکر؟

(۸۲۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: سجدۂ تلاوت واجب ہے، طریق اس کا یہ ہے کہ اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جاوے تین بار یا زیادہ بہ رعایت وتر سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی کہہ کر اللہ اکبر کہہ کر اٹھ جاوے، سجدہ ادا ہوگیا، اگر بیٹھے ہوئے سجدہ میں گیا اور بعد سجدہ کے پھر بیٹھا رہا؛ تب بھی کچھ حرج نہیں ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ کھڑے ہوکر سجدہ میں جاوے اور سجدہ کے بعد کھڑا ہوجاوے[۲] فقط واللہ اعلم (۴۲۹/۴-۴۳۰)

---

(۱) و السّجدة واجبةٌ في هٰذه المواضع على التّالي والسّامع إلخ. (الفتاوى الهندية: ۱۳۲/۱، كتاب الصّلاة ، الباب الثّالث عشر في سجود التّلاوة) ظفير

(۲) يجب بسببِ تلاوةِ آيةٍ أي أكثرِها مع حرفِ السّجدة............وهي سجدةٌ بين ==

تلاوت کی نیت کے بغیر آیتِ سجدہ پڑھی تو سجدہ واجب ہوگا

سوال: (۲۰۴۹) بغیر نیت تلاوت کے اگر آیت سجدہ پڑھی جائے تو سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟
(۱۳۴۱/۲۰۶ھ)

الجواب: سجدہ اس صورت میں واجب ہوجاوے گا[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲۵/۴)

نماز میں سجدۂ تلاوت کرنے کا طریقہ

سوال: (۲۰۵۰) اگر نماز میں کسی نے آیت سجدہ کی پڑھی تو سجدہ کس وقت کرنا چاہیے؟
(۱۳۳۳-۳۲/۱۱۸۱ھ)

الجواب: بہتر یہ ہے کہ اسی وقت سجدہ کرے جس وقت آیت سجدہ پڑھے، اور فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بعد میں یاد آیا اور اس وقت کیا تو سجدۂ سہو لازم ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲۴/۴)

دل میں آیت سجدہ پڑھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا

سوال: (۲۰۵۱) آیت سجدہ دل ہی دل میں دیکھ کر پڑھی جائے تو سجدہ واجب ہے یا نہ؟
(۱۳۴۳/۱۳۱۴ھ)

الجواب: تلاوت کرنا ضروری ہے، بغیر تلاوت کے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔ قال في

== تكبيرتين مسنونتين جهرًا وبين قيامين مستَحَبَّيْنِ بلا رفعِ يدٍ وتشهّدٍ وسلامٍ وفيها تسبيحُ السّجود. (الدّرّ المختار مع الشّامي: ۲/۵۰۳-۵۰۷، باب سجود التّلاوة) جمیل الرحمٰن

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) و لو تلاها في الصّلاة سجدها فيها لا خارجَها إلخ (الدّرّ المختار) أمّا لو سهوًا وتذكّرها ولو بعد السّلام قبل أن يفعل مُنافيًا يأتي بها ويسجد للسّهو. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۱۱، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة)

ولذا كان المختارُ وجوبَ سجودِ السّهوِ لو تذكّرها بعدَ محلِّها. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۱۰، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة)

الدّرّ المختار: بسبب تلاوةٍ إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۲۶)

آیتِ سجدہ پڑھ کر معنی بھی پڑھے تو ایک سجدہ لازم ہے

سوال: (۲۰۵۲) ایک شخص نے سجدۂ تلاوت پڑھ کر معنی پڑھے تو وہ شخص ایک سجدہ کرے یا دو؟ (۸۹۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایک سجدہ لازم ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۲۱)

سوال: (۲۰۵۳)...... اگر ایک دفعہ آیت سجدہ کو بہ زبان عربی اور بعد میں ترجمہ پر دہرائے اسی طرح کسی کو پڑھاتا ہے یا خود حفظ کرتا ہے جو کہ آیت سجدہ چند دفعہ تلاوت ہو جاتی ہے، ان سب صورتوں میں سجدہ تلاوت ایک دفعہ ہوگا یا جدا جدا؟ (۸۲۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ان سب صورتوں میں ایک سجدہ واجب ہوگا[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۳۰)

نماز میں آیتِ سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا، پھر نماز دہرائی اور وہی آیتِ سجدہ پڑھی تو دوبارہ سجدہ کرنا واجب ہے

سوال: (۲۰۵۴) ایک شخص نے نماز میں سورۂ سجدہ پڑھی اور سجدہ ادا کیا، پھر کسی وجہ سے نماز دہرانے کی ضرورت ہوئی پھر وہی سورت پڑھی تو دوبارہ سجدہ کرنا چاہیے یا پہلا سجدہ کافی ہوگا؟

(۱۰۶۵/۴۴-۱۳۴۵ھ)

---

(۱) قوله : (بسبب تلاوةٍ) احترز عمّا لو كتبها أو تهجّاها فلا سجودَ عليه. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۰۳، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة) ظفیر

(۲) يجب بسببِ تلاوةِ آيةٍ أي أكثرِها مع حرفِ السّجدة (الدّرّ المختار) قوله : (بسبب تلاوةٍ) احترز عمّا لو كتبها أو تهجّاها فلا سجودَ عليه . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۰۳، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة) ظفیر

(۳) ولو كرّرها في مجلسين تكرّرتْ وفي مجلسٍ واحدٍ لا تتكرّرُ بل كَفَتْهُ واحدةٌ إلخ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۱۵-۵۱۶، كتاب الصّلاة، باب سجود التّلاوة) جمیل الرحمٰن

الجواب: پھر سجدہ کر لینا چاہیے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۲۸)

نماز سے باہر والے سجدۂ تلاوت میں تاخیر جائز ہے

سوال: (۲۰۵۵) ایک واعظ نے دورانِ تقریر سجدہ کی آیت کو جہراً پڑھ دیا، اور نہ خود سجدہ کیا اور نہ حاضرین کو سجدہ کرنے کو کہا، گرفت کرنے سے جواب میں عذراً بیان کیا کہ مجمع عام میں زور سے سجدہ کی آیت پڑھنا مضائقہ نہیں ہے، اور بشریت کو خطا اور نسیان لازم ہے کیونکہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام نے فراموشی سے گندم کھایا تھا، اور اسی طرح حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ و السلام مچھلی کو بھول گئے تھے، آیا مقامِ عذر میں واعظ مذکور کا پیغمبروں کی خطا ونسیان کو بہ طور شہادت کے پیش کرنا درست ہوگا یا نہ؟ اور ان کا عذر شرعًا معقول ہے یا نہیں؟ (۱۴۴۶/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: شامی میں ہے: قوله: (يجب) أي وجوبًا موسّعًا في غير صلاة إلخ[2] اس سے معلوم ہوا کہ وجوبِ سجدۂ تلاوت موسع ہے؛ فی الفور واجب نہیں ہے، پس واعظ پر گرفت کرنا بے موقع تھا، اور جب کہ گرفت کی گئی تو واعظ موصوف بھی عذر کر سکتے تھے کہ ادائے سجدۂ تلاوت فی الفور واجب نہیں ہے؛ خصوصًا مجمعِ وعظ میں، اور خطا ونسیان انبیاء علیہم السلام کو بہ طور استشہاد پیش کرنے میں بھی کچھ ممانعت اور حرج نہیں ہے، اور حدیث شریف میں بھی ایسا مضمون وارد ہوا ہے: ونسي آدمُ إلخ فنسيت ذريّتهُ[3] أو كما قال صلّى الله عليه وسلّم. فقط (۴/۴۲۱-۴۲۲)

سوال: (۲۰۵۶) تاخیر سجدۂ تلاوت روا ہست یا نہ؟ (۲۴۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: أقول وبالله التّوفيق: قال في الدّرّ المختار: وهي على التّراخي على

---

(۱) وشرطُ التّداخلِ اتّحادُ الآيةِ و اتّحادُ المجلس حتّٰى لو اختلف المجلسُ و اتّحدت الآيةُ أو اتّحد المجلسُ واختلفت الآيةُ لا تتداخلُ كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۴، كتاب الصّلاة ، الباب الثّالث عشر في سجود التّلاوة) ظفير

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۰۳، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة .

(۳) مشكاة ، ص:۲۳،باب الإيمان بالقدر،الفصل الثّالث عن أبي هريرة رضي الله عنه.

المختار (۱) وفي الشّامي: قوله: (يجب) أي وجوبًا موسعًا في غير صلاة (۲) فثبت أنّ الصّحيح في سجدة التّلاوة هو الوجوب على التّراخي وإن كان الأفضل هو الأداء على الفور؛ كذا في الدّرّ المختار: ويكره تأخيرها تنزيهًا إلخ (۳) فقط (پس معلوم شد کہ تاخیر سجدۂ تلاوت در خارج صلاۃ رواست۔ ظفیر) (۴/۴۲۴-۴۲۵)

ترجمہ سوال: (۲۰۵۶) سجدۂ تلاوت میں تاخیر جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: درمختار اور شامی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ نماز سے باہر سجدۂ تلاوت میں تاخیر جائز ہے۔

رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرنے سے سجدۂ تلاوت ادا ہوتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۰۵۷) اگر امام یا منفرد نے نماز فرض یا تراویح وتہجد وغیرہ میں سورۂ اَعراف یا سورۂ نجم یا سورۂ علق یا اور کوئی ایسا رکوع جس میں آیت سجدہ تھی پڑھی، اور بجائے سجدۂ تلاوت؛ رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی تو امام ومقتدیوں کا سجدۂ تلاوت ادا ہوجائے گا یا نہیں؟ علی ہذا آیتِ سجدہ کے بعد دو چار آیتیں پڑھ کر امام نے رکوع کیا، اور سجدۂ تلاوت کی بھی نیت کرلی تو یہ بھی درست ہے یا نہیں؟ سورۂ بنی اسرائیل آیت سجدہ کے بعد اور دو آیتوں پر، سورۂ انشقاق آیت سجدہ کے بعد اور چار آیتوں پر ختم ہوتی ہیں، پس ختم سورۂ مذکورہ کے بعد رکوع میں سجدہ کی نیت کرلینے سے سجدۂ تلاوت ادا ہوگا یا نہیں؟ (۶۲۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اگر آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد فوراً یا دو تین آیت پڑھ کر رکوع کیا اور اس میں نیت سجدۂ تلاوت کی کرلی؛ سجدۂ تلاوت ادا ہوجاوے گا (۴) اور مقتدیوں کو بھی نیت کرنے کی ضرورت ہے

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۰۹، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة .

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۰۳، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة .

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۱۰، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة .

(۴) وتؤدّى بركوع صلاةٍ إذا كان الرّكوعُ على الفورِ من قراءةِ آيةٍ أو آيتينِ و كذا الثّلاث على الظّاهر كما في البحر إن نواه أي كونَ الرّكوع لسجود التّلاوة ==

بدون نیت کے ان کے ذمے سے سجدۂ تلاوت ادا نہ ہوگا (۱) اور تین آیت سے زیادہ میں فوریت منقطع ہوجاتی ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۲۲-۴۲۳)

سورۂ حج کا آخری سجدہ اور اس کا حکم

سوال: (۲۰۵۸) سورۂ حج کا آخری سجدہ عند الشافعی واجب ہے، حالت اقتداء میں حنفی المذہب بھی یہ سجدہ بہ اتباع شافعی المذہب ادا کریں یا نہیں؟ اور جب امام حنفی ہو اور مقتدی شافعی تو مقتدیوں کا یہ سجدہ کیسے ادا ہوگا؟ (۶۲۷/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: شامی میں ہے کہ متابعت امام شافعی المذہب کی وجہ سے مقتدی حنفی بھی یہ سجدۂ اخیرہ سورۂ حج کا کرے، وظاهره أنهٗ يتبعهٗ فيها لو كان في الصّلاة إلخ (۳) (الشّامي) اور جب کہ امام حنفی ہو تو یہ سجدہ نہ کرے اور مقتدی کے ذمے سے بھی موافق قواعد حنفیہ کے یہ سجدہ ساقط ہے، لیکن اگر شوافع کے نزدیک سجدۂ صلاتیہ کو بعد میں بھی ادا کرنا جائز ہو تو وہ کر سکتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک تو جو سجدہ نماز میں لازم ہوا اور اس وقت اس کو نہ کیا جاوے تو وہ پھر ادا نہیں ہوسکتا (۴) فقط (۴/۴۲۳)

== على الرّاجح (الدّرّ المختار) وفي الإمداد: الاحتياط قول شيخ الإسلام خواهر زاده بانقطاع الفور بالثّلاث، وقال شمس الأئمّة الحلوانيّ: لا ينقطع ما لم يقرأ أكثرَ من ثلاثٍ، وقال الكمال بن الهمام: وقول الحلوانيّ هو الرّواية إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۱۲-۵۱۳، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة) ظفير

(۱) ولو نواها في ركوعهٖ و لم ينوها المؤتمّ لم تجزه (الدّرّ المختار) أي لم تجز نيّةُ الإمام المؤتمّ ولا تندرج في سجودهٖ و إن نواها المؤتمّ فيه لأنّه لمّا نواها الإمامُ في ركوعهٖ تعيّن لها أفاده ح هٰذا ، وفي القهستانيّ: واختلفوا في أن نيّة الإمام كافيةٌ كما في الكافي ، فلو لم ينو المقتدي لا ينوب على رأيٍ فيسجد بعدَ سلام الإمام ويعيد القعدةَ الأخيرةَ كما في المنية . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۱۳، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة) ظفير

(۲) لا ينقطع ما لم يقرأ أكثرَ من ثلاثٍ. (ردّ المحتار: ۲/۵۱۲، باب سجود التّلاوة) ظفير

(۳) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۲/۵۰۵، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة.

(۴) وهي على التّراخي إلخ إن لم تكن صلويّةً فعلى الفور لصيرورتها جزءً منها و يأثم بتأخيرها و يقضيها ما دام في حرمة الصّلاة و لو بعد السّلام (الدّرّ المختار) ==

بھولا ہوا سجدۂ تلاوت دوسری رکعت میں یاد آوے تو کس طرح ادا کرے؟

سوال: (۲۰۵۹) اگر نماز میں سجدۂ تلاوت بھول جاوے اور دوسری رکعت میں یاد آوے تو کس طریقہ سے ادا کرے؟ (۶۶۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر سجدۂ تلاوت اُس رکعت میں کرنا بھول گیا جس میں سجدہ کی آیت پڑھی تھی تو دوسری، تیسری رکعت میں جب یاد آوے کرے (۱) اور پھر سجدۂ سہو کرے (۲) فقط (۴/۴۲۴)

نمازِ فجر و عصر کے بعد سجدۂ تلاوت ادا کرنا جائز ہے

سوال: (۲۰۶۰) صبح اور عصر کی نماز کے بعد کیا صرف سجدہ کرنا بھی حرام ہے؟ (۸۷۶/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: سجدۂ تلاوت وغیرہ درست ہے، نماز نفل پڑھنا اس وقت مکروہ ہے (۳) (۴/۴۲۷-۴۲۸)

== أي ناسيًا ما دام في المسجد و روي أنّهٗ لا يسجد بعد السّلام ناسيًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۰۹-۵۱۰، کتاب الصّلاۃ ، باب سجود التّلاوۃ) ظفیر

(۱) المصلّي إذا نسي سجدةَ التّلاوة في موضعِها ثمّ ذكَرها في الرّكوع أو السّجودِ أو في القعودِ فإنّهٗ يخرُ لها ساجدًا ثمّ يعود إلٰی ما كان فيه ، ويعيدهٗ استحسانًا ، وإن لم يُعد جازت صلاتُهٗ كذا في الظّهيريّة في فصل السّهو. (الفتاوی الهندية: ۱/۱۳۴، کتاب الصّلاۃ ، الباب الثّالث عشر في سجود التّلاوة) ظفیر

(۲) وفي الولوالجية : المصلّي إذا تلا آية السّجدة ونسي أن يسجد لها ، ثمّ ذكرها وسجدها ، وجب عليه سجود السّهو ، لأنّه تارك للوصل وهو واجب ، وقيل : لا سهو عليه، والأوّل أصحّ ، كذا في التّتار خانية. (الفتاوی الهندية: ۱/۱۲۶-۱۲۷، کتاب الصّلاۃ ، الباب الثّاني عشر في سجود السّهو)

(۳) ويكره أن يتنفّل بعدَ الفجر حتّٰى تطلع الشّمسُ وبعد العصر حتّٰى تغرب إلخ ==

سوال: (۲۰۶۱) صبح کی نماز کے بعد قبل طلوع آفتاب اور بہ وقت زوال (یعنی استوائے شمس کے بعد) اور بعد نماز عصر قبل غروب آفتاب سجدۂ تلاوت جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۱/۳۳ - ۱۳۳۴ھ)

الجواب: جائز ہے۔ کما في الدّرّ المختار: لا يكره قضاءُ فائتةٍ و لو وترًا أو سجدةُ تلاوةٍ وصلاةُ جنازةٍ إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۲۵)

مکروہ اوقات میں سجدۂ تلاوت جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۰۶۲) جن وقتوں میں ہر قسم کی نماز پڑھنی مکروہ ہے سجدۂ تلاوت کرنا جائز ہے؟ مثلاً فجر کے فرضوں کے بعد تا طلوع آفتاب، یا دوپہر، یا بعد نماز عصر (تا غروب آفتاب)[2] ایسا ہی صبح صادق کے وقت فجر کی سنتوں سے پہلے، یا سنت اور فرض کے درمیان۔ (۸۲۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: طلوع اور غروب اور زوال آفتاب (یعنی استوائے شمس) کے وقت سجدۂ تلاوت بھی حرام ہے مگر جب کہ آیت سجدہ انہیں اوقات میں پڑھے تو سجدہ بھی ان اوقات میں درست ہے[3] اور صبح کی نماز کے بعد تا طلوع آفتاب اور بعد نماز عصر تا غروب اور بعد صبح صادق سجدۂ تلاوت درست ہے[4] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۳۰-۴۳۱)

== ولا بأس بأن يصلّي في هٰذين الوقتين الفوائتَ ويسجد للتّلاوة ويصلّي على الجنازة. (الهداية: ۱/۸۵-۸۶ كتاب الصّلاة، باب المواقيت) ظفير

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۴، كتاب الصّلاة، مطلب: يُشرط العلم بدخول الوقت، قبل باب الأذان.

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

(۳) وسجدة تلاوةٍ وصلاة جنازة تليت .... فلو وجبتا فيها لم يكره فعلهما أي تحريمًا (الدّرّ المختار) (قوله: فلو وجبتا فيها) أي بأن تليت الآية في تلك الأوقات أو حضرت فيها الجنازة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۲، كتاب الصّلاة، مطلب: يُشرط العلم بدخول الوقت، قبل باب الأذان)

(۴) وكُره (تحريمًا) صلاةٌ ولو علىٰ جنازةٍ وسجدة تلاوةٍ وسهوٍ مع شروقٍ واستواءٍ وغروبٍ إلخ وكُره نفلٌ ــــ إلىٰ قولهٖ ــــ بعد صلاةِ فجرٍ وعصرٍ لا قضاء ==

مشین یا پرندہ سے آیتِ سجدہ سننے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں

سوال: (۲۰۶۳) مشین یا پرندہ کے ذریعہ سے اگر آیت سجدہ سنی جائے تو سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۲۱۸۸ھ)

الجواب: درمختار میں ہے کہ پرند اور صدی سے آیت سجدہ سننے سے سجدۂ واجب نہیں ہوتا، اور صدی حکایت آواز ہے جو پہاڑ وغیرہ سے بہ طریق جواب صوت معلوم ہوتی ہے، پس اس طریق سے مشین میں سن کر بھی سجدہ واجب نہ ہوگا (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۲۵)

نابالغ بچے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں

سوال: (۲۰۶۴) نیز اگر نابالغ بچے کو سبق پڑھا رہا ہے تو بچے کی طرف سے خود سجدہ ادا کرے یا معاف ہے؟ (۱۳۳۴-۳۳/۸۲۸ھ)

الجواب: بچۂ نابالغ پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۳۰-۴۳۱)

مقتدی امام کے ساتھ سجدۂ تلاوت نہ کرے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

سوال: (۲۰۶۵) اگر مقتدی غلطی سے امام کے ساتھ سجدۂ تلاوت نہ کرے تو نماز ہوگی یا نہ؟ (۱۳۴۲/۱۵۰۲ھ)

الجواب: نماز میں جو سجدۂ تلاوت واجب ہو وہ بعد نماز کے ادا نہیں ہوتا اور ساقط ہو جاتا ہے۔

== فائتةٍ وسجدةُ تلاوةٍ و صلاةُ جنازة ، وكذا بعد طلوعِ فجرٍ سوى سنّتِهِ إلخ. (تنوير الأبصار مع ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۲/۲۸-۳۴، كتاب الصّلاة ، مطلب: يُشرط العلم بدخول الوقت ، قبل باب الأذان) جمیل الرحمٰن

(۱) لا تجب بسماعه من الصَّدیٰ و الطّير (الدّرّ المختار) قوله: (من الصَّدیٰ) هو ما يجيبك مثلَ صوتك في الجبال و الصّحاریٰ ونحوهما. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۰۹، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة)

وكلّ سجدة وجبت في الصّلاة ، ولم تؤدّ فيها سقطت أي لم يبق السّجود لها مشروعًا لفوات محلّه إلخ (۱) (شامي) پس معلوم ہوا کہ وہ سجدہ ساقط ہوا اور اعادۂ نماز کی بھی ضرورت نہیں ہے، البتہ اگر عمداً چھوڑا تو توبہ کرے۔ وفي البدائع : وإذا لم يسجد أثِم ، فتلزمه التّوبة (۱) (الدّرّ المختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۵۱-۵۲)

سامعین نے سجدۂ تلاوت ادا نہ کیا تو پڑھنے والے پر کچھ گناہ نہیں

سوال: (۲۰۶۶) اگر تلاوت کے وقت آیتِ سجدہ کوئی پڑھنے والے سے سن لیتا ہے، اگر اس نے خود بہ خود سمجھ کر سجدہ ادا کردیا فبہا، ورنہ اس کا سجدہ نہ ادا کرنا پڑھنے والے پر کوئی باعث گناہ کا ہوتا ہے؟ یا سننے والوں کی طرف سے بھی پڑھنے والا ادا کرے؟ (۸۲۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: سننے والوں پر سجدہ کرنا واجب ہوجاتا ہے اگر انہوں نے نہ کیا تو پڑھنے والے پر کچھ گناہ نہیں ہے، اور پڑھنے والا سننے والوں کی طرف سے سجدہ نہیں کرسکتا (۲) (۴/۴۳۰-۴۳۱)

آیتِ سجدہ واعظ سے سنی تو سب علیحدہ علیحدہ سجدہ کریں

سوال: (۲۰۶۷) ایک واعظ نے سیکڑوں کے مجمع میں سجدہ کی آیت پڑھی، کیا سجدۂ تلاوت سب پر ضروری ہے، اگر ہے تو کیا واعظ سب کو با جماعت سجدہ کرا سکتا ہے؟ (۲۰۹۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: آیت سجدہ کے پڑھنے اور سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوجاتا ہے؛ لہٰذا پڑھنے والے اور سب سننے والوں پر سجدہ واجب ہوگیا؛ علیحدہ علیحدہ سب سجدہ کریں (۳) فقط (۴/۴۲۶)

---

(۱) ردّ المحتار و الدّرّ المختار: ۲/۵۱۱، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة ، تحت قوله : (إذا لم يسجد)

(۲) فالسّبب التّلاوةُ وإن لم يوجد السّماع كتلاوةِ الأصمّ والسّماع شرطٌ في حقّ غير التّالي. (الدّرّ المختار مع الشّامي: ۱/۵۰۴، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة) جمیل الرحمٰن

(۳) وذكر في المجتبىٰ أنّ الموجبَ للسّجدة أحدُ ثلاثةٍ: التّلاوة والسّماع والائتمام . (ردّالمحتار: ۲/۵۰۴، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة) ظفیر

آیتِ سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا آگے یاد نہ آیا تو کیا کرے؟

سوال: (۲۰۶۸) زید حافظ اور حاجی ہے، زید نے نماز پڑھی اور آیتِ سجدہ تلاوت میں آئی، فوراً سجدۂ تلاوت کیا، بعد سجدہ کے پھر کھڑا ہوا، مگر اس کو آگے قرآن شریف یاد نہیں آیا، زید نے سجدۂ تلاوت کرتے وقت رکوع بھی نہیں کیا لاعلمی یا بھول سے؛ آیا زید سجدۂ تلاوت سے اٹھ کر رکوع کرلے یا کیا کرے؟ (۱۵۵۵/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایسی حالت میں کہ نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کی اور آگے کچھ پڑھنا نہیں ہے تو رکوع میں ہی نیت سجدہ کی کرلینے سے سجدۂ تلاوت ادا ہوجاتا ہے، اور اگر اس نے سجدۂ تلاوت کیا تو بہتر یہ ہے کہ اٹھ کر چند آیات پڑھ کر پھر رکوع کرے، اور اگر اٹھ کر کھڑا ہو کر فوراً رکوع میں چلا جاوے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے؛ نماز صحیح ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۲۶-۴۲۷)

ختمِ قرآن کے بعد ایک ساتھ تمام سجدے کرنا جائز ہے

سوال: (۲۰۶۹) قرآن شریف کے جمیع سجدۂ تلاوت کو بعد ختم قرآن کے ایک بار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۵۸/ ۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: یہ بھی جائز ہے، اور بہتر یہ ہے کہ اسی وقت کرے(۲) فقط (مگر تاخیر کی گنجائش اس وقت ہے جب نماز میں نہ ہو؛ نماز میں فوراً ادا کرے گا۔ ظفیر) (۴/ ۴۲۷)

---

(۱) وتؤدّى بركوعٍ وسجودٍ غيرِ ركوع الصّلاة وسجودها في الصّلاة وكذا في خارِجها ينوب عنها الرّكوع (الدّرّ المختار) قال في الحلبة: والأصل في أدائها السّجودُ وهو أفضلُ ولو ركع لها على الفور جاز وإلّا لا أهـ أي وإن فات الفور لا يصحّ إلخ ، وفي الحلبة: ثمّ إذا سجد أو ركع لها على حدةٍ فورًا يعود إلى القيام ويستحبّ أن لا يعقّبه بالرّكوع بل يقرأ آيتين أو ثلاثًا فصاعدًا ثمّ يركع . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵۱۲/۲، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة)ظفیر

(۲) وهي على التّراخي على المختار ويكره تأخيرها تنزيهًا إلخ إن لم تكن صلويّةً. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵۰۹/۲-۵۱۰، كتاب الصّلاة ، باب سجود التّلاوة)ظفیر

بیٹھ کر آیتِ سجدہ پڑھی تو سجدہ بیٹھ کر کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۰۷۰) اگر سجدۂ تلاوت بیٹھ کر پڑھے تو سجدہ بیٹھ کر ہی کرے یا کھڑے ہو کر؟

(۸۷۶/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: کتب فقہ میں لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ کھڑا ہو کر سجدہ کرے، اور سجدہ کر کے کھڑا ہو جاوے (جس حالت میں بھی قراءت کی ہو۔ظفیر) لیکن اگر بیٹھے ہوئے سجدۂ تلاوت کرے تب بھی کچھ حرج نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۲۷-۴۲۸)

بلا وضو سجدۂ تلاوت درست نہیں

سوال: (۲۰۷۱) اگر کسی شخص نے بلا وضو آیت سجدہ پڑھی تو سجدۂ تلاوت کرے یا نہ؟

(۸۷۶/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: بعد میں وضو کر کے سجدہ کرے[2] فقط (کیوں کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے، اور بلا وضو سجدۂ تلاوت کی اجازت نہیں۔ظفیر) (۴/ ۴۲۷-۴۲۸)

آیتِ سجدہ کی کتنی مقدار پڑھنے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے؟

سوال: (۲۰۷۲) آیت سجدہ کے آخری الفاظ نہیں پڑھے سجدہ[3] واجب ہے یا نہ؟

(۲۹۵/ ۱۳۴۵ھ)

---

(۱) والمستحبّ أنّهٗ إذا أراد أن يسجد للتّلاوةِ يقوم ثمّ يسجدُ وإذا رفع رأسَهٗ من السّجود يقومُ ثمّ يقعد كذا في الظّهيريّة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۵، كتاب الصّلاة ، الباب الثّالث عشر في سجود التّلاوة) ظفیر

(۲) وشرائط هٰذهِ السّجدة شرائط الصّلاة إلاّ التّحريمة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۵، كتاب الصّلاة ، الباب الثّالث عشر في سجود التّلاوة) ظفیر

(۳) مطبوعہ فتاوی میں 'سجدہ' کے بعد 'سہو' تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں لفظ 'سہو' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کردیا ہے۔۱۲

الجواب: اگر وہ کلمہ پڑھا جس میں سجدہ کا لفظ ہے تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگیا[۱] فقط (۴/ ۴۲۸-۴۲۹)

تلاوت کے جن سجدوں کو ادا نہیں کیا ان کا کفارہ کیا ہے؟

سوال: (۲۰۷۳) ایک حافظ سوائے رمضان شریف کے کبھی سجدۂ تلاوت ادا نہیں کرتا، اب وہ ان سجود کو ادا کرنا چاہتا ہے مگر کفارہ کی طاقت نہیں رکھتا؟ (۹۸۹/ ۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: اندازہ کر کے سجدۂ تلاوت پورے کرے، روزانہ جس قدر ہو سکے سجدے...... کر لیا کرے، اس کا کفارہ یہی ہے کہ سجدے کرے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۲۹)

وضاحت: اس سوال کے جواب میں ہے: ''روزانہ جس قدر ہو سکے سجدے'' بہ نیت قضا'' کر لیا کرے''۔ اس جملہ میں ''بہ نیت قضا کر لیا کرے'' سے چونکہ یہ ایہام پیدا ہو سکتا تھا کہ سجدۂ تلاوت کے ادا کرنے میں تاخیر کرنے سے قضا ہو جاتا ہے، حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت اگر تاخیر سے ادا کیا جائے تب بھی ادا ہوگا قضا نہیں ہوگا، جیسا کہ حاشیہ کی عبارت حتّى لو أدّاها بعد مدّة كان مؤدّيًا اتّفاقًا لا قاضيًا سے واضح ہے، اس لیے ''بہ نیت قضا'' کو حذف کر کے عبارت اس طرح کر دی گئی ہے، ''روزانہ جس قدر ہو سکے سجدے کر لیا کرے''۔ (ضمیمہ فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۱۵) محمد امین پالن پوری

---

(۱) يجب بسببِ تلاوةِ آيةٍ أي أكثرِها مع حرفِ السّجدة (الدّرّ المختار) هذا خلاف الصّحيحِ الّذي جزم بهٖ في نور الايضاح، ففي السّراج: و هل تجب السّجدة بشرط قراء ة جميعِ الآية أم بعضها؟ فيه اختلاف، والصّحيح أنّهٗ إذا قرأ حرف السّجدة وقبله كلمةً أو بعده كلمةً وجب السّجود وإلّا فلا إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۵۰۳، كتاب الصّلاة، باب سجود التّلاوة) ظفیر

(۲) وهي على التّراخي على المختار و يكره تأخيرها تنزيهًا إلخ إن لم تكن صلويّةً (الدّرّ المختار) حتّٰى لو أدّاها بعدَ مدّةٍ كان مؤدّيًا اتّفاقًا لا قاضيًا إلخ لو تراخٰى كان أداءً مع أنّ المرجّحَ أنّهٗ على الفور و يأثم بتأخيره. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۵۰۹-۵۱۰، كتاب الصّلاة، باب سجود التّلاوة) ظفیر

مقتدیوں کو سجدۂ تلاوت سے آگاہ کرنا درست ہے

سوال: (۲۰۷۴) امام کو پہلے سے یہ کہنا کہ میں فلاں رکعت میں سجدۂ تلاوت کروں گا ہوشیار رہو؛ جائز ہے یا نہیں؟ (۲۲۲۸/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۲۹)
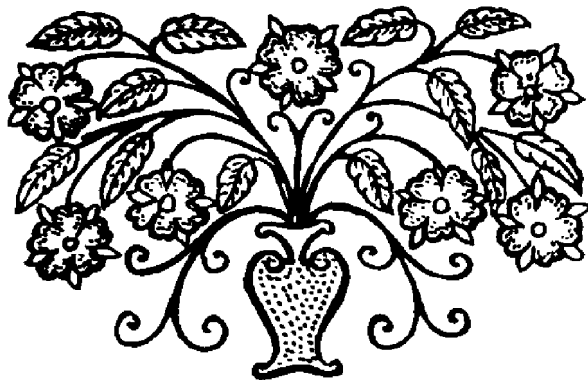
بیمار اور معذور کے احکام

آنکھ بنوانے کی حالت میں نماز کس طرح پڑھے؟

سوال: (۲۰۷۵) آنکھ بنوانے کی صورت میں ممانعت طبیب کی وجہ سے وقت معینہ تک نماز کو مؤخر کرے یا ایماء؟ اگر ایماء کرسکتا ہے تو کیسے؟ آیا زنخدان (ٹھوڑی) کو سینہ کی طرف خفیف مائل کرے، اور سجدہ کے اشارہ میں اس سے کچھ اور زیادہ؟ اور تکیہ سر کے نیچے کیسا ہونا چاہیے؟ بعض عبارات سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایماء کے واسطے شبیہ بالقعود ہونا چاہیے، اور استلقاء بہ ظاہر ایسے چت لیٹنے کو کہتے کہ تمام جسم بستر سے ملا ہوا ہو؟ (۸۴۹/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: آنکھ بنوانے کی صورت میں بعد ممانعت طبیب اشارہ سے نماز پڑھے، مؤخر کرنا درست نہیں، اور اگر مؤخر کی؛ استغفار کرے، اور نماز کی قضا کرے، اور اشارہ سے نماز پڑھنے کی صورت یہ ہے کہ چت لیٹے اور سر کے نیچے تکیہ رکھ لے، جیسا تکیہ بھی ہو؛ موٹا یا پتلا، لیکن اگر بڑے تکیہ کی اجازت طبیب دیوے تو یہ اچھا ہے کہ اس میں اشارہ رکوع وسجود کا اچھی طرح اور آسانی سے ہوگا، اور اشارہ رکوع کا تھوڑا سا سر کو سینہ کی طرف جھکانے سے ادا ہوجاوے گا، اور سجدہ کا اشارہ اس سے کچھ زیادہ ہو۔ شامی میں اشارہ رکوع اور سجود کی یہ تشریح کی ہے: **أشارَ إلٰى أنَّهُ يَكفيهِ أدنَى الانحناءِ عن الرّكوعِ**(۱) اور درمختار میں ہے: **ويَجعلُ سجودَهُ أخفضَ مِن ركوعِهِ**(۱)

اس کا حاصل یہ ہے کہ رکوع کے لیے تھوڑا سا سر کا جھکانا کافی ہے، اور سجدہ کے لیے اس سے کچھ زیادہ ہو، اگر کسی کو کچھ شبہ رہے تو اس نماز یا ان نمازوں کو پھر اعادہ کرے جن میں شبہ رہا، اشارہ

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۹۶/۲، کتاب الصّلاة، باب صلاة المريض.

میں سر کا کسی قدر حرکت دینا ضروری ہے، محض زنخدان کو سینہ کی طرف مائل کرنا کافی نہیں ہے۔ فقط

(۲۹۱/۱-۲۹۲)

سوال: (۲۰۷۶) آنکھ بنوانے کی حالت میں نماز کے متعلق مدرسہ سنبھل کے مدرسین میں باہم اختلاف ہوا، ایک کی رائے یہ ہے کہ ایماء جائز ہی نہیں، جب تک شبیہ بالقعود نہ ہو، دوسرے کی رائے یہ ہوئی کہ بہ حالت استلقاء ایماء اس طور پر کرے کہ جب سر کی حرکت ممنوع ہے تو زنخدان (ٹھوڑی) کو سینہ کی طرف مائل کرے، اور سجدہ کی حالت میں اس سے زیادہ، تاخرِ نماز جائز نہیں، مولوی کریم بخش صاحب اور مولوی نذیر احمد صاحب کے جوابات مولوی عبدالقیوم صاحب کی معرفت آپ کی خدمت میں بھیجے تھے، اب ان کو دو کارڈ بھیجے جواب نہیں دیا، مولوی نذیر احمد صاحب کا جواب صاف شدہ مرسل خدمت ہے، اور مولوی کریم بخش صاحب کا جواب اگر نہ پہنچا ہو تو مولوی عبدالقیوم سے لے لیجیے، ورنہ خلاصہ اس کا عرض کر دیا ہے کہ ایماء جائز بہ اشارہ زنخدان۔

(۱۲۰۵/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: عنایت نامہ پہنچا مولوی عبدالقیوم صاحب نے کوئی تحریر جہاں تک یاد ہے نہیں دی، ایک لفافہ حال میں ۲/ اپریل کو ملا، جس میں صرف مولوی نذیر احمد کا جواب آنکھ بنوانے والے کی نماز کے متعلق ہے، اس میں کچھ پتا نہ تھا، اس لیے اس کو کہیں نہ بھیجا گیا، اب جناب کا خط پہنچا، اس میں بھی مولوی نذیر احمد کا جواب ہے، مولوی کریم بخش صاحب کا جواب نہیں دیکھا، مگر خلاصہ اس کا آپ کی تحریر سے واضح ہوا۔

جواب صحیح وہی ہے جو مولوی نذیر احمد صاحب نے لکھا ہے، زنخدان کا اشارہ کافی نہیں، اشارہ سے نماز صحیح ہونے کے لیے اشارہ بالرأس اور حرکت رأس کی ضروری ہے، اس لیے تکیہ وغیرہ کی ضرورت فقہاء لکھتے ہیں، پس اگر اشارہ زنخدان یا اشارہ حاجب وعین سے نماز پڑھ لی، تو اس کو اعادہ کرنا چاہیے، اس میں احتیاط بھی ہے، اس لیے اب زیادہ اس میں طول دینے کی اور بحث کی ضرورت نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۲/۱-۲۹۳)

---

(۱) ويَجعلُ سجودَهُ أخفضَ مِن ركوعِهِ لُزُومًا إلخ وإن تعذّرَ الإيماءُ بِرَأْسِهِ وكَثُرَتِ الفوائتُ إلخ سقطَ القضاءُ عنهُ إلخ ، ولم يُؤْمِ بِعَيْنِهِ وقَلْبِهِ وحَاجِبِهِ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۹۶/۲-۴۹۹، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المريض) ظفیر

آنکھیں بنوانے والے کے لیے وضو اور نماز کا حکم

سوال: (۲۰۷۷) قدح چشم کے متعلق یہ دریافت کرنا ہے کہ ڈاکٹر بہت تاکید کرتے ہیں کہ سر کو ذرا بھی حرکت نہ ہو نماز کی بابت کیا حکم ہوگا؟ قطعًا ادا نہ کرے اور اگر ادا کرے تو کیسے: سر کی حرکت کرنے کی قطعی ممانعت ہے؟ وضو کرے تو کس طور سے؟ یا تیمّم کرے تو کس طور سے؟ اور اس کے بعد تین روز تک آنکھ پر پٹی بندھی رہتی ہے: اس حالت میں جو وضو کرے یا کسی دوسری وجہ سے تیمّم کرے تو صرف جبیرہ[1] پر مسح کرے یا کل چہرہ پر یعنی کل چہرہ کو نہ دھوئے یا جو جلد جبیرہ[1] سے علیحدہ ہے اس کو ہاتھ سے تر کرے اس وجہ سے کہ دھو نہیں سکتا؟ (۳۶۸/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: شامی میں ہے: قوله: (وإن تعذّر القعود) .... (ولو حكمًا) كما لو قدرَ على القعودِ و لكن بزغَ الطّبيبُ الماءَ من عينيه و أمرهُ بالاستلقاء أيّامًا أجزاه أن يستلقي و يومئُ لأنّ حرمةَ الأعضاء كحرمة النّفس إلخ[2] اس کا حاصل (مع قول درمختار)[3] یہ ہے کہ قعود دشوار ہو اگرچہ حکمًا ہو، مثلاً یہ کہ بیٹھ سکتا ہے: لیکن ڈاکٹر نے اس کی آنکھ بنائی اور اس نے یہ کہا کہ چند دن چت لیٹا رہ: تو اس کو یہ کافی ہے کہ چت لیٹا رہے اور اشارہ سے نماز پڑھے، اور ظاہر ہے کہ اشارہ میں حرکت سر کی ضروری ہے، بدون اس کے نماز نہیں ہوسکتی اور ترک کرنا نماز کا بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ عقل سالم ہے بے ہوشی نہیں ہے۔

قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی نے جب آنکھ بنوائی اشارہ سے نماز پڑھتے رہے، اور ڈاکٹر نے اجازت دے دی تھی اور بہ ظاہر کچھ نقص نہ آیا تھا، پس اشارہ سر کی اجازت برائے نماز لینی چاہیے، اور اگر اجازت نہ دے تب بھی نماز چھوڑنی نہ چاہیے، اور آنکھ پر جب پٹی ہو تو باقی چہرہ کو دھوئے اور پٹی پر مسح کرے[4] اور اگر باقی چہرہ کے دھونے سے تری کی سرایت آنکھ کی طرف

---

(۱) مطبوعہ فتاوی میں (جبیرہ) کی جگہ ''جبڑہ'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۹۷، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المريض .

(۳) قوسین کی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۴) وحكمُ مسحِ جبيرةٍ إلخ و خِرقة قرحةٍ و موضع فصدٍ و كيٍّ و نحوِ ذلك ==

ہونے کا خوف ہو اور وہ آنکھ کو مضر ہو تو کل چہرہ پر بھی مسح درست ہے، اور باقی اعضائے وضو کو دھونا 〔چاہیے〕[۱] اور اگر کسی عذر [۲] سے تیمم کرے تو تیمّم موافق قاعدہ کے کرے کہ ایک ضرب کے بعد چہرہ پر جبیرہ [۳] کے اوپر کو ہاتھ پھیرے، اور دوسری ضرب میں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کرے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۳۴-۴۳۵)

جو سجدہ پر قادر نہیں وہ اشارہ کرے، سامنے کوئی چیز رکھ کر اس پر سجدہ کرنا درست نہیں

سوال: (۲۰۷۸) مریض یا حاملہ جو سجدہ پر قادر نہ ہو، تو آگے کوئی چیز رکھ کر اس پر سجدہ کرنا درست ہے یا نہ؟ یا اشارہ سے سجدہ کرے؟ (۱۳۹۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جو مریض سجدہ نہ کر سکے وہ اشارہ کرے سجدہ کے آگے کوئی چیز نہ رکھے [۴] (۱/۲۹۶)

کمزوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز ادا کرنا صحیح ہے اور سنت و نفل کا ادا کرنا ضروری نہیں

سوال: (۲۰۷۹) ایک شخص بہت ضعیف اور کمزور ہے، حواس ٹھیک نہیں رہتے، نماز پنج گانہ

== كعِصابةِ جراحةٍ ولو برأسِهِ كغَسْل لِما تحتها فيكون فرضًا إلخ ويُجمع إلخ معَهُ أي معَ غَسل الأخرىٰ إلخ و يُترك المسحُ كالغَسل إن ضرّ وإلّا لا يُترك. (الدّرّ المختار مع الشّامي: ۱/۴۰۵-۴۰۷، كتاب الطّهارة، باب المسح على الخفين، مطلب نواقض المسح) ظفير

(۱) قوسین کی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) مطبوعہ فتاوی میں 'عذر' کے بعد 'کی وجہ' تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔۱۲

(۳) مطبوعہ فتاوی میں 〔جبیرہ〕 کی جگہ ''جبڑہ' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۴) و إن تعذَّرَا ليسَ تعذُّرُهُمَا شرطًا بل تعذُّرُ السّجودِ كافٍ ، لا القيامُ أَوْمَأَ ...... قاعدًا إلخ ويَجعلُ سجودَهُ أخفضَ مِن ركوعِهِ لُزُوْمًا ، ولا يرفعُ إلىٰ وجههِ شيئًا يسجدُ عليهِ ، فإنَّهُ يُكرهُ تحريمًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۹۵-۴۹۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المريض)

بیٹھ کرادا کرتا ہے اس کی نماز صحیح ہے یا نہیں؟ (۲۴۶۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: جس قدر طاقت ہو اسی کے موافق نماز ادا ہو جاوے گی، اگر قیام کی طاقت نہ ہو تو قعود سے اور اگر قعود کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر نماز ادا کرنا صحیح ہے(۱) الغرض تکلیف بہ قدر وسعت ہے، قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (سورۂ بقرہ، آیت:۲۸۶) فقط (۴/۴۳۵-۴۳۶)

سوال: (۲۰۸۰) جو شخص ایسا لاغر ہو جاوے کہ بیٹھ نہ سکے تو کس طرح سے نماز پڑھے؟ اور سنن ونوافل بھی پڑھے یا فرائض ہی؟ (۱۱۴۸/۱۳۴۵ھ)

الجواب: جو شخص بیٹھ کر اشارہ سے بھی نماز نہ پڑھ سکے وہ لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھے(۲) اور سنت اور نفل کا ادا کرنا ضروری نہیں ہے اگر پڑھ سکے تو بہتر ہے نہ پڑھے تو کچھ گناہ نہیں ہے (۴/۴۴۰)

بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے پیچھے کھڑے ہونے والے کی اقتداء درست ہے

سوال: (۲۰۸۱) جو امام نماز بیٹھ کر پڑھاوے مگر اس کو کچھ عذر تکلیف کا بھی ہے جس سے وہ کھڑا نہیں ہو سکتا اور تمام کاروبار کھڑا ہو کر کرتا ہے تو نماز اس کی اور مقتدیوں کی درست ہے یا نہیں؟ (۱۷۲۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اگر معذور ہے کہ کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھا سکتا تو بیٹھ کر اس کی نماز درست ہے، اور اس کے پیچھے مقتدیوں کی نماز بھی درست ہے(۳) اور اگر وہ ایسا معذور نہیں ہے بلکہ کھڑا ہو کر نماز ادا

---

(۱) إذا عجز المریضُ عن القیام صلّٰی قاعدًا یر کع و یسجد إلخ فإن لم یستطع الرّکوعَ و السّجودَ أومأ إیماءً یعني قاعدًا إلخ و إن لم یستطع القعودَ استلقٰی علٰی ظهرِهٖ وجعل رجلیه إلی القبلة إلخ. (الهدایة:۱/۱۶۱، کتاب الصّلاة ، باب صلاة المریض) ظفیر

(۲) وإن تعذّر القعودُ و لو حکمًا أومأ مستلقیًا علٰی ظهرهٖ و رجلاه نحوَ القبلة إلخ أو علٰی جنبهِ الأیمن أو الأیسر و وجهُهٗ إلیها إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۹۷، کتاب الصّلاة ، باب صلاة المریض) ظفیر

(۳) ویصحّ اقتداءُ القائم بالقاعدِ الّذي یر کعُ و یسجدُ لا اقتداءُ الرّاکع و السّاجد بالمومئ (الفتاوی الهندیة: ۱/۸۵، کتاب الصّلاة ، الباب الخامس في الإمامة ، الفصل الثالث فی بیان مَن یصلحُ إمامًا لغیرهٖ) ظفیر

کرنے پر قادر ہے تو اس کی نماز درست نہیں، اور اس کے پیچھے مقتدیوں کی نماز بھی صحیح نہ ہوگی (۱) فقط (۴/۴۳۲)

ننگے بدن پر صرف لحاف یا چادر ڈال کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۰۸۲) مریض اگر بہ باعث سردی رضائی یا چادر اوڑھ کر نماز پڑھے کہ سارا جسم مع مُنہ اور سر اُس ملبوس سے پوشیدہ ہو، اور ستر اُس کا مثل زانوں یا فخذ (ران) یا سرین مکشوف غیر مستور ہو مریض کی نظر سے، اور جو شخص اُس کے پاس ہو اس کی نظر سے (۲) پوشیدہ ہو تو نماز اس مریض کی جائز ہوگی یا نہیں؟ (۹۸۹/۱۳۳۹ھ)

الجواب: نماز اس مریض کی صحیح ہے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۳۲-۴۳۳)

مجبوری کی وجہ سے ناپاک کپڑوں میں نماز صحیح ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۰۸۳) مریض مجبور اگر نماز مع النجاست ادا کرے تو بعد صحت کے قضاء لازم ہوگی یا نہیں؟ (۹۸۹/۱۳۳۹ھ)

الجواب: مجبوری کی حالت میں کہ کپڑا پاک نہ ہو سکے اور نہ رہ سکے نماز اس کی صحیح ہے، اور اگر پاک کپڑا بدل سکتا تھا اور نہ بدلا تو قضاء لازم ہوگی (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۳۳)

---

(۱) من فرائضِها الّتي لا تصحّ بدونها التّحريمة إلخ ومنها القيام إلخ في فرض إلخ لِقادر عليه . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۱۱۲-۱۱۷، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة) ظفير

(۲) مطبوعہ فتاوی میں 'سے' کے بعد 'بھی' تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں لفظ 'بھی' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔۱۲

(۳) والشّرطُ سَترُها عن غيرِهٖ ولو حكمًا كمكانٍ مُظلمٍ لا سَترُها عن نفسِهٖ بهٖ يفتٰى ، فلو رأها من زِيقِهٖ لم تفسُد و إن كُره. (الدّرّالمختار مع ردّ المحتار: ۲/۷۶، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة ، مطلب في النّظر إلٰى وجه الأمرد) ظفير

(۴) وإن استوعب عذره تمامَ وقتِ صلاةٍ مفروضةٍ إلخ و حكمهُ الوضوءُ لا غَسلُ ثوبهٖ ونحوهٖ إلخ وإن سال علٰى ثوبهٖ فوقَ الدّرهم جاز لهُ أن لا يغسِلَهُ إن كان لو غَسَلَهُ ==

مریض بہ ذاتِ خود وضو یا تیمّم اور استقبال قبلہ نہ کر سکے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۸۴)......(الف) مریض میں اتنی قوت نہیں کہ خود وضو یا تیمّم کر سکے تو اس پر نماز واجب ہے یا نہیں؟

(ب) اس مریض کو بعض وقت کوئی تیمّم کرانے والا موجود ہوتا ہے اور بعض وقت نہیں تو اس صورت میں نماز کا کیا حکم ہوگا؟

(ج) مریض خود قبلہ رخ نہیں ہوسکتا اور کوئی اس کے پاس بھی نہیں تو [نماز کا] [۱] کیا حکم ہے؟ (۲۴۷۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: (الف-ج) ان صورتوں میں دوسرے شخص سے اعانت وضو یا تیمّم وغیرہ میں لے اور بلا وضو و تیمّم کے اور بلا استقبال قبلہ کے نماز نہ پڑھے اور نماز ان صورتوں میں ساقط نہیں ہوئی، جس طرح اور جس وقت میسر ہو ادا یا قضا اس نماز کو پڑھے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۳۶-۴۳۷)

قضا شدہ نمازوں کو اشارہ سے پڑھ لینا کافی ہے

سوال: (۲۰۸۵) اگر کوئی شخص کثرت مرض کی وجہ سے چوبیس گھنٹے تک بے ہوش رہے، بعد

== تَنَجَّسَ قبل الفراغ منها أي الصّلاة و إلّا إلخ فلا يجوز تركُ غَسْلِهِ. (الدّرّ المختار مع الشّامي: ۱/۴۳۷-۴۳۹ كتاب الطّهارة ، باب الحيض ، مطلب في أحكام المعذور) ظفیر

(۱) قوسین کے درمیان والے الفاظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیے گئے ہیں ۱۲۔

(۲) نماز کے لیے چوں کہ وضو یا تیمّم ضروری ہے، خواہ خود کرے یا دوسروں کے ذریعہ۔ أمّا الشّرائط المجمع عليها فستّة إلخ الطّهارة من الحدث إلخ أمّا الطّهارة من الحدث قدّمها لكونها أهمّ الشّروط و آكدَها حتّٰى أنّها لا تسقط بحال ولا يجوز الصّلاة بدونها أصلاً بخلاف غيرها من الشّروط (غنية المستملي: ص:۱۲-۱۳، شرائط الصّلاة)

استقبال قبلہ بھی شرط ہے، مگر فقہاء نے صراحت کی ہے کہ عاجز کے لیے جس جہت پر قدرت ہو وہی کافی ہے۔ مريضٌ صاحبُ فراشٍ لا يُمكنه أن يُحوّلَ وجهَهُ وليس بحضرتهٖ أحدٌ يوجّههُ يُجزيه صلاتُهُ إلٰى حيثُ ما شاء إلخ. (الفتاوى الهندية: ۱/۶۳، كتاب الصّلاة ، الباب الثّالث في شروط الصّلاة ، الفصل الثّالث في استقبال القبلة) ظفیر

اس کے کبھی کبھی جب ہوش میں آوے تو بجز و اشارہ کے نماز نہیں پڑھ سکتا، آیا نماز فائتہ کی قضا آوے گی یا نہیں؟ اگر قضا آوے گی تو حالت مذکورہ میں اشارہ سے پڑھ لیوے تو کافی ہوگی یا نہیں؟ اور چوبیس گھنٹہ سے زائد بے ہوش رہے تو کیا حکم ہے؟ (۹۹۹/۱۳۴۳ھ)

الجواب: درمختار میں صلاۃ المریض میں ہے: ومَن جُنَّ أو أُغْمِيَ عليه إلخ يومًا وليلةً قضَى الخمسَ وإن زاد وقتُ صلاةٍ سادسةٍ لا للحرج إلخ [1] اس سے معلوم ہوا کہ (چوبیس گھنٹہ تک بے ہوش رہنے سے قضا لازم ہے، اور اگر) [2] چوبیس گھنٹہ سے زیادہ بے ہوش رہا اور چھ نمازیں یا اس سے زیادہ قضا ہوگئیں تو قضا لازم نہ ہوگی، بہ صورت لزوم قضا اگر بہ حالت مرض فوت شدہ نمازوں کو اشارہ سے پڑھ لے گا تو نماز ادا ہو جاوے گی [3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۳۹)

پیر میں شراب کی پٹی بندھی ہوئی ہو تو نماز پڑھ سکتا ہے

سوال: (۲۰۸۶) ایک شخص کے پیر میں زخم ہوگیا، ڈاکٹر نے شراب کا پھایا باندھ دیا، اور تاکید کردی کہ اس کو کھولا نہ جاوے تو وہ اس پٹی کے بندھے ہونے پر نماز پڑھ سکتا ہے؟ (۵۷۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: وہ اسی حالت میں نماز پڑھ لیوے نماز اس کی درست ہے [4] فقط (۴/۴۴۰)

عورت بہ وقت ولادت نماز کس طرح پڑھے؟

سوال: (۲۰۸۷) عورت حالتِ دردزہ میں باوجود یکہ اس کے ہوش وحواس درست ہوں

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۰۱، کتاب الصّلاة، باب صلاة المریض، مطلب في الصّلاة في السّفينة.

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) وإن تعذّر القعودُ أومأ بالرّكوع والسّجود مستلقيًا على ظهرهٖ وجعل رجليه إلى القبلة إلخ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۶، کتاب الصّلاة، الباب الرّابع عشر في صلاة المریض) ظفیر

(۴) مريض تحته ثياب نجسة، وكلّما بسط شيئًا تنجّس من ساعتهٖ صلّى على حاله، وكذا لو لم يتنجّس إلّا أنه يلحقه مشقّة بتحريكهٖ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۰۲، کتاب الصّلاة، قبيل باب سجود التّلاوة) ظفیر

اور بہ ظاہر بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو، مگر رطوبت، خون وغیرہ جاری ہو اور بچہ کا کچھ حصہ جسم سے نکلنا باقی ہو اور نماز کا وقت ہو، اور وہ محض آدابِ طہارت یا حرمت نماز کا، یا یہ خیال کر کے کہ تمام جسم خون آلودہ ہوگا نماز نہ پڑھے تو گنہ گار ہوگی یا نہیں؟ اور نماز پڑھے یا نہ پڑھے؟ (۱۳۳۸/۲۳۳ھ)

الجواب: ایسی حالت میں اگر وقتِ نماز کے نکلنے کا اندیشہ ہے تو وہ عورت وضو کر کے اگر ہو سکے، ورنہ تیمّم کر کے نماز ادا کرے، اور اس خون کا خیال نہ کرے کیونکہ وہ دم استحاضہ ہے، مانع عن الصّلاة نہیں ہے۔ شامی میں ہے: ولو لم تُصلِّ تكونُ عاصيةً لربّها إلخ [1] اور شرح منیہ میں ہے: فلا يجوز لها تفويت الصّلاة إلخ [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۴۱/۴)

ریاح کے مریض کو نماز میں ریاح خارج ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۸۸) اگر کسی شخص کو نفخ کا مرض ہو تو وہ تازہ وضو کر کے نماز ادا کر سکتا ہے؟ اور اگر بہ حالت نماز ریح خارج ہو جاوے تو کیا حکم ہے؟ (۱۳۴۵/۳۱۰۳ھ)

الجواب: اگر وہ شخص شرعی معذور ہو چکا ہے یعنی یہ مرض خروج ریح کا اس کو اس قدر زیادہ ہے کہ کسی وقت اس کو ایسی نوبت آ چکی ہے کہ تمام وقت نماز میں اس قدر مہلت اس کو اس مرض نے نہیں دی کہ وضو کر کے فرض وقت بدون اس عذر کے پڑھ سکا ہو تو اس کے لیے یہ جائز ہے کہ ایک دفعہ

---

(۱) ردّ المحتار: ۴۳۰/۱، كتاب الطّهارة، باب الحيض، مطلب في حكم وطء المستحاضة و مَن بذَكرهِ نجاسةٌ.

(۲) امرأةٌ خرجَ رأسُ ولدِها وخافت فوتَ الوقت توضّأتْ إن قدرت وإلّا تيمّمت وجعلت رأسَ ولدها في قِدرٍ أو حفيرةٍ وصلّت قاعدةً بركوعٍ وسجودٍ فإن لم تستطعهما تومي إيماءً أي تُصلّي بحسب طاقتِها ولا تفوتُ الصّلاةَ عن وقتها لأنّها لم تصر نفساءَ بخروج بعضِ الولد ما لم ترَ الدّمَ بعد خروج كلِّهِ، والدّمُ الّذي تراه في حالةِ الولادةِ قبلَ خروجِ الولد استحاضةٌ لا تمنع الصّلاةَ فكانت مكلّفةً بقدر وسعِها فلا يجوز لها تفويتُ الصّلاة عن وقتها إلّا إن عجزت بالكلّيّة كما في سائر المرضٰى (غنية المستملي شرح المنية، ص:۲۳۴، فرائض الصّلاة) ظفیر

وضو کر کے وقت کے اندر نماز پڑھ سکتا ہے، اگرچہ ریح نماز میں خارج ہوتی رہی (الدّرّ المختار)[1]

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۴۱-۴۴۲)

کشتی سے اُتر کر باہر نماز پڑھنا بہتر ہے

سوال: (۲۰۸۹) ایک مرتبہ میں پیر صاحب کی ملاقات کو گیا، میں نے کشتی سے باہر اُتر کر نماز پڑھی جائز ہے یا نہ؟ (مستفتی: عبدالعزیز بنگال) (۶۸۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: صلّى الفرضَ في فُلْكٍ جارٍ قاعدًا بلا عذرٍ صحّ لغلبةِ العَجْز وأساء، وقالا: لا يصحُّ إلّا بعذرٍ وهو الأظهر؛ برهان ، والمربوطةُ في الشّطِّ كالشّطِّ في الأصحّ إلخ[2] (الدّرّ المختار) قوله: (جارٍ) أي سائرٍ احترازًا عن المربوطِ.........قوله: (والمربوطة في الشّطّ كالشّطّ) فلا تجوز الصّلاة فيها قاعدًا اتّفاقًا ، وظاهرُ ما في الهداية وغيرها الجوازُ قائمًا مطلقًا أي استقرّت على الأرض أو لا ، وصرّح في الإيضاح بمنعهٖ في الثّاني —— أي في عدم الاستقرار —— حيث أمكنه الخروجُ إلحاقًا لها بالدّابّة ؛ نهر و اختاره في المحيط والبدائع ، بحر ، وعزاهُ في الإمداد أيضًا إلى مجمع الرّوايات عن المصفّٰى ، وجزم بهٖ في نورالإيضاح ، وعلٰى هٰذا ينبغي أن لا تجوز الصّلاةُ فيها سائرةً مع إمكان الخروج إلى البرّ ، وهٰذه المسئلة النّاس عنها غافلون ؛ شرح المنية[2] (ردّ المحتار) والمربوطةُ بِلُجَّةِ البحرِ إن كان الرّيحُ يُحرّكها شديدًا فكالسّائرة وإلّا فَكَالوَاقفةِ و يلزم استقبالُ القبلة عندَ الافتتاح ، وكلّما دارتْ ، ولو أمّ قومًا في فُلْكَينِ مربوطتين صحّ

---

(۱) و صاحبُ عذرٍ مَنْ بهٖ سلس بولٍ لا يمكنهُ إمساكُهُ أو استطلاقُ بطنٍ أو انفلاتُ ريحٍ أو استحاضةٌ إلخ إن استوعبَ عذرُهُ تمامَ وقتِ صلاةٍ مفروضةٍ بأن لا يجدَ في جمِيعِ وقتِها زَمنًا يتوضّأُ و يُصلّي فيه خاليًا عن الحدثِ و لو حكمًا إلخ، وحكمهُ الوضوءُ لا غسل ثوبِهٖ و نحوِهٖ لكلّ فرض ...... ثمّ يُصلّي بهٖ فيه فرضًا ونفلاً إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱/ ۴۳۷-۴۳۸، كتاب الطّهارة ، باب الحيض ، مطلب في أحكام المعذور) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۴۹۹-۵۰۰، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المريض ، مطلب في الصّلاة في السّفينة .

وإلاّ لا[۱] (الدّرّ المختار) ان روایات سے واضح ہے کہ کشتی اگر کنارہ پر کھڑی ہو تو وہ اگر زمین پر مستقر نہ ہو تو اس میں جواز صلاۃ میں اختلاف ہے، ہدایہ وغیرہ میں اس کا جواز منقول ہے، اور محیط و بدائع وغیرہ میں عدم جواز کو صحیح کہا ہے، اور یہی احوط ہے۔ کما ھو ظاھر. فقط واللہ اعلم
(۴/ ۴۳۸-۴۳۹)

کنارہ پر بندھی ہوئی کشتی میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۰۹۰) اگر کشتی کنارہ پر بندھی ہوئی ہو تو کھڑے ہو کر بدون مستقر زمین کے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور خلاصۃ الفتاوی جلد اوّل صفحہ: ۱۹۴ میں ناجائز تحریر کرتے ہیں۔ (۲۴۸۱/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: ہدایہ میں ہے: والمربوط کالشّطّ ھو الصّحیح[۲] ومثلهٗ في الدّرّ المختار وفي ردّ المحتار: قوله: (والمربوطة في الشّط كالشّطّ) فلا تجوز الصّلاة فيها قاعدًا اتّفاقًا، وظاهر ما في الهداية وغيرها الجواز قائمًا مطلقًا أي استقرّت على الأرض أو لا، وصرّح في الإيضاح بمنعِهِ في الثّاني حيثُ أمكنه الخروج إلحاقًا لها بالدّابّة إلخ[۳]
معلوم ہوا کہ صحیح یہ ہے کہ کشتی مربوط علی الشط میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا درست ہے، البتہ بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے؛ لیکن احوط یہ ہے کہ کشتی سے باہر کنارہ پر نماز پڑھے تا کہ خلاف سے نکل جاوے۔ فقط
(۴/ ۴۴۲)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔
(۲) الهداية: ۱/ ۱۶۲، كتاب الصّلاة، باب صلاة المريض .
(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۵۰۰، كتاب الصّلاة، باب صلاة المريض، مطلب في الصّلاة في السّفينة .

مسافر کی نماز کا بیان

ہر سفر شرعی میں قصر کے واجب ہونے کی دلیل

سوال: (۲۰۹۱) ہر سفر میں باوجود امن و امان کے بھی ضرور نماز قصر ہی پڑھنا واجب ہے؛ ثابت نہیں ہوتا، دلیلِ وجوب تحریر فرمائیے۔ (۹۷۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: دلیلِ وجوب یہ حدیث ہے: عن یعلی بن أمیّة قال: قلتُ: لعمر بن الخطّاب رضي اللّٰه عنه إنّما قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (النّساء، الآیة: ۱۰۱) فقد أمِن النّاس، قال عمر: عَجِبْتُ ممّا عَجِبْتَ منه فسألت رسولَ اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم: فقال: صدقةٌ تصدّق اللّٰه به علیکم، فاقبَلوا صدقتَهٗ، رواه مسلم [۱] حاصل یہ کہ یعلی بن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ حق تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے کہ نماز کو قصر کرو اگر تم کو خوف کفار کے فتنہ کا ہو، پس اب لوگ ماٴمون ہیں وہ خوف نہیں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے یہ شبہ پیش آیا تھا سو میں نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ نے فرمایا: ''یہ اللہ کا انعام ہے اس کو قبول کرو''۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۴۸۹/۴-۴۹۰)

سفر میں دو رکعت اور حضر میں چار رکعت فرض ہیں

سوال: (۲۰۹۲) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں دو رکعت نماز پڑھی تھی یا چار رکعت؟

---

(۱) مشکاة المصابیح، ص: ۱۱۸، کتاب الصّلاة، باب صلاة السّفر، الفصل الأوّل.

اور نیز غزوات میں آپ ﷺ نے دو رکعت پڑھی ہیں، آج کل کے روشن خیال لوگوں کے اعتقاد میں صرف دو ہی رکعت نماز فرض ہے، چار رکعت نہیں ہیں؛ اس مسئلہ کو مفصل ارقام فرمادیں۔

(۱۲۳۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جناب رسول اللہ ﷺ کا بہ وقت سفر یا غزوات میں چار رکعت کی جگہ دو رکعت پڑھنا بہ سبب قصر کے ہے، سفر شرعی میں چار رکعت کی جگہ دو رکعت فرض ہوتی ہیں، قرآن شریف میں ہے: ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ الآية﴾ (سورۂ نساء، آیت:۱۰۱) وفي الحديث: عن ابن عبّاس وعن ابن عمر رضي اللّٰه تعالىٰ عنهم قالا: سنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم صلاةَ السّفر ركعتين وهما تمامٌ غيرُ قصر. الحديث[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۹۰-۴۹۱)

تکملہ: اور یہ کہنا غلط ہے کہ صرف دو ہی رکعت نماز فرض ہے، چار رکعت نہیں ہیں، آنحضرت ﷺ نے حضر میں ہمیشہ چار رکعت نماز پڑھی ہے، اور سفر میں دو رکعت۔ عن أنس رضي اللّٰه عنه أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم صلّى الظّهر بالمدينة أربعًا وصلّى العصر بذي الحليفة ركعتين، متّفق عليه.

وعن ابن عبّاس رضي اللّٰه عنهما قال: فرض اللّٰهُ الصّلاةَ علىٰ لسان نبيّكم صلّى اللّٰه عليه وسلّم في الحضر أربعًا، وفي السّفر ركعتين، رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، ص:۱۱۸-۱۱۹، كتاب الصّلاة، باب صلاة السّفر، الفصل الثّالث)

پندرہ دن قیام کا پختہ ارادہ نہ ہو تو نماز کو قصر کرنا چاہیے

سوال: (۲۰۹۳) چند اشخاص تجارت پارچہ کو جاتے ہیں، اور ایک جگہ قیام کرتے ہیں، قریب کے مواضعات میں پارچہ فروخت کر کے رات کو جائے قیام پر واپس آجاتے ہیں، اور نماز کو قصر کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارا ارادہ قیام کا نہیں؛ پارچہ فروخت ہونے پر چلے جاویں گے، ایسی حالت میں اگر پندرہ روز یا زیادہ قیام کی نوبت آجاوے تو کیا حکم ہے؟ (۳۲۹/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) مشكاة المصابيح، ص:۱۱۹، كتاب الصّلاة، باب صلاة السّفر، الفصل الثّالث.

الجواب: جب کہ اوّل پختہ ارادہ پندرہ دن قیام کا وہاں نہ ہوا گرچہ پندرہ دن یا زیادہ اتفاق سے قیام ہو جاوے تو ایسی حالت میں نماز کو قصر کرنا چاہیے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۴۳)

جہاں مسلسل پندرہ دن قیام کی نیت نہ ہو قصر کرے

سوال: (۲۰۹۴) ہم لوگ پندرہ سال سے قصبہ تراوڑی میں تجارت کرتے ہیں، اور مال لا کر فروخت کرتے ہیں، اور یہاں آ کر دیہات کو چلے جاتے ہیں، مگر مکان کرایہ پر لے رکھا ہے، مکان سے جب ہم آتے ہیں چار پانچ مہینے رہتے ہیں، مگر پندرہ روز ٹھہرنا نہیں ہوتا، دو روز باہر جاتے ہیں، دو روز تراوڑی رہتے ہیں، نیت یہ ہوتی ہے کہ چار ماہ رہ کر وطن جائیں گے تو نماز قصر پڑھے یا پوری۔

(۷۵۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: جب کہ اس جگہ جہاں آپ لوگ بہ غرض تجارت جاتے ہیں پندرہ دن کے قیام کی نیت نہیں ہوتی بلکہ یہ نیت ہوتی ہے کہ دو چار دن ٹھہر کر باہر دیہات میں پھریں گے کسی گاؤں میں دو دن کسی میں چار دن رہیں گے، اسی طرح چار پانچ مہینہ گذارے جاتے ہیں تو اس صورت میں نماز قصر پڑھنی چاہیے۔ كذا في كتب الفقه [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۴۹)

کسی شہر میں مکان بنایا مگر رہتا نہیں اس کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۰۹۵) ایک شخص کی سکونت وطن اصلی میں ہے، دوسرے شہر میں فقط زوجہ ثانیہ کے قیام وسکونت کے لیے مکان بنایا، بعد چند سال کے بہ وجہ ناموافقت آب وہوا کے زوجہ ثانیہ کو وطن اصلی میں لے جانا پڑا، اور اس دوسرے شہر کے مکان کو مقفل کر دیا، بعض اسباب خانہ داری بھی اب تک یہیں ہیں، اور زوجہ ثانیہ کا پھر یہاں آنا بھی مشکوک ہے، اس صورت میں اگر وہ شخص

---

(۱) ولا يزالُ على حكمِ السّفرِ حتّٰى ينويَ الإقامةَ في بلدةٍ أو قريةٍ خمسةَ عشرَ يومًا أو أكثرَ وإن نوىٰ أقلَّ من ذلك قصر إلخ ، ولو دخل مِصرًا علىٰ عزم أن يخرج غدًا أوبعدَ غدٍ ولم ينو مـدّةَ الإقامة حتّٰى بقيَ علىٰ ذلك سنين قَصَرَ. (الهداية:۱/۱۶۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر)ظفیر

کسی ضرورت سے مسافتِ سفر طے کرکے اس دوسرے شہر میں آئے تو اس کو قصر کرنا ہوگا یا چار رکعت پوری ادا کرنا ہوگی؟ (۱۶۲۵/۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس حالت میں اس کو قصر کرنا ہوگا۔ کما في شرح المنية: إذ المعتبر الأهل دون الدّار (۱) وهٰكذا في ردّ المحتار (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۹۲/۴)

وطن اقامت میں پندرہ دن قیام کی نیت ہو تو نماز پوری پڑھے ورنہ قصر کرے

سوال: (۲۰۹۶) زید کا وطن اصلی الہ آباد ہے اور ملازم انبالہ میں ہے، ہمیشہ دورہ میں رہنا پڑتا ہے، انبالہ میں صرف دو ایک روز قیام ہوتا ہے، اور ضلع کے بعض مقام ۳۶ میل سے زیادہ ہیں، اور بعض مرتبہ انبالہ کے قرب وجوار میں دورہ کرنا پڑتا ہے تو اس کو نماز قصر پڑھنی چاہیے یا پوری؟

(۵۸۱/۱۳۴۰ھ)

الجواب: وطن اصلی زید کا تو الہ آباد ہی رہے گا اور انبالہ وطن اقامت ہے، وہاں اگر پندرہ روز قیام کی نیت کی گئی تو پوری نماز پڑھنی ہوگی ورنہ قصر کرنا ہوگا (۳) اور انبالہ میں اگر پندرہ روز قیام کی نیت ہوئی اور وہاں نماز پوری پڑھی گئی تو پھر جب انبالہ سے ۴۸ میل سفر کا ارادہ ہو تو قصر کرے ورنہ پوری نماز پڑھے (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۶۱/۴)

---

(۱) غنية المستملي: ص: ۴۶۸، فصل في صلاة المسافر.

(۲) ردّ المحتار: ۵۳۶/۲، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصليّ و وطن الإقامة.

(۳) أو ينوي إلخ إقامةَ نصفَ شهرٍ حقيقةً أو حكمًا إلخ بموضعٍ واحدٍ صالحٍ لها ...... فيقصُرُ إن نوى الإقامةَ في أقلَّ منه أي من نصف شهرٍ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۲۸/۲-۵۲۹ كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر) ظفير

(۴) ويبطل وطنُ الإقامة بمثلِهٖ وبالوطن الأصليّ وبإنشاء السّفر إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۳۶/۲، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصليّ و وطن الإقامة) ظفير

ایک شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر کو وطن اصلی بنالیا تو پہلے شہر میں قصر کرے

سوال: (۲۰۹۷) ایک شخص پہلے امرتسر میں رہتا تھا پھر لاہور میں مع بال بچوں کے اور بیوی کے چار برس سے اقامت گزیں ہے، اور امرتسر میں کچھ زمین بھی ہے، اور بھائی بہن بھی امرتسر میں ہی رہتے ہیں، اگر امرتسر اور لاہور میں مسافت سفر کی ہو تو اس شخص کو امرتسر میں قصر کرنا ہوگا یا نہیں؟

(۱۳۳۵/۹۴۶ھ)

الجواب: اگر اس شخص نے لاہور کو وطن اصلی بنالیا ہے، اور امرتسر کی سکونت ترک کردی تو امرتسر میں اگر پندرہ دن کی اقامت کی نیت نہیں کی تو وہاں قصر کرے گا۔ کما في الدّرّ المختار: الوطن الأصلي ...... يبطل بمثلہٖ إذا لم يبق لہٗ بالأوّل أهلٌ إلخ[1] فقط واللہ اعلم (۴/۴۴۴)

سوال: (۲۰۹۸) ایک شخص کی اور اس کے باپ بھائیوں کی جائیداد اور مکانات ایک قریہ میں واقع ہیں، پہلے ان مالکان کی رہائش اور سکونت بھی اسی قریہ میں تھی، اب کچھ عرصے سے دوسری جگہ سکونت منتقل کرلی ہے، ان میں سے ایک شخص فصل کے موقع پر وہاں جا کر آمدنی وصول کرلاتا ہے تو جو شخص وہاں جاتا ہے وہ قصر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۱۰۵۵ھ)

الجواب: اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا وہاں قصد ہے تو قصر پڑھے گا، اور اگر پندرہ دن یا زیادہ قیام کے ارادہ سے وہاں جاوے گا تو پوری نماز پڑھے گا، اور اگر کچھ ارادہ پختہ نہ ہو بلکہ یہی ارادہ رہے کہ دو چار دن میں چلا جاؤں گا یا جب وصول ہوگا چلا جاؤں گا تو برابر قصر کرے گا[2] اگرچہ بلا ارادہ زیادہ دنوں ٹھہرنا ہو جاوے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۶۹-۴۷۰)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۳۵-۵۳۶، کتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر.

(۲) ولو كان لہٗ أهلٌ ببلدتين فأيّتهما دخلها صار مقيمًا، فإن ماتتْ زوجتُہٗ في إحداهما و بقي لہٗ فيها دورٌ وعقارٌ قيل: لا يبقٰى وطنًا لہٗ إذ المعتبر الأهلُ دون الدّار (ردّ المحتار: ۲/۵۳۶، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصليّ و وطن الإقامة)

الوطن الأصليّ إلخ يبطل بمثلہٖ إذالم يبق لہٗ بالأوّل أهلٌ (الدّرّ المختار) أي و إن بقي لہٗ فيه عقارٌ إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۳۵-۵۳۶، باب صلاة المسافر) ظفیر

(۳) ولايزال علٰى حكم السّفر حتّٰى ينوي الإقامةَ في بلدةٍ أو قريةٍ خمسةَ عشرَ ==

جس جگہ جائیداد ہے مگر رہتا نہیں وہاں قصر کرے یا اتمام؟

سوال: (۲۰۹۹) ایک شخص کی اراضی، مکانات ضلع جالندھر میں ہے، اوراب وہ مع اہل وعیال بہ وجہ اراضی ملنے کے ضلع لائل پور میں چلا گیا، وہاں سکونت اختیار کرلی، چونکہ ضلع جالندھر میں بھی اس کے مکانات اورزمین ہے اس کے انتظام کے لیے اس کو بعد شش ماہ یا اس سے کم وبیش مدت میں آنا پڑتا ہے؛ آیا وہ شخص یہاں آکر نماز پوری پڑھے یا قصر کرے؟ (۸۲۵/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس میں اصح اور احوط یہی ہے کہ وطن اوّل بھی وطن اصلی ہے، وہاں نماز پوری پڑھے جیسا کہ بعض فقہاء کے اقوال سے اس کو ترجیح معلوم ہوتی ہے؛ نیز اس قاعدہ سے بھی اتمام راجح ہے جس کو علامہ شامی نے امام ابو یوسفؒ کے قول کی ترجیح میں نقل کیا ہے کہ جس موقع پر قصر اور اتمام میں اشتباہ ہوتو وہاں اتمام کو ترجیح ہوتی ہے، کیونکہ احتیاط اسی میں ہے، وہ عبارت یہ ہے جو شروع صلاۃ مسافر میں علامہ نے نقل کی ہے: كما في التّجنيس: إذا افتتح الصّلاةَ في السّفينةِ حالَ إقامتِهِ في طرفِ البحر فنقلتْها الرّيحُ و نوى السّفرَ يُتمّ صلاةَ المقيم عند أبي يوسفؒ خلافًا لمحمّدؒ ، لأنّهُ اجتمع في هٰذه الصّلاة ما يوجب الأربعَ وما يمنع فرجّحنا ما يوجب الأربعَ احتياطًا إلخ [1] (شامي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۷۱-۴۷۲)

وضاحت: اس جواب میں اتمام کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ پہلی جگہ میں سکونت کا ارادہ ترک نہ کیا ہو، اوراگر پہلی جگہ میں سکونت کا ارادہ ترک کردیا ہے تو پھر وہاں قصر کرے گا؛ جیسا کہ سابقہ دو جوابوں میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ضمیمہ فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۱۶/۴) محمد امین پالن پوری

== يومًا أو أكثرَ. (الفتاوى الهنديّة: ۱/۱۳۹، كتاب الصّلاة ، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر)

أو ينوي إلخ إقامةَ نصفَ شهرٍ إلخ بموضعٍ واحدٍ صالحٍ لها ...... فيقصُرُ إن نوى الإقامةَ في أقلَّ منه أي من نصف شهرٍ إلخ أو دخل بلدةً ولم ينوها أي مدّةَ الإقامةِ بل تَرَقّبَ السّفرَ غدًا أو بعدَهُ و لو بقي علىٰ ذلك سنين. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۲۸-۵۳۰، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر) ظفیر

(۱) ردّ المحتار: ۲/۵۲۴، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر ، تحت قوله: (قاصدًا) .

وطنِ اقامت میں پندرہ روز قیام کا ارادہ نہ ہو تو قصر کرنا چاہیے

سوال: (۲۱۰۰) ایک شخص بہ سلسلہ روزگار اپنے وطن سے بھرت پور آئے، بھرت پور میں اس کے قیام کو چالیس برس کا عرصہ گذر گیا، اس درمیان میں وہ رخصت لے کر اپنے وطن کو بھی جایا کرتے تھے، لیکن کبھی گھر کے آدمیوں کو بھی یہاں پر لے آیا کرتے تھے، بھرت پور میں مکان کرایہ پر لے کر رہتے تھے، ان کا لڑکا محمد رفیق ہمراہ تھا، اب وہ دہلی روزگار کی غرض سے چلے گئے، دہلی میں رہتے ہوئے چار پانچ برس ہوگئے، اب اگر محمد رفیق دہلی سے بھرت پور اپنے باپ کے پاس آوے تو نماز پوری پڑھے یا قصر کرے؟ (۶۳/۷-۱۳۳۵ھ)

الجواب: بھرت پور میں اگر بہ نیت قیام پندرہ یوم نہ آنا ہو تو نماز قصر کرنی چاہیے، کیونکہ بھرت پور وطن اقامت تھا، سفر کرنے سے باطل ہوگیا[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۴۴)

سوال: (۲۱۰۱) زید کا وطن اصلی دہلی میں ہے، اور جائے اقامت صدر مقام کانپور میں ہے، اور اس کو صدر مقام میں اتفاق قیام کا مدام پندرہ دن سے کم پڑتا ہے تو جائے اقامت میں زید قصر کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۳۷۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: جائے اقامت سے سفر کرنے کے بعد وہ وطن اقامت باطل ہوجاتا ہے، پھر اگر وہاں پندرہ دن قیام کی نیت نہیں کی تو قصر کرنا چاہیے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۴۸)

باپ اور بیٹے کی جائے سکونت الگ الگ ہو تو ہر ایک دوسرے کی جائے سکونت میں قصر کرے گا

سوال: (۲۱۰۲) ایک شخص اپنے والد کی جائے سکونت سے دور دراز فاصلے پر رہتا ہے، اگر بیٹا باپ کی جائے سکونت میں یا باپ بیٹے کی جائے سکونت میں جاوے تو قصر پڑھیں گے یا نہیں؟

(۱۰۵۵/۱۳۴۲ھ)

---

(۱) و وطن الإقامة يبطل بوطن الإقامة و بإنشاء السّفر و بالوطن الأصليّ . (الفتاوی الهندية: ۱۴۲/۱، كتاب الصّلاة ، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر) ظفير

الجواب: جب کہ وطن اصلی ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ ہوگیا ہے تو ہر ایک ان میں سے دوسرے کے وطن میں جانے سے مقیم نہ ہوگا بلکہ قصر نماز پڑھے گا[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۶۹)

جو ملازم دس دن سے زیادہ کسی جگہ پر قیام نہیں کرتا وہ پوری نماز پڑھے یا قصر کرے؟

سوال: (۲۱۰۳) ایک آفیسر کا صدر مقام سکندر آباد ہے، جہاں ان کے بال بچے بھی رہتے ہیں، اور ان کی ملازمت دوازدہ (۱۲) ماہ کے دورہ کی ہے، سکندر آباد سے ایک طرف علاقہ ۳۲ میل اور ایک طرف پانچ میل اور ایک طرف ۲۱ میل اور ایک طرف ۲۲ میل کے قریب قریب ہے، دورہ میں کسی جگہ پر دس روز سے زیادہ قیام نہیں ہوتا، اور خاص سکندر آباد میں بھی دس روز سے زائد قیام نہیں ہوتا، اس صورت میں آفیسر مذکورہ بالا کو سکندر آباد یا دیگر مقامات میں نماز قصر پڑھنی چاہیے یا پوری یا کیا حکم ہے؟ (۱۹۵/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: قاعدہ یہ ہے کہ موضع اقامت میں جب تک پندرہ دن کے قیام کی نیت ایک دفعہ میں نہ ہو اس وقت تک قصر ہی کرنا چاہیے، اور دورہ میں چونکہ کوئی مقام مسافت شرعیہ یعنی قصر کی قابل نہیں ہے، پس اگر اوّل سکندر آباد میں نیت اقامت پندرہ دن کی ہو چکی ہے، تب تو پھر دورہ میں کہیں قصر نہیں ہے، اور اگر سکندر آباد میں ہی اوّل نیت اقامت پندرہ دن کی نہ ہوئی تھی اور نہ پھر کسی دوسرے مقام میں نیت پندرہ دن کے قیام کی ہوئی تو پھر برابر قصر کرے یعنی سکندر آباد میں بھی اور دورہ میں بھی[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۴۶-۴۴۷)

---

(۱) الوطنُ الأصليُّ هو موطنُ ولادتِهِ أو تأهّلِهِ أو توطّنِهِ يَبطل بمثلِهِ إذا لم يبق لهُ بالأوّل أهلٌ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۳۵-۵۳۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر) ظفير

(۲) لا يزالُ علىٰ حكمِ السّفرِ حتّٰى ينويَ الإقامةَ في بلدةٍ أو قريةٍ خمسةَ عشرَ يومًا أو أكثرَ و إن نوىٰ أقلَّ من ذلك قصر. (الهداية: ۱/۱۶۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر) ظفير

جو دن میں تین چار میل اِدھر اُدھر جاتا ہے اور رات میں ایک ہی جگہ رہتا ہے وہ پوری نماز پڑھے

سوال: (۲۱۰۴) ایک شخص رخصت سے واپس آکر ایک ایسی جگہ متعین ہوا کہ اس کو تین چار میل روزانہ جانا پڑتا ہے، مگر رات کو اپنی جائے قیام پر واپس آجاتا ہے؛ (کیا) وہ مسافر رہے گا یا مقیم؟ (اور اگر اس جگہ سے پھر کہیں تبدیلی ہو تو کیا حکم ہے؟)[۱] (۱۱۸۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اگر اس نے اس جگہ متعینہ میں اوّل پندرہ روز کے قیام کی نیت کرلی تھی تو وہ مقیم ہوگیا، پھر اگر روزانہ دو چار میل کہیں جانا پڑے تو اس سے وہ مسافر نہیں ہوتا، اس کو نماز پوری ہی پڑھنی چاہیے، اور اگر دوسری جگہ کی تبدیلی ہوجاوے تو وہاں بھی یہی حکم ہوگا[۲] فقط (۴/۴۶۳)

جو تاجر شام کو قیام گاہ پر واپس آجاتا ہے وہ پوری نماز پڑھے یا قصر کرے؟

سوال: (۲۱۰۵) ایک شخص اپنے مکان سے چھتیس کوس پر تجارت کرتا ہے، اس طور سے کہ کسی شہر میں مکان لے کر رہتا ہے، اور باہر دیہات میں بہ غرض پھیری ہر روز جاتا ہے، اور شام کو قیام گاہ پر واپس آجاتا ہے، بعض دفعہ ایک دو روز کسی گاؤں میں رہنا ہوتا ہے، اس صورت میں نماز قصر کرے یا پوری پڑھے؟ (۱۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اگر پندرہ روز یا زیادہ اس مقام میں قیام کی نیت ہے تو نماز پوری پڑھنی چاہیے، نیتِ قیام کے بعد اگر بہ طور پھیری دو دو، چار چار کوس کے فاصلے پر دیہات میں جاوے اور شام کو جائے قیام پر لوٹ آوے تو اس سے قصر نماز کا حکم نہیں ہوتا پوری ہی نماز پڑھنی چاہیے؛ لیکن اگر اس مقام

---

(۱) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) وإن دخلَ أوّلاً ما نوى المبيتَ فيه يَصيرُ مقيمًا ثمّ بالخروج إلى الموضعِ الآخرِ لا يصير مسافرًا لأنّ موضِعَ إقامةِ الرّجلِ حيث يبيتُ بهٖ ؛ حلبة (الدّرّ المختار مع ردّالمحتار: ۵۳۰/۲ كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر)

میں جس میں مکان کرایہ پر لیا پندرہ روز قیام کا ارادہ نہیں بلکہ اوّل سے ہی یہ ارادہ ہے کہ فلاں مقام میں جو چھتیس کوس ہے، مکان لے کر دیہات میں پھیرا کروں گا اور اس جائے قیام میں قیام نہ کروں گا تو پھر قصر کرے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۹۲)

دورانِ سفر جب تک کسی شہر میں پندرہ دن قیام کی نیت نہ ہو قصر کرے

سوال: (۲۱۰۶) ایک شخص بہ ایں خیال لمبے سفر میں روانہ ہوا کہ خدا جانے میں کب واپس آؤں وہ قصر کرے یا نہ؟ (۲۳۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اس کو نماز قصر کرنی چاہیے، یعنی دو رکعت پڑھنی چاہیے، جب تک کہ پندرہ دن کے قیام کا ارادہ کسی شہر میں نہ کرے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۹۳)

جو سرکاری ملازم دورہ کرتا رہتا ہے وہ قصر کرے یا نہیں؟

سوال: (۲۱۰۷) زید ملازم سرکاری ہے، اس کے رہنے کا مقام 'الف' ہے، مگر اس کو کبھی تو صرف اطراف میں یعنی ۴۸ میل کے اندر اور کبھی ۵۰ یا ۶۰ یا ۸۰ میل تک دورہ کرنا پڑتا ہے، اور دورہ میں چھ روز یا آٹھ روز یا دس روز گذر جاتے ہیں، رہنے کے مقام کو واپس نہیں آتا؛ اس صورت میں قصر کرے یا نہیں؟ (۲/۷۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اگر گھر سے نکلنے کے وقت اس نے ارادہ کیا تھا کہ اس دورہ میں منتہائے سفر فلاں مقام ہے کہ جو ۴۸ میل یا زیادہ جائے رہائش[3] سے ہے تو قصر لازم ہے ورنہ نہیں؟ (۴/۴۸۳-۴۸۴)

---

(۱) عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: إذا كنتَ مسافرًا فوطنتَ نفسك علىٰ إقامة خمسةَ عشرَ يومًا فأتمِمِ الصّلاةَ و إن كنتَ لا تدري متىٰ تظعن فاقصر. (غنية المستملي: ص:۴۶۴، فصل في صلاة المسافر) ظفير

(۲) ولو دخل مصرًا علىٰ عزم أن يخرجَ غدًا أو بعدَ غدٍ و لم ينو مدّةَ الإقامة حتّٰى بقي علىٰ ذلك سنين قَصَرَ لأنّ ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أقامَ باذرْ بِيجان ستّةَ أشهرٍ، و كان يقصر، وعن جماعةٍ من الصّحابة مثل ذلك. (الهداية: ۱/۱۶۶، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر)

(۳) رجسٹر نقول فتاوی میں (رہائش) کی جگہ ''اقامت'' ہے، اس کو مفتی ظفیر الدین صاحب نے بدلا ہے۔ ۱۲

گیا قصر والے راستے سے اور لوٹا غیر قصر والے راستے سے تو واپسی میں قصر کرے

سوال: (۲۱۰۸) ایک گاؤں کے دو راستے ہیں، اگر ریل میں جاوے تو قصر لازم ہے، اور پیدل کے قریب راستے کو جانے سے پوری نماز پڑھے گا؛ اس گاؤں میں ریل سے گیا اور چند روز قیام کیا قصر نماز پڑھتا رہا، واپسی کے وقت پیدل راستہ سے آیا تو گھر پہنچنے تک قصر نماز پڑھے یا نہیں؟ (۱۵۷۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس صورت میں واپسی میں بھی وہ شخص قصر کرے گا جب تک کہ اپنے وطن میں نہ پہنچ جاوے کیونکہ اس گاؤں میں اس نے پندرہ دن قیام کی نیت نہیں کی تھی اور وہ گاؤں وطن اقامت ہنوز نہیں ہوا تھا(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۶۴/۴)

جس راستے سے سفر کیا ہے اسی کی مسافت کا اعتبار ہے

سوال: (۲۱۰۹) تین شخص ایک ایسے مقام کو چلے جس کے مختلف راستے متفرق مسافت رکھتے ہیں، ایک شخص بہ راہ راست جو کہ مسافت تیس کوس ہے؛ جاتا ہے، دوسرا شخص بہ راہ سڑک پختہ جو چکر کھاتے ہوئے جاتی ہے اور مسافت چھتیس کوس ہے؛ جاتا ہے، اور تیسرا شخص بہ ذریعہ ریل جو چکر سے جاتی ہے، اور مسافت چالیس کوس ہے؛ جاتا ہے، اس صورت میں مسافر نمبر۲ و۳ مسافر مانے جاویں گے یا نہیں؟ اور ان کو نماز قصر پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ اور تینوں راستوں میں سے کون سا صحیح مانا جاوے گا؟ (۱۳۹۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: جس راستے کو جو کوئی سفر کرتا ہے اسی راستے کا اعتبار ہے، لہٰذا نمبر۲ و۳ مسافر

---

(۱) و لو لموضعٍ طريقان أحدهما مدّةُ السّفر والآخرُ أقلُّ ، قَصَرَ في الأوّل لا الثّاني إلخ حتّى يدخل موضعَ مقامهِ إلخ أوينوي إلخ إقامته نصفَ شهر (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۲۶/۲-۵۲۸، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر) ظفير

شرعی ہیں وہ قصر کریں گے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۵۱-۴۵۲)

سوال: (۲۱۱۰) ایک شخص ایک جگہ سے سفر کرے اور جس جگہ جائے اس کے دو راستے ہیں، ایک راستے سے مسافت قصر ہے، اور دوسرے راستے کی مسافت کم ہے، پس اگر یہ شخص اُس جگہ اُس راستے سے جائے جو مسافتِ قصر ہے تو اس کو قصرِ صلاۃ جائز ہوگا یا نہیں؟ یعنی جوازِ قصر کے لیے ان دونوں مسافتوں میں کونسی مسافت کا اعتبار ہوگا؟ جس راستے کو چلا اس کا یا اقل مسافت کا؟ اور مسافت قصر کتنی ہے؟ (۱۰۲۶/۲۹-۱۳۳۰ھ)[۲]

الجواب: جس راستے سے سفر کیا اس راستے کی مسافت کا قصر وعدمِ قصر نماز میں اعتبار ہے، اگر اس راستے سے جس کو چلا تین منزل یعنی ۳۶ (چھتیس) کوس یا ۴۸ (اڑتالیس) میل، اِس مسافت پر قصر لازم ہے، اگرچہ دوسرے راستے کو وہ اس سے کم ہو[۳] فقط واللہ اعلم (۴/۴۹۵)

سوال: (۲۱۱۱) اجمیر ہمارے یہاں سے بہ راہ پیادہ بیس کوس ہے اور بہ راہ ریل اسّی کوس، اگر بہ راہ ریل جائیں، تو قصر کرنا ہوگا یا نہ؟ (۴۴۹/۱۳۴۵ھ)[۴]

الجواب: اگر ریل کے راستے سے سفر ہو تو قصر کرنا ہوگا[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۴۳)

مسافتِ قصر ۴۸ میل ہے

سوال: (۲۱۱۲) منزل کتنے کوس کی ہوگی؟ انگریزی کوس کے حساب سے نماز کے لیے قصر تین منزل میں کرنا چاہیے یا کیا؟ (۱۲۹۰/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) ولو لموضعٍ طريقان أحدهما مدّةُ السّفر والآخرُ أقلُّ ، قَصَرَ في الأوّل لا الثّاني (الدّرّ المختار) أي ولو كان اختارَ السّلوكَ فيه بلا غَرَضٍ صحيحٍ خلافًا للشّافعي كما في البدائع (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۲۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر) ظفیر

(۲) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاوی میں نہیں ہے، نیز جواب کو رجسٹر کے مطابق کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) فإذا قصدَ بلدةً وإلٰى مقصدِهِ طريقان: أحدهما مسيرةُ ثلاثةِ أيّامٍ و لياليها، والآخرُ دونها فَسَلَكَ الطّريقَ الأبعدَ كان مسافرًا عندنا...... وإن سلك الأقصرَ يُتمّ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۸، كتاب الصّلاة ، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر) جمیل الرحمٰن

(۴) سوال وجواب رجسٹر نقول فتاوی کے مطابق کیے گئے ہیں۔۱۲

الجواب: ہمارے نزدیک معمولِ سفر قصر کے لیے ۴۸ میل ہے، سولہ میل کی ایک منزل قرار دی گئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۴۴/۴)

وضاحت: مسافتِ سفر کے بارے میں احناف کا اصل مذہب یہ ہے کہ تین دن تین رات میں متوسط قوت کا آدمی پیدل جتنی مسافت بہ سہولت طے کر سکے وہ سفر شرعی کی مسافت ہے، فرسخوں اور میلوں کا ظاہر مذہب کے موافق اعتبار نہیں ہے، مگر فرسخوں اور میلوں کی تعیین کے بغیر عوام کے لیے عمل کرنا دشوار تھا، اس لیے بعد کے فقہاء نے فرسخوں سے مسافتِ سفر کا اندازہ کیا، اور اس میں تین قول ہیں: (۱) ۲۱ فرسخ یعنی ۶۳ میل شرعی۔ (۲) ۱۸ فرسخ یعنی ۵۴ میل شرعی۔ (۳) ۱۵ فرسخ یعنی ۴۵ میل شرعی۔ پہلے قول پر کسی نے فتویٰ نہیں دیا، دوسرے اور تیسرے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے، پھر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ نے فتاوی رشیدیہ میں ۴۸ میل یعنی ۴ برید پر فتوی دیا[1] کیوں کہ یہ ۱۵ فرسخ سے زائد ہے، اور اس کا مستند موجود ہے، اس لیے اب یہی قول مفتی بہ ہے۔ اور میل شرعی ۲۰۰۰ گز کا اور انگریزی میل ۱۷۶۰ گز کا ہوتا ہے، یعنی میل شرعی سے ۲۴۰ گز چھوٹا ہوتا ہے، اور ۴۸ میل انگریزی کے سواستتر کلومیٹر ہوتے ہیں، اب عام طور سے اسی پر فتوی دیا جاتا ہے۔ محمد امین پالن پوری

سوال: (۲۱۱۳)...... اگر کوئی شخص وطن سے باہر ۴۲ میل پر جا ٹھہرے، اور اس جگہ پر پندرہ روز یا کم کا ارادہ مقیم ہونے کا ہو تو نماز قصر کرنی جائز ہے یا نہیں؟ (۸۲۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: تین دن کی مسافت پر قصر ہوتا ہے، اڑتالیس ۴۸ میل اس کا اندازہ کیا گیا ہے، وہاں جا کر اگر پندرہ دن قیام کا ارادہ ہے تو نماز پوری پڑھے (اور اگر)[2] اس سے کم قیام کا ارادہ ہے تو قصر کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۸۴/۴-۴۸۵)

---

(۱) سوال: کتنی مقدار مسافتِ سفر میں نماز قصر کرنی چاہیے؟ حسب احادیث صحیحہ؟

جواب: چار برید جس کی سولہ سولہ میل کی تین منزلیں ہوتی ہیں۔ حدیث موطا مالک سے ثابت ہوتی ہیں، مگر مقدار میل کی مختلف ہے، لہٰذا تین منزل جامع سب اقوال کو ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاوی رشیدیہ، ص: ۴۳۷، مسافر کے احکام کا بیان، عنوان: صحیح مسافتِ سفر، مطبوعہ: جسیم بک ڈپو، دہلی)

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

سوال: (۲۱۱۴) گھر سے کتنے فاصلے پر جا کر قصر کر سکتا ہے؟[۱] (۸۹۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اس کا نام قصر ہے، سفر میں نماز کے قصر کرنے کا حکم ہے، یعنی جو نماز چار رکعت کی ہے، سفر میں دو رکعت پڑھی جاتی ہیں، مغرب اور صبح کی نماز میں قصر نہیں ہے، شرطِ قصر یہ ہے کہ تین منزل سفر کا ارادہ ہو، یا اس سے زیادہ کا، اور تین منزل کا اندازہ اڑتالیس میل سے کیا گیا ہے۔ فقط (۴/۴۸۵-۴۸۶)

سفر شرعی تین منزل کا ہوتا ہے

سوال: (۲۱۱۵) ایک منزل کتنے کوس یا کتنے میل کی ہوتی ہے؟ (۶۲۱/۱۳۴۲ھ)

الجواب: کتب فقہ میں یہ لکھا ہے کہ سفر شرعی تین منزل کا ہوتا ہے، اور صحیح یہ ہے کہ میلوں کا اعتبار نہیں ہے بلکہ منزلوں کا ہے، اور بعض فقہاء نے میلوں کا اعتبار کیا ہے، اس میں تین قول ہیں: ایک منزل کے ۲۱ یا ۱۸ یا ۱۵ میل لکھے ہیں، اور فتوی ۱۸ میل پر ہے، اور عندالبعض پندرہ (۱۵) میل پر[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۶۸-۴۶۹)

سوال: (۲۱۱۶) نماز قصر کس قدر سفر میں ہے؟ (۶۰۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: تین منزل سفر پر قصر واجب ہے[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۸۰)

---

(۱) رجسٹر میں سوال اسی طرح ہے، شاید ناقل نے سوال کو مختصر کیا ہے۔ ۱۲ محمد امین پالن پوری

(۲) اعلم أنّ أقلّ مدّة السّفر عندنا مسافة ثلاثة أيّام من أقصر أيّام السّنة بالسّير الوسط ، و هو مشي الأقدام و الإبل في البرّ و اعتدال الرّيح في البحر إلخ ، و صحّح صاحب الهداية أنّه لا يعتبر التّقدير بالفراسخ ، لكن قال المرغيناني وعامّة المشائخ قدروها بالفراسخ ، فقيل: أحدٌ وعشرون فرسخًا ، و قيل: ثمانيةَ عشر فرسخا ، قال المرغينانيّ: وعليه الفتوى، و قال العتابيّ في جوامع الفقه: وهو المختار، وقيل: خمسة عشر فرسخًا إلخ. (غنية المستملي، ص:۴۶۱، فصل في صلاة المسافر)ظفیر

(۳) السّفرُ الّذي يتغيّرُ به الأحكامُ أن يَقصد مسيرةَ ثلاثةِ أيّامٍ و لياليها بسير الإبل و مشي الأقدام إلخ و السّير المذكور هو الوسط. (الهداية:۱/۱۶۵، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر)ظفیر

سوال: (۲۱۱۷) مسافر کو کتنے کوس پر قصر کرنا چاہیے؟ اور ہر کوس کتنے میل کتنے قدم پختہ کا ہوگا؟ (۱۵۶۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: سفر اگر تین منزل یعنی تین دن کا ہو تو مسافر پر قصر لازم ہے، اور بعض فقہاء نے منازل کے عوض فراسخ اور میل سے تحدید فرمائی ہے [۱] اس میں تین قول ہیں: بعض نے ۲۱ فرسخ یعنی ۶۳ میل، اور بعض نے ۱۸ فرسخ یعنی ۵۴ میل، اور بعض نے ۱۵ فرسخ یعنی ۴۵ میل مقرر کیے ہیں، اور مفتیٰ بہ قول ثانی یا ثالث ہے۔ قال في الشّامي: ثمّ اختلفوا فقيل: أحدٌ وعشرون، وقيل: ثمانيةَ عشرَ، وقيل: خمسةَ عشرَ، و الفتوىٰ على الثّاني لأنّه الأوسط، وفي المجتبىٰ فتوى أئمّة خُوارِزم على الثّالث [۲] اور مذہب ثالث یہ ہے کہ تین دن میں جس قدر مسافت طے ہوتی ہو عادۃً اس میں قصر واجب ہے، اور میل چار ہزار ذراع کا ہے یا چار ہزار قدم کا۔ كذا في الشّامي [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۴۵-۴۴۶)

ریل میں کتنی مسافت پر قصر کرے؟

سوال: (۲۱۱۸) ریل کے سفر میں کتنی مسافت پر قصر کرنا چاہیے؟ (۱۰۲۴/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اگر تین منزل پیادہ کا سفر ہو تو ریل میں بھی اس مسافت پر قصر کرنا چاہیے، مثلاً ۴۸ میل کا سفر ہو تو قصر درست ہے، اور ضروری ہے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۹۰)

---

(۱) قاصدًا ....مسيرةَ ثلاثةِ أيّامٍ ولياليها من أقصرِ أيّام السّنّة، ولا يُشترط سفرُ كلّ يوم إلى اللّيل بل إلى الزّوال، ولا اعتبار بالفراسخ على المذهب (الدّرّ المختار) قال في النّهاية: أي التّقديرُ بثلاثِ مراحلَ قريبٌ من التّقدير بثلاثةِ أيّام إلخ، وكذا ما في الفتح من أنّهُ قيل: يُقدّر بأحدٍ وعشرين فرسخًا، وقيل: بثمانيةَ عشرَ، وقيل: بخمسةَ عشرَ، وكلٌّ مَن قدّر منها اعتقدَ أنّهُ مسيرةُ ثلاثةِ أيّامٍ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۲۴-۵۲۶، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر) ظفیر

(۲) ردّ المحتار: ۲/۵۲۶، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر.

(۳) الفرسخ ثلاثةُ أميالٍ، والميل أربعةُ آلافِ ذراعٍ. (حوالہ سابقہ) ظفیر

میرٹھ سے دہلی جانے والا قصر کرے یا نہیں؟

سوال: (۲۱۱۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ شرعی مسافتِ سفر انگریزی میل کے حساب سے جس کی مقدار سترہ سو ساٹھ گز ہے (کتنی ہے؟) [(۱)] اور میرٹھ سے دہلی کا سفر کرنے والا قصر نماز پڑھے گا یا پوری؟ جب کہ دونوں کے درمیان مسافت (چھاؤنی) [(۱)] سے ۴۵ میل ہے اور شہر سے ۴۲ میل ہے؟ (۶/۹۷۶-۳۲/۱۳۳۳ھ)

الجواب: حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ تین دن یعنی تین منزل کے سفر میں قصر کرنا چاہیے، پس میرٹھ سے دہلی اگر تین منزل ہے قصر کرسکتا ہے ورنہ نہیں، اور فراسخ اور میلوں کا ظاہرِ مذہب کے موافق اعتبار نہیں ہے، جن مشائخ نے فراسخ کا اعتبار بغرض سہولتِ عوام کیا ہے، اس میں تین قول ہیں: اکیس (۲۱) فرسخ یعنی ۶۳ (تریسٹھ) میل شرعی، یا ۱۸ (اٹھارہ) فرسخ یعنی ۵۴ (چوّن) میل شرعی پندرہ (۱۵) فرسخ یعنی ۴۵ (پینتالیس) میل شرعی، اور فتوی ثانی یا ثالث قول پر دیا گیا ہے۔ کذا في ردّ المحتار [(۲)] اور میل شرعی چار ہزار ذراع کا اور ذراع چھ قبضہ یعنی تقریباً ۸ گرہ کا انگریزی ذراع مروّج زمانۂ ہذا سے ہے؛ پس میل شرعی دو ہزار گز کا ہوا، اور میل انگریزی جب کہ سترہ سو ساٹھ گز کا ہے تو فی میل دو سو چالیس گز کا تفاوت میل انگریزی و میل شرعی میں ہوا، تو ۴۵ میل شرعی قریب پچاس میل انگریزی کے ہوگا، اور فراسخ کے اعتبار کرنے پر کم از کم مسافت قصر پچاس میل ہوگی؛ لیکن جب کہ اعتبار کرنا فراسخ کا اصل مذہب کے خلاف ہے تو اب مدار منازل پر ہوگا، اور یہ امر عرف اور عادت و تجربہ پر موقوف ہے، اور یہ بھی کتب فقہ میں (تصریح) [(۳)] ہے کہ تین دن کے سفر سے یہ مراد ہے کہ اقصر ایام سنہ میں صبح سے زوال تک جس قدر مسافت طے ہوسکے وہ مقدار میلوں کی معتبر ہوگی، یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے حضرات اساتذہ نے روزانہ بارہ کوس کا سفر یعنی سولہ میل اختیار فرمایا ہے، کیوں کہ اگر چھ گھنٹہ روزانہ سفر کے لیے مقرر کیے جاویں تو فی گھنٹہ دو کوس پیادہ

---

(۱) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) حوالہ سوال (۲۱۱۷) جواب کے جواب میں آچکا ہے۔۱۲

(۳) مطبوعہ فتاوی میں (تصریح) کی جگہ ''موجود'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

آدمی متوسط چال سے طے کر لیتا ہے، اس اعتبار سے مسافت قصر ۴۸ میل یعنی ۳۶ کوس کو قرار دیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۹۵-۴۹۶)

سفر میں منزل کا اعتبار ہے یا فرسخ کا؟

سوال: (۲۱۲۰) قال في الهداية: ولا معتبر بالفراسخ هو الصّحيح أهـ[1] وفي الدّرّ المختار: ولا اعتبار بالفراسخ على المذهب انتهٰى[2] وفي حاشية الهداية: قوله: هو الصّحيح احترازٌ عن قول عامّة المشائخ فإنّهم قدّروه بالفراسخ، ثمّ اختلفوا فيما بينهم فقيل: أحدٌ وعشرون فرسخًا، وقيل: ثمانيةَ عشرَ، وقيل: خمسةَ عشرَ، والفتوٰى على ثمانيةَ عشرَ، كذا في المحيط انتهٰى[1] ودر حاشیہ مالا بد منہ: ''لیکن صحیح آں است کہ در مذہب حنفیہ اعتبار امیال وفراسخ نیست در عالم گیری از ہدایہ می آرد: ولا معتبر بالفراسخ هو الصّحيح وهٰكذا في الدّرّ المختار اما چہل وہشت میل چناں کہ مصنفؒ اختیار کردہ مذہب شافعی است''[3] جب کہ حنفیہ کے نزدیک میل وفراسخ کا اعتبار نہیں تو جہاز کے سفر میں کس طور پر نماز قصر پڑھیں گے؟

(۴۹۸/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اصل مذہب بے شک یہ ہے کہ منازل کا اعتبار ہے؛ یعنی تین دن کی مسافت معتبر ہے، لیکن ۴۸ میل بھی تین منزل ہوتے ہیں، اس لیے معمول بہ یہی ہے، اور 'مالا بد منہ' میں اس کو اختیار کیا گیا ہے[4] اور دریا کے سفر میں کشتی اور جہاز کی مسافت کا اعتبار ہے یعنی تین دن میں جس قدر سفر طے ہوتا ہے اعتدالِ ریح کے ساتھ، اس میں قصر کا حکم ہے[5] فقط (۴/۴۶۵-۴۶۶)

---

(۱) الهداية: ۱/۱۶۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر، و رقم الحاشية: ۱۷.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۲۶، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر.

(۳) مالا بد منہ، ص: ۵۸، کتاب الصلاۃ، فصل نماز مسافر، حاشیہ نمبر: ۵، مطبع مجتبائی، دہلی)

(۴) مگر وقتیکہ قصد کنند دفعۃً واحدۃً سفر چہل وہشت کردہ را۔ (مالا بد منہ، ص: ۵۹، کتاب الصلاۃ، فصل نماز مسافر، مطبع مجتبائی، دہلی)

(۵) وإنّما يعتبر في كلّ موضع منهما ما يليقُ بحالهٖ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۸، كتاب الصّلاة الباب الخامس عشر في صلاة المسافر) ظفیر

دس کوس چل کر نیت سفر فسخ کردی تو کیا کرے؟

سوال: (۲۱۲۱) زید سفر کو چلا، دس کوس چل کر نیتِ سفر فسخ کردی، اور وطن واپس ہوا تو (ایسے)(۱) میں نماز قصر پڑھے یا نہ؟ (۱۶۴۸/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس صورت میں پوری نماز پڑھے، عالمگیری میں ہے: **أمّا إذا لم يَسِرْ ثلاثةَ أيّامٍ فعزم على الرّجوع أو نوى الإقامة يصير مقيمًا و إن كان في المَفازة** (۲) فقط واللہ اعلم (۴/۴۶۴-۴۶۵)

پہلے ایک قصبہ میں قیام کی نیت کی پھر فسخ کردی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۱۲۲) زید مسافر نے قصبہ میں پندرہ روز قیام کی نیت کر کے چار رکعت پڑھا دی، مگر عصر کے وقت پندرہ روز قیام کی نیت فسخ کردی، اور چار رکعت والی نماز کو دو ہی رکعت پڑھنا پڑھانا شروع کردی تو یہ امامت و نمازیں صحیح ہوئی یا نہیں؟ مسافر کو بعد نیتِ قیام عزم فسخ کرنے پر پوری نماز پڑھنی چاہیے یا قصر؟ (۲۲۱۲/۱۳۴۳ھ)

الجواب: زید کا پہلے بہ نیت قیام پوری نماز پڑھنا اور بعد کو بہ وجہ فسخ کرنے نیت قیام کے قصر کرنا درست وصحیح ہے، مسافر کو بعد فسخ کرنے نیتِ قیام قصر ہی پڑھنا چاہیے۔ فقط (۴/۴۷۳)

استدراک: اس جواب میں تسامح ہے، کیوں کہ جس نے ایک قصبہ میں پندرہ دن قیام کی نیت کی وہ مسافر نہیں رہا، مقیم ہوگیا، اب صرف قیام کی نیت فسخ کرنے پر قصر نہیں کرے گا، بلکہ قصر کے لیے وطن اقامت کی آبادی سے باہر نکلنا ضروری ہے، جیسا کہ اگلے جواب میں مذکور ہے، اس لیے صورتِ مذکورہ میں زید نے قصبہ سے نکلنے سے پہلے جتنی نمازیں قصر پڑھی یا پڑھائی ہیں اُن کا اعادہ واجب ہے۔ محمد امین پالن پوری

---

(۱) مطبوعہ فتاوی میں (ایسے) کی جگہ ''واپسی'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) **الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، كتاب الصّلاة ، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر .**

قصر کے لیے وطن اقامت کی آبادی سے نکلنا ضروری ہے

سوال: (۲۱۲۳) اگر کسے بر وطن اقامت مقیم گردیدہ است، و ہر گاہ ارادۂ رفتن وطن اصلی کند قصر صلاۃ لازم آید یا نہ؟ از بلد اقامت بیروں شدن شرط است؟ (۹۹۲/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: بیرون شدن از بلد اقامت بہ قصد سفر شرعی شرط قصر است، محض از ارادۂ رفتن قصر لازم نہ خواہد شد[1] فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ: عزیز الرحمٰن (۴/ ۴۹۴)

ترجمہ سوال: (۲۱۲۳) اگر کوئی شخص وطن اقامت میں ٹھہرا ہوا ہے، تو یہ جس وقت وطن اصلی کو جانے کا ارادہ کرے گا (اس پر) نماز قصر کرنا لازم ہوگا یا نہیں؟ آیا وطن اقامت سے باہر نکلنا شرط ہے؟

الجواب: سفر شرعی کے ارادہ سے وطن اقامت سے باہر نکلنا قصر کے لیے شرط ہے، صرف جانے کے ارادہ سے قصر لازم نہیں ہوتا ہے، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

قصر کے لیے اپنی بستی کی آبادی سے تجاوز کرنا ضروری ہے

سوال: (۲۱۲۴) اس ملک میں مکانات متصل اور ان میں باغات ہوتے ہیں، باوجود اتصال کے نام مواضعات کے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں، اگر کسی کو بہ ارادہ سفر اپنے مکان سے نکل کر دوسرے موضع میں پہنچنے کے بعد وقت نماز آگیا ہو، اور وہاں سے اپنا موضع بھی نظر آتا ہوا تو یہ مسافر قصر کرے یا اتمام؟ (۸۸۶/ ۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس صورت میں وہ شخص قصر کرے گا کیونکہ قصر کے لیے تجاوز کرنا اپنی بستی کی آبادی سے شرط ہے، نظر آنا آبادی کا مانع قصر سے نہیں ہے۔ کما في الدّرّ المختار: مَن خرج من عِمارة

---

(۱) هو مَن قصد سيرًا وسطًا ثلاثةَ أيّام و لياليها وفارقَ بيوتَ بلدهٖ أهـ (شرح الوقاية: ۱/ ۱۹۴، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر)

قوله: (قصد إلخ) المعتبر في السّفر أمران أحدهما عزم السّير وثانيهما الخروج من البلد فإن جاوز بيوتَ المصر غيرَ قاصدٍ للسّفر لا يكون سفرًا و إن جاوزها قاصدًا مدّةَ ما دون السّفر لا يكون سفرًا أهـ، كذا في البناية. (حاشية شرح الوقاية: ۱/ ۱۹۴، كتاب الصّلاة باب صلاة المسافر، رقم الحاشية: ۸) (مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب)

موضعِ إقامتہ من جهةِ خروجہ وإن لم يجاوز من الجانب الآخر إلخ[1] فقط (۴/۴۷۲)

سوال: (۲۱۲۵) ایک شخص نے بمبئی جانے کا ارادہ کیا اور ارادہ گھر سے یہی ہے کہ چھ مہینہ رہوں گا تو اب یہ شخص قصر کرے گا یا اتمام؟ (۲۱۱۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: راستے میں وہ شخص قصر کرے گا کیونکہ وہ شخص سفر شرعی کے ارادہ سے گھر سے نکلا ہے، لہٰذا علتِ قصر پائی گئی، باقی جب بمبئی پہنچے گا اور وہاں اس کی نیت چھ ماہ کے قیام کی ہے تو وہاں نماز پوری پڑھے گا۔ کما في الدّرّ المختار: مَن خرج من عمارةِ موضع إقامتہ إلخ، قاصدًا .... مسيرةَ ثلاثةِ أيّام ولياليها إلخ، صلّى الفرض الرّباعيَّ ركعتين وجوبًا إلخ، حتّى يدخل موضع مقامہ إن سار مدّةَ السّفر إلخ[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۷۲-۴۷۳)

مسافر سنتوں کو پڑھے یا نہیں؟

سوال: (۲۱۲۶) مسافر محض فرض ہی ادا کرے یا سنن بھی؟ (۱۴۴۴/۱۳۳۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: ويأتي المسافرُ بالسّنن إن كان في حالِ أمنٍ وقرارٍ وإلاّ بأن كان في خوف وفِرارٍ لا يأتي بها هو المختار لأنّهٗ تركٌ لعذرٍ إلخ، قيل: إلاّ سنةَ الفجر إلخ. وفي الشّامي: قال في شرح المنية: والأعدل ما قاله الهِندوانيّ أهـ، قلتُ: والظّاهر أن ما في المتن هو هٰذا[3] (الشّامي: ۱/۵۳۲) اس عبارت سے واضح ہوا کہ مسافر اگر حالت امن میں ہے اور ٹھہرا ہوا ہے تو سنتیں پڑھے، اور اگر امن کی حالت نہیں ہے بلکہ سفر کی جلدی ہے اور خوف ہے تو سنتیں چھوڑ دے، اور بعض فقہاء نے فرمایا کہ سنتیں صبح کی پھر بھی نہ چھوڑے۔ فقط (۴/۴۴۵)

سوال: (۲۱۲۷) حالتِ سفر میں سنت مؤکدہ، وتر اور نوافل کی ادائے گی کا کیا حکم ہے؟ (۸۹۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: سنن مؤکدہ حالت اطمینان میں پڑھنا چاہیے، اگر عین سفر میں ہو اور جلدی ہو تو نہ پڑھے[3] اور وتر ہر حال میں پڑھنے چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۸۵-۴۸۶)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۲۳-۵۲۴، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۲۳-۵۲۸، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر.

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۳۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر.

سفر میں وتر معاف نہیں اور سنن پڑھنا ثابت ہے

سوال: (۲۱۲۸) ایک شخص مدعی ہے کہ مسافر کے لیے سنن اور وتر معاف ہے، اور ترک کرنے سے گناہ نہیں ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے سفر میں کبھی نہیں پڑھی ہیں تو یہ دعویٰ صحیح ہے یا نہ؟

(۵۳۲/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: وتر واجب ہیں ان کا ترک کسی حال میں جائز نہیں ہے؛ مسافر ہو یا مقیم، اور سنن کے بارے میں افضل یہ ہے کہ حالت امن وقرار میں پڑھے، اور اگر عجلت ہے تو ترک کردے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے[1] اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر میں سنن پڑھی ہیں[2] فقط (۴۷۵/۴)

قصر کی حالت میں سنت ووتر پڑھے یا نہیں؟

سوال: (۲۱۲۹) قصر کی حالت میں سنت ووتر پڑھے یا نہیں؟ (۶۰۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: وتر پڑھنے ضروری ہیں اور سنتوں کو بھی حالت اطمینان میں اور فرصت میں نہ چھوڑے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۸۰/۴)

سوال: (۲۱۳۰) قصر میں سنتیں ووتر پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ (۱۳۲۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: ويأتي المسافر بالسّنن إن كان في حال أمنٍ وقرارٍ وإلاّ بأن

---

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) روي عن ابن عمر رضي الله عنهما أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم كان لا يتطوّع في السّفر قبل الصّلاة ولا بعدها ، وروي عنه عن النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم أنّهٗ كان يتطوّع في السّفر. (ترمذي شريف: ۱/۱۲۳، أبواب السّفر، باب ما جاء في التّطوّع في السّفر) ظفير

(۳) وبعضهم جوّزوا للمسافر تركَ السّنن ، و المختار أنّهٗ لا يأتي بها في حال الخوف ، ويأتي بها في حال القرار والأمن . (الفتاوی الهندية: ۱/۱۳۹، كتاب الصّلاة ، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر) ظفير

كان في خوفٍ وفِرارٍ لا يأتي بها هو المختار [۱] حاصل یہ ہے کہ مسافر اگر کسی جگہ ٹھہرا ہوا ہے اور عجلت نہیں ہے تو سنتیں پڑھے اور اگر سفر کی جلدی ہے یا خوف ہے تو سنتیں چھوڑ دے، پھر کہا کہ عند البعض سنتِ فجر پھر بھی نہ چھوڑے [۲] (اور وتر ہر حال میں پڑھنے ضروری ہیں) (۴/۴۹۱)

مسافر سنن ونوافل ترک کر سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۱۳۱) مسافر کو سنن ونوافل پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اگر ترک کرے گا تو گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ (۱۵۹۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: حنفیہ کا مذہب ہے کہ مسافر اگر حالتِ امن وقرار میں ہو، اور عجلت وسیر میں نہ ہو تو سنن رواتب کو ادا کرے، اور اگر امن وقرار کی حالت میں نہ ہو بلکہ جلدی ہو اور خوف ہو تو سنن کو چھوڑ دے۔ الدّرّ المختار باب صلاة المسافر میں ہے: ويأتي المسافر بالسّنن إن كان في حال أمنٍ وقرارٍ وإلّا بأن كان في خوفٍ وفِرارٍ لا يأتي بها هو المختار إلخ [۱] فقط (۴/۴۵۳)

مسافر سنتوں کو نہ پڑھے تو گناہ ہوگا یا نہیں؟

سوال: (۲۱۳۲) جہاں فرض قصر ہیں وہاں سنت اگر نہ پڑھیں گناہ تو نہیں ہے۔

(۸۲۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: گناہ نہیں لیکن حالتِ قیام میں سنتوں کا پڑھنا اچھا ہے [۱] فقط (۴/۴۸۴-۴۸۵)

اگر کوئی قصر کی جگہ اتمام یا اتمام کی جگہ قصر کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۱۳۳) ایک شخص ایک ایسے مقام کو گیا جس کی مسافت بعد تحقیق اپنے خیال میں حد سفر سے کم مسافت خیال کرتا ہے، بایں وجہ وہ پوری نماز پڑھتا رہا، چار پانچ روز کے بعد تحقیق ہوئی کہ مسافت حدِ سفر سے زیادہ ہے تو اس نے جو پوری نمازیں پڑھی تھیں اس کا اعادہ کرے یا نہیں؟

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۳۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر.
(۲) وقيل: يصلّي سنّة الفجر خاصّةً، وقيل: سنّة المغرب أيضًا بحر. (حوالہ سابقہ)

ایک شخص نے ایسے مقام کو جو مسافتِ شرعی سے کم ہے مسافتِ شرعی پر خیال کر کے قصر کرتا رہا، چند روز بعد معلوم ہوا کہ یہ مقام حدِ سفر سے کم ہے تو وہ ان نمازوں کا اعادہ کرے یا نہ؟ (۱۳۹۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: پہلا شخص اگر قعدۂ درمیانی میں بیٹھا ہے تو اس کی نماز فرض ادا ہوگئی، اعادہ فرض نہیں ہے، اور دوسرا شخص ان نمازوں کا اعادہ کرے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۵۱-۴۵۲)

جو امام وطن اصلی میں قصر نمازیں پڑھتا رہا ان کا اعادہ واجب ہے

سوال: (۲۱۳۴) زید بہ حالتِ سفر قصر نماز ادا کرتا ہوا وطن اصلی پہنچا، چونکہ مسئلہ معلوم نہ تھا؛ اس لیے زمانہ قیام وطن میں بھی نماز قصر پڑھتا رہا، امامت کی تب بھی قصر ہی کیا تو امام و مقتدیوں کے لیے کیا حکم ہے؟ (۱۱۲۲/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس صورت میں جس قدر نمازیں اس نے اپنے وطن اصلی میں قصر کی ہیں ان کا اعادہ کرنا اس کے ذمہ اور نیز ان لوگوں کے ذمے جنہوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھی ہے لازم ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۵۷-۴۵۸)

حصولِ ثواب کی خاطر سفر میں نماز پوری پڑھنا ممنوع ہے

سوال: (۲۱۳۵) بہ حالت سفر نماز کس وقت واجب ہوتی ہے، اور وجوبِ قصر کی حالت میں

---

(۱) فلو أتمّ مسافرٌ إن قعد في القعدةِ الأولیٰ تمّ فرضُهُ و لکنّهُ أساءَ إلخ ، وما زاد نفلٌ إلخ وإن لم یقعُد بطلَ فرضُهُ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۳۱-۵۳۲، کتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر)

اور دوسرے شخص نے چار کی جگہ دو پڑھی؛ اس لیے سرے سے اس کی نماز نہیں ہوئی۔ بقي من المفسداتِ ارتدادٌ بقلبِهِ وموتٌ إلخ وترکُ رکنٍ بلا قضاءٍ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۳۷، کتاب الصّلاة ، باب ما یفسد الصّلاة وما یکره فیها، مطلب في المشي في الصّلاة) ظفیر

(۲) الوطنُ الأصليُّ هو موطنُ ولادتِهِ أو تأهّلِهِ أو توطّنِهِ یَبطل بمثلِهِ إذا لم یبق لهُ بالأوّل أهلٌ فلو بقي لم یَبطل بل یتمُّ فیهما (الدّرّ المختار) أي بمجرّد الدّخول وإن لم ینو إقامةً . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۳۵-۵۳۶، کتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر) ظفیر

اگر برائے ثواب پوری نماز ادا کرلی جاوے تو درست ہے یا نہیں؟ (۱۸۷۴/۱۳۳۹ھ)

الجواب: جس وقت بہ ارادۂ مسافتِ قصر یعنی تین منزل شہر سے باہر نکلے اور بستی و آبادی سے باہر ہو جاوے اسی وقت سے نماز قصر کرے[1] اور سفر میں نماز پوری کرنا ممنوع ہے؛ قصر ہی کا حکم ہے اور جو حکم شریعت کا ہے اسی کی پابندی کرنی چاہیے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۵۹)

سوال: (۲۱۳۶) اگر میں اس رعایت یعنی قصر کا مستحق ہوں اور پھر بجائے دوگانہ کے پوری نماز ادا کروں تو جائز ہے یا نہیں؟ (۸۹۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: مسافر شرعی کو جیسا کہ آپ کا سفر ہے جب تک کسی بستی میں پندرہ دن یا زیادہ کے قیام کا ارادہ نہ ہو تو نماز قصر کرنا واجب ہے پوری نماز نہ پڑھنی چاہیے یہ جائز نہیں ہے[3] فقط (۴/۴۸۵-۴۸۶)

سفر میں پوری نماز پڑھنے کی منت لغو اور خلافِ شرع ہے

سوال: (۲۱۳۷) ایک مسافر نے منت مانی کہ سفر میں دو چار روز تک پوری نماز پڑھا کروں گا تو منت کے دنوں کی نماز پوری پڑھے یا قصر کرے؟ {اور پوری پڑھنے میں گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ اور مقیم کی نماز اس کے پیچھے صحیح ہوگی یا نہیں؟}[4] (۵۱۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: قصر کرنا چاہیے؛ یہ منت اس کی لغو ہے کہ معصیت ہے اور خلاف شرع ہے، قصداً

---

(۱) مَن خَرج من عِمارةِ موضعِ إقامتِهِ من جانبِ خروجِهِ إلخ قاصدًا إلخ مسيرةَ ثلاثةِ أيّامٍ و لياليها من أقصرِ أيّام السَّنةِ إلخ صلّى الفرضَ الرّباعيَّ ركعتين. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۲۳-۵۲۶، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر) ظفیر

(۲) صلّى الفرضَ الرّباعيَ ركعتين وجوبًا لقول ابن عبّاس: إنّ اللّٰه فرض على لسان نبيّكم صلاة المُقيم أربعًا و المُسافرِ ركعتين (الدّرّ المختار) قوله: (وجوبًا) فيكره الإتمامُ عندنا حتّى روي عن أبي حنيفة أنّهُ قال: من أتمّ الصّلاةَ فقد أساء وخالف السُّنةَ؛ شرح المنية. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۲۶-۵۲۷، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر) ظفیر

(۳) حوالہ سابقہ۔

(۴) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

پوری نماز پڑھنے میں گنہ گار ہوگا اور مقیم کی نماز اس کے پیچھے نہ ہوگی (۱) فلو أتمّ مسافرٌ إن قعد في الأولٰی تمّ فرضُہٗ ولکنّہٗ أساء إلخ (۲) (الدرّ المختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۸۸-۴۸۹)

حنفی مسافر کا قصر کے بارے میں شافعی مذہب پر عمل کرنا درست نہیں

سوال: (۲۱۳۸) ایک مسافر حنفی نے نماز میں قصر نہ کیا، دریافت کرنے سے جواب دیا کہ جب قصر کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ نماز ہی نہیں پڑھی اور دل اچاٹ ہو جاتا ہے، اس وجہ سے قصر نہیں کرتا، مجبوراً قول امام شافعی کو لیتا ہوں، اس صورت میں اس مسافر کی نماز ہوئی یا نہیں؟

(۱۷۴۱/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: یہ اس مسافر نے برا کیا، شافعی (۳) کے مذہب پر اس بارے میں حنفی کو عمل کرنا درست نہیں ہے، اپنے مذہب کے موافق ضرور قصر کرنا واجب ہے (۴) باقی اگر اس نے تنہا نماز پڑھی تو ہو گئی (۵) اور اگر امام ہوا تو مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی (۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۴۶)

---

(۱) کیوں کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء درست نہیں۔ لا یصحّ الاقتداءُ —— إلٰی قولہٖ —— ولا متفرضٍ بمتنفّلٍ. (الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۲۷۷-۲۷۹، کتاب الصّلاۃ، باب الإمامۃ)

(۲) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۵۳۱، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ المسافر.

(۳) مطبوعہ فتاوی میں 'شافعی' سے پہلے 'امام' تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں لفظ 'امام' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کر دیا ہے۔ ۱۲

(۴) والقصر لازم عندنا إلخ و الآثار في ذلك كثيرةٌ و هي تدلّ علٰی أنّ الفرضَ رکعتان و أنّ الإتمامَ منکرٌ، ولو کان جائزًا لَفَعَلَہٗ علیہ الصّلاۃ والسّلام مرّۃً تعلیمًا للجواز.

(غنیۃ المستملي: ص: ۴۶۲-۴۶۳، فصل في صلاۃ المسافر) ظفیر

(۵) فلو أتمّ مسافرٌ إن قعد في القعدۃِ الأولٰی تمَّ فرضُہٗ ولکنّہٗ أساء لو عامدًا لِتأخیر السّلام وترکِ واجبِ القصرِ و واجبِ تکبیرۃِ افتتاحِ النّفل وخلْطِ النّفل بالفرض. (الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۵۳۱-۵۳۲، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ المسافر) ظفیر

(۶) کیوں کہ مسافر کی آخری دو رکعتیں نفل ہیں، اور مقیم کی آخری دو رکعتیں فرض ہیں، اور نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء درست نہیں۔ لا یصحّ الاقتداءُ —— إلٰی قولہٖ —— ولا متفرضٍ بمتنفّلٍ. (الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۲۷۷-۲۷۹، کتاب الصّلاۃ، باب الإمامۃ) محمد امین

جو قصر کو نہ مانے اس کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۱۳۹) زید مسافر پر قصر کا معتقد نہیں یا معتقد تو ہے مگر (خود)[1] قصر نہیں کرتا ہے، ہر دو صورت میں کیا حکم ہے؟ (۱۶۹۶/۱۳۴۰ھ)

الجواب: مسافر بہ سفر شرعی کو قصر کرنا واجب ہے، جو شخص قصر کا اعتقاد نہ رکھے یا قصر نہ کرے وہ مبتدع اور عاصی ہے اور تارکِ واجب ہے۔ کما بسط في الأحادیث، وتفصیله في کتب الفقه[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۶۵)

سفر شرعی میں قصر نہ کرنے والا گنہ گار ہے

سوال: (۲۱۴۰) نماز قصر نہ کرے تو گنہ گار ہوتا ہے یا نہیں؟ (۶۰۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: گنہ گار ہوتا ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۸۰)

سوال: (۲۱۴۱) جو شخص سفر میں قصر نہ کرے تو گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ اگر گنہ گار ہے تو کیوں؟ کیا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَلِنَفْسِهٖ کا اطلاق اس پر ہوسکتا ہے؟ (۱۴۵۲/۱۳۴۲ھ)

الجواب: امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ سفر شرعی میں قصر نماز واجب ہے، قصدًا پوری نماز پڑھنا ممنوع ہے[2] کیونکہ یہ حدود اللہ سے تجاوز ہے۔ ﴿وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۲۹) اور ومن تطوّع خیرًا میں یہ داخل نہیں ہے؛ کیونکہ حکم

---

(۱) قوسین کے درمیان والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) صلّی الفرضَ الرّباعيَ رکعتین وجوبًا لقول ابن عبّاس: إنّ اللّٰه فرض علٰی لسان نبیّکم صلاة المُقیم أربعًا و المُسافرِ رکعتین (الدّرّ المختار) قوله: (وجوبًا) فیکره الإتمامُ عندنا حتّی روي عن أبي حنیفة أنّهٗ قال: من أتمّ الصّلاةَ فقد أساء وخالف السُّنّةَ ؛ شرح المنیة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۲۶-۵۲۷، کتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر)

والقصر لازم عندنا إلخ والآثار في ذلك کثیرةٌ وهي تدلّ علٰی أنّ الفرضَ رکعتان وأنّ الإتمامَ منکرٌ ، ولو کان جائزًا لَفَعَلَهٗ علیه الصّلاة والسّلام مرّةً تعلیمًا للجواز. (غنیة المستملي: ص:۴۶۲-۴۶۳، فصل في صلاة المسافر) محمد امین پالن پوری

شارع علیہ السلام کے خلاف کرنا خیر نہیں ہے بلکہ وہ شر ہے (پس سفر شرعی میں قصر نہ کرنے والا واجب کو ترک کرنے کی وجہ سے گنہ گار ہوگا۔ محمد امین) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۷۰)

اس خیال سے کہ ریل کا سفر آرام دہ ہے، پوری نماز پڑھنا درست نہیں

سوال: (۲۱۴۲) اگر قصر کرنے والا اس خیال سے کہ سفر ریل آرام کا ہے قصر نہ کرے تو وہ گنہ گار ہے یا کیا؟ (۶۱۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قصر کرنا مسافر کو لازم ہے، اس خیال سے کہ سفرِ ریل آرام کا ہے، پوری نماز پڑھنا درست نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۸۱) (۲)

مسافر نے سہواً چار کی نیت کی ہو تب بھی دو ہی رکعت پڑھے

سوال: (۲۱۴۳) مسافر نے سہواً چار رکعت کی نیت باندھ لی تو دو پڑھے یا چار اور سجدۂ سہو کرے یا نہ؟ (۹۲/۷-۱۳۴۰ھ)

الجواب: وہ دو ہی رکعت پڑھے اور سجدۂ سہو نہ کرے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۶۱-۴۶۲)

---

(۱) والقصر لازم عندنا إلخ و الآثار في ذلك كثيرةٌ و هي تدلّ علٰى أنّ الفرضَ ركعتان و أنّ الإتمامَ منكرٌ ، ولو كان جائزًا لَفَعَلَهُ عليه الصّلاة والسّلام مرّةً تعليمًا للجواز.

(غنية المستملي، ص:۴۶۲-۴۶۳، فصل في صلاة المسافر) ظفیر

(۲) جواب کو رجسٹر نقول فتاوی کے مطابق کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) صلّى الفرضَ الرّباعيَ ركعتين وجوبًا لقول ابن عبّاس: إنّ اللّٰه فرض علٰى لسان نبيّكم صلاة المُقيم أربعًا و المُسافرِ ركعتين . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۲۶-۵۲۷، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر)

رہا نیت میں عدد کی غلطی تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ولا بُدّ من التّعيين عندَ النّية إلخ لفرضٍ إلخ دونَ تعيينِ عددِ ركعاتِهِ لحصولِها ضمنًا فلا يضرُّ الخطأُ في عددِها. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۸۶-۸۸، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة ، مطلب في حضور القلب والخشوع) ظفیر

مسافر نے امام کو مقیم سمجھ کر اقتدا کی حالانکہ وہ مسافر تھا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۱۴۴) مسافر نے امام کو مقیم سمجھ کر اقتداء کی، سلام پھیرنے پر معلوم ہوا کہ امام مسافر تھا اب وہ امام کے ساتھ سلام پھیر دے یا چار رکعت پوری کرے؟ (۹۲/۱۳۴۰ھ)

الجواب: امام کے ساتھ سلام پھیر دے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۶۱-۴۶۲)

سفر کی قضا نمازوں کو حضر میں بھی قصر پڑھے

سوال: (۲۱۴۵) سفر میں جو نمازیں قضا ہوئی ہوں ان کو حضر میں پوری پڑھے یا قصر کرے؟ اور سفر میں جو نمازیں پوری پڑھی گئیں ان کو اعادہ کرے یا وہ ہوگئیں؟ (۱۳۹۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس کا حکم یہ ہے کہ سفر کی قضا شدہ نمازوں کو حضر میں بھی قصر پڑھے[2] اور جو نمازیں سفر میں پوری پڑھی گئیں ان میں اگر قعدۂ اولیٰ کر چکا ہے تو وہ ہوگئیں[3] فقط (۴/۴۵۲-۴۵۳)

مسافر نے ظہر سہواً چار رکعت پڑھ لی تو جب تک وقت باقی ہے اعادہ واجب ہے

سوال: (۲۱۴۶) مسافر نے سہواً چار رکعت ظہر پڑھی تو نماز کا اعادہ کرے یا نہیں؟ (۱۰۵۴/۱۳۳۷ھ)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) والقضاءُ يَحكي أي يُشابه الأداءَ سفرًا و حضرًا لأنّهُ بعد ما تقرّر لا يتغيّر (الدّرّ المختار) قوله: (سفرًا و حضرًا) أي فلو فاتته صلاةُ السّفر وقضاها في الحضرِ يقضيها مقصورةً كما لو أدّاها، وكذا فائتةُ الحضرِ تُقضي في السّفر تامّةً. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۳۹، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي و وطن الإقامة) ظفیر

(۳) فلو أتمّ مسافرٌ إن قعد في القعدةِ الأولٰى تمّ فرضُهُ و لكنّهُ أساء إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۳۱، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر) ظفیر

الجواب: اعادہ کرے وجوبًا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۵۰)

وضاحت: البتہ یہ اعادہ وقت کے اندر واجب ہے، اور وقت گزر جانے کے بعد اعادہ واجب نہیں۔ فالحاصل أنّ من ترك واجبًا من واجباتها أو ارتكب مكروهًا تحريميًا لزمه وجوبًا أن يعيد في الوقت، فإن خرج أثم، ولا يجب جبر النّقصان بعده، فلو فعل فهو أفضل. (ردّ المحتار: ۲/۴۵۵، كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في تعريف الإعادة) محمد امین پالن پوری

جہازوں کے ملازمین کے احکام

سوال: (۲۱۴۷)...... (الف) بعض آدمی دور پردیس مثلاً رنگون وغیرہ جا کر ایسے جہازوں میں نوکری کرتے ہیں؛ جن کا اپنے شہر و بندر (گاہ) کے علاوہ دوسرے شہروں میں آنا جانا نہیں ہوتا؛ بلکہ اسی شہر میں رہ کر دوسرے[1] جہازوں کی آمد و رفت کے لیے راستہ صاف کرنے کا کام کرتے ہیں۔

(ب) اور بعض لوگ ایسے جہازوں کی ملازمت کرتے ہیں جو ہمیشہ گھاٹ ہی پر مربوط رہتے ہیں اور برابر اپنی جگہ پر ثابت رہتے ہیں۔

(ج) بعض لوگ تجارتی جہازوں میں نوکر ہوتے ہیں جن کا کام فقط انتقال من مصر الی مصر ہے کہیں قیام کا اطمنان نہیں، ہاں کبھی کسی شہر میں ماہ ڈیڑھ ماہ کا قیام بھی ہوجاتا ہے، لیکن ملازم اس بارہ میں افسر کے تابع ہوتے ہیں، بلکہ ان کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ جہاز کب تک ٹھہرے گا اور کب چھوٹے گا؛ ان تینوں صورتوں میں ملازمین جہاز کو نماز قصر کرنی چاہیے یا پوری نماز پڑھنی چاہیے؟ یا کچھ فرق ہے باہم صورتوں میں؟ (۲۶۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: (الف-ب) پہلی اور دوسری صورت میں وہ لوگ مقیم ہیں پوری نماز پڑھیں گے کیونکہ جب وہ کسی شہر رنگون وغیرہ میں بغرض ملازمت گئے اور وہاں پندرہ دن یا زیادہ کی اقامت کی نیت کی اور پھر ایسے جہازوں میں نوکری کرلی کہ جو سفر نہیں کرتے تو وہ مسافر نہیں ہوئے،

(۱) مطبوعہ فتاوی میں 'دوسرے' سے پہلے 'ایک' تھا، لیکن رجسٹر نقول فتاوی میں لفظ 'ایک' نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے اس کو حذف کردیا ہے۔ ۱۲

لہٰذا پوری نماز پڑھیں گے۔

(ج) اور تیسری صورت میں وہ مسافر ہیں، نماز قصر کریں گے۔ پہلی دونوں صورتوں میں اتمام صلاۃ کی دلیل یہ عبارت درمختار ہے: حتّی یدخل موضعَ مقامِهِ إلخ أو ینوي ...... إقامة نصفِ شهرٍ ...... بموضع واحدٍ صالحٍ لها من مصرٍ أو قریةٍ إلخ (۱) اور تیسرے مسئلہ کی دلیل یہ ہے: فیقصُرُ إن نوی الإقامةَ في أقلَّ منه أي من نصف شهر أو نویٰ فیه ، لکن في غیرِ صالحٍ کبحرٍ أو جزیرةٍ إلخ ، أولم یکن مستقلاًّ برأیه إلخ ، قوله: (أو لم یکن مستقلاًّ برأیِهِ) عطفٌ علیٰ قوله (إن نویٰ أقلَّ منه) وصورتُهُ نوی التّابعُ الإقامةَ و لم ینوها المتبوعُ أو لم یدرِ حالَهُ فإنّهُ لا یُتمّ إلخ (۱) (شامي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۴۷-۴۴۸)

جو لوگ جہاز ہی میں رہتے ہیں وہ قصر نماز پڑھیں

سوال: (۲۱۴۸) جو جہاز خلیج میں رات کو کنارہ پر مربوط رہتے ہیں، اور دن کو تین مرتبہ نصف ساعت کی مقدار میں اس پار سے اس پار کو آتے جاتے ہیں؛ آیا اس جہاز کے ملازمین نماز قصر کریں گے یا پوری پڑھیں گے؟ اور وطن اصلی ان لوگوں کا تین روز کے فاصلہ پر ہے، اور یہ لوگ جہاز ہی میں رہتے ہیں؛ کھانا پینا سونا جہاز ہی میں ہوتا ہے؟ (۳۹۵/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: جو لوگ دور سے آ کر جہاز کی ملازمت کرتے ہیں مثلاً تین دن کی مسافت یا زیادہ طے کر کے آ کر جہاز میں ملازم ہو جاتے ہیں، اور پھر برابر دریا میں جہاز چلاتے رہتے ہیں کسی موضع صالح للا قامت میں پندرہ دن کے قیام کی نیت سے قیام نہیں کرتے تو وہ مسافر ہیں؛ نماز قصر پڑھیں درمختار میں ہے: فیقصُرُ إن نوی الإقامةَ في أقلَّ منه أي من نصف شهر أو نویٰ فیه لکن في غیرِ صالحٍ کبحرٍ أو جزیرةٍ إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (کبحر) قال في المجتبیٰ: والملّاحُ مسافرٌ إلّا عند الحسن وسفینتُهُ أیضًا لیست بوطنٍ إلخ (۲) فقط (۴/ ۴۷۵-۴۷۶)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۵۲۹-۵۳۰، کتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر .

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۵۲۹، کتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر .

تین منزل کا دریائی سفر ہوتو قصر کرے

سوال: (۲۱۴۹) اگر کوئی شخص ہمیشہ دریائی سفر میں رہے یا جہاز کی نوکری کرے یا مہینہ میں دس روز جہاز پر سفر کرے اور دس پندرہ روز اپنے مکان پر رہے وہ نماز قصر پڑھے یا پوری؟ (۱۱۵۶/۱۳۴۰ھ)

الجواب: جس زمانہ میں سفر میں رہے اور جہاز میں سفر کرے بشرطیکہ سفر تین منزل کا ہوتو وہ نماز کو قصر کرے[1] اور جس وقت اپنے وطن میں پہنچے اور وطن میں رہے ان دنوں میں نماز پوری پڑھے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۶۳)

جہاز کا ملازم جسے معلوم نہیں کہ کہاں کتنے دن رہنا ہے؛ قصر کرے

سوال: (۲۱۵۰) میں مال جہاز میں ملازم ہوں، جہاز ہمیشہ دور دراز ممالک میں پھرتا رہتا ہے، کبھی ایک جگہ دس دن، پندرہ دن، مہینہ، دو مہینہ کھڑا رہتا ہے، یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کب وہاں سے روانہ ہوگا، اور بعض مرتبہ جہاز ایک مقام مقرر سے دوسرے مقام مقرر تک جاتا ہے، اور ہم کو چھ، سات یا نو، دس مہینے کے بعد یا برس دو برس میں مکان جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو ہم کو ایسی حالت میں نماز قصر پڑھنی چاہیے یا پوری؟ (۱۲۵۶/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس صورت میں جب تک اپنے وطن میں پہنچنا نہ ہو نماز کو برابر قصر کرنا چاہیے، اور حب وطن پہنچو اس وقت نماز پوری پڑھو، اور جو جہاز مقرر جگہ سے مقرر جگہ کو جاتا ہے اس کے ملازم کا بھی یہی حکم ہے کہ برابر بہ حالت سفر نماز قصر پڑھے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۶۳-۴۶۴)

---

(۱) ولا يزالُ علىٰ حكمِ السّفرِ حتّٰى ينويَ الإقامةَ في بلدةٍ أو قريةٍ خمسةَ عشرَ يومًا أو أكثرَ وإن نوىٰ أقلَّ من ذلك قصر . (الهداية: ۱/۱۶۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر) ظفير

(۲) الوطنُ الأصليُّ هو موطنُ ولادتِهِ أو تأهّلِهِ أو توطّنِهِ يَبطل بمثلِهِ إذا لم يبق لهُ بالأوّل أهلٌ فلو بقي لم يَبطل بل يتمُّ فيهما (الدّرّ المختار) أي بمجرّد الدّخول وإن لم ينو إقامةً . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۳۵-۵۳۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر) ظفير

(۳) أو دخل بلدةً ولم ينوها أي مدّةَ الإقامةِ بل ترَقَّبَ السّفرَ غدًا أو بعدَهُ ولو بقي علىٰ ذلك سنين (الدّرّ المختار) قوله : (ولم ينوها) وكذا إذا نواها وهو مترَقِّبٌ للسّفر ==

بیڑے باندھنے والے جو دریا میں سفر کرتے ہیں قصر کریں یا پوری نماز پڑھیں؟

سوال: (۲۱۵۱) پنجاب کے آدمی جمنا وغیرہ دریا میں بیڑے باندھتے ہیں، یعنی لکڑیاں، کڑیاں، ٹور (؟) وغیرہ جنگلوں میں سے باندھ کر دریا میں بہا کر دوسرے شہروں میں دریا کے راستہ سے لے جاتے ہیں، اور غالباً نو مہینہ اسی سفر میں رہتے ہیں، کہیں دس روز کہیں بیس روز اور کہیں اس سے کم و زیادہ رہنا پڑتا ہے، دریا میں ان کا سفر ہوتا ہے، لکڑیوں پر بیٹھے بیٹھے چلے جاتے ہیں، جس جگہ لکڑیاں باندھتے ہیں وہاں زیادہ قیام ہوتا ہے، دریا سے باہر آ کر کھانا وغیرہ پکا لیتے ہیں، ان کے لیے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور ان کو نماز قصر پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۹۱۳ھ)

الجواب: ان کو نماز قصر کرنی چاہیے، جب کہ سفر اُن کا تین منزل یا اس سے زیادہ ہے، اور نماز حتی الوسع وقت پر پڑھنی چاہیے، اور بہتر ہو کہ جس طرح کھانے وغیرہ کی ضرورت سے کنارہ اتر کر یہ کام کرتے ہیں اسی طرح نماز کے لیے ایسا کریں، اور اُن کڑیوں اور تختوں مجتمعہ پر بھی چلتے ہوئے نماز پڑھنا درست ہے، جیسا کہ کشتی میں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۵۷)

جو وطن اصلی سے آ کر کسی جگہ ٹھہر گیا پھر جہاز میں ملازم ہو گیا وہ قصر کرے یا نہیں؟

سوال: (۲۱۵۲) بعض جہاز راں اور کشتی بان اپنے وطن اصلی سے آ کر شہر یا گاؤں میں اوّلاً کسی جگہ بہ نیت اقامت مقیم ہو جاتے ہیں، پھر کچھ دنوں تلاش و کوشش کے بعد کسی جہاز یا کشتی میں

== كما في البحر لأنّ حالتَهُ تُنافي عزيمتَهُ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۳۰، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر) ظفیر

(۱) أمّا الصّلاةُ في السّفينةِ فالمستحبّ أن يخرج من السّفينةِ للفريضةِ إذا قَدَرَ عليه ...... وإذا صلّى قاعدًا في السّفينة و هي تجري مع القدرةِ على القيام تجوز مع الكراهة إلخ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۴۳، كتاب الصّلاة ، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر) ظفیر

ملازم ہوجاتے ہیں، اور بعض لوگ بلانیت اقامت کسی جگہ ٹھہر جاتے ہیں، بعدہ ملازم ہوکر اپنے کام میں مصروف ہوجاتے ہیں؛ ان حالات میں ان پر قصر واجب ہوگا یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۴۵۲ھ)

الجواب: جو لوگ دور دراز مسافت سے آئے، اور کسی جگہ انہوں نے نیت اقامت پانزدہ (۱۵) یوم نہ کی، اور پھر ملازم جہاز و کشتی ہوکر سفر کرتے رہے، خواہ قلیل یا کثیر وہ برابر مسافر ہی رہیں گے اور قصر کریں گے **لعدم علّة الإتمام** اور جو لوگ کہیں مقیم تھے یا باہر سے آکر مقیم ہوگئے اور پھر تین دن کے سفر کے ارادے سے نہیں نکلے وہ پوری نماز پڑھیں گے قصر نہ کریں گے[۱] فقط (۴/۴۶۷)

جو تجارتی جہاز کسی بندرگاہ پر دو تین ماہ تک ٹھہر جاتے ہیں ان کے ملازمین اقامت کی نیت کرنے سے مقیم نہیں بنتے، مسافر ہی رہتے ہیں

سوال: (۲۱۵۳) بعض تجارتی جہاز دور دراز ملکوں سے آکر کسی بندرگاہ میں دو تین ماہ تک مقیم ہوجاتے ہیں، ایسی حالت میں ان کے اہل کار نیت اقامت سے مقیم بن سکتے ہیں یا نہیں؟

(۱۳۴۲/۴۵۲ھ)

الجواب: شامی میں ہے: **والملاّحُ مسافرٌ إلخ وسفينتُهٗ أيضًا ليست بوطنٍ اهـ بحر، وظاهرُهٗ ولو كان مالهٗ وأهلهٗ معهٗ فيها ثمّ رأيتُهٗ صريحًا في المعراج إلخ**[۲] پس معلوم ہوا کہ وہ اہل کار مقیم نہ ہوں گے مسافر ہی رہیں گے اور نماز قصر کریں گے۔ فقط واللہ اعلم (۴/۴۶۷-۴۶۸)

مال بوٹ کے ملازم مقیم نہیں، مسافر ہیں

سوال: (۲۱۵۴) بعض مال بوٹ اکثر بندرگاہوں کے پل میں بطور مال گدام کے ہمیشہ بند

---

(۱) ولا بدَّ للمسافرِ من قصدِ مَسافةٍ مُقدّرةٍ بثلاثةِ أيّامٍ حتّٰى يترخّصَ برخصةِ المسافرين وإلّا لا يترخّص أبدًا ولو طاف الدّنيا جميعها إلخ ولا يزال علىٰ حكم السّفر حتّٰى ينوي الإقامةَ في بلدةٍ أو قريةٍ خمسةَ عشرَ يومًا أو أكثرَ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، كتاب الصّلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۲۹، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر.

رہتا ہے، اس کے اہل کار جو ممالک غیر کے باشندے ہوتے ہیں اور ہمیشہ اس میں بود و باش رکھتے ہیں مقیم کہلائیں گے یا مسافر؟ (۱۳۴۲/۴۵۲ھ)

الجواب: مسافر رہیں گے۔ کما مرّ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴٦۷-۴٦۸)

جو دو جگہ رہتا ہے وہ نماز کس طرح پڑھے؟

سوال: (۲۱۵۵) یک شخص را دو موضع برائے سکونت است: یک در کوئٹہ و یک در جیکب آباد، در گرما کوئٹہ مقیم، و در سرما جیکب آباد، و در درمیان ہر دو موضع مسافت سفر است، اگر برائے کاروبار جیکب آباد یا کوئٹہ آمد؛ قصر کند یا تمام خواند، عیال و اطفال با خود ہر جا کہ می باشد ہمراہ او می باشند و در موضع گرما و سرما مکانات و عقار و دیگر سامان گذر است و بس؟ (٦۹٦/ ۳۵-۱۳۳٦ھ)

الجواب: اگر ہر دو موضع را وطن اصلی وجائے قرار گرفتہ است و در ہر دو موضع مکان و عقار است و اہل و عیال در ہر دو موضع می باشند، در ہر دو موضع نماز تمام کند۔ قال في الشّامي من شرح المنية: ولو كان لهُ أهلٌ ببلدتين فأيّتهما دخلها صار مقيمًا إلخ[۱] فقط واللہ اعلم (۱/۴۲۷) (۴/ ۴۴۸-۴۴۹)

ترجمہ سوال: (۲۱۵۵) ایک شخص دو جگہ رہتا ہے، ایک کوئٹہ میں اور ایک جیکب آباد میں، گرمی میں کوئٹہ رہتا ہے اور سردی میں جیکب آباد اور دونوں جگہوں کے درمیان مسافت سفر ہے، اگر کاروبار کے واسطے جیکب آباد یا کوئٹہ آئے تو قصر کرے یا پوری پڑھے؟ بیوی اور بچے اسی کے ساتھ جس جگہ وہ رہتا ہے رہتے ہیں، اور سردی و گرمی کی جگہ میں مکانات اور جائیداد اور گذر بسر کے دیگر سامان ہے، اور بس۔

الجواب: اگر دونوں جگہوں کو وطن اصلی اور رہائش گاہ بنالیا ہے، اور دونوں جگہوں میں مکان و جائیداد ہے اور اہل و عیال دونوں جگہوں میں رہتے ہیں تو وہ دونوں جگہ نماز پوری پڑھے، جیسا کہ شامی میں ہے۔

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/ ۵۳٦، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصليّ و وطن الإقامة.

دو وطن والا ہر وطن میں پوری نماز پڑھے

سوال: (۲۱۵۶) شخص دو خانہ می دارد، درمیان ہر دو خانہ مسافت سفر است، عیال با خود ہر جا کہ می باشد می دارد، اہلیہ یک می دارد در یک خانہ، پس اگر برائے کاروبار در خانہ دیگر آید کہ عیال با خود نمی آرد قصر کند یا نہ؟ (۱۱۴۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اگر ہر دو را وطن اصلی شمردہ است، و ارادۂ ترک یکے از آنہا نکردہ است، و یک مقام را ترک کردہ بہ دیگر مقام سکونت نگرفتہ است، ہر دو وطن اصلی است، در ہر یک ازاں نماز تمام کند۔ والتّفصيل في شرح المنية [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۴۹-۴۵۰)

ترجمہ سوال: (۲۱۵۶) ایک شخص کے دو گھر ہیں، دونوں گھروں کے درمیان مسافتِ سفر ہے، اپنے بال بچوں کو اپنے ساتھ جس جگہ وہ رہتا ہے رکھتا ہے، ایک گھر میں ایک اہلیہ رکھتا ہے، پس اگر کاروبار کے لیے دوسرے گھر میں آئے جب کہ بال بچوں کو اپنے ساتھ میں لاتا ہے، تو قصر کرے یا نہ؟

الجواب: اگر دونوں کو وطن اصلی شمار کر رکھا ہے، اور ان میں سے کسی ایک کو چھوڑنے کا ارادہ نہیں کیا ہے، اور ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ رہائش اختیار نہیں کی ہے تو دونوں وطنِ اصلی ہیں، اس میں سے ہر ایک میں نماز پوری پڑھے، تفصیل شرح منیہ میں ہے۔

جو لوگ میدانِ جنگ میں ہیں وہ قصر کریں یا پوری نماز پڑھیں؟

سوال: (۲۱۵۷) ہم لوگ میدانِ جنگ میں شامل ہیں، کہیں دس روز، کہیں بیس روز ٹھہرنا

---

(۱) فالأصليّ وهو مولدُ الإنسان أو موضعٌ تأهّلَ بهٖ إلخ ، وفي المبسوط: هو الّذي نشأ فيه ، أو توطّن فيه ، أو تأهّل ، فقوله: أو توطّن فيه يتناول ما عزمَ القرارَ فيه وعدمَ الارتحال وإن لم يتأهّل فعلٰى هٰذا لو عزم مَن لهٗ أبوان في بلدٍ على القرار فيه ، وترك الوطنَ الّذي كان قبلهٗ لهٗ يكون وطنًا لهٗ ، ولو تزوّج المسافرُ ببلدٍ ولم ينو الإقامةَ بهٖ فقيل: لا يصير مقيمًا ، وقيل: يصير مقيمًا ، وهو الأوجه لِما مرّ من حديث عثمان رضي الله عنه ولو كان لهٗ أهلٌ ببلدتين فأيّتهما دخلها صار مقيمًا ، و إن كانت زوجتُهٗ في إحداهما وبقي لهٗ فيها دورٌ وعقارٌ إلخ. (غنية المستملي، ص:۴۶۸، فصل في صلاة المسافر) ظفیر

ہوتا ہے، اور ہم کو پہلے سے کوئی اطلاع نہیں ہوتی، چاہے ایک روز میں گھر چلے آویں یا دس برس تک نہ آویں، اس صورت میں نماز قصر پڑھیں یا نہ؟ اور سنتیں بھی پڑھیں یا کیا؟ اور جمعہ کی بابت کیا حکم ہے؟ (۹۸۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ایسی حالت میں نماز قصر ہی ادا کرنا چاہیے[۱] اور سنتوں کا حکم یہ ہے کہ اگر حالت اطمینان میں ہوں تو سنتوں کا ادا کرنا بہتر ہے ورنہ ترک کردی جاویں۔ درمختار میں ہے کہ مسافر اگر حالتِ امن اور قرار میں ہو تو سنتیں مؤکدہ پڑھے، اور اگر امن وقرار نہ ہو تو نہ پڑھے، اور امام ہندوانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ٹھہرنے کی حالت میں سنتیں پڑھے اور چلنے کی حالت میں نہ پڑھے[۲] کذا في الشّامي اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں ہے، اگر کہیں موقع ملے اور جمعہ پڑھے تو اچھا ہے ضروری نہیں ہے، اگر جمعہ پڑھ لیا تو ظہر کی نماز ذمہ سے ساقط ہوجاتی ہے، اور اگر جمعہ نہ پڑھا تو ظہر کی نماز پڑھنی چاہیے[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۸۶-۴۸۷)

سوال: (۲۱۵۸) یہاں پر تقریباً تین سو آدمی رہتے ہیں، اور جو آدمی ہیں انگریزوں کے نوکر توپ خانہ وغیرہ میں ہیں، اور افسروں کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ یہاں کتنی مدت رہنا ہوگا تو عصر وعشاء وغیرہ کی نماز چار رکعت پڑھیں یا دو رکعت، اگر دو رکعت کا حکم ہو اور چار پڑھ لیویں تو نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ (۲۹۲/۱۳۴۰ھ)

الجواب: ایسی حالت میں چار رکعت ہی پڑھنی چاہیے کیونکہ اگر دو رکعت واجب ہوں اور چار

---

(۱) ولو دخل مصرًا علیٰ عزمِ أن یخرج غدًا أو بعدَ غدٍ ولم ینوِ مدّةَ الإقامة حتّٰی بقي علیٰ ذلك سنینَ قَصَرَ إلخ و إذا دخل العسكرُ أرضَ الحرب فنوَوْا الإقامةَ بها قصروا ، و كذا إذا حاصروا فیها مدینةً أو حِصْنًا إلخ. (الهدایة:۱/۱۶۶، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر)ظفیر

(۲) ویأتي المسافرُ بالسّنن إن كان في حالِ أمنٍ وقرارٍ و إلاّ بأن كان في خوف وفِرارٍ لا یأتي بها هو المختار (الدّرّ المختار) وقال الهِندوانيّ الفعلُ حالَ النّزول والتّركُ حالَ السّیر إلخ والأعدل ما قاله الهندوانيّ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۳۵، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر)ظفیر

(۳) ولا تجب الجمعة علیٰ مسافر إلخ فإن حضروا فصلّوا مع النّاس أجزأهم عن فرض الوقت إلخ. (الهدایة:۱/۱۶۹، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجمعة)ظفیر

پڑھ لی جاویں بہ شرطیکہ درمیانی قعدہ کرلیا جاوے تو نماز ہو جاتی ہے۔ كذا في كتب الفقه. فقط (۴/۴۶۰-۴۶۱)

وضاحت: مذکورہ صورت میں قصر کرنا ہی راجح ہے، جیسا کہ سابقہ جواب میں ہے۔ محمد امین

سوال: (۲۱۵۹) ہم لوگ فیلڈ پر آئے ہوئے ہیں، ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ ہم کو معلوم نہیں ہے کہ ہم اپنے قیام پر کتنی مدت ٹھہریں گے یا کتنا سفر کریں گے مگر اکثر سفر کی بابت معلوم ہے کہ دس پندرہ میل سے زیادہ نہیں چلتے، قیام کی بابت یہ ہے کہ اسی جگہ پر مہینہ قیام کریں، اسی جگہ سے دس دن کے بعد کوچ کر جائیں، غرض ہم لوگ اپنے اختیار میں نہیں ہیں، ایسی حالت میں نماز قصر پڑھیں یا پوری جب کہ قیام اور سفر کا کچھ حال معلوم نہیں؟ (۲۱۱۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: ایسی حالت میں آپ لوگ نماز پوری پڑھا کریں، کیونکہ یہی اصل ہے اور حکام کی نیت کا حال معلوم نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۵۰)

وضاحت: مذکورہ صورت میں قصر کرنا ہی راجح اور اصح ہے[1] جیسا کہ آئندہ جواب میں ہے۔ محمد امین پالن پوری

سوال: (۲۱۶۰) زید نے بکر کو حکم دیا کہ تم فیلڈ پر جاؤ اور مقام فیلڈ بصرہ قرار دیا؛ لیکن یہ یقین نہیں کہ (بصرہ میں)[2] پندرہ روز قیام ہوگا یا کم یا زیادہ، اور بعض لوگوں کو حکم ملتا ہے کہ تم اس مقام پر مستقل رہوگے، اور کسی کو حکم ملتا ہے کہ تم کو جس جگہ سے مانگ آئے گی روانہ کیا جائے گا، لیکن پختہ طور پر کسی کو بھی یقین نہیں ہے کہ کتنے روز قیام ہوگا تو نماز قصر پڑھنی چاہیے یا پوری؟ (۱۴۱۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایسی حالت تردد میں نماز قصر پڑھنی چاہیے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۵۳)

---

(۱) أو لم يكن مستقلًا برأيه كعبدٍ وامرأةٍ أو دخل بلدةً ولم ينوها أي مدّةَ الإقامةِ بل ترَقّبَ السّفرَ غدًا أو بعدَهُ ولو بقي على ذلك سنين إلخ ، والمعتبرُ نيّةُ المتبوع لأنّهُ الأصلُ لا التّابعِ كامرأةٍ إلخ و عبدٍ إلخ و جُنديّ إذا كان يَرتَزِقُ من الأميرِ أو بيتِ المال و أجيرٍ وأسيرٍ و غريمٍ وتلميذٍ إلخ، ولابدَّ من علمِ التّابع بنيّة المتبوع فلو نوى المتبوعُ الإقامةَ ولم يَعلم التّابعُ فهو مسافرٌ حتّى يَعلمَ على الأصحّ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۳۰-۵۳۹، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر ، مطلب في الوطن الأصلي و وطن الإقامة) محمد امین

(۲) قوسین کے درمیان والے الفاظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیے گئے ہیں۔ ۱۲

اتمام وقصر کرنے میں ملازم اپنے افسر کے تابع رہے گا

سوال: (۲۱۶۱) ایک شرعی مسافر کسی موضع میں پہنچا اور وہاں کے ایک باشندہ کو بایں شرط ملازم رکھا کہ جب تک میں سفر میں رہوں تم میرے ساتھ رہنا، انتہائے مسافت کچھ بیان نہیں کی، اس موضع سے نکل کر پانچ چھ میل کے فاصلے پر کسی گاؤں میں پہنچا، بغیر نیتِ اقامت چار ہفتے وہاں رہا اور برابر نماز قصر پڑھتا رہا، اب ملازم کے لیے کیا حکم ہے بہ تبعیت آقا خود بھی قصر کرے گا یا اتمام؟
(۸۲۸/۱۳۴۵ھ)

الجواب: ملازم مذکور اس صورت میں تابع اپنے آقا کے ہے جو نیت آقا کی ہوگی اسی کی متابعت ملازم پر ہوگی، لیکن نیت متبوع کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ درمختار میں ہے: والمعتبر نيّة المتبوع إلخ ولا بدّ من علم التّابع بنيّة المتبوع إلخ [۱] وفي ردّ المحتار: قوله: (وأجيرٍ) أي مُشاهرةً أو مُسانهةً إلخ [۱] پس جیسا کہ اجیر تابع مستأجر کے ہوتا ہے اسی طرح ملازم مذکور بھی تابع ہوگا کیوں کہ وہ بھی اجیر مشاہرۃً ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۷۶-۴۷۷)

ملازم اپنے وطن اصلی میں پہنچتے ہی مقیم ہوجائے گا چاہے اس کا مالک ساتھ ہو

سوال: (۲۱۶۲) اجیر مشاہرۃً یعنی ملازم اگر سفر کرتا ہوا مع اپنے آقا کے اپنے موضع میں پہنچے تو قصر کرے گا یا پوری نماز پڑھے گا؛ فتاوی حمادیہ میں ہے: عبدٌ سافرَ مع المولٰى فدخلا في وطنِ العبد لا يصيران مقيمين أمّا العبدُ فلأنّهٗ تابعٌ ، وأمّا المولٰى فلأنّهٗ لم يوجد منه نيّةُ الإقامة ، ولا دخول الوطن الأصليّ [۲] یہ مسئلہ عبد ہی کے ساتھ مخصوص ہوگا یا اجیر کا بھی یہی حکم ہے؟
(۱۵۳۵/۴۶-۱۳۴۷ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۳۷-۵۳۹، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي و وطن الإقامة .

(۲) الفتاوى الحمّاديّة لأبي الفتح ركن بن حسام النّاكوريّ الحنفيّ :رقم الورق :۱۲/ب ، مكتبة الملك عبد العزيز العامّة ، رقم المخطوطة: ۴۱۴۰.

الجواب: اجیر مشاہرۃً اگر چہ بہ لحاظ تبعیت عبد کے حکم میں ہے، اور کوئی شبہ نہیں کہ وطنِ اقامت میں اگر یہ صورت پیش آئے تو عبد کی طرح اس کی نیت کا بھی اعتبار نہ ہوگا، اس کی اقامت و سفر کا مدار مستأجر کی نیت پر ہے؛ لیکن وطن اصلی میں یہ صورت نہیں کیونکہ وہاں تو پہنچتے ہی سفر باطل ہو جاتا ہے، نیت وعدم نیت کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا، لہٰذا اگر اجیر؛ مستأجر کے ساتھ اپنے وطن اصلی میں پہنچے تو سفر فوراً باطل ہو جائے گا، اور اس کے علاوہ اور جگہ متبوع کی نیت کے تابع رہے گا۔ درمختار میں ہے: والمعتبرُ نيّةُ المتبوع لأنّهُ الأصل لا التّابعِ كامرأةٍ وَفَّاهَا مهرَها المعجّلَ وعبدٍ ...... وأجيرٍ إلخ مع زوجٍ ومولى وأميرٍ ومستأجِرٍ إلخ[۱] فقط۔ {کتبہ عتیق الرحمٰن عثمانی}[۲]

(۴/۴۷۸-۴۷۹)

جو شخص ہمیشہ گھومتا رہتا ہے وہ کس طرح نماز ادا کرے؟

سوال: (۲۱۶۳) ایک شخص بہ وجہ ملازمت کسی ایسی جگہ تعینات ہے جہاں ہمیشہ دورہ کرتا ہے اور وہ پندرہ دن کہیں قیام نہیں کرسکتا، اس صورت میں جب کہ وہ تین منزل کا سفر کر کے اپنے حلقہ میں پہنچ جاوے تو پھر وہ نماز قصر پڑھے گا یا پوری پڑھے گا؟ (۲۴۸۴/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: مسئلہ یہ ہے کہ وطن اقامت، یعنی جس جگہ وہ بہ وجہ ملازمت وغیرہ کے مقیم ہے جس وقت وہاں سے سفر تین منزل کا کیا جاوے تو وہ وطن اقامت باطل ہو جاتا ہے، پس اگر دورہ تین منزل کا یا زیادہ کا کر کے وہاں یعنی جائے اقامت میں واپس آوے تو اگر پندرہ دن کے قیام کی نیت ہوگی تو نماز پوری پڑھنی ہوگی اور اگر پندرہ دن کے قیام کی نیت نہ ہو تو قصر کرنا ہوگا[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۴/۴۵۳-۴۵۴)

---

(۱) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۵۳۷-۵۳۸، کتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي و وطن الإقامة.

نیز شامی میں ہے: قوله: (و أجيرٍ) أي مُشاهرةً أو مُسانهةً إلخ (حوالہ سابقہ) ظفیر

(۲) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

(۳) ويبطل وطنُ الإقامة بمثلهٖ وبالوطن الأصليّ وبإنشاء السّفر إلخ (الدّرّ المختار) ==

سوال: (۲۱۶۴) ملازمت کی حالت میں جو لوگ سفر بہ طور دورہ کرتے ہیں ان پر قصر واجب ہے یا نہیں؟ (۶۰۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: تین منزل کا سفر ہو تو قصر لازم ہے یعنی دورہ میں اخیر تک جہاں جانے کا ارادہ ہے وہ اگر تین منزل دور ہے تو قصر کرنا چاہیے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۸۱/۴)

مجموعی مسافت؛ سفر شرعی کی مدت سے زیادہ ہو تو نماز کو قصر کرنا چاہیے

سوال: (۲۱۶۵) دورہ میں مجھ کو اطراف دیہات میں پھرنا پڑتا ہے، اور مسلسل بیس روز، پچیس روز، یا دس روز جیسی صورت ہو میں اپنے مستقر سے باہر رہتا ہوں، مگر کسی ایک مقام پر ایک ہفتہ سے زائد قیام کی اجازت نہیں ہے، لیکن یہ مقامات مستقر سے تین دن تین رات کی مسافت پر نہیں ہوتے ہیں بلکہ مستقر کے اطراف ایک دائرہ میں گردش رہتی ہے، مسلسل لمبی مسافت کا لحاظ کیا جائے تو سفر مدت مقررہ سے بڑھ جاتا ہے، اور تمام سفر کا لحاظ کیا جائے تو بہت زیادہ مسافت ہو جاتی ہے، اندریں صورت نماز میں قصر واجب ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: چونکہ مجموعہ مسافت مدت سفر شرعی سے زیادہ ہے، اس لیے مستقر تک لوٹنے تک اس صورت میں نماز کو قصر کرنا چاہیے۔ قال في الدّرّ المختار: حتّٰی یدخلَ موضعَ مقامِہٖ إن سار مدّةَ السّفر إلخ ، قوله: (إن سار مدّةَ السّفر)قیدٌ لقولہٖ: (حتّٰی یدخل) أي إنّما یدومُ علی القصر إلی الدّخولِ إن سار ثلاثةَ أیّامٍ إلخ [2] (الشّامي) فقط (۴۸۷/۴-۴۸۸)

سوال: (۲۱۶۶) ایک شخص کے چند دیہات ہیں جو کہ اس کے وطن سے ہر ایک مسافتِ قصر سے کم ہے، اگر یہ شخص اپنے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کو یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا؛ جس

== قال في البدائع: لو أقام خراسانيٌّ بالکوفة نصفَ شھرٍ ثمّ خرج منھا إلٰی مکّة فقبْلَ أن یسیرَ ثلاثةَ أیّامٍ عاد إلی الکوفة لحاجةٍ فإنّهٗ یقصُرُ لأنّ وطنَهٗ قد بطل بالسّفر. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵۳۶/۲، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصليّ و وطن الإقامة)ظفیر

(۱) أقلّ مسافةٍ تتغیّر فیھا الأحکام مسیرةُ ثلاثةِ أیّامٍ إلخ و القصر واجبٌ. (الفتاوی الھندیة: ۱۳۸/۱-۱۳۹، کتاب الصّلاة ، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر)ظفیر

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵۲۷/۲-۵۲۸، کتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر .

سے مسافت قصر پوری ہو جاتی ہے، اور اسی قصد سے وطن سے گیا ہو تو اس شخص کے لیے احکامِ سفر ثابت ہوں گے یا نہیں؟ (۹۰۲/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس پر احکامِ قصر ثابت ہوں گے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۷۷)

سوال: (۲۱۶۷) شخصے بہ ارادۂ سفر می رود و سفرش در دیہات و مواضع است و یک موضع از موضع آخر چنداں نیست کہ حکم قصر صلاۃ برو عائد شود مثلاً بعض موضع از یک موضع بر مسافت نُہ میل است، و بعض از بعض یازدہ میل، و بعض ہشت میل، و بعض شانزدہ میل مثلاً، لیکن دورۂ او دریں دیہات زائد از مسیرتِ سہ ایام می شود؛ دریں صورت برو قصر واجب است یا نہ؟ (۲۹۹/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: ہرگاہ قصد شخص مذکور بوقت خروج برائے سفر دورہ جمیع دیہات مذکور است کہ مسافتش سہ یوم یا زیادہ از مسیرت سہ یوم یعنی سہ منزل است؛ قصر برو واجب است۔ مَنْ خَرَجَ مِن عِمارة موضعِ إقامتِه إلخ قاصدًا .... مسيرةَ ثلاثةِ أيّامٍ وليالیها إلخ (۲) (الدّرّ المختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۷۳-۴۷۴)

ترجمہ سوال: (۲۱۶۷) ایک شخص سفر کے ارادہ سے روانہ ہوتا ہے، اور اس کا سفر (آس پاس کے) دیہات و جگہوں کا ہے، اور ایک جگہ دوسری جگہ سے اتنی دوری پر نہیں کہ اس پر نماز کے قصر کا حکم عائد ہو، مثلاً بعض جگہ ایک جگہ سے نو میل کی مسافت پر ہے، اور بعض جگہ ایک جگہ سے گیارہ میل، اور بعض جگہ سے آٹھ میل، اور بعض جگہ سے سولہ میل ہے، لیکن اس کا دورہ ان دیہات میں تین دن کی مسافت سے زائد ہو جاتا ہے، اس صورت میں اس پر قصر واجب ہے یا نہ؟

الجواب: جب کہ شخص مذکور کا ارادہ سفر کے لیے نکلتے وقت مذکورہ تمام دیہات کا ہے جن کی مسافت تین دن یا تین یوم کی مسافت یعنی تین منزل سے زیادہ ہے تو اس پر قصر واجب ہے۔ در مختار میں ہے: مَنْ خَرَجَ مِن عمارة موضع إقامتِه إلخ . فقط

جس نے تین دن کے سفر کی نیت نہیں کی وہ پوری نماز پڑھے

سوال: (۲۱۶۸) ایک شخص نے سیر کی نیت کی مگر کسی جگہ کی نیت نہیں کی، مہینوں اور برسوں

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۲۳-۵۲۵، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ المسافر.

سفر میں رہا وہ قصر کرے یا اتمام؟ (۲۷۱۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: وہ شخص کہ جس نے ابتداءً یا کسی موقع سے تین دن کے سفر کی نیت نہیں کی، نماز پوری پڑھے، قصر نہ کرے (۱) ومَن طاف الدّنیا بلا قصدٍ لم یقصر (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۵۴/۴)

ابتداءً تین منزل کا قصد ہو تو قصر کرے ورنہ نہیں

سوال: (۲۱۶۹) اگر پیمائش کرتے ہوئے آس پاس کے گاؤں میں پھرنا ہو اور جائے قیام سب جگہ تین منزل سے کم ہے، اور پیمائش کرتے ہوئے کبھی اس گاؤں سے اس گاؤں میں اور اس سے تیسرے اور چوتھے میں تو اس طرح فاصلہ بہت سے گاؤں کا تین منزل سے بہت زیادہ ہو جاوے گا یا کچھ معلوم نہ ہو تو نماز کے قصر کا کیا حکم ہے؟ (۲۹۳/۱۳۳۴-۳۳ھ)

الجواب: اس طرح پیمائش میں پھرنے سے جب کہ اوّل ارادہ ۳ منزل کے سفر کا نہیں ہے، یا معلوم نہیں ہے، اگرچہ پھرتے پھرتے زیادہ ہو جاوے نماز کے قصر کا حکم نہیں ہے، نماز پوری پڑھنی چاہیے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۹۳/۴-۴۹۴)

سوال: (۲۱۷۰) اگر کوئی شخص دورہ میں ہے کہ روزانہ کوچ ومقام ہوتے ہیں، ایسی حالت میں قصر کرے یا نہ؟ اور وطن سے کس قدر فاصلہ پر ہووے تب قصر لازم ہے؟ (۱۳۲۹/۱۳۳۳-۳۲ھ)

الجواب: اگر جائے اقامت سے دورہ میں اتنی دور کا ارادہ کر کے چلا ہے جو تین منزل، یعنی اڑتالیس میل ہے تو تمام دورہ میں قصر کرتا رہے، پھر جب واپس جائے اقامت میں آوے، اور کم از کم پندرہ دن کے قیام کی نیت ہو نماز پوری پڑھے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۹۱/۴)

---

(۱) ولا یزال علیٰ حکم السّفر حتّٰی ینوي الإقامةَ في بلدةٍ أو قریةٍ خمسةَ عشرَ یومًا أو أکثر وإن نویٰ أقلّ من ذلك قَصَرَ إلخ . (الهدایة: ۱/۱۶۶، کتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر)

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۲۴-۵۲۵، کتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر.

(۳) مَن خرج من عِمارةِ موضعِ إقامتِه .... قاصدًا .... مسیرةَ ثلاثةِ أیّامٍ ولیالیها إلخ أو ینوي .... إقامةَ نصفَ شهرٍ حقیقةً أو حکمًا — إلیٰ قوله — أتمّ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۲۳-۵۲۸، کتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر) ظفیر

وضاحت: اس جواب میں اور سابقہ جواب میں بہ ظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں تعارض نہیں، کیوں کہ سابقہ جواب میں سفر ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک ابتداءً مقصود ہے اور دوسرے گاؤں پہنچ کر تیسرے گاؤں کا ارادہ ہوا، اس طرح پھر چوتھے گاؤں کا ارادہ ہوا، غرض تین منزل کا ارادہ نہیں ہوا تو شرعی سفر کے احکام جاری نہیں ہوں گے، اس لیے قصر کا حکم نہیں ہوگا، اور اس جواب میں ابتداءً پوری مسافت کا قصد ہے، اگر چہ ایکدم نہیں، بلکہ اس پوری مسافت کو بیس، پچیس روز میں طے کرنا ہے اور مسافت سفر شرعی کی مسافت ہے، اس لیے اس میں قصر کرنا ہوگا۔ کذا في فتاوی محمودیہ: ۷/ ۵۱۹-۵۲۰، باب صلاۃ المسافر. محمد امین پالن پوری

جس شہر میں بچے رہتے ہیں وہاں قصر کرے یا اتمام؟

سوال: (۲۱۷۱) ایک شخص کی اِس شہر میں دکان ہے، اور اس کے بچے دوسرے شہر میں رہتے ہیں جو ۴۸ میل سے زیادہ مسافت پر ہے، اور یہ دکان دار بچوں کی خبر گیری کے واسطے جایا کرتا ہے؛ آیا وہاں (یعنی جہاں بچے رہتے ہیں وہاں) قصر کرے یا نہیں؟ (۱۹۳/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: قصر کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۵۶)

وضاحت: جہاں بچے رہتے ہیں اگر وہ اس کا وطن اصلی نہیں ہے، بلکہ وطن اقامت ہے، تو جب تک پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت نہ ہو، قصر کرے گا، اور اگر جہاں بچے رہتے ہیں، وہ اس کا وطن اصلی ہے تو اتمام کرے گا۔ محمد امین پالن پوری

جائے اقامت سے سفر شرعی کے بہ قدر دورہ کرنے والا تاجر قصر کرے

سوال: (۲۱۷۲) ایک شخص گھر سے باہر تیس یا چالیس کوس کے فاصلے پر چالیس یا پچاس یا زیادہ مسافت کے درمیان پھر کر سوداگری کرتا ہے، اور کسی شہر میں ایک رات سے زیادہ نہیں رہتا ایسا شخص صوم وصلاۃ میں مسافر کا حکم رکھتا ہے یا نہیں؟ (۴۴۴/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: وہ شخص مسافر ہے احکام سفر اس پر جاری ہوں گے اور نماز کو قصر کرے گا[(۱)] فقط (۴/۴۵۴-۴۵۵)

جائے اقامت سے مختلف دیہات میں جا کر تجارت کرنے والا اتمام کرے یا قصر؟

سوال: (۲۱۷۳) زید نے اپنا اسبابِ تجارت اپنے وطن سے سو میل کے فاصلہ پر لے جا کر وہاں ایک مکان کرایہ پر لے رکھا ہے، اور اس مقام سے اسباب لے جا کر دیہات و بیرون جات میں فروخت کرتا ہے، بیرون جات سے کبھی ہفتہ کبھی دس روز میں اپنی جائے قیام پر واپس آتا ہے، دو چار روز یا ایک ہفتہ وہاں قیام کر کے پھر اسباب لے کر چلا جاتا ہے، اور اس کو فروخت کر کے آٹھ دس روز میں واپس آتا ہے، اسی طرح چار چھ (ماہ)[(۲)] گذار کر وطن اصلی کو واپس آتا ہے، زید جس مقام پر اسبابِ تجارت رکھتا ہے وہ وطن اقامت ہو جائے گا یا نہیں؟ اور زید کو نماز قصر ادا کرنی چاہیے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۷۰۲ھ)

الجواب: اگر اوّل اس جائے اقامت میں پندرہ دن کے قیام کی نیت کر لی ہے تو اس صورت میں وہاں اور قرب و جوار کے دیہات میں جہاں تک مسافت قصر نہ ہو نماز پوری پڑھتا رہے گا، اور اگر جائے اقامت میں اوّل دفعہ بھی پندرہ روز کے قیام کی نیت نہیں کی تو پھر برابر قصر کرے گا[(۱)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۵۶)

جو مسافر ہر دن الگ جگہ قیام کرتا ہے وہ قصر کرے

سوال: (۲۱۷۴) میں مسافر مارواڑ کا ہوں اور احمد آباد علاقہ میں پانچ چار ماہ کے ارادے

---

(۱) ولا یزال علیٰ حکم السّفر حتّٰی ینوي الإقامةَ في بلدةٍ أو قریةٍ خمسةَ عشرَ یومًا أو أکثر وإن نویٰ أقلّ من ذلك قَصَرَ إلخ ، ولو دخل مصرًا علیٰ عزم أن یخرج غدًا أو بعدَ غدٍ ولم ینو مدّةَ الإقامةِ حتّٰی بقي علیٰ ذلك سنین قَصَرَ. (الهدایة:۱/۱۶۶، کتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر) ظفیر

(۲) مطبوعہ فتاوی میں (ماہ) کی جگہ ''روز'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔ ۱۲

سے جاتا ہوں، مگر کسی کام کی وجہ سے ہر دن کوس دو کوس کے فاصلہ پر پڑاؤ ڈالتا ہوں، مثلاً آج یہاں کل کسی دوسرے مقام میں دو تین میل کے فاصلے پر پڑاؤ ہوتا ہے تو اس صورت میں قصر کرنا چاہیے یا نہ؟ (۴۹۵/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز قصر پڑھنی چاہیے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴/۷۴)

اہل وعیال کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں بھیج دیا تو کون سے شہر میں اتمام کرے؟

سوال: (۲۱۷۵) ایک شخص نے کسی وجہ سے اپنے اہل وعیال کو 'الف' شہر سے 'ب' شہر کو بھیج دیا اور وہ 'الف' شہر کے گرد ونواح میں مسافت طے کر کے وقت گذارتا ہے، اگر وہ شخص 'الف' شہر میں آئے جہاں اس کا کرایہ کا مکان مقفل ہے تو وہاں وہ مقیم کہلایا جائے گا یا مسافر؟۔ دوسرے جب وہ شخص 'ب' شہر میں جائے جہاں اس کے کل عزیز واقارب ہیں مگر وہاں اس کا قیام دس روز سے بھی کم ہے، اور اسے 'الف' شہر کو واپس آنا ہے، جہاں وہ مستقل طور پر قیام پذیر ہے تو ایسی صورت میں وہ 'ب' شہر میں مقیم سمجھا جائے گا یا مسافر؟ اس کو ہر طرح کا آرام 'ب' شہر میں ہے، اور 'الف' شہر میں اس کے اہل وعیال عارضی طور پر چلے گئے ہیں۔ (۳۵۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وطن اصلی 'ب' شہر ہے، جہاں اس کے کل عزیز واقارب ہیں، پس اگر اس کا وطن اصلی 'ب' شہر ہی ہے تو وہاں پہنچتے ہی فوراً نماز پوری پڑھنی چاہیے، اور 'الف'

---

(۱) کیوں کہ اس نے ایک جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ نہیں کیا، ہر دن احمد آباد کے علاقہ میں الگ جگہ قیام کرتا ہے، اس لیے وہ مقیم نہیں مسافر ہے اور مسافر پر قصر واجب ہے۔

أو ينوي إلخ إقامةَ نصفِ شهرٍ حقيقةً أو حكمًا إلخ بموضعٍ واحدٍ صالحٍ لها من مصرٍ أو قريةٍ إلخ فيقصر إن نوى الإقامة في أقلّ منه أي من نصف شهر أو نوىٰ فيه لكن في غير صالحٍ كبحرٍ أو جزيرةٍ أو نوىٰ فيه لكن بموضعين مستقلّين إلخ أو دخل بلدةً ولم ينوها أي مدّةَ الإقامة بل تَرَقَّبَ السّفرَ غدًا أو بعدَهُ ولو بقي علىٰ ذلك سنين. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۵۲۸-۵۳۰، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر) محمد امین پالن پوری

شہر میں اگر وہ بہ وجہ ملازمت رہتا ہے تو وہ وطن اقامت ہے، اگر وہاں پندرہ دن یا زیادہ کے قیام کی نیت ہو تو نماز پوری پڑھے ورنہ قصر کرے۔ حاصل یہ ہے کہ وطن اصلی میں نماز پوری پڑھنی چاہیے، اگر چہ ایک دو روز کو وہاں آوے، اور وطن اقامت میں اگر پندرہ دن کی نیت قیام کی ہو تو پوری نماز پڑھنی چاہیے ورنہ قصر کرے، اور وطن اصلی وہ ہے جہاں اس کی پیدائش ہے، اور والدین رہتے ہیں، اور نکاح ہوا ہے غرض جس جگہ کا وہ اصلی رہنے والا ہے، وہ وطن اصلی ہے جب تک اس کو چھوڑ کر دوسرا وطن نہ بنالے وہی وطن اصلی رہے گا[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۷۹-۴۸۰)

مسافر امام نے بھول کر چار رکعت پڑھا دیں تو مقیم مقتدیوں کی نماز صحیح نہ ہوگی

سوال: (۲۱۷۶) ایک امام مسافر نے بھول کر بجائے دو رکعت چار رکعت پڑھائی، اور مقتدی کل مقیم ہیں، اور جو لوگ پچھلی دو رکعت میں شامل ہوئے ہیں تو امام اور مقتدیوں کی نماز صحیح ہوئی یا نہ؟ (۴۹۱/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: امام مسافر کی نماز تو اس صورت میں ہو جاتی ہے مگر سجدۂ سہو اس پر لازم ہوتا ہے، اور باقی مقتدیوں کی نماز صحیح نہیں ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۵۶)

سوال: (۲۱۷۷) مسافر امام نے سہواً پوری نماز پڑھ لی تو مقتدیوں کی نماز صحیح ہوئی ہے یا نہیں؟ (۵۱۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) الوطنُ الأصليُّ هو موطنُ ولادتِهِ أو تأهّلِهِ أو توطّنِهِ يَبطل بمثلهِ إذا لم يبق لهُ بالأوّل أهلٌ فلو بقي لم يبطل إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۳۵-۵۳۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر) ظفیر

(۲) ولو نوى الإقامةَ لا لتحقيقِها بل لِيُتمَّ صلاةَ المقيمينَ لم يَصِرْ مُقيمًا (الدّرّ المختار) فلو أتمَّ المقيمونَ صلاتَهم معهُ فسدت لأنّه اقتداءُ المفترض بالمتنفّل ؛ ظهيرية، أي إذا قصدوا متابعتَهُ أمّا لو نووا مفارقتَهُ و وافقوه صورةً فلا فساد.

(الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۳۳-۵۳۴، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر) ظفیر

الجواب: مقتدیوں کی نماز فاسد ہوئی (الشّامي: ۱/۳۹۱) لو اقتدیٰ مقیمونَ بمسافرٍ وأتمَّ بهم بلا نيّةِ إقامةٍ و تابعوه ؛ فسدت صلاتهم لكونه متنفّلاً في الأُخريينِ [1] فقط (۴/۴۸۸-۴۸۹)

سوال: (۲۱۷۸) ایک مسافر قصر پڑھنے والا نماز عشاء کا امام ہوا، اور بجائے قصر کے پوری چار رکعت نماز پڑھی؛ وہ نماز امام و مقتدیوں کی ہوگئی یا نہیں؟ (۶۱۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: امام اگر دو رکعت پر بیٹھ گیا ہے تو اس کی نماز ہوگئی اور مقتدیوں نے اگر اس کے ساتھ ساتھ نماز پوری کی تو ان کی نماز نہیں ہوئی۔ کما في الشّامي: فلو أتمَّ المقيمونَ صلاتَهم معهُ فسدت لأنّه اقتداءُ المفترض بالمتنفّل ؛ ظهيرية، أي إذا قصدوا متابعتَهُ إلخ [2] فقط (۴/۴۸۱)

مسافر امام نے بالقصد اتمام کیا تو مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی

سوال: (۲۱۷۹) امام مسافر نے بالقصد چار رکعت ظہر پڑھی، اور جانتا ہے کہ قصر کرنا چاہیے تو مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں؟ مقتدی کو بعد ختم نماز علم ہوا کہ قصداً چار پڑھی تو مقتدی کیا کرے اور امام کا کیا حکم ہے؟ دونوں حنفی ہیں۔ بینوا توجروا (۱۰۵۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی اور امام کا فرض ادا ہوگیا اگر قاعدۂ درمیانی کرلیا تھا، مگر تاخیر واجب کی وجہ سے بہ صورت نہ کرنے سجدۂ سہو کے اعادہ واجب ہے [3] فقط (۴/۴۵۱)

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۲۸۲، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، قبيل مطلب في الألثغ .

(۲) ردّ المحتار: ۲/۵۳۴، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر.

(۳) فلو أتمّ مسافرٌ إن قعد في القعدةِ الأولىٰ تمّ فرضُهُ ولكنّهُ أساءَ إلخ ، وما زاد نفلٌ كمصلّي الفجر أربعًا وإن لم يقعُد بطلَ فرضُهُ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۳۱-۵۳۲، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر)

مقتدی جو مقیم ہوں ان کی نماز اس لیے نہیں ہوئی کہ مفترض کی نماز متنفّل کے پیچھے درست نہیں، اور صورتِ مسئولہ میں امام کی بقیہ دو رکعتیں نفل ہوئی۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

مسافر نے بھول کر چار رکعت پڑھ لی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۱۸۰) مسافر دوسری رکعت پر بیٹھ کر کھڑا ہوا، اور چاروں رکعتیں پوری کرلیں تو اس کی نماز ہوگئی یا نہیں؟ اور وہ گنہ گار ہوا یا نہیں؟ (۸۴۰/ ۲۹-۱۳۴۰ھ) (۱)

الجواب: مسافر نے اگر قاعدہ درمیانی کرلیا، اور لاعلمی سے نماز پوری پڑھی نماز ہوگئی، اور گناہ بھی نہیں ہوا، قصداً اگر ایسا کرے تو گنہ گار ہے؛ نماز ہوگئی، اور اگر امام مقیم کا ہوا تو مقیم کی نماز نہ ہوگی، اس کو اطلاع کردینا لازم ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۹۴-۴۹۵)

مقیم مقتدیوں نے تیسری رکعت میں مسافر امام کی پیروی کی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۱۸۱) مسافر امامت کرد، بعد از قعدۂ اولیٰ کہ درحق او مفروض است برخواست و رکعت ثالث بہ سجدہ مقید کرد، نماز جماعت مقیمین فاسد گردد یا نہ؟ و در ردّ المحتار باب المسافر تحت قولہٖ: لم یصر مقیمًا تحریری کند: فلو أتمَّ المقیمونَ صلاتَهم معهُ فسدت لأنّه اقتداءُ المفترض بالمتنفّل ؛ ظهیریة ، أي إذا قصدوا متابعتَهُ أمّا لو نووا مفارقتَهُ و وافقوه صورةً فلا فساد، أفاده الخیر الرّملي (۳) وأیضًا قال صاحب ردّ المحتار في منحة الخالق حاشیة بحر الرّائق باب المسافر: قال الرّمْلي: یجب تقییدُهُ بما إذا لم ینوُوا مفارقتَهُ أمّا إذا نووا مفارقتَهُ لا تفسد صلاتُهم ، وإن وافقوه في الإتمام صورةً إذ لا مانعَ من صحّةِ مفارقتِهٖ بعد

---

(۱) اس سوال کی عبارت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ نے رجسٹر نقول فتاوی سے تغییر یسیر کے ساتھ نقل کی ہے۔ ۱۲

(۲) فلو أتمّ مسافرٌ إن قعد في القعدةِ الأولٰی تمّ فرضُهُ و لکنّهُ أساءَ لو عامدًا إلخ ، وما زاد نفلٌ کمصلّي الفجر أربعًا وإن لم یقعُد بطلَ فرضُهُ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۵۳۱-۵۳۲، کتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر)

لا یصحّ الاقتداءُ ـــــ إلٰی قولهٖ ـــــ ولا متفرضٍ بمتنفّلٍ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۲۷۷-۲۷۹، کتاب الصّلاة ، باب الإمامة)

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۵۳۳-۵۳۴، کتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر .

إتمامِ فرضِہٖ إلخ (۱) (البحر الرّائق: ۱۴۶/۲) دریں صورت چہ حکم است؟ فقط (۹۳۹/۱۳۳۵ھ)

ترجمہ سوال: (۲۱۸۱) مسافر نے امامت کی، قعدۂ اولیٰ کے بعد جو اس کے حق میں فرض ہے، کھڑا ہوگیا اور تیسری رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کرلیا تو مقیم مقتدیوں کی نماز فاسد ہوجائے گی یا نہ؟ اور ردّالمحتار باب المسافر میں ماتن کے قول: لم یصر مقیمًا کے تحت تحریر فرماتے ہیں: اگر مقیم مقتدیوں نے مسافر امام کے ساتھ اپنی نماز پوری کی تو ان کی نماز فاسد ہوجائے گی، اس لیے کہ یہ مفترض کی متنفل کے پیچھے اقتدا ہے (ظہیریہ) یعنی مقیم مقتدیوں کی نماز اس وقت فاسد ہوگی جب انہوں نے مسافر امام کی متابعت کا قصد کیا ہو، اور اگر انہوں نے مسافر امام کی مفارقت کی نیت کی اور صورۃً اس کی موافقت کی تو مقیم مقتدیوں کی نماز فاسد نہیں ہوگی، یہ وضاحت الخیر الرملی نے کی ہے۔

نیز صاحبِ ردّالمحتار نے البحر الرائق کے حاشیہ منحۃ الخالق میں باب المسافر میں فرمایا ہے کہ رملی نے کہا ہے کہ مقیم مقتدیوں کی نماز کے فساد کو اس کے ساتھ مقید کرنا ضروری ہے، کہ انہوں نے مسافر امام کی مفارقت کی نیت نہ کی ہو، اور اگر انہوں نے مفارقت کی نیت کی ہو تو ان کی نماز فاسد نہیں ہوگی اگرچہ انہوں نے اتمام میں صورۃً موافقت کی ہو، اس لیے کہ امام کے فرض مکمل ہونے کے بعد مفارقت کی نیت کرنا صحیح ہے۔ اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: یہ مسئلہ ایسا ہی ہے جیسا ردالمحتار اور بحرالرائق میں منقول ہے، تقیید مذکور ضروری ہے۔ فقط (یعنی پیروی کی نیت سے اگر مقیم پوری کرے گا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ ظفیر)

(۴۵۹/۴-۴۶۰)

مسبوق مسافر؛ مقیم امام کی اقتداء میں چار رکعت پوری پڑھے

سوال: (۲۱۸۲) امام مقیم ہے، جب امام نے ظہر یا عشاء کی دو رکعت پڑھ لی، تب مسافر تیسری رکعت میں شامل ہوا، دو رکعت امام کے ہمراہ اخیر کی پڑھ کر مسافر ہمراہ امام کے سلام پھیر دے یا اور دو رکعت بھی پڑھ کر سلام پھیرے؟ (۱۱۲۸/۱۳۳۸ھ)

---

(۱) منحة الخالق علی البحر الرّائق: ۲۳۸/۲، کتاب الصّلاة، باب المسافر.

الجواب: دو رکعت اور پڑھے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۵۵)

مقیم نے مسافر امام کی ایک رکعت کے بعد اقتداء کی تو کس طرح نماز پوری کرے؟

سوال: (۲۱۸۳) مقیم نے امام مسافر کی اقتداء اس قت کی کہ امام مسافر ایک رکعت پڑھا چکا تھا تو اب بعد سلام امام مسافر کے مقیم کو کس طرح نماز پڑھنی چاہیے؟ (۶۹۴/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اوّل دو رکعت خالی پڑھے اور تیسری رکعت میں قراءت پڑھے[2] فقط (۴/۴۸۹)

مسافر مقتدی مقیم امام کے پیچھے چار رکعت کی نیت کرے

سوال: (۲۱۸۴) مسافر کو مقیم امام کے پیچھے نماز ظہر میں چار رکعت کی نیت کرنا چاہیے یا دو رکعت کی، اور جب کہ نماز ظہر میں مقیم کا دو رکعت کے بعد قعدہ کرنا واجب ہے، اور مسافر کا فرض ہے تو کس دلیل سے مسافر کی نماز مقیم کے پیچھے ہو جاتی ہے؟ (۲۵۴۲/۱۳۳۹ھ)

الجواب: چار رکعت کی نیت کرنی چاہیے، کیونکہ مسافر پر بھی بہ اقتداء مقیم چار رکعت فرض ہو جاتی ہے، اور قعدۂ اولیٰ (اس پر) فرض نہیں رہتا[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۶۰)

سوال: (۲۱۸۵) امام مقیم ہے، مسافر دو رکعت کے نیت کرے یا چار کی؟ (۱۱۲۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: چار کی[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۵۵)

---

(۱) وإن اقتدیٰ مسافرٌ بمقیمٍ أتمَّ أربعًا. (الفتاوی الهندیّة: ۱/۱۴۲، کتاب الصّلاة ، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر) ظفیر

(۲) ولو اقتدی المقیم بالمسافر صحّ —— إلی قوله —— فإذا صلّی المسافرُ رکعتین یُسلّم ویقوم المقیم فیتمّ صلاتَه بغیر قراءةٍ في الأصحّ إلخ ، بخلاف المسبوق إلخ. (غنیة المستملي: ص:۴۶۷، فصل في صلاة المسافر) ظفیر

(۳) وإن اقتدی المسافرُ بالمقیم في الوقت أتمّ أربعًا لأنّهٗ یتغیّر فرضُه إلی أربع للتّبعیّة . (الهدایة: ۱/۱۶۶، کتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر) ظفیر

سوال: (۲۱۸۶) امام مقیم ہے، مقتدی مسافر؛ کیا مقتدی چوگانہ نیت کرے یا دوگانہ؟
(۱۳۳۸/۳۰۰ھ)

الجواب: مسافر کو اقتداء مقیم کی جائز ہے، اور مقتدی مسافر امام مقیم کی اتباع کی وجہ سے چار رکعت پڑھے گا، اور چار ہی رکعت کی نیت کرے گا۔ درمختار میں ہے: وأمّا اقتداءُ المسافر بالمقيمِ فيصحّ في الوقت ويُتمّ إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۷۹)

مقیم مقتدی مسافر امام کے پیچھے چار رکعت کی نیت کرے

سوال: (۲۱۸۷) مقیم کو مسافر امام کے پیچھے مثلاً نماز عصر میں چار رکعت کی نیت کرنی چاہیے یا دو رکعت کی؟ (۱۳۳۴-۳۳/۶۷۰ھ)

الجواب: چار رکعت کی نیت کرنی چاہیے، دو رکعت اپنے امام کے ساتھ اور دو بعد میں پڑھے گا[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۸۲)

مقیم مقتدی، مسافر امام کے پیچھے نماز کس طرح پوری کرے؟

سوال: (۲۱۸۸) مسافر امام کے پیچھے اگر مقتدی مقیم نماز پڑھ رہا ہے تو جب امام نے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرا تو یہ چاروں پوری کرے گا؛ اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ دو بعد کی رکعتوں میں فاتحہ پڑھے یا نہیں؟ (۱۳۳۴-۳۳/۲۰۷۶ھ)

الجواب: بعد کی دو رکعت میں کچھ نہ پڑھے، بلکہ خاموش کھڑا ہو کر رکوع کردے[2] فقط (۴/۴۸۸)

سوال: (۲۱۸۹) امام مسافر اور مقتدی مقیم ہیں، اور چار رکعت کی نماز ہے، جب امام دو رکعت

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۳۴/۲، کتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر.

(۲) وصحّ اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت و بعدهٗ فإذا قام المقيمُ إلى الإتمام لا يقرأ ولا يسجد للسّهو في الأصحّ لأنّهٗ كاللّاحق والقعدتان فرضٌ عليه وقيل: لا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۳۳/۲، کتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر) ظفیر

پوری کر چکا تو سلام پھیر دیا، اب مقتدی الحمد پڑھیں یا ساکت کھڑے ہوکر رکوع کریں؟
(۱۳۳۵/۲۸۵ھ)

الجواب: جب امام مسافر ہے تو مقتدی بقیہ نماز کو بغیر قراءت وفاتحہ پڑھے۔ وصحّ اقتداءُ المقیم بالمسافر في الوقت وبعدَهُ فإذا قام المقیمُ إلی الإتمام لایقرأ [۱] کذا في الشّامي.
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۵۸)

مسافر امام کے سلام کے بعد مقتدی سے باقی ماندہ دو رکعتوں میں سہو ہوجاوے تو سجدۂ سہو نہیں کرنا چاہیے

سوال: (۲۱۹۰) ایک مسافر آیا اس نے امام ہوکر قصر نماز پڑھائی، اب مقتدیوں کی جو دو رکعت باقی ہیں، اس میں الحمد پڑھے یا نہ؟ اگر ان دو رکعت باقی ماندہ میں سہو ہوجاوے تو سجدۂ سہو کرنا چاہیے یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۱۷۴۱ھ)

الجواب: مقتدی جو مقیم ہیں وہ اپنی باقی دو رکعتوں میں الحمد وغیرہ کچھ نہ پڑھیں، بقدر الحمد کے خاموش کھڑے ہوکر رکوع کریں، اور اگر ان دو رکعتوں میں سہو ہو تو سجدۂ سہو نہ کریں: کما في الدّرّ المختار: وحکمهٗ کمؤتمّ فلایأتي بقراءةٍ ولا سهوٍ إلخ [۲] (اضافہ از رجسٹر نقول فتاوی)

مرد کے لیے محض تزوُّج کی وجہ سے اس کا سسرال وطن اصلی نہیں بنتا اور عورت کے لیے رخصتی کے بعد اس کا میکہ وطن اصلی باقی نہیں رہتا

وضاحت: اس عنوان کے تحت مذکور نو (۹) فتاوی میں دو مسئلے زیر بحث ہیں؛ پہلا مسئلہ: توطُّن بہ تزوُّج کا کیا مطلب ہے؟ دوسرا مسئلہ: شوہر کے گھر رخصت ہوجانے کے بعد عورت کا میکہ

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۳۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر.
(۲) الدّر المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۹۸، کتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب: فیما لو أتیٰ بالرّکوع والسّجود أو بهما مع الإمام أو قبله أو بعده)

وطن اصلی باقی رہتا ہے یا نہیں؟

چنانچہ شروع کے چار سوالات کے جوابات میں صراحت ہے کہ محض تزوُّج سے سسرال شوہر کے لیے وطن اصلی نہیں ہوتا، سسرال شوہر کے لیے وطن اصلی صرف اس صورت میں ہوتا ہے جب شوہر کا سسرال میں رہنے کا ارادہ ہو، یا اس کی زوجہ وہاں رہتی ہو ـــــ نیز عورت کے لیے شوہر کے گھر رخصت ہو جانے کے بعد اس کا میکہ بھی وطن اصلی باقی نہیں رہتا۔

اور آخری پانچ سوالات کے جوابات میں ہے کہ محض تزوُّج سے شوہر کے لیے سسرال وطن اصلی ہو جاتا ہے، چاہے اس کا سسرال میں رہنے کا ارادہ ہو یا نہ ہو، نیز چاہے اس کی بیوی وہاں رہتی ہو یا اُسے دوسری جگہ منتقل کر لیا ہو، اسی طرح عورت کے شوہر کے گھر رخصت ہو جانے کے بعد بھی اس کا میکہ اس کا وطن اصلی باقی رہتا ہے۔

ان مختلف فتاوی میں پہلے چار فتاوی صحیح ہیں، اور آخری پانچ فتاوی میں شرح منیہ کی جس عبارت سے استدلال کیا گیا ہے وہ استدلال واضح اور موافق قواعد نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (ضمیمہ فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۱۵-۱۶) محمد امین

سوال: (۲۱۹۱) کسے از وطن اصلی خود بہ نیت نکاح بجائے دور بہ مسافت قصر رفتہ، زنے را نکاح کردہ در وطن اصلی خود بیاورد، وآن زن بعد نکاح بہ مکان شوہر خود قریب از بست سال بطور {مستقل}[1] می ماند، مگر خانہ پدرش درانجا موجود است، دریں حالت اگر زوجش گاہ بہ گاہ بہ نیت سفر بہ خانہ آن خسر یا در اطراف آں بروند؛ آیا زوج نماز قصر خواند یا تمام کند، وخانۂ خسر برائے او وطن اصلی است یا نہ؟ (۴۲۸/ ۱۳۴۲ھ)

الجواب: ہرگاہ آنکس بہ بلد دیگر نکاح کردہ، زوجۂ خود را بہ وطن اصلی خود آورد، وخود بہ موضع تاہل وتزوج یعنی مسکن زوجۂ خود اقامت نکرد، ومستقر نہ شد، ونہ زوجۂ خود درانجا گزاشت آن بلد وطن او نہ شدہ است، پس بہ مجرد دخول دراں بلد مقیم نخواہد شد، واتمام نماز لازم نخواہد شد، بلکہ قصر بکند **کذا یظهر من کتب الفقه**، وفقہاء کہ موضع تزوج را وطن فرمودہ اند، مراد آنست کہ زوجۂ او درانجا مقیم باشد، وہرگاہ زوجۂ اش آنجا مقیم نیست وخود نیز درانجا سکونت نہ کردہ، بلکہ زوجۂ خود را بہ وطن خود بیاورد،

(۱) مطبوعہ فتاوی میں {مستقل} کی جگہ ''مستند'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔ ۱۲

پس محض اقامت خسر و وجود خانۂ آں خسر درانجا مفید ایں امر نخواہد شد کہ آں بلد را وطن شوہر گفتہ شود ولو كان لهٗ أهلٌ ببلدتين فأيّتهما دخلها صار مقيمًا، فإن ماتتْ زوجتُهٗ في إحداهما وبقي لهٗ فيها دورٌ وعقارٌ قيل : لا يبقىٰ وطنًا لهٗ إذ المعتبر الأهلُ دون الدّارإلخ (۱) ونیز درجائیکہ اشتباہ باشد کہ قصر کند یا نہ کند، آنجا اتمام نماز احوط است۔ قال في الشّامي في موقع الاشتباه: لأنّهٗ اجتمع في هٰذه الصّلاة ما يوجب الأربعَ وما يمنع فرجّحنا ما يوجب الأربعَ احتياطًا (۲) وظاہر است کہ بہ صورت اختلاف احتیاط در اتمام نماز است نہ در قصر۔ فقط واللہ اعلم (۴/ ۴۶۶-۴۶۷)

ترجمہ سوال: (۲۱۹۱) ایک شخص بہ نیت نکاح اپنے وطن اصلی سے مسافت قصر کے بہ قدر دور جگہ پر جا کر ایک عورت کو نکاح کر کے اپنے وطن اصلی میں لے آیا، اور وہ عورت نکاح کے بعد اپنے شوہر کے گھر میں قریب بیس سال سے مستقل طور پر رہ رہی ہے، مگر اس کے والد کا گھر اس جگہ موجود ہے، اس صورت میں اگر اس کا شوہر کبھی کبھی اس سسر کے گھر یا اس کے اطراف میں سفر کی نیت سے جائے تو کیا شوہر نماز قصر پڑھے گا یا اتمام کرے گا؟ اور سسر کا گھر اس کے واسطے وطن اصلی ہے یا نہ؟

الجواب: جب کوئی شخص دوسرے شہر میں نکاح کر کے اپنی بیوی کو اپنے وطن اصلی لے آیا، اور خود موضع تاہل وتزوج، یعنی اپنی بیوی کے گھر میں اقامت نہ کرے اور رہائش پذیر نہ ہو، اور نہ ہی اپنی بیوی کو وہاں چھوڑے تو وہ شہر اس کا وطن نہیں ہوا ہے، پس اس شہر میں محض داخل ہونے سے مقیم نہیں ہوگا، اور نماز کا اتمام لازم نہیں ہوگا؛ بلکہ قصر کرے گا، كذا يظهر من كتب الفقه اور فقہاء نے جو موضع تزوج کو وطن فرمایا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بیوی وہاں مقیم ہو، اور جب اس کی بیوی اس جگہ مقیم نہیں ہے، اور اس نے خود بھی اس جگہ سکونت اختیار نہیں کی ہے؛ اپنی بیوی کو اپنے وطن لے آیا ہے تو محض خسر کے وہاں قیام کرنے یا اس خسر کے گھر کے وہاں ہونے سے یہ بات مفید نہیں ہوگی کہ اس شہر کو شوہر کا وطن کہا جائے۔ شامی میں ہے: ولو كان لهٗ أهلٌ إلخ ، اور نیز جس جگہ شبہ ہو کہ قصر کرے یا نہ کرے تو وہاں نماز کا اتمام احوط ہے، جیسا کہ موقع اشتباہ کے تعلق سے شامی میں

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/ ۵۳۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر ، مطلب في الوطن الأصليّ و وطن الإقامة .

(۲) ردّ المحتار: ۲/ ۵۲۴، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر ، تحت قوله: (قاصدًا) .

مذکور ہے: لأنہٗ اجتمع في هٰذه الصّلاة إلخ ، اور ظاہر ہے کہ اختلاف کی صورت میں احتیاط نماز کے اتمام میں ہے، نہ کہ قصر میں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: (۲۱۹۲)......(الف) زید کا نکاح سہارن پور ہوا، جو اس کے وطن سے ۱۰۰ میل ہے، زید منکوحہ کو وطن لے آیا، اگر زید ایسی صورت میں سہارنپور جائے کہ اس کی منکوحہ سہارن پور نہ ہو تو زید مقیم ہوگا یا مسافر؟

(ب) اگر زید کی منکوحہ فوت ہو جاوے تو وہ سہارن پور جا کر مقیم ہوگا یا مسافر؟

(ج) زید ساکن الہ آباد اور ہندہ ساکنہ سہارن پور دونوں سفر کرتے ہوئے مراد آباد پہنچے، وہاں دونوں کا نکاح ہوگیا تو زید مراد آباد میں مقیم ہوگا یا مسافر؟ (۱۷۳۸/۱۳۴۲ھ)

الجواب: (الف ۔ ج) درمختار میں ہے: ولو كان لهٗ أهلٌ ببلدتين فأيّتهما دخلها صار مقيمًا ، فإن ماتتْ زوجتُهٗ في إحداهما وبقي لهٗ فيها دورٌ وعقارٌ قيل : لا يبقٰى وطنًا لهٗ إذ المعتبر الأهلُ دون الدّار كما لو تأهّل ببلدٍ واستقرت سكنًا لهٗ وليس لهٗ فيها دارٌ وقيل: تبقٰى إلخ [۱] اس سے دوسری صورت یعنی (ب) کا جواب تو واضح ہوگیا کہ زوجہ کے مرجانے کے بعد سہارن پور اس کا وطن اصلی نہ رہے گا، خصوصًا جب کہ وہاں اس کا گھر اور زمین بھی نہیں ہے، کیونکہ اختلاف جو کچھ ہے وہ بہ صورت دار وعقار باقی رہنے کے ہے، اور اس میں اتمام احوط ہے، اور پہلی صورت (الف) میں بھی جب کہ اس کی زوجہ وہاں نہیں ہے تو بہ ظاہر وہاں جا کر مقیم نہ ہوگا، اور تیسری صورت (ج) میں بھی مراد آباد ان کا وطن نہ ہوگا، اس میں تو کچھ شبہ نہیں ہے صرف شبہ روایت شرح منیہ [۲] کے موافق پہلی صورت میں ہے، لیکن فقہاء نے یہ قاعدہ بھی لکھ دیا ہے کہ جہاں شبہ ہو وہاں پوری نماز پڑھے کہ اس میں احتیاط ہے جیسا کہ شامی میں موقع شبہ میں لکھا ہے: لأنہٗ اجتمع في هٰذه الصّلاة ما يوجب الأربعَ وما يمنع فرجّحنا ما يوجب الأربعَ احتياطًا إلخ [۳] (شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۷۰-۴۷۱)

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۵۳۶، باب صلاة المسافر ، مطلب في الوطن الأصليّ و وطن الإقامة .

(۲) شرح منیہ کی روایت یہ ہے: ولو تزوّج المسافر ببلدٍ و لم ينو الإقامة بهٖ ، فقيل: لا يصير مقيْمًا، وقيل: يصيْر مقيمًا وهو الأوجه. (غنية المستملي، ص: ۴۶۸، فصل في صلاة المسافر)

(۳) ردّ المحتار: ۲/۵۲۴، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر ، تحت قولهٖ: (قاصدًا) .

سوال: (۲۱۹۳) درمختار میں وطن اصلی میں اس جگہ کو بھی لکھا ہے، أو تأهّله یعنی نکاح کرنے کی جگہ تو کیا مطلقاً وہ جگہ جہاں نکاح ہوا ہے وطن اصلی ہے یا اس کا کچھ اور مطلب ہے اور اس کی کیا تفصیل ہے؟ (۳۵/۷-۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: وطن اصلی کے معنی یہ لکھتے ہیں کہ وطنِ قرار ہو، یعنی وہاں رہنا مقصود ہو، پس موضع تأ ہل یعنی تزوُّج، وطن اصلی اسی وقت ہوتا ہے کہ وہاں رہنا مقصود ہو، اور اس کی زوجہ وہاں رہتی ہو، یہ مطلب نہیں کہ اگر کسی جگہ سے نکاح کر کے عورت کو لے آیا تو پھر بھی وہ موضع نکاح وطن ہوجاوے، حاصل یہ ہے کہ جس جگہ اس کی زوجہ رہتی ہے اور اس کو وہاں رہنا مقصود ہے تو وہ بھی وطن اصلی ہے، اگر دو زوجہ دو شہروں میں رہتی ہیں تو دونوں وطن اصلی ہیں۔ ولو كان لهٗ أهلٌ ببلدتين فأيّتهما دخلها صار مقيمًا [۱] (الشّامي) اس عبارت سے واضح ہے کہ زوجہ کا وہاں ہونا اور رہنا معتبر ہے، محض نکاح کر کے کہیں سے لے آنا یہ سبب وطن بننے کا نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم (۴/۴۸۲-۴۸۳)

سوال: (۲۱۹۴) عورت کا وطن اصلی اس کی سسرال ہے یا والدین کا گھر؟ وطنِ ولادت سے کیا مراد ہے؟ مطلقاً یا وہ جگہ جس کو عرف میں وطن کہتے ہیں، اگر کوئی شخص کسی جگہ ملازم ہو اور اس کا وطن وہاں سے سفر شرعی کی مسافت پر ہو تو اگر یہ شخص ملازمت کی جگہ سے دس بارہ میل کا سفر کرے تو مسافر ہے یا نہیں؟ (۳۵/۷-۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: عورت تابع مرد کے ہے، شوہر اس کا جہاں اس کو رکھے وہی اس کا وطن ہوگا [۲] وطن ولادت وہ ہے جہاں وہ پیدا ہوا اور اس کے والدین وہاں رہتے ہیں، ملازمت کی جگہ جہاں وہ مقیم ہے اور بہ وجہ اقامت کے نماز پوری پڑھتا ہے تو جب تک وہاں سے مسافت شرعیہ کے سفر کے ارادہ سے نہ نکلے گا قصر نہ کرے گا [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۸۲-۴۸۳)

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۵۳۶، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصليّ و وطن الإقامة.

(۲) و المعتبرُ نيّةُ المتبوع لأنّهٗ الأصلُ لا التّابعِ كامرأةٍ وفّاها مهرَها المعجّل. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۳۷-۵۳۸، كتاب الصّلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي و وطن الإقامة) ظفیر

(۳) ويبطل وطنُ الإقامة بمثله و بالوطن الأصليّ وبإنشاء السّفر إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّالمحتار: ۲/۵۳۶، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصليّ و وطن الإقامة) ظفیر

سوال: (۲۱۹۵) مثلاً زید ساکن دیوبند کا نکاح الٰہ آباد ہوا تو اب محض نکاح ہو جانے سے الٰہ آباد زید کا وطن اصلی ہو جائے گا یا وہاں سکونت اختیار کرنا بھی شرط ہے، صاحب مراقی الفلاح و درمختار وغیرہ محض تزوّج کو لکھتے ہیں اور کبیری وغیرہ میں سکونت کی قید لگائی ہے؛ فتوی کس قول پر ہے؟ (۱۷۷۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: شامی نے قول درمختار أو تأهّله کے تحت میں شرح منیہ سے نقل فرمایا ہے: **ولو تزوّج المسافرُ ببلدٍ ولم ينو الإقامةَ به، فقيل: لا يصير مقيمًا، وقيل: يصير مقيمًا وهو الأوجه إلخ** [1] اس سے معلوم ہوا کہ محض تزوّج سے وہاں مقیم ہو جاتا ہے، یہی اصح واوجہ ہے، یعنی وہاں جا کر نماز پوری پڑھنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۵۸-۴۵۹)

سوال: (۲۱۹۶) بعد نکاح جب عورت اپنے شوہر کے یہاں چلی جاوے، اگر پھر والدین کے یہاں آوے اور ۱۵ یوم سے کم قیام کا ارادہ ہو تو قصر کرے یا اتمام؟ (۱۷۷۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: پوری نماز پڑھے کہ وہ بھی اس کا وطن اصلی ہے [2] فقط (۴/۴۵۸-۴۵۹)

سوال: (۲۱۹۷) اگر زید مذکور ساکن دیوبند الٰہ آباد جا کر اتمام کرے، اور مقیمین کو پوری نماز پڑھاوے تو اعادہ کی تو ضرورت نہیں؟ (۱۷۷۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اس کا حکم اوپر نمبر (۱) کے جواب سے معلوم ہو گیا کہ اس کو پوری نماز پڑھنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۵۸-۴۵۹)

سوال: (۲۱۹۸) [زید کے مکان اور] [3] سسرال میں دس کوس کا فاصلہ ہے تو زید کو سسرال پہنچ کر پوری نماز پڑھنا چاہیے یا قصر کرنا چاہیے؟ (۵۱۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: سسرال میں پہنچنے پر پوری نماز پڑھے۔ کما في الشّامي: **قوله: (أو تأهّلهٖ) أي تزوّجهٖ، قال في شرح المنية: ولو تزوّج المسافرُ ببلدٍ ولم ينو الإقامةَ بهٖ، فقيل: لا يصير**

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۵۳۶، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصليّ و وطن الإقامة.
(۲) الوطن الأصليّ هو موطن ولادتهٖ أو تأهّله أو توطّنهٖ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۳۵-۵۳۶، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي إلخ) ظفير
(۳) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

مقيمًا، وقيل: يصير مقيمًا وهو الأوجه إلخ [1] (دس کوس مسافتِ قصر نہیں ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں قصر کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ظفیر) (۴۸۸/۴-۴۸۹)

سوال: (۲۱۹۹) زید اگر اپنی سسرال میں جاوے جو تین منزل پر ہے قصر کرے گا یا نہ؟ یعنی پندرہ روز سے کم کے ارادہ سے جاوے، اسی طرح اگر ہندہ اپنی سسرال میں بہ ارادہ کم از پندرہ یوم جاوے جو تین منزل پر ہے تو قصر کرے گی یا نہیں؟ (۲۴۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قال في الدّرّ المختار: الوطن الأصليّ هو موطن ولادته أو تأهّله أو توطّنه إلخ ، قوله: (أو تأهّله) أي تزوّجه ، قال في شرح المنية: ولو تزوّج المسافرُ بلدٍ ولم ينو الإقامةَ بـه ؛ فقيل: لا يصير مقيمًا، وقيل: يصير مقيمًا وهو الأوجه إلخ [1] (الشّامي) اس سے معلوم ہوا کہ زید اور ہندہ صورتِ مذکورہ میں نماز پوری پڑھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۹۳/۴)

سفر سے واپسی پر بستی سے علیحدہ بازار میں قیام کرنے والا قصر کرے گا

سوال: (۲۲۰۰) ایک شخص مسافرت سے وطن مالوف میں آیا، اپنے مسکن سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر بازار میں درزی کا کام کرتا ہے، اور کبھی کبھی دو چار رات بھی وہاں پر رہتا ہے، وہ شخص نماز قصر کرے یا پوری پڑھے؟ (۷/۲۵-۱۳۴۲ھ)

الجواب: جس بستی اور آبادی میں وہ رہتا ہے اسی کے خروج ودخول کا نماز قصر وعدم قصر میں اعتبار ہے، پس جو بازار کہ بستی مذکور سے منفصل ہے جیسا کہ بلاد بنگال میں سنا گیا ہے اس میں دخول وخروج کا اعتبار نہیں ہے، پس شخص مذکور جب تک اپنی بستی میں اور اس کی عمارات میں داخل نہ ہوگا اس وقت تک قصر کرتا رہے گا۔ قال في الشّامي: وأمّا الفناءُ وهو المكانُ المُعَدُّ لمصالحِ البلدِ كركضِ الدّوابِّ ودفن الموتىٰ وإلقاءِ التُّراب فإن اتّصل بالمصرِ اُعتُبِرَ مجاوزتُهٗ ، وإن انفصل بغَلْوَةٍ أو مَزْرَعَةٍ فلا كما يأتي [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۶۸/۴-۴۶۹)

---

(۱) ردّ المحتار: ۵۳۵/۲-۵۳۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر ، مطلب في الوطن الأصليّ و وطن الإقامة .

(۲) ردّ المحتار على الدّرّ المختار : ۵۲۳/۲، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر.

گارڈ اور ڈرائیور مسافر ہیں یا مقیم؟

سوال: (۲۲۰۱) گارڈ لوگ اور ڈرائیور جو سفر کرتے ہیں روزانہ دوسو میل چل کر ۸ گھنٹہ آرام اور قیام کرتے ہیں ؛ اس میں نماز قصر ادا کرے یا اہلِ اخبیہ (خانہ بدوشوں) کی طرح پوری نماز پڑھیں؟ (۱۳۳۸/۱۸۲۵ھ)

الجواب: ظاہر ہے کہ گارڈ وغیرہ جو روزانہ سفر کرتے ہیں وہ قصر کریں گے، اور اہل اخبیہ (خانہ بدوش) بھی اتمام اس وقت کرتے ہیں کہ نیتِ اقامت کریں، اور گارڈ وغیرہ ظاہر ہے کہ نیتِ اقامت پانزدہ (۱۵) روز کی نہیں کرتے [۱] **في الدّرّ المختار: بخلاف أهلِ الأخبيةِ ...... نوَوْها في المفازة ، فإنّها تصحُّ في الأصحِّ إلخ** [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۵۵-۴۵۶)

جو گارڈ 'کالکا' سے 'شملہ' جاتا ہے وہ قصر کرے یا نہیں؟

سوال: (۲۲۰۲) ایک شخص ریلوے گارڈ ہے، ہر روز کالکا سے شملہ گاڑی لے کر جاتا ہے، ۶۰ میل کا فاصلہ ہے تو اس کو نماز پوری پڑھنی چاہیے یا قصر؟ اگر قصر پڑھے تو پہلے سے جو پوری نماز پڑھی گئی وہ ہوئی یا نہیں؟ علاوہ ازیں حالت سفر میں سنتوں کا پڑھنا دشوار ہے، صرف ریل سے اتر کر فرض پڑھ سکتا ہے، ۴ منٹ کی مہلت ہوتی ہے اور انجن میں نماز کی جگہ اور گنجائش نہیں، اور وہ شخص شملہ اور کالکا دونوں جگہ مسافر شمار ہوگا یا کیا؟ (۱۳۴۰/۹۹۰ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز قصر پڑھنی چاہیے [۳] اور اگر پہلے پوری نمازیں پڑھی گئیں اور درمیان کا قعدہ کیا گیا تھا تو وہ نمازیں ہو گئیں، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے [۴] [اور ایسی ضرورت اور

---

(۱) **ولا يزال علىٰ حكم السّفر حتّٰى ينوي الإقامةَ في بلدةٍ أو قريةٍ خمسةَ عشرَ يومًا أو أكثر. (الهداية: ۱/ ۱٦٦، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر)** ظفیر

(۲) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۵۳۱، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر .**

(۳) **ولا يـزال عـلىٰ حكم السّفر حتّٰى ينوي الإقامةَ في بلدةٍ أو قريةٍ خمسةَ عشرَ يومًا أو أكثر وإن نوىٰ أقلّ من ذلك قَصَرَ إلخ. (الهداية: ۱/ ۱٦٦، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر)** ظفیر

(۴) **فإن صلّى أربعًا و قعد في الثّانية قدرَ التّشهّد أجزأته و الأُخْريانِ نافلة** ==

سفر کی حالت میں سنتوں کا پڑھنا ضروری نہیں ہے)[1] اور سنتوں کی قضا بھی نہیں ہے[2] اور کالکا اور شملہ دونوں جگہ وہ مسافر شمار ہوگا۔ فقط (۴/۴۶۲)

وضاحت: یہ حکم اس وقت ہے کہ کالکا اور شملہ میں سے کوئی بھی اس کا وطن اصلی نہ ہو، ورنہ وطن اصلی میں داخل ہوتے ہی مقیم ہو جائے گا؛ خواہ وہاں رکنے کا ارادہ ہو یا نہ ہو، فتاوی ہندیہ میں ہے: **إذا دخل المسافرُ مصرَہٗ أتمّ الصّلاۃَ و إن لم ینو الإقامۃَ** [3] اور شامی میں ہے: **أي بمجرّد الدّخول و إن لم ینو إقامۃً** [4] محمد امین

ریلوے ملازم اور ڈرائیور قصر کریں یا نہیں؟

سوال: (۲۲۰۳) ایک شخص سہارن پور کے ریلوے دفتر میں ملازم ہے، اور ان کا مکان سہارن پور سے ۲۷ میل کے فاصلہ پر ہے، ان کو چوبیس گھنٹہ ریل گاڑی ہی میں رہنا پڑتا ہے، اور انبالہ تک اور اُدھر غازی آباد تک جانا ہوتا ہے؛ اس کو نماز قصر پڑھنی چاہیے یا پوری؟

(۱۳۴۵/۱۱۸۳-۴۴ھ)

الجواب: ایسی حالت میں جب تک اپنے وطن اصلی جانا نہ ہو قصر ہی پڑھتے رہیں[5] فقط (۴/۴۷۵)

== ویصیرُ مُسیئًا لتأخیر السّلام. (الفتاوی الهندیّة: ۱/۱۳۹، کتاب الصّلاۃ، الباب الخامس عشر في صلاۃ المسافر) ظفیر

(۱) قوسین کے درمیان والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

(۲) ولا یقضیها إلاّ بطریقِ التّبعیةِ لقضاء فرضِها قبلَ الزّوال لا بعده إلخ بخلاف سنّةِ الظّهر و کذا الجمعة، فإنّهٗ إن خاف فوتَ رکعةٍ یترکها، و یقتدي ثمّ یأتي بها علی أنّها سنّةٌ في وقتهٖ أي الظّهر (الدّرّ المختار) فلا تقضی بعدَہٗ لا تبعًا و لا مقصودًا إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۴۷-۴۴۹، کتاب الصّلاۃ، باب إدراك الفریضة، مطلب: هل الإساءۃ دون الکراهة أو أفحشُ؟) ظفیر

(۳) الفتاوی الهندیّة: ۱/۱۴۲، کتاب الصّلاۃ، الباب الخامس عشر في صلاۃ المسافر.

(۴) ردّ المحتار: ۲/۵۳۶، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر.

(۵) مَن خَرج من عِمارةِ موضعِ إقامتِهٖ من جانبِ خروجِهٖ إلخ قاصدًا إلخ مسیرةَ ==

سوال: (۲۲۰۴) بندہ ریلوے ملازم ہے، اور ہمیشہ سفر میں رہتا ہے، کسی جگہ دو دن، کسی جگہ چار دن، اور کسی جگہ دو تین ماہ متواتر رہنے کا بھی اتفاق ہوتا ہے، ایسی حالت میں نماز پوری پڑھوں یا قصر؟ (۸۹۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: آپ جیسے سفر کرنے والے کے لیے جب کہ سفر تین منزل کا یا اس سے زیادہ ہو؛ یہ حکم ہے کہ اگر کسی جگہ پندرہ دن کے قیام کا یا اس سے زیادہ قیام کا ارادہ ہو تو پوری نماز پڑھیں ورنہ قصر کرتے رہیں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۸۵-۴۸۶)

سوال: (۲۲۰۵) ایک ڈرائیور جو کہ ریل گاڑی چلاتا ہے، اپنے ہیڈ کوارٹر، مستقر سے روانہ ہو کر سو میل کا کم وبیش دورہ کرتا ہے، اور جب اپنی ڈیوٹی پوری کر لیتا ہے تو دوسرے مستقر پر جا کر کم از کم بارہ گھنٹہ یا چوبیس گھنٹہ آرام کرتا ہے، چند گھنٹے بعد دوسری گاڑی لے کر واپس ہوتا ہے، جب اپنے پہلے مستقر پر پہنچتا ہے تو یہاں بھی اس کو اتنے ہی قیام کا موقع ملتا ہے؛ تو اس کو ہر دو جگہ قصر کرنا چاہیے یا پوری نماز پڑھنی چاہیے؟ (۵۰۴/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس کو دونوں جگہ نماز قصر پڑھنی چاہیے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۷۶)

الٰہ آباد سے بمبئی جانے والا راستہ میں قصر کرے گا خواہ بمبئی میں چار ماہ رہنے کا ارادہ ہو

سوال: (۲۲۰۶) زید الٰہ آباد سے بمبئی کو روانہ ہوا، مگر بمبئی دو چار ماہ رہنا چاہتا ہے، اس صورت میں راستے میں قصر کرے گا یا پوری پڑھے گا؟ (۲/۷۷-۳۳/۱۳۳۴ھ)

الجواب: راستے میں قصر کرے گا (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۸۴)

== ثلاثةِ أيّامٍ و لياليها من أقصرِ أيّام السَّنَةِ إلخ صلّى الفرضَ الرّباعيَّ ركعتين وجوبًا إلخ حتّى يدخل موضعَ مقامهِ إلخ أو ينوي إلخ إقامةَ نصفِ شهرٍ حقيقةً أو حكمًا. (الدّرّ المختار مع ردّالمحتار: ۲/۵۲۳-۵۲۸، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر)ظفیر

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) مَن خَرج من عِمارةِ موضعِ إقامتِهِ من جانبِ خروجِهِ إلخ قاصدًا إلخ مسيرةَ ==

غیر مقلدین کا تین میل پر قصر کرنا اور جس حدیث سے وہ استدلال کرتے ہیں اس کا مطلب

سوال: (۲۲۰۷) عند الفقہاء ۴۸ میل پر دوگانہ مسافر پڑھتا ہے، اور غیر مقلد تین میل پر دوگانہ پڑھتے ہیں ــــــ ثبوت میں حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پیش کرتے ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین میل پر دوگانہ پڑھا ہے، اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ (۱۵۵۲/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: تین منزل کی مسافت جس کے ۴۸ میل ہوتے ہیں کا ارادہ ہو تو شہر سے باہر نکلتے ہی قصر شروع ہو جاتا ہے[1] اور یہی تاویل ہے اس حدیث شریف کی جس میں یہ آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شریف سے باہر تین میل پر قصر کیا یعنی ارادہ آپ کا دور کا تھا مگر تین میل پر مدینہ سے نکل کر وقت نماز کا ہوا تو آپ نے قصر نماز پڑھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۷۷-۴۷۸)

شرعی مسافر جس جگہ جا رہا ہے وہاں پندرہ دن سے زیادہ قیام کا ارادہ ہو تو بھی راستہ میں قصر کرے گا

سوال: (۲۲۰۸) زید اپنے وطن اصلی سے 'ب' شہر کو جو ۶۰ میل سے زائد فاصلے پر ہے جاتا ہے، مگر اس کی نیت بروقتِ روانگی ۱۵ یوم سے زیادہ 'ب' شہر میں قیام کرنے کی ہے، ایسی صورت میں راہ میں اُسے قصر کرنا چاہیے یا نہیں؟ (۶۷۰/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: نماز کو قصر کرنا چاہیے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/ ۴۸۱-۴۸۲)

== ثلاثةِ أيّامٍ ولياليها من أقصرِ أيّام السَّنّةِ إلخ صلّى الفرضَ الرّباعيَّ ركعتين وجوبًا إلخ قوله : (قاصدًا) أشار بهٖ مع قولهٖ خرج إلى أنّهٗ لو خرج و لم يقصد أو قصد و لم يخرج لا يكون مسافرًا.

(الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۵۲۳-۵۲۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر) ظفیر

(۱) مَن خَرج من عِمارةِ موضعِ إقامتِهٖ إلخ قاصدًا إلخ مسيرةَ ثلاثةِ أيّامٍ و لياليها إلخ ولا اعتبار بالفراسخ على المذهب. (حوالہ سابقہ)

جنگل میں ایک ماہ کے ارادہ سے قیام کیا تو بھی قصر ہی کرنا ہوگا

سوال: (۲۲۰۹) مسافر باہر جنگل میں ایک ماہ کامل کے ارادہ سے مقیم ہوا تو قصر کرے یا پوری نماز پڑھے؟ (۴۹۵/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: جنگل میں مقیم نہیں ہوتا (۱) اس لیے اس کو قصر نماز پڑھنی چاہیے۔ فقط (۴۷۴/۴)

دورانِ سفر ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں

سوال: (۲۲۱۰) نماز ظہر و عصر سفر کی حالت میں ملا کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۶۰۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ایک وقت میں دونوں کو پڑھنا جائز نہیں ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۸۰/۴)

سوال: (۲۲۱۱) حالت سفر میں دو نمازوں کا ایک جگہ جمع کر کے جیسا کہ ظہر کی عصر کے ساتھ، عشاء کی مغرب کے ساتھ یک جا پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ (۸۲۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اگر اس طرح جمع کرے کہ ظہر اپنے اخیر وقت میں ہو اور عصر اپنے اول وقت میں تو یہ جمع درست ہے، یہ جمع صورۃً ہے حقیقۃً نہیں؛ یعنی ایسا نہ کرے کہ عصر کو ظہر کے وقت میں ظہر کے

---

(۱) کیوں کہ جنگل یا دریا میں اقامت کی نیت کرنا درست نہیں۔ وصلاحية الموضع حتّٰى لو نوى الإقامة في برٍّ أو بحرٍ أو جزيرةٍ لم يصحّ . (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، كتاب الصّلاة ، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر)

فيقصر إن نوى الإقامة في أقلّ منه أي من نصف شهر أو نوى فيه لكن في غير صالح كبحرٍ أو جزيرةٍ إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (كبحر) قال في المجتبیٰ: والملاحُ مسافر إلاّ عند الحسن وسفينتهٗ أيضًا ليست بوطن إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۲۹، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر)

(۲) ولا جمعَ بين فرضين في وقتٍ بعذرِ سفرٍ ومطرٍ خلافًا للشّافعيّ ، وما رواه محمولٌ على الجمع فعلاً لا وقتًا ، فإن جَمَعَ فَسَدَ لو قدّم الفرضَ علىٰ وقتهٖ ، وحرُم لو عكس أي أخرّهٗ عنه و إن صحّ بطريقِ القضاء. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۱-۴۳، كتاب الصّلاة ، قبيل باب الأذان) ظفير

ساتھ پڑھے، یا ظہر کو قضا کر کے عصر کے وقت میں عصر کے ساتھ پڑھے؛ یہ درست نہیں ہے[۱] فقط (۴/۴۸۴-۴۸۵)

وطن اقامت میں پندرہ دن ٹھہر کر دوسرے شہر کو جائے تو اگلی مسافت کا شمار وطن اقامت سے ہوگا

سوال: (۲۲۱۲) زید 'ب' شہر سے بعد قیام زائد از ۱۵ دن 'ج' شہر کو جائے تو قصر کے لیے فاصلے کا شمار 'ب' شہر سے کیا جائے گا یا زید کے وطن اصلی سے؟ (۶۷۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اس صورت میں فاصلے کا شمار 'ب' شہر سے کیا جاوے گا[۲] فقط واللہ اعلم (۴/۴۸۲)

مغرب اور صبح کی نماز میں قصر نہیں ہے

سوال: (۲۲۱۳) مغرب کے تین فرضوں کا کیا حکم ہے؟ (۸۹۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: مغرب میں قصر نہیں ہے[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۸۵-۴۸۶)

مسافر جمعہ میں امام ہوسکتا ہے

سوال: (۲۲۱۴) مسافر جمعہ میں امام ہوسکتا ہے یا نہ؟ (۲۴/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مسافر امامِ جمعہ ہوسکتا ہے[۴] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴/۴۸۹)

---

(۱) ولا يجوز الجمع عندنا بين الصّلاتين في وقتٍ واحدٍ سوى الظّهر والعصر بعرفة والمغرب والعشاء بمزدلفة. (غنية المستملي، ص:۴۷۰،فصل في صلاة المسافر) ظفیر

(۲) مَن خرج من عمارةِ موضع إقامته إلخ ، قاصدًا ...... مسيرةَ ثلاثةِ أيّام ولياليها إلخ ، صلّى الفرض الرّباعيَّ ركعتين وجوبًا إلخ ، حتّى يدخل موضع مقامه إن سار مدّةَ السّفر إلخ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۵۲۳-۵۲۸، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر)

(۳) صلّى الفرض الرّباعيَّ ركعتين (الدّرّ المختار) واحْتُرِزَ بالفرض عن السّنن والوتر وبالرّباعي عن الفجر والمغرب. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۵۲۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة المسافر) ظفیر

(۴) ويجوز للمسافر والعبد والمريض أن يؤمّ في الجمعة. (الهداية: ۱/۱۶۹، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجمعة) ظفیرؒ